دہشت اور خوف کے افق پر جھلمل کرتی، اپنی نوعیت کی انوکھی اور شاہکار کہانی
بلیک ٹائیگر
تحریر: ایم۔ الیاس

آخر سات دنوں کی بڑی کوشش اور جدوجہد کے بعد جانو حیدر تارا کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کی امید نہیں تھی کہ وہ کامیاب اور کامران ہو جائے گا۔

سات دنوں میں تارا نے جانو حیدر اور اس کے گروہ کے چار آدمیوں کو انگلی کا ناچ نچایا تھا۔ وہ ان کے ہاتھ آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اس نے ان خطرناک اور جرائم پیشہ گروہ کے چاروں بدمعاشوں کو جھکمہ دے دیا تھا... اور بے وقوف بنایا تھا۔ انہیں اندازہ نہ تھا کہ تارا جتنی حسین ہے اس سے کہیں کس قدر ذہین اور ہوشیار ہے کہ کوئی بھی سوچ نہیں سکتا تھا اور نہ ہی انہیں معلوم تھا کہ وہ انہیں بے وقوف بنائے گی... ایک طرح سے الو بنا کر رکھ دے گی۔ وہ کسی صحرائی لومڑی کی طرح ہوشیار اور چالاک ہے۔ کسی بلا سے کم نہیں ہے۔

آج تک کوئی عورت تو کیا مرد ایسا نہیں تھا جسے انہوں نے اغوا کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس میں زیادہ سے زیادہ ایک یا دو گھنٹے لگے ہوں۔ وہ ایسا جال بچھاتے کہ شکار ان سے بچ کر نہ جانے پاتا۔

انہوں نے بھی قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ تارا کو اغوا کر کے یرغمال نہیں بنا لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے... اس لیے کہ یہ ان کی شکست تھی۔ اس لڑکی نے تو ان کی ناک کاٹ کر رکھ دی تھی۔

انہوں نے سہ پہر کے وقت اغوا کیا تھا اور اپنے اڈے پر لا کر بالائی منزل کے کمرے میں قید کر دیا تھا۔ انہیں رات گیارہ بجے کا انتظار تھا کہ ان کی ہر سب قسم کی قلم بنائی جائے۔

تارا نہایت ذہین، پرکشش اور حسین برس کی لڑکی تھی۔ کروڑ پتی باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا کزن تارا سے شادی کا خواہش مند تھا۔ وہ بھی بڑے باپ کا بیٹا تھا۔ تارا اس سے شادی کر لیتی اگر اس کی حرکتیں شرمناک نہ ہوتیں۔ لڑکیاں اور عورتیں اس کی کمزوری تھیں۔ ایک مشہور و معروف ماڈل گرل اس کی داشتہ بنی ہوئی تھی۔ تارا آخر ایسے مرد سے

کیوں اور کس لیے شادی کرتی اس نے اپنے کزن جعفر سے کہہ دیا تھا کہ ''وہ اس سے شادی کرنے کے بجائے راستے کے کسی عام آدمی سے شادی کرنے کو ترجیح دے گی...... اسے مرنا پسند ہے لیکن شادی کرنا نہیں...... اس کی دنیا میں کروڑوں کی جائیداد، کاروبار اور لاکھوں کی آمدن تھی۔ لیکن ماں باپ اور کوئی بھائی بہن نہیں تھا...... جب اس کا باپ ایک عام آدمی تھا۔ دولت مند نہ تھا تب کوئی رشتہ دار نہ تھا...... اب وہ دولت مند تھا...... اب تارا نے ایک شخص کو پسند کر لیا تھا جسے دولت کی ہوس نہ تھی۔ وہ اس کی فرم میں ہی ملازمت کر رہا تھا۔ آئندہ ماہ دونوں شادی کرنے والے تھے۔

جانو حیدر اس شہر نہیں بلکہ پورے دیش کا بہت ہی خطرناک مجرم پیشہ تھا۔ بڑے بڑے مجرم اور خطرناک بدمعاش اس کے نام سے کانپتے تھے۔ پولیس اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے اس لیے ڈرتی تھی کہ جانو حیدر کی پشت پر اعلیٰ حکام تھے۔ اس کے کئی اڈے تھے...... اس کے کالے دھندوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ کئی شراب خانہ چلا رہا تھا...... شہر کے سارے منشیات فروش اور اسمگلرز کے علاوہ جرائم پیشہ اور پولیس افسران بھی اس کے ہمدرد تھے...... اس کا اپنا ایک اڈا تھا اس پر خاص اور مخصوص لوگ اور دوست ملاقات کے لئے آتے تھے۔ اس جگہ لڑکیوں کو بلیک میل کرنے کے لئے تصویریں بھی بنائی جاتی تھیں۔ وہاں کئی بیڈروم تھے جس میں فلم کی شوٹنگ ہوتی تھی۔ ایک طرح سے اسے اسٹوڈیو بنایا ہوا تھا۔ جدید خاص ترین اور بے حد قیمتی کیمرے تھے۔ فلم اسٹوڈیو میں ایک کیمرا مین نادر تھا۔ وہی کیمرا مین ہر قسم کے مناظر ایسے زاویوں سے بناتا تھا کہ دیکھنے والا عش عش کر اٹھتا۔ تصویریں اور فلمیں ملک اور پڑوسی ملک میں جانو حیدر نہ صرف فروخت کرتا بلکہ یہاں افسران کو خوش کرنے کے لیے پیش کرتا۔ اور وہ لڑکیاں بھی پہنچا دی جاتیں۔

جعفر نے پانچ لاکھ روپے کی ایک خطیر رقم کے عوض جانو حیدر کی خدمات حاصل کی تھیں۔ وہ ایک نمونہ فلم بنائے۔ اس میں سب سے پہلے اپنا منہ کالا کرے گا...... پھر جانو حیدر اور اس کے ساتھی...... اس کے دوست چاہیں تو وہ بھی سرفراز ہو سکتے ہیں۔ عکس بندی کا وقت رات گیارہ بجے تھا۔ کیمرا مین نادر ایک اسٹوڈیو میں ایک فلم کی عکس بندی میں مصروف تھا۔ اس نے گیارہ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا۔

تارا کمرے میں بند تھی۔ لیکن اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ اس نے دل میں تہیہ کر لیا

تھا کہ وہ آخری لمحے تک اپنی زندگی اور عزت پر آنچ آنے نہیں دے گی۔ بدمعاشوں کا مقابلہ کرے گی...... وہ جانتی تھی بلکہ اس کا ایمان بھی تھا کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ اس نے رونے دھونے کی بجائے ایسی کوئی تدبیر سوچنا شروع کیا کہ اس قید خانہ سے کس طرح فرار ہوا جا سکتا ہے۔ وہ دولت مند تھی اور حسن شباب اور کشش کے خزانے سے مالا مال تھی۔ وہ شہر کی حسین ترین لاکھوں میں شمار کی جاتی تھی۔

اس نے کمرے کا جائزہ لیا...... اس کمرے میں ایک کھڑکی تھی جو احاطے کی طرف کھلتی تھی۔ اس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ مکان پہاڑتلی کے سرسبز و شاداب علاقے میں تھا...... پہاڑی پر بہت بڑا بنگلہ تھا۔ یہاں کوئی سڑک قریب سے گزرتی نہیں تھی اور لوگوں کی آمد و رفت بھی نہیں تھی۔ کسی کو مدد کے لیے بھی پکارتی مگر اس کی آواز نہ پہنچتی...... ایک غسل خانہ تھا۔ اس میں بھی ایک کھڑکی تھی۔ اس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اگر اس میں سلاخیں نہ بھی ہوتیں تو اس کا کمرے سے باہر نیچے آنا ناممکن سا تھا۔ اسے ایک خیال آیا۔ اس نے جو ساڑی پہنی ہوئی تھی۔ وہ سات گز کی تھی ساڑی کو کسی سلاخ سے باندھ کر اترنے کے باوجود بھی کئی فٹ نیچے کودنا تھا۔ نیچے کی زمین پتھریلی اور ناہموار تھی۔ اسے شدید چوٹ آسکتی تھی۔ معذور ہونے کا زیادہ اندیشہ تھا۔

اس نے ایک سلاخ کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھام کر ہلانا شروع کیا۔ اس کھڑکی سے کل چھ عدد بڑی مضبوط اور موٹی سلاخیں تھیں۔ تین سلاخیں نکل جانے کی صورت میں وہ آسانی سے اس خلا سے نکل کر لٹک یا کود سکتی تھی۔ لیکن اسے اپنی ساڑی کو سلاخوں سے باندھنا ہوگا...... لیکن اسے پیٹی کوٹ میں بے حجابی کی حالت میں کوئی سواری لے کر جانا ہوگا۔ سلاخ ہلاتے ہلاتے اس کی نگاہیں زمین پر مرکوز ہو جاتیں اور اس خیال سے کہ اندھیرے میں کودنے سے ذرا سی غفلت اور کوتاہی پر وہ منہ کے بل گرتی اور توازن قائم نہ ہو سکا تو نہ صرف اس کی پیشانی اور چہرے پر زخم آجائیں گے بلکہ آنکھیں بھی نوکیلے پتھروں سے پھوٹ سکتی ہیں...... کیا معلوم سنگین حادثہ پیش آنے پر وہ موت کے منہ میں بھی جا سکتی ہے۔

وہ تھک جاتی تھی اور پسینہ پسینہ ہو جاتی اور اس کے ہاتھ اور بازو شل ہو جاتے۔ ذرا دم لے کر پھر وہ اپنی کوشش شروع کر دیتی وہ چاہتی تھی کہ دن کی روشنی میں نکل

جائے ...... اور پھر وہ بڑی احتیاط سے کام بھی لے رہی تھی کہ کہیں اس کا شور کوئی نہ سن لے۔ اس لیے کہ وہ اس سے ملحق ہال تھا جس میں کئی بدمعاش نہ صرف جوا کھیل رہے تھے بلکہ شراب کا دور بھی چلا رہے تھے۔ اور ان کی فاتحانہ ہنسی اور قہقہوں کا شور فضا میں گونج رہا تھا اس نے ساڑی کے پلو سے سلاخ کو تھاما ہوا تھا۔ اس کے سینے میں سانس پھولنے لگا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ دھڑکتے سینے پر رکھ کر دیوار سے پشت ٹکا دی۔

کمرے میں ایک پلنگ تھا جس پر نہ تو چادر تھی نہ تکیہ ...... ایک اکلوتی کرسی اور تپائی پر ایک پانی سے بھری پلاسٹک کی بوتل اور ایک پلاسٹک کا گلاس تھا۔ وہ اب تک نصف بوتل پی چکی تھی۔

جب سہہ پہر ڈھل چکی تب اس نے اپنی کوشش کو کامیابی سے ہمکنار ہوتے دیکھا...... سلاخ میں جنبش سی ہوئی۔ کچھ دیر کی کوشش سے سلاخ پیچھے سے اکھڑ گئی۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے اس خوشی میں ایک گلاس پانی پیا اور تھوڑی دیر تک اکلوتی کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔

پھر اسے ایک خیال آیا کہ یوں نہ وہ دروازے پر دستک دے کر کسی بہانے سے کسی بدمعاش کو اندر بلا کر اس سلاخ سے اس کا سر پھاڑ دے اور کمرے سے باہر ان بدمعاشوں سے بھڑ جائے۔ اس لیے کہ اب اس کے ہاتھ ایک ہتھیار لگ گیا ہے۔ وہ ان بعد معاشوں سے مقابلہ کر سکتی ہے۔ کیوں کہ لوہے کی یہ سلاخ بہت موٹی اور مضبوط ہے اس سے کسی بھی بدمعاش کا بھرتہ بنایا جا سکتا ہے...... لیکن اس نے دوسرے ہی لمحے اس خیال کو دل سے نکال دیا ...... کیوں کہ ان بدمعاشوں کے پاس چاقو اور پستول بھی ہیں ...... اور پھر وہ ایک نہیں کل پانچ ہیں ...... اگر ایک بدمعاش مسلح ہوتا تو کسی خوف اور خدشے کی بات نہ تھی۔ وہ اس پر باآسانی قابو پا لیتی ...... لہٰذا اس نے خیال کو ذہن سے نکال دیا۔

بس اب ایک ہی تدبیر ...... ایک ہی صورت اور راستہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں۔

کھڑکی سے کودا جائے ...... تخت یا تختہ زندگی یا موت۔

جعفر ...... پانچ بدمعاش ...... اور کیمرا مین ...... اسے کھلونا بنانا چاہتے ہیں ...... یہ

کردار فلم میں اسے گیدڑ بن کر نوچتے رہیں گے۔

اس ہتک ...... بے وقتی ...... زیادتی اور ذلت سے ہزار حد درجہ موت بہتر ہے ...... موت آتی ہی تو آئے موت کو تو وہ خوشی سے گلے لگا لے گی۔ دنیا میں ایک عورت کے لیے عزت سے بڑی کوئی چیز نہیں ہوتی ہے۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے اچانک باہر کے کمرے میں آوازیں سنیں۔ اس نے لپک کر جا کر دیوار سے کان لگا دیئے۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔ وہ غور سے سننے لگی۔

''آؤ بھائی ...... آؤ میرے یار ٹائیگر ...... بنگال ٹائیگر ......'' جانو حیدر کی آواز دوسری آوازوں میں شامل تھی ...... بہت دنوں بعد آئے ہو ...... کہاں رہے ......؟''

''جانو بھائی ......! میں نے اندر قدم رکھا بھی نہیں کہ تم نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی ......'' ٹائیگر نے ہنستے ہوئے جواب دیا کیا یہ امتحانی پرچہ ہے جو تمام سوال حل کرنا ہوں گے ......؟''

''ہاں'' جانو حیدر بولا۔ ''میں اور میرے یہ دوست بھی سوچ رہے تھے کہ ادھر ٹائیگر آیا نہیں۔''

''ایسا کوئی موقع نہیں ملا ادھر آنے کا ......'' اس نے جواب دیا۔ ''اب ملا تو چلا آیا۔''

''کیسے آنا ہوا ......؟ کیا کوئی تگڑا شکار ہاتھ لگا ہے؟'' جانو حیدر نے پوچھا۔

''میرا دوست ہاشم ٹیکسی چلاتا ہے۔ اس نے ایک خاندان سے چٹاگانگ جانے کا کرایہ طے کیا تھا ...... عین وقت پر وہ بیمار پڑ گیا اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس خاندان کو چٹاگانگ چھوڑ آؤں۔''

''وہ خاندان کوچ، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز سے بھی جا سکتا تھا۔'' جانو حیدر نے کہا۔

''شادی کے جہیز کا بہت سارا سامان تھا جس کا کرایہ بہت بنتا تھا ...... کوچ، اور ٹیکسی میں اسے جانا نہیں تھا۔ کیوں کہ قیمتی زیورات اور کپڑے تھے۔ ...... چلو ...... اس بہانے تم سے ملنے اور ذرا ستانے آ گیا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''بڑے اچھے موقع پر آئے ہو۔'' جانو حیدر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''گولڈن چانس''

"آج رات گیارہ بجے ہمارے ہاں ایک انتہائی جذباتی اور سنسنی خیز فلم کی عکس بندی ہوگی......" جانو حیدر کہنے لگا اور اس فلم کی ہیروئن نہ صرف ایک کروڑ پتی کی بیٹی ہے...... بلکہ اس کی ماہانہ اس سے پندرہ لاکھ کی آمدنی ہے......اس لڑکی سے اس کا کزن شادی کرنا چاہتا تھا۔لڑکی انکاری ہے......اس کا کزن اس سے جی بہلانے کے بعد بلیک میل کر کے ماہانہ پانچ لاکھ وصول کرنا چاہتا ہے......وہ آج کی رات اس کے ساتھ پہلی سہاگ رات منائے گا۔اس کے بعد اور میرے ساتھی......اس کی عکس بندی ہوگی......تم بھی اس فلم میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہو......عکس بندی کراؤ یا نہ کراؤ......تمہاری مرضی......لیکن دوست ایسی حسین لڑکیاں ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ایک ہوتی ہیں۔ تم اس لڑکی کو کبھی نہ بھول سکو گے؟"

"شکریہ......" ٹائیگر نے کہا۔"مجھے نو بجے یہاں سے ایک سواری ڈھاکا لے جانا ہے۔میں تمہاری میزبانی کا شرف حاصل نہیں کرسکوں گا......اس لڑکی کو اغوا کرنے کا معاوضہ وہ شخص کیا دے رہا ہے؟"

پانچ لاکھ روپے دے گا......" جانو حیدر نے کہا۔پچاس ہزار پیشگی دے چکا ہے......زندگی میں پہلی بار ایسا شکار ٹکرایا کبھی کسی لڑکی نے اتنا پریشان نہ کیا......کسی بھی شکار کو شکار کرنے میں دو ایک گھنٹے بھی نہیں لگے......لیکن یار! اس نے پورے پانچ چھ دن کسی صحرائی لومڑی کی طرح چالاکی اور عیاری سے چکمہ دیا۔ہاتھ نہیں آئی......تین گھنٹے پہلے تو اسے اغوا کر کے لائے ہیں......اس کمینی نے تگنی کا ناچ نچا کر رکھ دیا۔"

"وہ ہے کہاں......؟" ٹائیگر نے تجسس سے پوچھا۔

"برابر والے کمرے میں ہم نے اسے بند کیا ہوا ہے۔" جانو حیدر نے جواب دیا۔

"کیا تم اسے دیکھنا پسند کرو گے؟"

"نہیں......" ٹائیگر نے نفی میں سرہلایا۔"یہ صرف اس لیے میں نے پوچھا تھا کہ......وہ بہت ہوشیار اور چالاک ہے......اس کمرے سے فرار ہوگئی تو کیا کرو گے......؟ بہت تگڑا شکار ہے۔پانچ لاکھ ٹا کم نہیں ہوتے ہیں۔"

"اس کمرے میں صرف ایک کھڑکی ہے جس میں گرل لگی ہے۔" جانو حیدر بتانے لگا یہ کل پانچ چھ سلاخیں ہیں۔ہر سلاخ بہت موٹی ہے......" نازک اندام اسے اکھاڑنا تو

در کنار اسے ہلا تک نہیں سکتی۔"

"جانو حیدر کے دوست اور ساتھی بدرو نے پوچھا کیا پینا پسند کرو گے......؟ بیئر...... وہسکی......افیم......"

"تم لوگ جانتے ہو میں شراب نہیں پیتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا کولڈ ڈرنک پلا دو بس۔"

"آنا کیسے ہوا......؟" جانو حیدر نے کہا۔"مجھ سے کوئی کام تو نہیں ہے......؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ جب کبھی میں یہاں آیا اور وقت ہوا تو دو چار بازیاں کھیل کر ضرور جاتا ہوں۔چوں کہ میرے پاس وقت ہی وقت ہے اور مجھے رات نو بجے تک وقت گزارنا ہے۔اس لیے میں یہ سوچ کر آیا کہ چلو تمہارے ہاں وقت گزاری کرلوں۔"

"اس سے اچھی بات کیا ہوسکتی ہے۔" جانو حیدر بولا۔میں فون کر کے تین چار موٹی آسامیوں کو بلا لیتا ہوں......لیکن وہ اس وقت کے لئے ہیں کھیلنے والے کے پاس دو لاکھ کی رقم ہو......تمہارے پاس کتنی رقم ہے......؟"

"ایک لاکھ دس ہزار روپے......" ٹائیگر نے کہا۔یہ تم ایک لاکھ قرض دے دو......اگر میں پوری رقم ہار گیا تو یہاں میرا دوست الطاف ہے۔میں اس سے رقم منگوا کر دے دوں گا......تم الطاف کو جانتے ہونا......؟"

"ٹھیک ہے۔" جانو حیدر نے سرہلا دیا۔"ویسے یار......تم کو میں نے کبھی ہارتے دیکھا نہیں......تم قسمت کے بڑے دھنی ہو......"

جانو نے جن چار آدمیوں کو کھیلنے کے لئے بلایا تھا ان میں ایک اس کا خاص آدمی تھا......شار پر تھا۔جانو حیدر اور وہ جس کا نام ثروت تھا ایک نمبری شاطر اور شار پر تھا۔پتوں کو بلنے میں بڑا ماہر تھا۔جانو حیدر اور وہ مل کر کھیلنے والوں کو پتوں کی مدد سے لوٹتے تھے۔پتوں پر نشان ہوتے تھے۔یہ نمبر صرف ان دونوں کو ہی نظر آتے تھے۔لیکن وہ ٹائیگر کو آج تک لوٹ نہ سکے۔ان کی بڑی آرزو تھی کہ ٹائیگر ہار جائے لیکن وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے تھے......لیکن جانو حیدر اور اس کے ساتھی ثروت نے غیر محسوس اشاروں، اور کن انکھیوں میں یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ آج ہر قیمت پر ٹائیگر کو جیت کر جانے نہ دیا جائے۔

”یہ ٹائیگر کون ہے......؟“ تارا نے لمحے بھر تک سوچا۔ اسے آواز اور گفتگو سے اندازہ ہو کہ یہ شخص تعلیم یافتہ اور نفیس مزاج ہے اس کے علاوہ زیادہ عمر کا لگتا بھی نہیں ہے...... اس کے تصور نے ایک پیکر تراشا...... خوب صورت وجیہہ اور قدرے دراز قد...... خوش پوش بھی...... ”بدمعاش معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس کا تعلق متوسط طبقے سے لگتا تھا۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ کھیل شروع ہوا تو اس میں بڑی گرم جوشی تھی۔ آخر کیوں نہ ہوتی...... آخر اس کھیل میں دس، پچاس کے نوٹ نہیں بلکہ پانچ سو، ہزار اور پانچ ہزار کی مالیت کی نوٹوں سے ہو رہا تھا۔ اس کھیل میں کسی کا پلا بھاری ہوتا تو کسی کا ہلکا پڑ جاتا...... یہ نشیب و فراز اور قسمت کا کھیل تھا۔ ہار جیت اس کھیل میں مقدر ہوتی تھی۔

یہ صورت حال ٹائیگر کے ساتھ بھی تھی۔ وہ مسلسل ہار رہا تھا۔ وہ بڑی بازی نہیں لگا رہا تھا۔ جب پچیس ہزار کی رقم رہ گئی تب کھیل کا پانسہ پلٹا...... پھر اس کی جیت مسلسل ہوتی گئی...... جانو حیدر نجانے کیا کیا جتن کر ڈالے۔ اس کی کوئی چال کامیاب نہ ہو سکی۔ ٹائیگر نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ ٹھیک نو بجے کھیل سے ہاتھ روک لے گا۔ جب وہ نو بجے اٹھا تو تین لاکھ چالیس ہزار کی رقم جیت چکا تھا۔ ٹائیگر کبھی اتنی بڑی رقم جیت کر نہیں اٹھا تھا۔ جانو حیدر ایک لاکھ اسی ہزار اور اس کا ساتھی ایک لاکھ بیس ہزار ہار چکا تھا...... باقی دوسرے بھی خسارے میں گئے۔

ٹائیگر نے تمام بڑے نوٹوں کو گڈیاں بنا کر جیبوں میں رکھا اور جانو حیدر سے بولا۔

”اگر میں نے سواری سے معاملہ طے کیا ہوا نہ ہوتا تو ساری رات یہ شغل جاری رکھتا...... شوٹنگ بھی دیکھتا...... بہر حال میں جلد آؤں گا پھر محفل میں شرکت کروں گا...... ویسے تمہارا گھر میرے لیے بڑی قسمت والا ہے۔“

پھر وہ سب سے ہاتھ ملا کر باہر آیا۔ ٹیکسی باہر کھڑی تھی۔ رات کے گہرے سناٹے میں انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز گونجی پھر رفتہ رفتہ آواز معدوم ہوتی گئی تھی۔

تارا نے دل میں دعا کی کہ...... کاش! ٹائیگر پولیس کو خبر کر دے کہ اسے جانو حیدر نے اغوا کر کے یرغمال بنا رکھا ہے...... لیکن وہ جانتی تھی کہ ٹائیگر ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اس سے واقف نہیں ہے اور پھر وہ کیوں جانو حیدر کے معاملے میں ٹانگ اڑانے لگا۔

جانو حیدر نے ٹائیگر کے اٹھنے سے پہلے اپنے ان دو آدمیوں کو جو کھیل رہے تھے اشارہ کر دیا تھا کہ وہ ٹائیگر سے نہ صرف ساری رقم چھین لیں بلکہ اسے قتل کر کے اس کی لاش کسی گڑھے میں دبا دیں...... اس کی ٹیکسی کو لے آئیں تاکہ دو ایک دن بعد ٹھکانے لگا کر مال وصول کر لیں۔ ٹیکسی کو جنوب کی سمت جانا تھا...... لیکن ٹائیگر نے جانو حیدر کے ہاں سے نکل کر اسے ایک ایسی جگہ کھڑا کر دیا تھا کہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔ اور پھر گہرے اندھیرے نے ٹیکسی کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

کوئی نصف گھنٹے کے بعد ٹائیگر...... جانو حیدر کے بنگلے کے وسیع احاطے کے ایک درخت پر بیٹھا ہوا اندر جھانک رہا تھا۔ احاطے میں گھپ اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا لیکن جن کمروں میں روشنی ہو رہی تھی وہ دیکھ رہا تھا۔ جانو حیدر بڑا پیچ و تاب کھا رہا تھا...... ٹائیگر اس پر بجلی گرا گیا تھا...... لیکن وہ دوسری طرف خوش بھی تھا کہ ٹائیگر یہ رقم ہضم نہ کر سکے گا۔ رقم ٹیکسی اور اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس کے ساتھی اسے چھوڑیں گے بھی نہیں۔

آخر تارا اپنی کوشش اور جدوجہد سے کامیاب ہو گئی تھی۔ اب صرف دس بجے تھے۔ اس نے اپنی ساڑی اتاری اور باقی سلاخوں سے باندھ لیا۔ پھر وہ اسے پکڑ کر آہستہ آہستہ اترنے لگی۔ وہ دو تین فٹ بمشکل اتر پائی تھی کہ ساڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس لیے کہ ساڑی ریشمی تھی۔ وہ تیزی سے آ رہی...... اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتی دو مضبوط ہاتھوں نے اسے سنبھال لیا۔ پھر اسے دبوچ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

تارا نے دہشت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا...... گو کہ وہ زمین پر گر کر موت کے منہ میں جانے والی تھی...... لیکن اس کی زندگی بچی تو لیکن اب وہ کسی نامعلوم بدمعاش کی گرفت میں تھی جو کسی پھول کی طرح پامال کر کے پھینک سکتا تھا۔ اس بدمعاش نے اسے قابو میں کر کے بے بس کر دیا تھا اس سے جو چاہے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ وہ اس کے رحم و کرم پر تھی۔

دوسرے لمحے اس شخص نے اس کے کان میں سرگوشی میں بڑی آہستگی سے کہا۔

”مس تارا......! آپ منہ سے بالکل بھی آواز نہ نکالیں...... میں آپ کو یہاں

سے نکال کر لے جارہا ہوں۔اپنے آپ کو محفوظ سمجھیں۔''

پھر اس شخص نے تارا کو اپنی گرفت سے نکال کر ایک طرف کھڑا کردیا۔

تارا کو ایسا لگا جیسے وہ کوئی سہانا سا خواب دیکھ رہی ہے...... پھر دوسرے لمحے محسوس ہوا کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔اسے دوسری مرتبہ ایک نئی زندگی ملی ہے...... مسیحا نے اسے بچالیا۔اس نے دل میں خدا سے گڑگڑا کر اپنی عزت اور سلامتی کے لیے جو دعا مانگی تھی وہ اللہ نے سن لی...... ایک نیک شخص کو مسیحا بنا کر بھیج دیا...... یہ کون تھا......؟ کس لیے اس نے اس کی مدد کی......؟ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

اس نے فوراً ہی اپنے بال، بلاؤز اور پیٹی کوٹ کو ٹھیک کیا۔اس شخص نے کچھ پوچھنے کی مہلت نہیں دی۔ جب اس نے تارا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو تارا نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔پھر وہ اسے عقبی دروازے سے باہر لے کر آیا اور گہرے اندھیرے میں لے کر اسے ایک سمت بڑھا۔دس فٹ کی مسافت کے بعد اسے لے کر ایک ٹیکسی کے پاس جا کر رکا جو درختوں کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ پھر اس نے اگلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ جب اس نے بیٹھ کر دروازہ بند کرلیا۔ پھر وہ شخص اسٹیرنگ پر بیٹھ گیا۔ پھر گاڑی کا انجن غرایا اور پھر گاڑی گھپ اندھیرے میں کچے راستے سے نکل کر پکی سڑک پر آ گئی۔

تھوڑی دیر بعد تارا نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔کہیں کوئی اس کے تعاقب میں تو نہیں آ رہا ہے۔ پھر اس نے عقبی آئینے میں بھی دیکھا۔ کچھ گاڑیاں دیکھ کر اس نے اپنا اطمینان کرلیا۔پھر اس نے پوچھا۔

''کیا میں اپنے محسن کا نام پوچھ سکتی ہوں......؟''

''ٹائیگر......!'' اس نے تارا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''ٹائیگر......!'' تارا اچھل سی پڑی۔ پھر وہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔''جانو کے دوست......''

''ہاں......'' ٹائیگر نے اثباتی انداز میں سر ہلایا۔''میں اس کا دوست ہوں اور نہ وہ دوست کے قابل ہے۔ مجھے تاش کے کھیل سے بڑی دل چسپی ہے...... سیدھا سادھا یوں کہیے کہ میں ایک جواری بھی ہوں...... اس لیے منہ کا ذائقہ بدلتا رہتا ہوں۔''

''آپ اصل میں کیا ہیں......؟ کیا ٹیکسی چلاتے ہیں......؟ ٹیکسی ڈرائیور ہیں؟''

''میں اصل میں کیا ہوں یہ میں اب تک خود بھی جان نہیں سکا...... لیکن میں بہت کچھ ہوں...... ہر فن مولا ہوں...... دنیا کا ایسا کون سا کام ہے جو میں نے نہیں کیا...... جس نے جب بھی میری خدمات حاصل کیں...... میں نے انہیں مایوس نہیں کیا...... میں ہر کام کا معاوضہ لیتا ہوں۔ آدمی اور کام دیکھ کر...... لیکن میں نے کبھی انسانیت کے خلاف کوئی کام نہیں کیا...... ظالموں کا بدترین دشمن ہوں...... مظلوموں کا دوست اور ساتھی ہوں...... میرے خیال میں اتنا ہی کافی ہے۔''

''لیکن آپ نے مجھے اس بدمعاش کے ہاتھوں کیوں اور کس لیے بچایا......؟'' تارا نے کہا۔

''اس لیے کہ میں ظلم کے خلاف جو ہوں......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔''میں نے سبق دینے کے لیے ایسا کیا۔ میں نے انہیں جو چوٹ دی ہے وہ اس کی جلن اور درد برسوں یاد رکھیں گے...... اب کسی حسین و جوان لڑکی کو اغوا کرنے سے پہلے سوچیں گے ضرور......''

''یہ ٹائیگر نام؟ وہ اس کی وجہ کچھ سمجھ نہیں آئی...... آپ کوئی اچھا سا نام تو رکھ لیتے......! اس لیے کہ یہ نام ایک ایسے جانور کا ہے جو درندہ صفت ہے...... اس کا کام انسانوں کو چیر پھاڑ کر کھانا ہے؟'' وہ شوخی سے بولی۔

''میں ایسے لوگوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہوں جو انسانیت کے دشمن ہوتے ہیں۔'' ٹائیگر نے کہا۔''کیا آپ کو پسند نہیں آیا؟''

''جی ہاں...... کچھ عجیب سا لگ رہا ہے؟'' وہ اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر بولی۔

''وہ کس لیے......؟'' اس نے پوچھا۔''یہ کیا بہت برا لگ رہا ہے؟''

''اس لیے کہ آدمیوں کے نام...... آدمیوں کی طرح ہونا چاہیے۔'' وہ کہنے لگی۔''آج کل مافیا اس قسم کے نام رکھتے ہے، جیسا کہ ہمارے دیش میں کالا ناگ، سنہرا بچھو، بلیک کیٹ...... بلڈاگ اور نجانے کیا کیا نام کے مافیا ہیں...... آج اب میں ایک نیا نام سن رہی ہوں...... ٹائیگر...... لیکن ان ناموں میں ٹائیگر کا نام ہے...... گویا آپ مافیا جنگل میں بادشاہ ہیں کیوں شیر جنگل میں بادشاہ ہوتا ہے......''

''کیا میں اپنے نام ٹائیگر کا ترجمہ کر کے بادشاہ رکھ لوں؟'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

''میں کوئی مافیا نہیں ہوں۔ میں نے اپنا نام اس لیے ٹائیگر رکھ لیا ہے کہ یہ دنیا بھی ایک جنگل

ہے۔ جنگل میں درندے، اور موذی جانور ہیں جو ان سے بھرے ہوئے ہیں...... لیکن ان سے کہیں اور موذی اور خطرناک جانور اس مہذب دنیا کے جنگل میں بھرے ہوئے ہیں۔ یوں کہ میں ایک شیر کی طرح مصیبت زدہ لوگوں کو بچاتا ہوں اور بچاتا آرہا ہوں۔ اس لیے میں نے اپنا نام ٹائیگر رکھ لیا۔''

''آپ اتنے بڑے دولت مند ہو کر ٹیکسی کا پیشہ کیوں اختیار کیا ہوا ہے؟''

''آپ نے کیسے اندازہ کر لیا کہ میں دولت مند ہوں......؟'' ٹائیگر نے پل بھر کے لیے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ جوئے میں تین لاکھ کی رقم جیت کر لوٹے ہیں...... میں نے ان لوگوں کی باتیں سنیں جو کھیل کے دوران آپ سے کہہ رہے تھے اور یہ بتا رہے تھے کہ آپ قسمت کے بڑے دھنی ہیں۔ ان لوگوں نے کبھی بھی آپ کو جوئے میں ہارتے نہیں دیکھا۔ آج بھی لاکھوں کی رقم جیت کر آئے ہیں۔ تین لاکھ کی رقم...... اس طرح آپ ہزاروں اور لاکھوں جیت کر دولت مند بن گئے...... ہوں گے۔ مجھے خوشی ہوئی اس بدمعاش سے تین لاکھ جیت کر آئے۔''

''یہ سچ ہے کہ میں تین لاکھ کی رقم جیت کر اٹھا...... جہاں کہیں بھی جوا کھیلتا ہوں تو مجھے میری قسمت ساتھ دیتی ہے...... مجھے یہ یاد نہیں کہ میں کبھی ہارا ہوں...... شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے ہو کہ کھیل کے دوران میری نیت ہمیشہ صاف رہتی ہے۔ میں تاش کا کھیل تو وقت گزاری کے لیے کھیلتا ہوں...... لیکن جب بے ایمانی کرنے والوں کی ریاکاری، منافقت اور بدنیتی کو دیکھتا ہوں تو پھر میرا یہ ہاتھ جو ایک طرح سے کرشمہ ساز ہے۔ اس کی انگلیاں اپنا فن دکھاتی ہیں۔ جادو جگاتی ہیں...... اس لیے ہارتا نہیں ہوں...... میری یہ انگلیاں ہر فن مولا ہیں...... یہ بڑے کارنامے کرتی ہیں۔''

''ان بدمعاشوں نے ایک سازش کے تحت مجھے لوٹنے کا منصوبہ بنا لیا تھا کہ وہ مجھ سے جیتی ہوئی رقم لے جانے نہیں دے گا...... مجھے قتل بھی کر سکتا ہے میں ٹیکسی ایک جگہ کھڑی کر کے واپس آیا تو میں نے اس کے دونوں ساتھیوں کو باہر آتے اور میرے تعاقب میں جاتے دیکھا۔ میں نے ان کی کچھ گفتگو سن لی تھی۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کہ...... ''بلیک ٹائیگر کے پاس چار لاکھ کی رقم ہے...... ایک لاکھ اس کی اپنی اور دوسری جیتی ہوئی تین لاکھ...... اور

پھر اس کی ٹیکسی دو سے تین لاکھ میں بک جائے گی۔''

''پھر وہ میری تلاش میں ایک موٹر سائیکل پر نکلے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں آ گیا، میں اس لیے آیا تھا کہ آپ کو یہاں سے رہائی دلواؤں...... اس سے پہلے میں جانو حیدر کو اس کی بدنیتی کی سزا دینا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کی تجوری اس کی خواب گاہ میں ایک فریم میں آویزاں ایک اداکارہ کی نیم عریاں تصویر کے عقب میں ہے۔ میں نے اوپر دیکھا تو ایک اٹیچی نظر آئی۔ وہ اس میں اکثر لوٹا ہوا مال لے کر آتا ہے میں نے تصویر اتاری...... پھر میری کرشمہ ساز انگلیوں نے پانچ سات منٹ میں کوڈ نمبر سیٹ کر دیا۔ پھر تجوری کھل گئی۔ اس میں لاکھوں کی رقم...... زیورات، تصویریں اور سی ڈیز بھی تھیں جو لڑکیوں کی قابل اعتراض حالت کی تھیں۔ جن سے وہ بلیک میل کیا کرتا تھا میں نے سب چیزیں واپس اٹیچی میں رکھ دیں۔ پھر میں نے اس میں ایک تحریر رکھ دی...... پھر تجوری مقفل کی اور وہ تصویر لگا دی۔''

''میں فوراً لپک کر گیا۔ میں نے اٹیچی ٹیکسی کی ڈگی میں رکھی پھر میں اس لیے واپس آ گیا آپ کو یہاں سے کسی ایسی تدبیر سے نکال کر لے جاؤں کہ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مر جائے...... جانو حیدر نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کو کس لیے اغوا کیا گیا ہے۔ آپ پانچ سات دن تک ان کے ہاتھ نہیں لگیں۔ آپ نے اسے خوب نچایا، پریشان کیا اور چکمے بھی دیتی رہی تھیں، اس کے کزن کی یہ منصوبہ بندی ہے کہ آپ کی عزت کو تاراج کرنے کے لیے نیز فلم بنائی جائے۔ اس نے مجھے بھی دعوت دی کہ میں بھی اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھاؤں...... لیکن میں یہاں جوا کھیلنے کے بہانے آپ کو یہاں سے نکال لے جانے آیا تھا۔ کیوں کہ میں نے آپ کو اغوا ہوتے دیکھ لیا تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کی دعوت کو قبول کر لیتا۔ لیکن میں عورت کی عزت بچانا جانتا ہوں اس کی عزت سے کھیلتا نہیں......''

''اور پھر میرا ذریعہ معاش جوا کھیلنا کبھی نہیں رہا، نہ میں نے کبھی حرام کھایا...... اللہ نے چاہا تو میں آخری سانس تک اس پر کاربند رہوں گا۔ لیکن میں جائز خدمات انجام دیتا ہوں اور اس کا پورا پورا معاوضہ وصول کرتا ہوں۔''

''بہت خوب......'' تارا نے اسے تحسین بھری نظروں سے دیکھا۔

"یہ آپ جوئے میں جو رقم جیت کر لے جا رہے ہیں...... اور آپ نے جو اس کی تجوری میں سے اس کی ساری دولت لے آئے اور جھاڑو پھیر دی اس کا کیا کریں گے؟"

"آپ مجھے ایک طرح سے رابن ہڈ کہہ سکتے ہیں جس کی زندگی کا مقصد صرف غریبوں کی مدد کرنا تھا۔ وہ کہنے لگا یہ میں آج کے دور کی رابن ہڈ ہوں...... آپ جانتی ہیں کہ ہمارے اس بدنصیب بستی میں کتنے غریب ہیں...... کتنے بدنصیب اور غربت اور تنگ دستی کے مارے ہوئے ہیں...... بارش اور سیلاب سے متاثر ہوتے رہتے ہیں ہر سال...... انہیں ایک وقت کی روٹی بھی نہیں نصیب ہوتی ہے...... معذوروں کے ادارے ہیں اور یتیم خانے بھی ہیں...... میں یہ تمام رقم ان میں بانٹ دوں گا...... اس سے پہلے بھی میں یہ کرتا چلا آ رہا ہوں۔"

"حیرت اور نا قابل یقین سی بات لگتی ہے۔" تارا نے کہا یہ فلموں اور کہانیوں میں ایسے کردار ملتے ہیں...... حقیقی زندگی میں کوئی حاتم طائی نہیں ہوتا ہے...... آپ کیوں نہیں یہ رقم رکھ لیتے ہیں...... دولت کی ضرورت تو ہوتی ہے؟"

"بات یہ ہے تارا جی......!" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں اس دنیا میں اکیلا ہوں...... نہ ماں باپ ہیں نہ بھائی بہن...... رشتہ داروں نے باپ کی موت کے بعد کنارہ کشی اختیار کر لی...... ایک جان کے گزارے کے لیے کتنی رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے والد نے ایک مکان اور دکان چھوڑ دی...... دکان یوں کہ ایک بہت کمرشل علاقے میں کرایہ پر اٹھی ہوئی ہے۔ اس کا اتنا کرایہ آتا ہے کہ میں اخراجات کرنے کے علاوہ پس انداز بھی کر لیتا ہوں۔ کبھی بھی دولت کی ہوس نہ رہی اور انشاء اللہ کبھی رہے گی بھی نہیں۔"

"آپ تو بڑے بے غرض اور عظیم انسان ہیں۔" تارا بولی "مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ میرا محسن ایک عظیم آدمی ہے۔"

"میں نہ تو عظیم ہوں اور نہ محسن ہوں...... ان میں سے میرا کوئی نام نہیں ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "میں صرف ایک ٹائیگر ہوں۔"

"مجھے ایک بات کا خیال آ رہا ہے......" تارا نے فکر مندی سے کہا۔ "آپ مشورہ دیں کہ میں کیا کروں!"

"کس بات کا......؟"

"رات جب جعفر کیمرا مین کے ساتھ فلم بنانے کے لیے جانو کے ہاں پہنچے گا تب...... اور جانو اپنی تجوری دیکھے گا تو ان دونوں کی کیا حالت ہوگی...... وہ سیدھا میرے ہاں پہنچیں گے...... اس وقت ان پر بجلی آ گرے گی...... میں آخر تک روپوش رہوں گا...... کہاں روپوش رہوں گا......؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے؟" تارا پریشان سی ہو رہی تھی۔

"میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ گھر چل کر کپڑے بدل لیں......؟ آپ ہوٹل میں قیام کریں۔ پھر سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے...... کیا قدم اٹھانا ہے...... آپ پولیس سے مدد بھی حاصل کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں...... لیکن اس کے لیے ٹھوس ثبوت اور گواہوں کی ضرورت ہوگی...... اس کے لیے کوئی اور تدبیر سوچنا ہوگی...... کوئی نہ کوئی تدبیر سوچ لوں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

"لیکن آپ تو رات ڈھاکا واپس جا رہے ہیں" تارا نے خوف سے کہا۔ "میں اکیلی کیا کر سکتی ہوں؟"

"نہیں میں واپس نہیں جا رہا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں نے نو بجے کسی سواری کو واپس لے جانے کا کا بہانہ جانو سے اس لیے کیا تھا کہ آپ کو اس زہریلے ناگ سے بچاؤں......"

"زہریلا ناگ صرف جانو حیدر ہی نہیں بلکہ جعفر بھی ہے......" تارا نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ "وقت اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا تاوقتیکہ مجھے بلیک میل کرنے کا موقع نہ مل جائے یا پھر جبر و زیادتی سے شادی کر کے میری ساری دولت ہتھیا لے۔"

"آپ اتنی خوف زدہ اور پریشان نہ ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "آخر میں کس مرض کی دوا ہوں...... جانو حیدر اور جعفر آپ کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے...... ان سے نمٹنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"آپ کا یہ احسان عظیم میں ساری زندگی نہیں بھولوں گی۔" وہ ممنونیت سے بولی۔ "آپ جو بھی کہیں گے پیش کرنے کے لئے تیار ہوں...... کروڑوں...... بلکہ اس سے بھی زیادہ......"

"ابھی آپ کا گھر کتنے فاصلے پر ہے......؟" ٹائیگر نے سوالیہ نظروں سے دیکھا

"ابھی تک ہم نے کتنا فاصلہ طے کیا ہوگا؟" وہ بولی۔

"میرا گھر کوئی پانچ چھ میل تک ہوگا۔"

"گویا دس میل......؟" ٹائیگر بولا۔ "آپ دو سو ٹا کا ٹیکسی کرایہ کے مد میں ادا کر دیں۔"

"دو سو کیا دو ہزار ٹا کا دوں گی۔" تارا بولی۔ "یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اس ٹیکسی اور آپ کی بدولت میری عزت اور جان بچ گئی ...... میں دو سو کیا...... بیس ہزار ٹا کا بھی دے سکتی ہوں۔"

"میں نے جو کرایہ بتایا ہے آپ اس سے جتنا چاہے دے دیں...... اس لیے کہ یہ ٹیکسی میرے محلے کے ایک محنت کش کی۔ اس کا گزارہ ٹیکسی کی آمدنی پر ہے اس کی پانچ نوجوان لڑکیاں ہیں۔ اسے ان کی شادی کرنی ہے۔ دو لڑکیوں کا رشتہ طے ہو ہو چکا ہے...... آئندہ ماہ ان دونوں لڑکیوں کی شادی ہونے والی ہے اس لیے جو کرایہ بھی ملا وہ میں اسے دے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے اسے آپ بیس ہزار ٹا کا دے دیجیئے گا...... اس کے علاوہ اس کا نام اور پتا بھی بتا دیں۔" تارہ نے کہا۔

"میں دو لاکھ ٹا کا پہلی فرصت میں پہنچا دوں گی۔ میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے مجھے ان کی مدد کر کے خوشی ہوگی۔"

"گھر پہنچ کر کپڑے بدلنے سے پہلے کرایہ ضرور دے دیں۔ کیوں کہ شاید بعد میں ادا کرنا یاد نہ رہے۔"

"سب سے پہلے کرایہ میں ادا کروں گی۔" تارا مسکرائی۔ "آپ بے فکر رہیں۔"

ٹائیگر نے دستی گھڑی میں وقت دیکھا اور تارا کی طرف سے نظریں ہٹا کر بولا۔

"سوا دس بج رہے ہیں...... جتنا جلد ہو سکے کپڑے بدل کر نکل پڑیں......" ٹائیگر نے کہا۔

"وہ کس لیے......؟"

"اس لیے کہ آپ کا گھر ابھی غیر محفوظ ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "کیوں کہ جانو حیدر اور جعفر خونی شیروں کی طرح آئیں گے...... شاید جانو حیدر اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ آ پہنچیں گے...... اور پھر آپ کو اغوا کر کے لے جانے کی کوشش کریں گے تا کہ فلم بنائی جا

سکے...... میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی محفوظ مقام پر چلیں...... تا کہ سکون و اطمینان سے سوچا جائے کہ ان دونوں سانپوں کا سر کیسے کچلا جا سکتا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری......"

"چندن پور میں میری ایک سہیلی کا فلیٹ خالی ہے۔" تارا بولی۔ "وہ دو ماہ کے لیے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ بنکاک گئی ہوئی ہے۔ چابیاں مجھے دے گئی ہے۔ جانو حیدر اور جعفر کے فرشتے بھی نہیں جان سکتے ہیں۔"

☆......☆......☆

ادھر ساڑھے دس بجے جانو حیدر نے کھیل ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور پھر دونوں مہمانوں کو رخصت کر دیا تا کہ فلم بنانے کی تیاری کی جا سکے۔ آج جانو حیدر کا موڈ بھی بہت خراب تھا۔ وہ آج بری طرح ہارا جو تھا۔ نہ صرف ٹائیگر بلکہ وہ دونوں مہمان بھی خاصی رقم جیت گئے تھے۔ ان کے رخصت ہو جانے کے بعد وہ اپنے ساتھی اور ثروت پر برس پڑا۔

"یہ آج کیا ہوا تھا...... یہ تینوں سالے جیت کر چلے گئے اور ہم آج بہت بری طرح ہار گئے...... جب کہ کارڈ نشان زدہ تھے...... کبھی تو ایسا نہیں ہوا تھا...... اگر ایسا ہوتا رہا تو ہم فقیر ہو جائیں گے......" جانو حیدر ہذیانی لہجے میں بولا۔

"یار جانو...... یقیناً...... گڈی میں کوئی گڑ بڑ ہو گئی ہے...... میں ابھی دیکھتا ہوں۔" ثروت نے دیکھا۔

ثروت نے گڈی کا ایک ایک پتا دیکھا اور غصے سے بولا۔ "میں نے کہا تھا یقیناً کوئی گڑ بڑ ہو گی...... اس میں سے دو بادشاہ اور دو اکے غائب ہیں...... یہ حرکت ٹائیگر کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی...... وہ بہت بڑا شاطر جواری ہے...... شار پر...... اس لیے تو وہ بھی آیا، پچاس ساٹھ ہزار سے کم جیت کر نہیں گیا۔ آج پورے تین لاکھ روپے جیت گیا اور اوپر سے تمہیں ایک لاکھ کا مقروض کر گیا۔"

"میں اسے ایک لاکھ کیا...... ٹھینگا دوں گا......" جانو حیدر نے کہا۔ "وہ سالا ان دونوں کو بھی جیتا گیا ہے۔"

"غصے کو قابو میں رکھو...... ٹائیگر کچھ دیر کا مہمان ہے......" ثروت نے کہا۔ "صبور اور قاسم اسے موت کی نیند سلانے اور جیتی ہوئی رقم لانے اور اس کی لاش ٹھکانے لگانے گئے

ہوئے ہیں......بس آتے ہی ہوں گے۔''

''میں اپنے کمرے میں جارہا ہوں تاکہ دس ہزار کی رقم لیتا آؤں......'' جانو حیدر نے کہا۔''اس کیمرا مین آکاش میاں کو دینا ہوگا......تم جانتے ہو وہ پہلے ایڈوانس لیتا ہے۔ پھر وہ کہیں جاکر فلم بندی شروع کرتا ہے۔......بھروسہ ایک ٹکا کا بھی نہیں کرتا ہے......''

جانو حیدر اپنی خواب گاہ میں گیا۔ اس نے کوئی نمبر سیٹ کر کے تجوری کھولی تو لمحے کے لیے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا پھیل گیا...... جب اندھیرا چھٹا تو اس نے دیکھا کہ تجوری خالی پڑی ہے۔ ایسے جیسے کسی نے جھاڑو پھیر دی ہو۔ پھر وہ صدمے سے بے ہوش ہوکر گر پڑا۔

جانو حیدر رقم لانے جب اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا تو ثروت کے موڈ کے کسی کونے ایک انجانی خواہش نے انگڑائی لی......اس نے سوچا اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کیوں نہ تارا کو فریب دے کر تھوڑی دیر تک اس سے من مانی کر لے......رات اس کی باری آنے اور بے حرمتی کرنے مین بڑی دیر ہے۔ صبر اور بڑا کرب ناک انتظار کرنا ہوگا۔ جانو حیدر اس سے کہے گا بھی کیا......

اس نے یہ سوچ کر دروازے کے باہر لگی ہوئی کنڈی کھول کر کمرے میں گھس کر دروازہ بھیڑ دیا۔ دیکھا تو وہ کمرے میں نہیں تھی...... پھر وہ یہ سمجھا کہ شاید نہا رہی ہوگی...... یہ خیال اور نقشہ بڑا سنسنی خیز تھا، اس نے دروازہ کھول کر جھانکا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا......کیا وہ فرار ہوگئی......؟ پھر اس کی نگاہ کھڑکی پر پڑی تو اسے یقین نہیں آیا۔ یقین نہ کرنے والی بات تھی......گرل کی دونوں سلاخیں نکلی فرش پر پڑی ہوئی تھیں...... تیسری سلاخ سے ساڑی باندھ کر وہ نیچے اتر گئی تھی۔

وہ جانو حیدر کو بتانے کے لئے تیزی سے لپکتا ہوا اس کی خواب گاہ میں پہنچا تو ٹھٹھک کر رک گیا۔

جانو حیدر فرش پر بے ہوش پڑا تھا......اس کی تجوری خالی پڑی تھی۔ کسی بیوہ کی ننگی کلائیوں کی طرح......

☆......☆......☆

''یہ آپ نے تجوری کھولنے کا فن کہاں سے سیکھا......؟'' تارا نے چائے کا کپ

اس کے سامنے میز پر رکھا اور سینڈوچز کی پلیٹ اور اپنی چائے لے کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ ان بدمعاشوں نے اسے صرف پانی پینے کے لئے دیا تھا۔ وہ چائے اور نہ کھانے کے لیے کچھ دیا تھا۔ اسے اس وقت بھوک لگی تھی۔ اپنے فلیٹ سے سہیلی کے فلیٹ جاتے ہوئے راستے میں ایک ہوٹل سے ٹائیگر نے سینڈوچز لے لیے تھے۔ تارا کو بہت بھوک لگی تھی۔ اس نے ایک عدد سینڈوچ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''تجوری اور تالے والی کمپنی میں، میں نے کوئی پانچ برس تک ملازمت کی تھی۔'' ٹائیگر نے جواب دیا۔''میری ان انگلیوں نے جانے کیا کیا سیکھا......؟ چاقو پکڑنا اور چلانا......ان دس انگلیوں نے دس فن سیکھے اور بڑی مہارت حاصل کی...... یہ فن کار ہیں...... عظیم فن کار...... یہ بولتی ہیں...... بڑے کمال دکھاتی ہیں......مثلاً کسی عورت نے انگلیوں میں انگوٹھیاں اور چوڑیاں کیوں نہ پہن رکھی ہوں......اس کے گلے میں کیسا ہی چھوٹا بڑا ہار کیوں نہ ہو...... یہ طلسماتی انگلیاں اس طرح اتار لیتی ہیں کہ پہننے والی کو محسوس بھی ہوتا اور اسے پتا بھی نہیں چلتا......اس کے علاوہ کسی بھی شخص کی کسی بھی بیرونی اور اندرونی جیب میں پرس ہو یا کاغذ کا پرزہ اسے میری جیب میں منتقل کر دیتی ہیں......ان کے کمالات کیا کیا ہیں......کیا کیا بتاؤں......؟ آپ تصور بھی نہیں کرسکتیں۔''

''آپ اور کیا کیا جانتے ہیں......؟'' تارا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اس نے تجسس سے پوچھا۔

''میں کیا کچھ نہیں جانتا......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔''میں نے کیا کچھ نہیں سیکھا...... کیا کچھ کارنامے انجام نہیں دیے ہیں...... میں ایک بہترین سراغ رساں ہوں......اس کے علاوہ کمپیوٹر اور الیکٹرونکس...... چھوڑیں ان باتوں کو اس سے کیا حاصل؟''

''لیکن آپ نے یہ سب کچھ کیوں اور کہاں سے سیکھا......؟'' ستارہ کا تجسس دوچند ہو گیا۔

''میں نے جیل میں سیکھا......''

''جیل میں......'' تارا چونک پڑی اسے جیسے یقین نہیں آیا۔''کیا جیل میں یہ سب کچھ سیکھا جاسکتا ہے......''

''کیوں نہیں......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔''وہاں جو کچھ سیکھا جا سکتا ہے اس کی دنیا

سے باہر ممکن نہیں ہے۔"

"آپ کتنے برس جیل میں رہے......؟" تارا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"دو برس میں نے قید کاٹی۔" ٹائیگر بولا۔ "میں اس جیل یونیورسٹی سے ہر کورس میں فارغ التحصیل ہو کر باہر آیا۔ میں نے جو دو برس وہاں رہ کر جو حاصل کیا وہ پانچ برس میں بھی کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔"

"آپ نے کس سلسلے میں وہاں دو برس قید کاٹی......! آپ نے کیا جرم کیا تھا؟"

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا......؟" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"پھر بھی آپ کو بے گناہ جیل میں ڈال دیا گیا؟" وہ حیرت سے بولی۔ "کیا ایسا بھی ہوتا ہے......؟"

"ایسا کیوں نہیں ہوتا...... ایسا ہوتا رہتا ہے، جب قانون کی حکمرانی نہ ہو...... قانون غریبوں کے لیے امیروں کے لیے ہو...... جیلوں میں اکثریت بے گناہوں کی ہوتی ہے...... وہ غریب برسوں سزا کاٹتے ہیں...... پولیس سے زیادہ ظالم، درندہ صفت اور خون آشام کوئی نہیں ہوتا ہے...... جب ان کے تشدد سے کوئی مر جاتا ہے تو پولیس والے اس پر خودکشی اور دل کے مریض ہونے کا الزام لگا دیتی ہے...... جب کوئی جوان اور حسین لڑکی کسی ناکردہ گناہ کے الزام میں جیل جاتی ہے تو وہاں جو بھیڑیئے ہوتے ہیں...... قانون کے محافظ ہوتے ہیں وہ اس کے بے حرمتی کرتے ہیں...... جب وہ ماں بن جاتی ہے تو اس پر الزام لگاتے ہیں کہ جب وہ جیل آئی تھی تب ہی امید سے تھی...... وہاں ایسی بہت ساری لڑکیاں اور عورتیں سزا بھگت رہی ہیں جو مائیں بن گئیں...... جیل کے حکام کہتے ہیں کہ یہ عورتیں بد چلن اور فاحشائیں تھیں...... اس لیے وہ ماں بن گئیں...... یہ عورتیں نہیں بتا سکتی ہیں کہ ان کے بچوں کا باپ کون ہے......؟ قانون ان عورتوں کی اس لیے نہیں سنتا ہے کہ وہ غریب ہوتی ہیں......"

"اوہ میرے خدا......!" تارا کانپ کر رہ گئی۔ "یہ آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کو کس جرم میں جیل میں ڈال دیا گیا تھا؟"

"حالات اور واقعات نے......" ٹائیگر بتانے لگا۔

"اس وقت میری عمر بائیس برس کی ہوگی۔ میں ایک سیدھا سا نوجوان تھا۔ والدین کی

وفات کے بعد میں ملازمت کی تلاش میں ایک جگہ گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں کے بازار میں چند بدمعاش ایک نہایت حسین لڑکی کو اغوا کر کے گاڑی میں ڈالنے کے لیے اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں...... دن دہاڑے...... وہاں دکانیں تھیں اور گاہک بھی...... وہ اس طرح اس مسلح بدمعاشوں کو دیکھ رہے تھے جیسے کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہو...... اگر وہ سارے لوگ چاہتے تو لڑکی کو ان بدمعاشوں کے ہاتھوں سے بچا سکتے تھے...... لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی...... جرأت اور حوصلہ نہیں تھا...... وہ بے غیرت اور بے شرم بنے ہوئے تھے......"

"اگر ان کی کوئی بیٹی اور بہن ہوتی تو بھی شاید وہ آگے نہ بڑھتے...... وہ لاکھ چیخ رہی تھی...... چلا رہی تھی...... مدد کے لیے...... ان بدمعاشوں اور وہاں کھڑے لوگوں سے کہہ رہی تھی...... منت سماجت کر رہی تھی...... گڑگڑا رہی تھی کہ خدا کے لیے مجھے بچاؤ...... وہ مزاحمت بھی کر رہی تھی...... بلاشبہ وہ ایک بہادر لڑکی تھی...... اسے اپنی عزت اور زندگی پیاری تھی......"

"ایک نازک سی لڑکی چار مسلح بدمعاشوں سے تنہا لڑ رہی تھی...... اس کش مکش میں اس کے کپڑے کئی جگہ سے پھٹ گئے تھے...... بے غیرت مجمع اس کے جسم کی عریانی سے لطف اندوز ہو رہا تھا...... مجھ سے رہا نہیں گیا...... وہاں ستر برس کا ایک بوڑھا شخص لاٹھی پکڑے کھڑا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے لاٹھی چھینی اور ان بدمعاشوں کے مقابلے پر ڈٹ گیا...... میں نے پہلے تو دو بدمعاشوں کے سر پھاڑ دیے تو وہ بے ہوش ہو گئے...... ہر ایک بدمعاش کے ہاتھ پیروں اور جسم کی ہڈیاں توڑ ڈالیں۔ پھر میں نے اپنے سر پر ایک زوردار ضرب محسوس کی...... وہ بندوق کا بٹ تھا جو میرے سر پر مار کر بے ہوش کیا گیا تھا۔"

"جب مجھے ہوش آیا تو میرا ذہن خالی تھا...... معلوم نہیں میں کتنا عرصہ بے ہوش رہا۔ سب سے پہلے اس لڑکی کا خیال آیا تو میں یہ سمجھا کہ میں مر چکا ہوں...... پھر میرے سر میں ایک ایسی ٹیس اٹھی جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میرے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میں ایک نہایت آراستہ خواب گاہ میں لیٹا ہوا تھا۔ مجھے خون اور گلوکوز دیا جا رہا تھا۔ ایک نرس اپنی سفید یونیفارم میں ملبوس تھی۔ وہ لڑکی جسے میں نے درندوں سے بچایا۔ اس کی عزت پر آنچ آنے نہیں دی۔ وہ ایک کرسی پر فکرمند اور پریشان بیٹھی تھی۔ لیکن اس کا لباس پھٹا ہوا نہیں تھا۔ وہ

مجھے ہوش میں دیکھ کر میرے پاس آئی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔"

"میرے محسن...... !اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے میری عزت بچائی...... مجھے اپنی جان سے زیادہ اپنی عزت ناموس کی فکر تھی...... آپ نے میری عزت بچانے کے لیے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی...... اس کی جزا تو اللہ آپ کو دے گا......"

میں نے اس لڑکی سے دریافت کیا کہ......"میں کہاں ہوں......؟"

اس وقت نرس ڈاکٹر کو میرے ہوش میں آنے کی اطلاع دینے کمرے سے نکل گئی تھی۔ لڑکی نے بتایا۔

"آپ اس وقت شہر کے سب سے بہترین اسپتال کے وی آئی پی روم میں ہیں......"

"کیا......؟" مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

"مجھے یہاں کون لے کر آیا......؟"

"سندر بن کنگ مافیا......" لڑکی بولی "ان کی بدولت آپ کو اس بدمعاش سے نجات ملی بلکہ آپ کی جان بھی بچی...... اس وقت وہ گزر رہے تھے۔ انہوں نے جو دیکھا تو اپنے آدمیوں سے جان بچائی اور اس اسپتال میں داخل کرایا۔"

پھر میں نے دریافت کیا کہ وہ بدمعاش کس لیے اغوا کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو وہ بولی۔

"ایک رات بدمعاش مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا...... اس نے مجھے بڑا لالچ بھی دیا...... میرے انکار پر اس نے مجھے اغوا کرنے کے لیے بدمعاشوں کو بھیجا...... آپ فرشتہ بن کر آئے...... ورنہ میں کسی قابل نہ رہتی۔ میری شادی جو ہونے والی تھی وہ نہیں ہو پاتی۔"

میں اسپتال میں تین دن زیر علاج رہا۔ وہ لڑکی اس کے باوجود کہ اسپتال میں میری دیکھ بھال کے لیے ایک نرس لگا دی تھی پھر بھی وہ میری خدمت کرتی رہی...... اس کے ماں باپ اور بھائی اس کا منگیتر بھی میرے اس احسان کا شکریہ ادا کرنے آئے تھے۔ وہ سب مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے میری بہادری کی بہت تعریف کی۔

تیسرے دن جب اسپتال سے ڈسچارج ہونے والا تھا تب اس سندر بن کنگ نے

گاڑی بھیج کر مجھے اپنے ہاں بلایا۔ آپ نے شاید سندر بن کنگ کا نام سنا ہوگا...... پورے بنگال میں اس سے خطرناک کوئی شخص نہیں ہے۔ اس کا نام سن کر مافیا پولیس اور بڑے بڑے مجرم بھی کانپتے ہیں، وہ ایک دیوہیکل شخص تھا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔ ان باتوں کے بعد اس نے سوال کیا۔

"سچ سچ بتانا...... تم نے ایک فلمی ہیرو کی طرح اس بدمعاش سے مقابلہ کیوں کیا؟"

"صرف انسانیت کے ناتے...... میں کسی پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔" میں نے اسے جواب دیا۔

"کیا تم انسانیت کی بقاء کے لیے مجرموں سے لڑنا چاہتے ہو......؟ کیا تم نہیں جانتے کہ مجرم کتنے خطرناک ہوتے ہیں...... ان کی پشت پر کالی بھیڑیں ہوتی ہیں...... ان سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوتا......" اس نے کہا۔

"لیکن میری جتنی ہمت ہے...... اور مجھ میں جتنا حوصلہ ہے۔ سامنے والا چاہے کتنا بڑا مجرم کیوں نہ ہو۔ میں انسانیت پر قربان ہو جاؤں گا۔"

"کیا تمہارے خیال میں تم بڑے جرائم کا خاتمہ کر سکو گے......؟ اس کی جڑیں اتنی مضبوط اور پھیلی ہوتی ہیں کہ انہیں کہاں تک کاٹ سکو گے۔"

"جتنا میرے بس میں ہوگا میں اس کی اتنی جڑیں کاٹ تو سکتا ہوں......" میں نے جواب دیا۔

"شاباش......" وہ خوش ہو کر کہنے لگا۔ "تمہارے اس جواب نے میرا دل خوش کر دیا...... سنو لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ مجرموں سے اور برائیوں سے لڑنے کے لیے ہر ایک کو ہر کام میں طاق ہونا چاہیے...... کیا تم ایسا کرنا چاہو گے......؟ اگر میں تمہیں بھٹی میں ڈال کر کندن بنا دوں تو تم کیا اس کے لئے تیار ہو......؟"

"ہاں...... میں تیار ہوں۔" میں نے بڑے حوصلے سے جواب دیا۔

"کندن بننے کے لیے تمہیں دو برس جیل میں رہنا ہوگا......" وہ بولا۔

"وہ کس لیے......؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس لیے کہ تم طاق ہو جاؤ......" اس نے جواب دیا۔

"جیل میں ایک سے ایک مجرم اور پیشہ ور موجود ہے...... وہ مجرم بننے کے لیے

بہترین تربیت گاہ ہے..... تم بہت کچھ سیکھ سکتے ہو..... وہاں بڑے بڑے مجرم..... وہاں کی مجرم یونیورسٹی کے استاد ہیں..... تم باہر آ کر ہر جرم اور ظلم کا مقابلہ کر سکو گے.....''

پھر مجھ سے ایک معمولی نوعیت کا جرم سرزد کرا کے دو برس کی سزا دلوائی۔ پھر میں دو برس جیل میں رہا..... میں نے وہاں ہر کام سیکھا..... جیب کاٹنا..... چاقو زنی..... ہر قسم کا اسلحہ چلانے کی تربیت..... الیکٹرونکس..... جیل میں کمپیوٹر بھی آ گیا تھا۔ غرض کہ کوئی جرم ایسا نہیں تھا چونکہ مجھ میں ذہانت، شوق اور تجسس تھا اس لیے سیکھ لیا..... میں وہاں استادوں کا استاد بن گیا تھا..... پہلوان اور جوڈو کراٹے بھی۔ لیکن اس ماحول میں منشیات اور عورت سے دور رہا..... پیسہ ہو تو عورت نہ صرف باہر سے بلکہ قیدی عورتوں میں سے بھی دستیاب ہو جاتی تھی۔ جب میری سزا ختم ہوگئی۔ میں ہر فن مولا بن گیا تو مجھے وہاں بلیک ٹائیگر کا خطاب دیا گیا۔''

''مجھے آپ سے مل کر اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی.....'' تارا بولی..... ''آپ بتائیں کہ میری کیا خدمت کر سکتے ہیں..... میں ہر صورت اور ہر قیمت پر جانو حیدر اور جعفر سے نجات پانا چاہتی ہوں.....''

''آپ مجھے جعفر کے بارے میں بتائیں کہ اس کا کاروبار اور آمدنی کا ذریعہ کیا ہے.....؟'' ٹائیگر نے پوچھا۔

''بظاہر تو اس کی گارمنٹس کی فیکٹری ہے جس میں بیس مشینوں پر زنانہ ملبوسات تیار ہوتے ہیں۔'' تارا بتانے لگی۔ ''اس نے ایک سے ایک حسین، ضرورت مند، اور مجبور قسم کی لڑکیوں کو اچھی اجرت پر رکھا ہوا ہے..... اس لیے کہ انہیں ہراساں کر کے ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھائے..... بہت شریف قسم کی لڑکیاں اور عورتیں ملازمت چھوڑ کر چلی جاتی ہیں..... فیکٹری میں جو عورتیں موجود ہیں وہ بدچلن قسم کی ہیں..... جعفر اس فیکٹری ورکرز سے فائدہ اٹھاتا ہے..... اس کے علاوہ منشیات کا کاروبار کرتا ہے..... اس کاروبار کے بدولت وہ دولت مند بن گیا ہے..... وہ میری دولت بھی ہتھیانا چاہتا ہے..... دیش کے معروف و مقبول ماڈل گرل اس کی داشتہ ہے۔ وہ اس کی کوٹھی میں رات بھر رہتی ہے۔''

''میں نے دو باتیں سوچی ہیں.....'' ٹائیگر نے کہا۔ ''جانو سے نجات پانے کی تدبیر یہ ہے کہ اس کے بنگلے کو آگ لگا دی جائے..... دو ایک دستی بم بھی اس کی عمارت کے

اندر..... جب وہ بنگلے کو شعلوں میں دیکھ کر نکلے گا۔ تب بم پھٹیں گے..... آن کی آن میں اس کی عمارت ملبے کا ڈھیر بن جائے۔ سب کچھ جل کر خاکستر ہو جائے گا۔ کوشش یہ ہوگی کہ اسے موبائل فون پر پیشگی اطلاع دی جائے گی..... اس کا بنگلہ تباہ ہونے سے اس کا کاروبار بھی ختم ہو جائے گا۔ وہ بھکاری بن جائے گا..... شاید صدمے سے مر جائے گا..... اس کا بنگلہ جو ہے اس میں تہ خانہ جس کو اس نے گودام بنایا ہوا ہے۔ اسے اسی طرح اس کی تباہی کا انجام کرنا ہے۔''

''جعفر کے بارے میں کیا سوچا آپ نے.....؟'' تارا نے پوچھا۔

''لوہے کو لوہا کاٹتا ہے..... آپ اسے بلیک میل کر کے تباہ و برباد کر سکتی ہیں.....'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

''میں اسے جیل کروانے کی سوچ رہا ہوں۔ جب وہ جیل سے رہا ہو کر آئے گا تو وہ بھیک مانگ کر گزارہ کرنے پر مجبور ہوگا۔ اسے کم سے کم پندرہ سے بیس برس کی سزا ہوگی۔''

دوسرے دن شام کے وقت جانو کے ساتھی ثروت نے جانو سے کہا۔

''حیرت کی بات تھی وہ فرار ہو کر کہاں روپوش ہوگئی..... کل رات جب ہم اس کی تلاش میں اس کے فلیٹ پہنچے تو وہ مقفل تھا۔ چوکیدار نے بتایا کہ تارا کے ساتھ جو ملازمہ تھی وہ دوپہر کے وقت اپنے گھر گئی لوٹی نہیں..... تارا بھی دوپہر کے بعد دفتر سے نکلی تو گھر رات بھی نہیں پہنچی..... آج پھر چوکیدار نے بتایا کہ وہ رات کسی وقت میں نہیں آئی اور نہ صبح سے اس کا پتا ہے۔ دفتر فون کرنے پر پتا چلا کہ وہ کسی کام سے کھلنا گئی ہوئی ہے۔ اس کا دفتر فون آیا تھا جس سے دفتر والوں کو پتا چلا..... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ کہاں گئی..... ٹائیگر کے ساتھ جانے..... نہ ہی وہ دونوں اس سے واقف نہیں ہیں۔ ٹائیگر نو بجے ہی چلا گیا تھا۔ اور پھر اس کی ٹیکسی بھی ہمارے آدمیوں کے جانے سے پہلے جا چکی تھی۔''

''ہاں..... وہ معمہ بن گئی ہے.....'' جانو بولا۔ ''جعفر کہہ رہا ہے کہ اسے ہر قیمت پر تلاش کرو۔ کہاں تلاش کریں؟''

''جعفر سے کہو کہ وہ دو، تین دن صبر کرے..... تارا جائے گی کہاں..... اسے دفتر آنا ہی آنا ہوگا۔''

اس وقت جانو کے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے کان سے لگایا تو دوسری طرف

ایک نامانوس اور گرجدار آواز نے اسے مخاطب کیا۔

''جانو......تم فوراً ہی باہر نکل جاؤ......اس لیے کہ تمہارے گھر کے چاروں طرف تیل چھڑک دیا گیا ہے اس کی بو آ رہی ہوگی......اور پھر تین دستی بم بھی ہیں......جو دس منٹ بعد پھٹیں گے......''

''چپ کر......تو کیا بکواس کر رہا ہے......کس کے باپ کی مجال...... یہ جانو کا گھر ہے حرام زادے......تیرے باپ کا نہیں......''

''ارے جانو جی......''اس آواز نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔''تو ذرا اپنے بائیں ہاتھ پر دیکھ......وہاں آگ لگ چکی ہے۔''

جانو نے چونک کر اس سمت دیکھا......واقعی وہاں ایک نیچے والا کمرا آگ کی لپیٹ میں آ رہا تھا۔اس کے ساتھوں نے بھی دیکھا......پھر وہ سب بھاگتے ہوئے نیچے آ گئے......اس وقت تک نیچے عمارت کا بیشتر حصہ شعلوں کی لپیٹ میں آ چکا تھا......وہ بنگلے کے احاطے سے باہر نکلے تھے کہ ایک دم سے دھماکے ہوئے...... یکے بعد تین دھماکے......

''ارے جلدی سے فائر اسٹیشن فون کرو......'' جانو ہذیانی لہجے میں چیخا۔''تماشا کیا دیکھ رہے ہو......''

''فائر بریگیڈ اسٹیشن یہاں سے پانچ میل دور ہے......'' جانو کے ایک ساتھی نے کہا۔''اس کے آنے تک گھر ملبے کا ڈھیر بن چکا ہوگا۔''

واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔فون کرنے کے باوجود آگ بجھانے والی گاڑی خاصی تاخیر سے آئی تھی۔کیوں کہ راستے میں گاڑی کے انجن میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔گاڑی جب پہنچی تو عمارت ملبے کا ڈھیر بن چکی تھی۔اس میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ٹائیگر جعفر کی کوٹھی میں دروازے سے داخل ہو کر بالائی منزل پر پہنچا تو گھڑی رات کا ایک بجا رہی تھی۔اس کی خواب گاہ سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔اس نے چھت پر جا کر بیڈ روم کے روشن دان سے جھانکا۔اس نے جعفر اور اس ماڈل گرل کو دیکھا۔وہ دونوں مے نوشی کے شغل میں مصروف تھے۔ماڈل گرل انیتا اس سے کہہ رہی تھی۔

''اس کمینی، چڑیل اور حرام زادی تارا کا کچھ پتا چلا......؟''انیتا بولی۔''تم نے تو کہا

تھا کہ جانو حیدر نے پانچ چھ دنوں کی کوششوں کے بعد آخر اسے اغوا کر کے یرغمال بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے......اس کی نمونہ فلم بنائی جائے گی۔اس کی شوٹنگ ہوگی۔فلم بن جانے کے بعد تم اس سے پہلی قسط دو کروڑ کی وصول کرو گے......وہ ہر ماہ دس لاکھ روپے دیتی رہے گی......اس سے رقم وصول کرنے کے بعد تم مجھے بھی ہر ماہ دو لاکھ رقم دیتے رہو گے......وہ منصوبہ کیا ہوا......؟فلم کہاں ہے......مجھے بھی تو دکھاؤ۔''

''سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔'' جعفر نے جواب دیا۔''فلم تو اب جانو کی بن گئی ہے۔اس لیے اب تک اس منصوبے پر عمل نہیں ہو سکا......وہ یہ کہ جس کمرے میں اسے قید کیا گیا اس کمرے کی کھڑکی سے سلاخیں نکال کر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی......وہ کہیں روپوش ہوگئی......جانو کے ڈبل اسٹوری بنگلے کو پٹرول چھڑک نہ صرف آگ لگا دی بلکہ دستی بموں کے پھٹنے سے اس کا شاندار بنگلہ مٹی کا ڈھیر بن گیا۔اس کا صدمے سے برا حال ہے۔''

''اب کیا کرو گے تم......؟''انیتا بولی۔''وہ تمہارے ہاتھ سے نکل گئی۔ایسی سونے کے انڈے دینے والی مرغی کہاں ملے گی؟''

''تارا سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے......وہ نہ تو دو دن سے دفتر آ رہی ہے اور نہ فون کال ریسیو کر رہی ہے۔اس نے اپنے تینوں موبائل فون بند کئے ہوئے ہیں......میں اس سے کہنے والا ہوں کہ پہلے ایک کروڑ کی رقم ادا کرو......پہلی قسط ہوگی......پھر اس کے بعد ہر ماہ پانچ لاکھ......میں تمہیں سستا چھوڑ رہا ہوں۔''

''وہ کس خوشی میں تمہیں یہ رقم ادا کرے گی......؟''انیتا نے کہا۔''کس بناء پر......؟''

بنگلہ دیش میں عورتوں کے چہروں پر تیزاب پھینکنے کی وارداتیں ہوتی آ رہی ہیں۔''وہ کہنے لگا۔''روزانہ ایک دو......ایک دو وارداتیں ہو رہی ہیں۔آج بھی دو وارداتوں کی خبریں اخبار میں چھپی ہیں......میں اسے دھمکی دوں گا کہ اگر اس نے میرا مطالبہ نہ مانا تو میں اس کے چہرے اور آنکھوں پر تیزاب پھینک کر اس کی زندگی درگور کر دوں گا۔''

''کیا وہ ڈر کر اتنا بڑا مطالبہ منظور کر لے گی......؟''انیتا نے کہا۔''اس بات سے بلیک میل ہو سکے گی؟''

''عورت اپنی بدصورتی سے جتنی خائف ہوتی ہے کسی اور سے نہیں......''وہ بولا۔

''نہیں...... تم یہ بے وقوفی مت کرنا......'' انیتا کہنے لگی۔ ''تم کالے میاں سے بات کرو۔ وہ بڑا خوفناک بدمعاش ہے۔ میرے خیال میں پچاس ساٹھ ہزار میں تیار ہو جائے گا...... وہ تمہیں اس کی ہر قسم کی فلم اور تصویریں بھی کھینچ کر دے دے گا۔''

''تم کالے میاں کو کل میرے دفتر بھیج دینا۔'' جعفر نے کہا۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ ہتھے چڑھنے کے بعد کیسے بچ کر نکلتی ہے۔ میں فوراً ہی اس کی فلم بناؤں گا...... میں دیکھتا ہوں کہ وہ فلم میں کام کیسے نہیں کرے گی؟''

''کیا تم اسے چارپائی سے باندھ کر فلم میں کام کرنے پر مجبور کرو گے؟'' انیتا نے پوچھا۔

''نہیں......'' جعفر نے سر ہلایا۔ ''میرے ایک ہاتھ میں تیزاب سے بھری بوتل ہوگی۔ اس کے فرشتے بھی میری ہر بات ماننے پر مجبور ہوں گے۔''

''ونڈر فل آئیڈیا......'' انیتا اس کا گال چوم کر بولی۔ ''ارے ہاں...... تم نے میرے لیے ایک نیا نیکلس جو خریدا ہے وہ کہاں ہے؟''

''اوہ سوری ڈارلنگ......'' جعفر نے بستر سے نکل کر کہا۔ ''میں تو بھول ہی گیا تھا۔ اسے میں نے تجوری میں رکھا ہوا ہے...... میں ابھی لاتا ہوں۔ وہ نیکلس ایسا ہے کہ دیکھ کر خوشی سے باغ باغ ہو جاؤ گی۔''

دیوار پر ایک جہاز سائز کا جاپانی کلینڈر لگا ہوا تھا۔ اس میں ایک نیم عریاں جاپانی لڑکی کی تصویر تھی۔ اس نے کلینڈر کونے پر رکھ کر تجوری کی طرف دیکھا۔ پھر کوڈ نمبر سیٹ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے تجوری کھولی۔ تجوری کے اندر نوٹوں کی گڈیاں، فائلیں اور زیورات کے مخملی ڈبے رکھے تھی۔ جعفر نے ایک بڑا سا ڈبا تجوری میں سے نکالا پھر ڈبے کو کھول کر نیکلس نکالا ہیروں کا نیکلس بڑا خوبصورت تھا۔ جگمگا رہا تھا۔

جعفر نے اسے سنگار کے بڑے آئینے کے سامنے کھڑا کر کے ہار اس کی صراحی دار گردن میں پہنا دیا۔ اس ہار نے اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ اپنا جائزہ لیتی رہی۔ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔ آنکھیں ہیروں کی طرح دمک رہی تھیں۔

''ہاؤ سوئٹ......'' وہ کھنکتی آواز میں بولی اور آئینے میں جعفر کو دیکھنے لگی۔ ''بہت قیمتی

معلوم ہوتا ہے؟''

''ایک لاکھ ٹاکا کا ہے۔'' جعفر نے جواب دیا۔ ''آج شام منشیات کی ایک کھیپ آئی ہوئی ہے وہ گودام میں ہے۔ دس لاکھ ٹاکا اس کی مالیت ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے پندرہ لاکھ آسانی سے مل جائیں گے۔ اگر پندرہ لاکھ میں سودا طے ہو گیا تو دو لاکھ تمہارے......''

پھر وہ دونوں شراب پینے اور جشن منانے بستر پر چلے گئے۔ ٹائیگر نے ان کی کوئی دس بارہ فلمیں ڈیجیٹل کیمرے سے بنا لیں جب وہ دونوں جانور بن گئے تھے...... پھر وہ نیچے آیا۔ اس نے جیب سے ایک ڈبا نکالا اور دروازے کے نیچے اس کا منہ رکھ کر دبایا...... گیس خارج ہونے لگی۔ وہ دس منٹ بعد کمرے میں منہ پر ڈھاٹا باندھے داخل ہوا۔ وہ دونوں بے ہوشی کی حالت میں پڑے تھے اس نے تجوری کی رقم اور زیورات کے ڈبے ایک پلاسٹک تھیلے میں ڈالے پھر تجوری مقفل کی...... انیتا نے وہ ہار جو میز پر رکھ چھوڑا تھا اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ پھر اس نے کمرے کی کھڑکیاں اور دروازہ کھول دیا تاکہ گیس کی بو باہر نکل جائے۔ جب بو نکل گئی تب وہ باہر آ گیا۔ گیس اسپرے سے وہ دونوں جو بے ہوش ہوئے ہوش میں آنے میں دو گھنٹے باقی تھے۔

جب صبح دس بجے وہ ناشتا کر رہے تھے تب ملازم نے آ کر بتایا کہ پولیس انسپکٹر اور پولیس آئی ہوئی ہے۔''

جب وہ حیران پریشان کمرے سے نکلا تو پولیس انسپکٹر اس کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس نے جعفر کو سرچ وارنٹ دکھایا اور اس نے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ پھر اس نے انیتا کے ساتھ روم کی تصویریں دکھائیں۔

☆......☆......☆

ٹائیگر ڈھاکا واپس آیا۔ اس نے تمام سی ڈیز اور تصویریں اور نیگیٹوز جلا ڈالیں پھر اس نے ہاشم کو جا کر کرائے کی رقم دی اور اسے تارا کا پیغام بھی سنایا۔ ہاشم نے اسے خوب جی بھر کے دعائیں دیں، ہاشم کی طبیعت قدرے بہتر تھی۔ لیکن کمزوری اور نقاہت اتنی تھی کہ ابھی وہ گاڑی چلانے کے قابل نہیں تھا۔ اسے دو تین دن سخت آرام کی ضرورت تھی۔ ٹائیگر نے اس سے کہا کہ جب تک وہ ٹیکسی چلانے کے قابل نہیں ہو جاتا وہ ٹیکسی چلاتا رہے گا، پھر اس نے ٹیکسی کرائے پر لے لی۔

اس نے جعفر کو جو قانونی پھندے میں پھنسایا تھا تارا نے پچاس ہزار خدمت کا معاوضہ دیا تھا جو لے لیا تھا۔ وہ اسے مزید رقم دینے کے لئے تیار تھی۔ لیکن ٹائیگر نے منع کر دیا تھا۔ البتہ اس نے تارا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی شادی میں ضرور شرکت کرے گا۔

رات کے وقت ٹائیگر ہوٹل بندو سے چائے پی کر نکلا۔ اس نے پان سگریٹ کی دکان پر جا کر سونف خوشبو کا پان لیا اور کلے میں دبا کر ٹیکسی کی طرف بڑھا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے گاڑی کو مقفل نہیں کیا۔ لیکن جب وہ ٹیکسی کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک شخص جو موٹا بھدا تھا اس کی توند باہر نکلی ہوئی تھی جس نے اسے بے ڈول اور بے بدنما بنا دیا تھا۔ وہ نفیس اور قیمتی لباس میں ہونے کے باوجود کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑ رہا تھا۔ آج وہ سارا دن مصروف رہا تھا۔ اسے پل بھر کی فرصت نہیں ملی تھی۔ وہ گھر واپس جانا چاہتا تھا۔
اس نے سواری کو جو گاڑی میں بیٹھے دیکھا تو وہ اسٹیرنگ پر بیٹھ کر سواری کی طرف گھوم کر دیکھا۔

''صاحب جی......! آپ دوسری ٹیکسی دیکھ لیں...... مجھے اس وقت گھر واپس جانا ہے۔ میں بے حد تھک گیا ہوں۔''

''مجھے دھان منڈی کے علاقے میں جانا ہے......'' سواری نے کہا۔ ''وہاں صرف آدھا گھنٹہ لگے گا...... پھر میں رام نگر روڈ جاؤں گا۔''

''جی نہیں صاحب جی......'' ٹائیگر نے پھر لجاجت سے کہا۔ ''آخر آپ دوسری ٹیکسی کیوں نہیں کر لیتے......؟''

''میں کوئی ایک گھنٹے سے خوار ہو رہا ہوں...... ٹیکسی ہے کہ مل نہیں رہی ہے، جو جا رہی ہے، وہ بھری ہوئی ہے...... آپ ضرور چلیں...... میں منہ مانگا کرایہ دوں گا۔'' اس نے کہا۔

''بات کرائے کی نہیں...... بات دراصل یہ ہے کہ......'' ٹائیگر کا جملہ ادھورا رہ گیا۔
سواری نے جیب سے پانچ پانچ سو کے تین نئے اور کرارے نوٹ نکالے اور فضا میں لہرا دیے۔

ٹائیگر ایک دم سے چونک پڑا۔ کیوں کہ کرایہ اتنا نہیں بنتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ تین

چار سو ٹاکا...... وہ پندرہ سو کی رقم دینے کو تیار تھا...... بغیر مانگے ہی...... پندرہ سو ٹاکا کرایہ......؟ کرایہ کم کرنے کی بجائے کرایہ سنے بغیر ہی پندرہ سو دے رہا تھا۔
ٹائیگر کی کچھ بھی سمجھ نہیں آیا...... اس نے سوچا یہ شخص بے وقوف ہے یا پھر شراب کے نشے میں دھت ہے...... یا پھر دبئی یا سعودی عرب سے برسوں کے بعد آیا ہے۔ اسے کچھ اندازہ نہیں ہے کہ کرایہ کیا ہوگا......
لیکن ان باتوں کے باوجود اسے یہ شخص پراسرار اور مشکوک سا لگا۔ اس شخص کے پاس حرام کی کمائی ہے...... یا پھر کوئی ایسا ضروری کام ہے۔ جو وہ جلد از جلد نمٹانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے منہ مانگا کرایہ دینے میں معلوم ہوتا ہے۔ کیوں نہ آزما لیا جائے۔
ٹائیگر تذبذب...... میں پڑ گیا۔ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ کرایہ بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا...... اس لیے کہ آج وہ بے حد تھکا ماندہ تھا۔ جو زیورات اور بڑی رقم جانو اور جعفر کی لایا تھا اسے مستحق لوگوں تک پہنچانا تھا۔ اس نے رات گھر بیٹھ کر ایک فہرست بنائی تھی...... معذوروں...... یتیم خانوں...... آشرم کی...... غریب مریضوں اور ضرورت مندوں کی...... زیورات اس نے بندھن ادارے کو دے دی۔ اس میں بڑے نیک، خدا ترس بزرگ تھے...... نادار لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی کرتے تھے۔ وہ زیورات کے علاوہ رقم میں عطیہ، زکوٰۃ اور خیرات لیتے تھے۔ زیورات وصول کرتے وقت دریافت نہیں کرتے تھے کہ کہاں سے اتنے قیمتی زیورات آئے۔ رسید دے دیا کرتے تھے۔ مخیر حضرات بھی وقفے وقفے سے اس ادارے کی مدد کرتے تھے۔
وہ انہیں بھی زیورات اور رقم دیتا تھا...... کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس ادارے کے پاس سے چوری کے زیورات برآمد ہوئے ہوں...... ٹائیگر بھی اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ اس سماجی اور خیراتی ادارے پر کوئی حرف نہ آئے۔ اس نے ہیروں کا نیکلس فروخت کر کے رقم ادارے کو دے دی تھی۔ چونکہ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ سر سے بوجھ اتارے گا۔ اس لیے سارا دن مصروف رہا تھا۔
اس نے پندرہ سو کی رقم دیکھی تو اس کے دل میں تجسس سا ہوا کہ معاملہ کیا ہے......
اس نے سوچا کہ کرائے کی اتنی بڑی رقم وہ ہاشم میاں کو دے دے گا...... اس نے عقبی آئینے میں اس شخص کو دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"مجھے نقصان ہوگا......اس لیے میں دو ہزار ٹاکا سے ایک ٹاکا بھی کم نہیں لوں گا۔"

اس نے بغیر حیل حجت اور تکرار کے مزید پانچ سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"جلدی کرو......ویسے ہی بہت دیر ہوگئی ہے......میرا انتظار ہو رہا ہوگا۔"

ٹائیگر نے ٹیکسی چلاتے ہوئے سوچا......یقیناً دال میں کچھ کالا ہے......اس لیے اس نے فوراً ہی پانچ سو کی رقم دے دی۔

دھان منڈی کا علاقہ قدیم تھا......اب گلستان......گلشن...... بنانی اور بھی بہت سے نئے علاقے اور کالونیاں وجود میں آ چکی تھیں لیکن ان سے دھان منڈی کی اہمیت، حیثیت اور قیمت متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اس میں کوٹھیاں بنگلے اور بلند و بالا اپارٹمنٹس اور بہت بڑا کمرشل ایریا بھی تھا۔ آج وہاں سرمایہ دار، زمیندار اور ہر قسم کے صاحب لوگ رہائش پذیر تھے۔

ٹیکسی ایک نیم تاریک اور عالیشان گلی میں داخل ہو کر چار سو گز کے ایک بنگلے کے پاس رکی۔ گلی ویران تھی۔ اس بنگلے کے باہر ایک نیم کا درخت تھا۔ اس بنگلے کے برآمدے اور دو ایک کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ شخص دروازہ کھول کر ٹیکسی سے اترا پھر گیٹ کی طرف بڑھا اور کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ اندر جو گھنٹی تھی وہ گنگنائی۔

چند لمحوں کے بعد عقبی دروازہ کھلا۔ ٹائیگر نے ایک ادھیڑ عمر کے شخص کو دیکھا۔ وہ شخص چہرے مہرے اور وضع قطع سے خبیث سا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے کمینگی جھانک رہی تھی۔ سواری نے اس سے پوچھا۔

"مناف صاحب! قاضی سراج الدین آ گیا......؟ کیا وہ تمام کاغذات لے کر آیا ہے......؟"

"قاضی صاحب کا فون آیا تھا......وہ پانچ دس منٹ میں پہنچنے والے ہیں۔ شاہ جہاں صاحب! آپ اندر تو تشریف لائیں۔"

شاہ جہاں نے اندر قدم رکھنے کے بعد پوچھا۔ "دلہن......کیا تیار ہو رہی ہے......کہیں وہ......؟"

ٹائیگر پورا جملہ سن نہ سکا۔ کیوں کہ وہ شاید برآمدے یں پہنچ چکا تھا۔

چند لمحوں کے بعد ایک ٹیکسی آ کر رکی۔ اس میں ایک شخص بغل میں رجسٹر ڈالے اترا......وہ کافی عمر رسیدہ تھا۔ ٹائیگر اسے خوب پہچانتا تھا۔ وہ کیا پورا شہرا سے جانتا تھا کتنا خبیث، شاطر اور جعل ساز اور فراڈیا ہے......جعلی نکاح نامے بناتا......زبردستی شادیاں کراتا......عورتوں میں جا کر جھوٹی قسمیں کھاتا اور گواہی دینا اس کا پیشہ تھا بے ایمان، بے ضمیر، اور بدنام آدمی تھا......عورتوں کو حلالہ کرنا اور کرانا اس کا پیشہ تھا......خود کئی عورتوں کو حلالہ کر چکا تھا۔

ٹائیگر کے دل کے کسی کونے میں جو یہ خیال آیا تھا کہ سواری پراسرار اور مشکوک قسم کی ہے......دال میں کالا ہے......اس کے اندیشے کی تصدیق ہوگئی تھی۔ بغلی گیٹ بند نہیں کیا گیا تھا۔ قدرے کھلا ہوا تھا۔ جس میں سے ایک شخص گزر کر اندر جا سکتا تھا۔ ٹائیگر کو جستجو ہوئی تو وہ ٹیکسی سے اترا۔ اس نے دروازہ بند نہیں کیا صرف بھیڑ دیا۔ اس نے گیٹ کے سامنے جا کر اندر جھانکا۔ دو کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ ایک کمرے سے عورتوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کمرے کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس لیے اندر کا منظر نظر نہیں آتا تھا...... برآمدے کے سامنے والا جو کمرا تھا اس کا اندر جانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کمرے میں جو گفتگو ہو رہی تھی وہ سنائی دے رہی تھی۔ اس کمرے کی دو کھڑکیاں احاطے اور دیوار کی طرف کھلتی تھی۔ ادھر اندھیرا تھا۔ ٹائیگر اس طرف بڑھا۔ ایک کھڑکی کا پردہ سرکا ہوا تھا۔ جس سے کمرے کا دروازہ اور اندر کمرے کا منظر روشنی میں نہایا ہوا تھا۔

مناف اور شاہ جہاں صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے قاضی ان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ مناف کہہ رہا تھا۔

"شاہ جہاں صاحب! اب آپ ایک لاکھ ٹاکا عنایت فرمادیں۔ آپ نے کہا تھا کہ نکاح سے تھوڑی دیر پہلے ادا کر دوں گا۔"

"میں نے جس لڑکی کو دلہن بناتے وقت جو زیورات لا کر دیے ہیں وہ پانچ لاکھ ٹاکا کے ہیں......" شاہ جہاں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "کیا آپ نے وہ تمام زیورات پہنا دیئے کہ نہیں......؟ میں تسلی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا آپ کو ہم پر اعتبار نہیں......؟" مناف کو اس کی بات بری لگی۔ "ہم بد دیانت نہیں......"

''بات اعتبار کی اور بے اعتباری کی نہیں......'' شاہ جہاں نے کہا۔''آپ نے خود کہا تھا کہ نکاح سے قبل زیورات چیک کر لیں۔''

''ٹھیک ہے......'' مناف بولا۔''آپ تسلی کر کے ہی رقم دے دیں۔''

''پہلے آپ رقم لے ہی لیں......'' شاہ جہاں نے جیب سے ایک گڈی نوٹوں کی نکال کر مناف کی طرف بڑھائی۔''پورے ایک لاکھ ٹاکا ہیں......سارے پانچ پانچ ہزار کے نوٹ ہیں۔آپ اچھی طرح سے گن لیں۔''

مناف نے اسی وقت رقم کی گنتی کی......پھر اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔''شکریہ......''

کیا لڑکی ابھی تیار نہیں ہوئی......؟'' شاہ جہاں نے پھولا ہوا بٹوا جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔''جلدی کریں۔''

''اس کا سنگھار کیا جا رہا ہے......'' مناف نے جواب دیا۔''صرف دس منٹ لگیں گے۔''

''لڑکی وہی ہے نا......؟'' شاہ جہاں نے پوچھا۔''نسیمہ جہاں کی جگہ کوئی اور لڑکی تو نہیں ہے؟''

''ارے آپ کیسی باتیں کرتے ہیں شاہ جہاں صاحب......'' مناف نے کہا۔''یہ وہی لڑکی ہے جس کی تصویریں دکھائی تھیں......ہم ایسا کام ہرگز نہیں کرتے ہیں......''

''اس لڑکی کے لواحقین میں سے کوئی نظر نہیں آ رہا ہے؟'' شاہ جہاں نے کہا۔

''میں نے پہلے ہی آپ سے عرض کر دیا تھا کہ دنیا میں اس لڑکی کا کوئی نہیں ہے......'' مناف کہنے لگا۔''وہ یتیم ہے......تین ماہ پہلے جولکشام ریلوے اسٹیشن پر ریل گاڑی کو جو حادثہ پیش آیا تھا اس میں اس کا خاندان ختم ہو گیا تھا۔وہ یتیم خانے میں تھی......اتنی حسین اور ایسی حسین کہ آپ نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہو گی۔''

''مناف صاحب......! ایک گواہ کا تو بندوبست کرنا ہو گا......آپ وکیل کے فرائض انجام دیں گے۔'' قاضی نے کہا جو دوسرا گواہ نہیں ہے۔اس کے دستخط اور نام لے کر دوں گا......میں نے یہ بات آپ کو پہلے ہی بتا دی تھی۔''

''کیا ٹیکسی ڈرائیور گواہ بن سکتا ہے......؟'' شاہ جہاں نے دریافت کیا۔

''کیوں نہیں......'' قاضی نے جواب دیا۔''کسی راہ گیر کو بھی پکڑ کر لائیں۔کوئی فرق نہیں پڑتا......خانہ پوری جو کرنی ہے۔''

''ٹھیک ہے میرے ساتھ جو ٹیکسی ڈرائیور ہیں اسے بلا کر لے آتا ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

ٹائیگر آ کر ٹیکسی میں اسٹیئرنگ پر بیٹھ گیا۔جب شاہ جہاں آیا تو ٹائیگر نے کہا۔

''کیا ہوا کام ختم ہو گیا۔؟'' ٹائیگر سیدھا ہوتا ہوا بولا۔''کیا واپس چلنا ہے۔؟''

''نہیں دس پندرہ منٹ اور لگیں گے۔'' شاہ جہاں نے کہا۔''تم سے ایک کام آن پڑا ہے۔؟''

''کیا......؟'' ٹائیگر نے انجان بن کر پوچھا۔''کیا آپ کو کچھ اور دیر ہو جائے گی۔؟''

''میری اس وقت شادی ہو رہی ہے۔'' شاہ جہاں نے کہا۔''اتفاق سے ایک گواہ کی ضرورت پڑ رہی ہے......میں چاہتا ہوں کہ تم گواہ بن کر میرا مسئلہ حل کر دو۔بڑی مہربانی ہو گی۔''

''معلوم نہیں......کیا پھڈا ہے......میں کیوں گواہ بن جاؤں......جب کہ لڑکی نہ تو مجھے جانتی ہے اور نہ میں اسے......'' ٹائیگر نے کہا۔''خدا کے لیے مجھے معاف ہی رکھیں۔''

''میں تمہیں دو ہزار ٹاکا دوں گا......'' شاہ جہاں نے اندرونی جیب سے بٹوا نکالتے ہوئے کہا۔پھر پانچ پانچ ہزار کے چار نوٹ ہاتھ پر رکھ دیے۔

''کل کہیں میں کسی بڑی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں......؟'' ٹائیگر نوٹ لیتے ہوئے بولا۔

''نہیں......نہیں......یہ خانہ پوری کی ایک رسمی کارروائی ہے۔'' شاہ جہاں نے کہا۔

جب وہ شاہ جہاں کے ساتھ اندر پہنچا تو اسی وقت برابر والے کمرے سے دو عورتیں دلہن کو لے کر آئیں۔انہوں نے دونوں طرف سے دلہن کے بازو اس طرح سے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے جیسے وہ بھاگنا چاہتی ہے پھر وہ اسے لے کر بڑے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

ٹائیگر نے دیکھا۔لڑکی نہایت حسین تھی۔اس میں جاذبیت اور دلکشی تھی۔وہ مسلسل روتی جارہی تھی۔سسکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی کہ۔''مجھے اس مردود اور خبیث انسان سے کسی قیمت پر شادی نہیں کرنی ہے......اس نے میرے ماں باپ بھائی اور بہن کو جھوٹے الزام میں حوالات میں بند کرا دیا ہے......صرف مجھ سے شادی کرنے کے لیے......میں مرجاؤں گی......ہرگز اس حرام زادرے سے شادی نہیں کروں گی۔''

''صاحب جی......! یہ کیا معاملہ ہے......! یہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے......؟ لڑکی کی مرضی اور اجازت کے بغیر زبردستی اور جبراً شادی کرنا جرم ہے۔'' ٹائیگر نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔''میں تو گواہ نہیں بنوں گا۔مجھے معاف کریں۔''

لڑکی ماں باپ کی موت کے بعد صدمہ سے پاگل ہوگئی ہے۔'' شاہ جہاں نے کہا۔''شادی کے بعد جب اسے میری محبت اور پیار ملے گا۔تو نارمل ہوجائے گی۔''

''نہیں......نہیں......یہ جھوٹ ہے......میرے والدین حیات ہیں۔بہن بھائی بھی زندہ ہیں......یہ میری خوبصورتی پر ریجھ گیا ہے......میری جوانی کا دشمن ہوگیا ہے......یہ مجھ سے خوب کھیل کود کر کولکتہ لے جا کر بیچ دینا چاہتا ہے......یہ طوائفوں کا دلال ہے۔اس کا یہی کام ہے......خدا کے لیے اس شیطان مردود سے بچاؤ۔''

پھر ایک عورت نے اپنے کندھے سے لٹکے ہوئے پرس سے ایک بوتل نکال کر دکھائی اور کرخت لہجے میں بولی۔

''یہ دیکھ رہی ہونا......میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں......کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارے چہرے اور جسم پر ڈال دوں۔''

''نہیں......نہیں''لڑکی نے ہذیانی لہجے میں کہا۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''قاضی صاحب......! جلدی سے نکاح پڑھائیں......''شاہ جہاں نے کہا۔

اس عورت نے جو تیزاب سے بھری بوتل دکھائی تو لڑکی سیدھے راستے پر جیسے آگئی۔قاضی نے نکاح نامہ پر کیا۔ٹائیگر کا نام پوچھا۔ٹائیگر نے اپنا نام وہی بتایا جو قاضی کا تھا......قاضی پہلے تو بڑا حیران ہوا۔اس کے دستخط لیے۔پھر اس نے نکاح پڑھایا۔لڑکی کے دستخط لینے چاہے تو اس نے صاف انکار کردیا۔پھر زبردستی اس کے انگوٹھے پر سیاہی مل کر اسے نکاح نامہ میں لگادیا گیا۔

نکاح ہونے کے بعد منہ میٹھا کرایا گیا۔ٹائیگر نے ان دونوں یعنی مناف اور شاہ جہاں وش انداز سے بغل گیر ہوکر مبارک باد دی۔پھر اس لڑکی کو ان دونوں عورتوں نے جبر سے ی میں سوار کرایا۔جب ٹیکسی نے نصف گلی پار کرلی تو ٹائیگر نے عقبی آئینے میں دیکھا۔ ف ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کرتے اور پیچھے بھاگ کر آتے دیکھا۔ ا نے ٹیکسی روکی نہیں اس کی رفتار تیز کردی۔وہ چیختا چلاتا رہ گیا......شاہ جہاں نے یہ نہیں ھا تھا۔کیوں کہ وہ دلہن کے ہاتھ کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کررہا تھا۔دلہن ہر بار اس کا ہ جھٹک دے رہی تھی۔یہ نفرت کا اظہار ہورہا تھا۔

''میری جان نسیمہ......فلائٹ رات بارہ بجے کی ہے......ابھی اس میں ایک ھنٹہ باقی ہے......ہم رات کے ایک بجے چٹا گانگ میں ہوں گے......میں نے ہاں کے مسکن ہوٹل میں روم بک کرایا ہوا ہے......سہاگ کی پہلی رات گزار کر وسرے دن رنگا ماٹی چلے جائیں گے۔وہاں سات دن رہ کر پھر کاکس بازار جائیں گے......اب تو خوش ہوجاؤ۔''

شاہ جہاں نسیمہ سے محبت بھری باتیں اور جذباتی حرکتیں کیے جارہا تھا۔نسیمہ اسے رت، حقارت اور غصے سے بار بار ایک طرف دھکیل رہی تھی۔جب ایک دم جھٹکے سے یکسی رکی تو ان دونوں نے چونک کر دیکھا۔ٹیکسی ایک بہت بڑے میدان میں کھڑی ھی۔گھپ اندھیرا تھا وہاں سے سڑک نصف فرلانگ پر تھی۔سڑک پر گاڑیوں کی آمدو فت جاری تھی۔

ٹائیگر کے ہاتھ میں ایک لوہے کا سریا تھا۔اس نے فضا میں ہاتھ ہلاتے ہوئے ھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''شاہ جہاں......! اگر آپ اپنی زندگی اور سلامتی چاہتے ہیں تو......صرف اکیلے نیچے تشریف لے آئیں۔''

''یہ کیا بدمعاشی ہے......''وہ غصے سے بولا۔

''بدمعاشی تو تم نے کی ہے اس لڑکی اور اس کے ماں باپ اور بھائی بہن کو جیل کے اندر کرادیا......ان کا جرم کیا تھا......؟''

''میں کہتا ہوں تم ہمارے معاملے میں ٹانگ مت اڑاؤ......''شاہ جہاں بگڑ کر

بولا۔''میں نے تمہیں کرایہ دے دیا ہے۔تم ہمیں وہاں پہنچادو...... یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ تم میری بیوی کو لے اڑو......''

''میں کہتا ہوں شرافت سے باہر آجاؤ......'' ٹائیگر نے کہا۔''میرے پاس وقت نہیں ہے...... میں دس تک کی گنتی گن رہا ہوں......تم باہر نہیں آئے تو پھر یہاں تمہاری لاش ہوگی......تخت یا تختہ......؟''

شاہ جہاں سمجھ گیا کہ اس بدمعاش کی نیت میں فتور آ گیا ہے۔زیورات اور حسین لڑکی دیکھ کر اس نے اونچا ہاتھ مارنے کا منصوبہ بنالیا ہے......اب وہ اسے قتل کردے گا۔ یہاں دور دور تک آدم ہے نا آدم زاد......اگر وہ نیچے نہیں اترا تو وہ واقعی اسے قتل کردے گا۔وہ بادل نخواستہ نیچے اتر آیا تو ٹائیگر نے کہا۔''سامنے مشرق ہے......اب تم اس طرف بھاگو...... پلٹ کر دیکھوگے تو پتھر کے ہوجاؤ گے......''

لوہے کا سریا اور ٹائیگر کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ بگٹٹ مشرق کی سمت بھاگنے لگا۔اس کا سینہ پھولا جارہا تھا۔

اور نسیمہ نے اس مردود سے نجات پانے کے لئے دل میں سوچا...... اللہ نے اس درندے سے نجات دلادی۔لیکن کیا وہ اس کی دسترس سے محفوظ رہے گی؟ پھر اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی سے کہا۔

''خدا کے لیے جلدی سے گاڑی یہاں سے نکال لیجئے...... کہیں وہ بدمعاش کوئی نقصان نہ پہنچائے۔پولیس کو لیتا ہوا نہ آجائے۔''

ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے دروازہ کھولا۔اس نے سریا فرش پر رکھا۔پھر گاڑی میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

''آپ بے فکر رہیں...... جب تک وہ پولیس تک پہنچے گا ہم گھر پہنچ چکے ہوں گے......ہمارے ہاتھ لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''اگر اس نے آپ کی گاڑی کا نمبر بتادیا ہوگا تو پھر پولیس پہنچ جائے گی۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

ٹائیگر ہنس پڑا۔اس کی سادگی پر...... پھر اس نے کہا۔''محترمہ......اس شہر میں سینکڑوں نہیں ہزاروں ٹیکسیاں ہیں۔اس مردود نے ٹیکسی کا نمبر نوٹ تھوڑی کیا ہوگا......

اور پھر میدان میں گاڑی کا نمبر نوٹ کرنے سے رہا۔کیسا سخت اندھیرا ہے...... پولیس کو کیا پڑی کہ دردسری مول لے...... وہ اس کی جیب گرم کرنے پر وہ یہ نیک کام صبح ہی انجام دے گی۔''

جب گاڑی میدان سے نکل کر سڑک پر آئی تو وہ لڑکی خوف زدہ ہوگئی اور خوف زدہ نظروں سے باہر جھانکتی اور پیچھے مڑمڑ کر دیکھتی رہی۔ٹائیگر نے اسے پھر تسلی دی۔''قابو میں رکھیے اپنے آپ کو...... میں نے کہا نا کہ آپ کا بال تک بیکا نہیں ہوگا۔''

''بات یہ ہے کہ اس نے اس کے لیے مناف کو ایک لاکھ ٹاکا دے کر خریدا......اور پھر میرے بدن پر تو عروسی جوڑا ہے وہ تیس ہزار کی قیمت کا ہے...... یہ زیورات جو میرے بدن پر ہیں یہ بھی لاکھوں کے ہیں......اس صورت میں کیا وہ خاموش بیٹھ جائے گا...... مجھے تلاش نہیں کرے گا...... پولیس میں رپورٹ نہیں کرے گا۔''

''اس کے پاس شادی کا کیا ثبوت ہے......؟'' ٹائیگر نے پوچھا۔

''اس کے پاس جو نکاح نامہ ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔''اس پر مناف کے علاوہ اس مردود دلہا، میرے انگوٹھے کا نشان اور گواہ میں آپ کے دستخط ہیں......اس پر حق مہر چالیس ٹاکا لکھا ہوا ہے۔''

''اوہ...... اس نکاح نامہ کی آپ بات کررہی ہیں۔'' ٹائیگر نے اس کی طرف جیب سے نکاح نامہ نکال کر بڑھایا اور اندر روشنی کردی۔''اچھی طرح سے دیکھ لیں۔ آپ اسی کی بات کررہی ہیں نا......''

نسیمہ نے غور سے اس نکاح نامہ کو دیکھا اور پھر ششدر ہوکر بولی۔''جی ہاں یہی ہے۔لیکن آپ کے پاس کہاں سے آیا۔؟''

''جس وقت قاضی نے اسے نکاح نامہ دیا تو اس نے جب میں تہہ کرکے رکھ لیا تھا۔باہر نکلتے وقت میں نے نکال لیا تھا۔''

''اس کا کیا کروں......؟'' وہ بولی۔''یہ مصیبت بن کر پھندا تو نہیں بن جائے گا؟''

''اس کے پرزے پرزے کرکے ہوا میں اڑادیں۔'' ٹائیگر نے روشنی بند کردی۔''اس کی کوئی قانونی اور شرعی حیثیت ہی نہیں ہے کیونکہ آپ کے قبول کرنے کے باوجود

قاضی نے نکاح پڑھا دیا۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔''

''کیا میں اپنے محسن کا نام پوچھ سکتی ہوں......! نسیمہ نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔ اس نے نکاح نامہ کے پرزے پرزے کر دیئے۔

''وہ کس لیے......؟'' ٹائیگر نے کہا۔ ''نام میں کیا رکھا ہے؟''

''اس لیے کہ آپ مسیحا بن کر آئے اور بدمعاشوں سے بچایا۔'' وہ بولی۔ ''میں کیا اپنے محسن کا نام بھی نہ جانوں......؟''

''آپ میرا نام سنیں گی تو ڈر جائیں گے اور چلتی ٹیکسی سے خوف زدہ ہو کر اتر جائیں گی۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں ڈروں گی نہیں اور نہ ٹیکسی سے چھلانگ لگادوں گی۔'' وہ مسکرادی۔

''میرا نام ٹائیگر ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''میں انٹرنیشنل ٹائیگر کہلاتا ہوں۔''

''آپ نے اپنا نام ٹائیگر کیوں رکھا......؟ شیر رکھ لیتے......؟'' وہ بولی۔ ''شیر بنگال۔''

اس لیے کہ اس نام کو سن کر ہر کوئی ڈر اور خوف کھاتا ہے...... نام انگریزی میں ہو تو رعب بھی پڑتا ہے۔''

''آپ مجھے اس وقت کہاں لے جا رہے ہیں۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ ''میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میرے گھر والے جیل میں ہیں اب وہ حرام زادہ اس پولیس اسٹیشن جا کر انسپکٹر کی مٹھی گرم کر کے میرے خلاف جھوٹا الزام لگائے گا تاکہ ان پر تشدد اور ظلم کے پہاڑ توڑ دیں...... وہ میرا بدلہ ان سے لے گا...... میری چھوٹی بہن چودہ برس کی ہے کہیں وہ اسے زیادتی کا نشانہ نہ بنائیں...... پولیس کتنی ظالم اور درندہ صفت ہوتی ہے آپ جانتے ہیں......''

''میں آپ کو گھر لے جا رہا ہوں۔'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''فکرمند اور پریشان نہ ہوں۔ اللہ نے چاہا تو کل آپ کے گھر والوں کو کسی بھی وقت حوالات سے نکال کر لے آؤں گا...... وہ پولیس کے پاس اس وقت جانے سے رہا۔ جانا ہے تو جائے......''

ٹائیگر نے گھر کے سامنے ٹیکسی روکی۔ تالا کھولا اور اسے اندر لے کر آیا۔ نسیمہ اندر

آئی۔ وہ کچھ خوف زدہ اور پریشان سی ہو گئی۔ ایک ان جان جگہ اسے ڈر لگنے لگا...... ٹائیگر آخر ایک مرد تھا...... اجنبی تھا اس نے ایک ناگ سے بچایا تھا۔ کہیں وہ اسے ڈس نہ لے مرد اور ناگ میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔ ٹائیگر نے اندر لا کر کمروں میں روشنی کی...... کمروں کا وہ جائزہ لینے لگی۔ حالت زار دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ یہ شخص اکیلا رہتا ہے۔

''چونکہ اس گھر میں کوئی عورت نہیں رہتی اس لیے گھر کباڑ خانہ سا لگ رہا ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''ایک منٹ آپ تشریف رکھیں میں ابھی آتا ہوں...... ویسے آپ پریشان نہ ہوں۔''

پھر ٹائیگر ہاشم میاں کے پاس جا کر ایک زنانہ جوڑا لے آیا اور اس سے بولا۔ ''شاید آپ نے دن بھر کچھ نہیں کھایا...... میں نے بھی رات کا کھانا نہیں کھایا ہے...... میں جا کر کھانا لاتا ہوں...... آپ دروازہ بند کر لیں اور کپڑے بھی بدل لیں۔''

ٹائیگر کو چکن بروسٹ اور چکن تکے اور کولڈ ڈرنکس لانے میں نصف گھنٹہ لگ گیا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اسے یقین نہیں آیا۔ اس کے گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ آدھے گھنٹے میں نہ صرف اس کا گھر بلکہ باورچی خانہ بھی آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ لڑکی بہت سلیقہ مند اور سگھڑ ہے۔ جس شخص کی بھی زندگی میں جائے گی وہ بڑا خوش نصیب ہوگا۔

نسیمہ جہاں ماں باپ کی وجہ سے سخت پریشان تھی اس لئے اس کی بھوک اڑ گئی تھی اس کا بستر ایک چوکی پر تھا۔ ٹائیگر نے اس پر اخبار بچھا کر دسترخوان بنا دیا۔ جب ٹائیگر نے اسے دلاسا دیا تب جا کر اس نے کھایا۔ فراغت پانے کے بعد ٹائیگر نے کہا۔

''میں کولڈ ڈرنک کا بالکل بھی عادی نہیں ہوں۔ باورچی خانے میں دودھ پاؤڈر، چائے پتی اور چینی...... کیتلی اور کروکری بھی ہے...... اگر آپ اچھی چائے بنا سکتی ہیں تو بنا لائیں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ چائے بنا کر لائی بہت اچھی اور ذائقہ دار چائے تھی۔ ٹائیگر نے چائے کی تعریف کر کے پوچھا۔

''شاہ جہاں کا کیا مقصد ہے......؟ وہ کون ہے......؟ وہ آپ کو کیسے جانتا ہے؟''

''میرے ابو اس کے دفتر میں کلرک ہیں...... اس نے ابو کے ساتھ مجھے بازار میں

دیکھ لیا۔ تب سے وہ ابو کے پیچھے پڑ گیا کہ میری شادی اس سے کرا دیں۔ اس کی دو بیویاں اور سات بچے بھی ہیں۔ انکار کرنے پر پولیس کیس بنا دیا۔ پولیس کی مٹھی گرم کر دی۔''

''میں پولیس کی مٹھی گرم کر کے آپ کے گھر والوں کو رہا کروالوں گا۔'' ٹائیگر نے اسے دلاسا دیا۔

''پولیس بڑی رشوت خور ہے...... وہ بڑی بڑی رقم مانگے گی۔'' نسیمہ بولی۔

''اس کی فکر نہ کرو۔'' ٹائیگر کہنے لگا۔ ''کیا آپ نے سنا نہیں کہ رشوت لیتے ہوئے پکڑے گئے تو رشوت دے کر چھوٹ جائیں...... ہم بھی پولیس کو رشوت دے کر چھوٹ جائیں گے۔''

''لیکن رشوت دینے کے لیے پیسے میرے پاس ہیں اور نہ میرے ماں باپ کے پاس...... وہ تو حوالات میں بند ہیں...... ہم غریب ہیں...... پولیس کو رشوت کہاں سے لا کر دیں گے۔'' وہ بڑی رقم مانگیں گے......''

چونکہ اس نے پولیس کو رقم دے کر گرفتار کروایا ہے لہٰذا ہم اس کی رقم پولیس کو رشوت دے کر آپ کے گھر والوں کو رہا کروائیں گے؟''

''لیکن ہمارے پاس اتنی رقم کہاں ہے جو گھر والوں کو رہا کروائیں گے؟'' نسیمہ کے چہرے پر استعجاب چھا گیا۔

''کیوں نہیں ہے......'' ٹائیگر مسکرایا۔ پھر اس نے جیب سے پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں کی گڈی اور دوسری جیب سے ایک پھولا ہوا بٹوا نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

''یہ ہے شاہ جہاں کی رقم......''

''یہ کہاں سے اور کیسے آئی آپ کے پاس......؟'' نسیمہ بھونچکی سی ہو گئی۔

''جب آپ کا نکاح ہو گیا تو مبارک باد دینے کا سلسلہ چلا تھا۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان دونوں سے بغل گیر ہوتے ہوئے ان کی جیبیں صاف کر دیں...... یہ ایک لاکھ کی رقم ہے جو شاہ جہاں نے مناف کو دی...... شاہ جہاں کا بٹوا...... میں نے رقم گنی نہیں ہے...... ایک منٹ میں رقم گن لوں......''

پھر ٹائیگر نے بٹوے کی زپ کھول کر بٹوا الٹ دیا۔ اس میں چھوٹے کم بڑے

نوٹ زیادہ تھے...... پھر ٹائیگر نے گنا...... دو لاکھ بیس ہزار سات سو دس ٹاکا تھے...... پھر اس رقم کو وہ پرس میں رکھتے ہوئے بولا۔

''اب کسی بات کی فکر نہیں...... تیس چالیس ہزار سے کام بن جائے گا...... میں کل انہیں جا کر رہا کروا لاؤں گا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''لیکن ایک اور بات فکر اور ہراساں کر رہی ہے......'' نسیمہ نے متفکرانہ انداز سے کہا۔

''وہ کیا......؟'' ٹائیگر کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ ''رہائی کے بعد کیا مسئلہ ہے۔؟''

''اس لیے کہ وہ ہمیں جینے نہیں دے گا...... اس کے پاس حرام کی دولت کی کیا کمی ہے...... وہ میرے حصول تک چین سے نہیں بیٹھے گا...... پھر میرے والدین کو ہراساں اور پریشان کرتا رہے گا۔ آخر آپ کب تک اس سے الجھتے رہیں گے۔''

''اگر آپ لوگ کسی اندرونی شہر اور قصبے میں جا کر بس جائیں گے تو کیا یہ بہتر نہیں رہے گا......؟''

''نہیں......'' اس نے سر ہلایا۔ ''وہ شیطان مردود ہے۔ ہمیں ڈھونڈ نکالے گا۔''

''ہاں یہ تو ہے...... آپ کی نظر میں کوئی اور صورت ہے......؟'' ٹائیگر نے پوچھا۔

''ہاں...... ہے...... لیکن مشکل لگتا ہے......'' اس نے مایوسی سے جواب دیا۔

''کس بات کی مشکل ہے......؟'' ٹائیگر نے کہا۔ ''کھل کر بتائیں کوئی بات ناممکن اور مشکل نہیں ہے۔''

''میرے چچا نیپال میں ہیں۔ ہم کسی طرح کولکتہ پہنچ جائیں...... پاسپورٹ اور ویزا کے حصول میں زیادہ دن لگ جائیں گے...... ہم ایک دن بھی دیش میں رہنا نہیں چاہتے ہیں...... کولکتہ سے نیپال کے لیے کوئی ویزا نہیں ہے...... پاسپورٹ نہیں ہے......''

''بس اتنی سی بات کے لے اس قدر پریشان ہو رہی ہیں۔'' ٹائیگر ہنسا۔ ''میرا ایک دوست ہے...... وہ فی کس ہزار ٹاکا لیتا ہے...... اسے دس ہزار کی رقم دینے سے وہ آپ سب کو بہ حفاظت ہندوستان پہنچا دے گا...... اعتبار کا آدمی ہے...... میرا دوست بھی ہے۔ کل میں آپ کے گھر والوں کو حوالات سے نکال لاؤں گا...... دوسرے دن علی الصبح وہ ہوائی جہاز سے لے جائے گا...... پھر وہ وہاں سے ہندوستان کی سرحد پار

کرادے گا...... پھر آپ نیپال چلے جائیں...... یا ہندوستان کے کسی بھی شہر...... لیکن وہاں کسی کو کچھ بتانے کی قطعی ضرورت نہیں کہ آپ بنگلہ دیشی ہیں...... یوں بھی مغربی بنگال میں آپ لوگ مقامی لگیں گے۔''

''لیکن اتنی رقم کہاں سے لائیں گے......؟'' وہ افسردگی سے بولی۔

''اوہ...... سیدھی سادی بلکہ بے وقوف لڑکی......'' ٹائیگر مسکرایا۔ ''یہ ساری رقم کس کی ہے اور کس دن کام آئے گی......'' پھر اس نے عروسی لباس اور ان زیورات کی طرف اشارہ کیا جو اس نے پہنے ہوئے تھے۔ ''یہ ساری رقم آپ کی ہے...... اور میں ان زیورات کو فروخت کر کے دے دوں گا...... زیورات کا ساتھ لے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے...... ان زیورات کے پانچ چھ لاکھ مل جائیں گے...... البتہ عروسی جوڑا ضرور ساتھ لے جائیں۔ جب شادی ہوگی تب آپ پہن لیں۔''

''کیا......؟'' نسیمہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''یہ لاکھوں کی رقم میری نہیں...... نہیں...... یہ آپ کی ہے...... میں نہیں لوں گی۔''

''آپ وہی کریں گی جو میں کہوں گا......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''اب آپ میرے ساتھ چلیں۔''

''کہاں......؟''

''اس گلی میں ہاشم میاں کا گھر ہے...... سارا محلہ انہیں چچا کہتا ہے۔ ان کی چھ لڑکیاں ہیں۔ رات آپ ان کے گھر میں بسر کریں گی...... آپ کے گھر والوں کو لانے تک آپ یہیں رہیں گی۔''

دوسرے دن ٹائیگر پولیس والوں سے بیس ہزار ٹاکا میں بات کر کے نسیمہ جہاں کے گھر والوں کو حوالات سے نکال لایا۔ شاہ جہاں نے پولیس والوں کو دس ہزار کی رقم دی تھی۔ اس نے بیس ہزار روپے دیے تو پولیس نے خوشی خوشی انہیں رہا کر دیا تھا۔ وہ دوسرے دن روانہ ہوگئے۔ کھٹمنڈو سے نسیمہ کا فون آ گیا وہ سب رقم، مال اسباب سمیت سب خیریت سے پہنچ گئے۔ دعا کریں کہ ان کی زندگی جو از سرِ نو ہوگی وہ خوش گوار ہو...... اتنی رقم ان کے پاس تھی اب انہیں کسی کی محتاجی کی ضرورت نہیں تھی۔

☆......☆......☆

رات کے گیارہ بج چکے تھے، نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ بستر پر دراز سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ وہ کچھ دنوں کے لیے ممبئی شہر ہو آئے...... تارا نے اسے جانو اور جعفر کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے عوض جو رقم دی وہ ممبئی میں دو ماہ سے زیادہ دن رہ کر سیر و تفریح اور عیش کر سکتا تھا۔ وہاں تفریحات اور رنگینیوں کی کمی نہ تھی۔ وہ ممبئی سال دو سال میں چکر لگاتا رہتا تھا جب کوئی اونچا ہاتھ مارتا تھا۔ اس کے وہاں کچھ دوست اور واقف کار بھی تھے۔ وہاں کی زیرِ زمین دنیا میں وہ بلیک ٹائیگر کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے ممبئی شہر میں جو دو ایک کارنامے انجام دیے تھے خطرناک بدمعاش بھی اس سے خوف کھاتے تھے۔

اس کی دو بہت بڑی کمزوریاں تھیں...... ایک تو ریس اور دوسری تھی بازی...... وہاں کچھ کارخانے ایسے تھے جہاں اونچے پیمانے پر کھیل ہوتا تھا...... جس میں نہ صرف سرمایہ دار مرد اور عورتیں...... بلکہ فلم نگری کی اعلیٰ ترین شخصیات بھی آتی تھیں...... ان میں بڑے بڑے نام ور اور مقبول اداکارائیں آتی تھیں جو اپنے کالے دھندوں کی آمدنی سے کھیلتی تھیں...... اس کے علاوہ اداکار، فلم ساز اور ہدایت کار بھی...... وہ انہیں قریب سے دیکھتا اور ان کے ساتھ کھیلتا بھی تھا...... اس کی وہاں بڑی چاندی ہو جاتی تھی۔ اس کی انگلیاں فنکارانہ مہارت دکھاتی تھیں...... اور پھر ریس جو پورے ہندوستان میں مشہور تھی...... ریس میں بھی اس کا مقدر ساتھ دیتا تھا...... وہ مقدر کا سکندر تھا۔ جب وہ واپس ڈھاکا آتا تو اس وقت کسی رئیس زادے سے کم نہیں ہوتا تھا۔ پھر اس نے ممبئی یاترا جانے کا پروگرام بنا لیا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے چونک کر دیوار کی گھڑی کی طرف دیکھا۔ پھر اسے ایک خیال آیا کہ...... کہیں مناف اور شاہ جہاں پولیس کو لے کر پہنچ تو نہیں گئے...... کیوں کہ اس نے جو چوٹ دی تھی وہ ایسی تھی کہ ساری زندگی اس کی جلن اور درد ایسا تھا کہ انہیں انگارے کی طرح محسوس ہوتا رہے گا۔ پھر وہ اٹھا اور دروازے کی طرف بے خوفی سے بڑھا۔ پولیس اور ان دونوں سے نمٹنا اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

دروازے پر ایک اجنبی شخص کھڑا تھا۔ ٹائیگر اس نے کچھ پوچھتا اس نے چشمِ زدن

میں ٹائیگر کے منہ پر کلوروفارم میں بھیگا رومال رکھ دیا۔ تو ٹائیگر چکرایا اور فرش پر گر گیا۔ اس اجنبی نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

☆......☆......☆

ٹائیگر کو جب ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے نہ ہی اس کی لاش کسی ویرانے میں جھاڑیوں یا کسی گڑھے میں پڑی ہوئی ہے۔ وہ اپنی کوٹھری میں بستر پر دراز تھا...... ایک پل کے ہزارویں حصے میں اسے جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں گی اور اس کے منہ پر ٹیپ چپکا ہوا ہوگا...... اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہا۔ اتنی دیر میں وہ پراسرار، چال باز اور عیار شخص جو اس کے لئے قطعی اجنبی تھا۔ اس کے گھر کو اور اس کی جیب صاف کر کے چلا گیا ہوگا جس میں خاصی بڑی رقم موجود تھی۔ گھر میں بھی ایک خطیر رقم جو خفیہ جگہ تھی۔ اس کی بہت بڑی رقم بینک میں بھی موجود تھی۔ لیکن گھر میں بھی بڑی رقم رکھتا تھا جانے کب، کس وقت اور کس کے کام آ جائے۔ کیوں کہ ضرورت اور وقت کا کچھ پتا نہیں ہوتا تھا کوئی بھی اس خفیہ جگہ سے رقم نہیں نکال سکتا تھا۔ لیکن اسے ابھی تک ایسے کسی عیار شخص سے رابطہ نہیں پڑا تھا۔

وہ عیار شخص جو بلا کا ذہین تھا اس نے منہ پر کلوروفارم والا رومال رکھ کر بے ہوش کیا وہ اس کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بڑے اطمینان اور ٹھاٹ سے بیٹھا ہوا سگریٹ کا دھواں فضا میں اڑا رہا تھا۔ ٹائیگر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تو وہ شخص بے اختیار مسکرا دیا۔

''ہاں بھئی...... شیر بنگال......! بادشاہ بے تاج...... اب مزاج عالی کیسے ہیں......؟ نیند کیسے آئی...... کیسے کیسے سہانے رنگین خواب دیکھے......''

''ہاشم......!'' ٹائیگر نے بگڑ کر غصے سے کہا۔ ''یہ کیا حرکت ہے......؟''

ٹائیگر نے اسے پہچان لیا تھا جو بہروپ بدل کر پراسرار طور پر آیا تھا۔ اسے فوراً اس لئے پہچان لیا تھا کہ اس کے کان کا ایک حصہ تھا۔ ''یہ حرکت اس لئے ہے کہ تمہاری تربیت میں جو کسر رہ گئی ہے اسے پوری کی جائے تا کہ ہر پل، ہر لمحہ اور ہر لحظہ تم الرٹ رہو......'' ہاشم کہنے لگا۔ ''دیکھو نا...... دشمن کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے......؟ وہ اچانک اور غیر متوقع ایسا حملہ اور یہ حرکت کر سکتا ہے جو میں نے کی۔ کیا میں نے غلط کیا جو تم مجھ پر بگڑ رہے ہو؟ تمہیں تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہئے...... تمہیں کسی بڑے ہوٹل یعنی شیرٹن سنار گاؤں کھانے پر لے

جانا چاہئے...... اور ہاں میرا احسان بھی ماننا چاہئے......''

''اچھا اب...... بس کرو...... مجھے شرمندہ نہ کرو...... میں تمہیں جانتا ہوں کہ تم پیدائشی ذہین اور شاطر ہو...... میں تمہیں نہ صرف ڈنر پر لے جاؤں گا بلکہ تمہیں بڑھیا قسم کا سگریٹ کا کارٹن بطور تحفہ پیش کروں گا۔ بھابھی کو لے جا کر دوں گا کہ وہ تمہیں روزانہ ایک پیکٹ سگریٹ دے دیا کرے۔''

''شاباش ہے...... صد آفرین ہے...... اسے کہتے ہیں خون کا سفید ہو جانا...... تم میرے احسان کا یہ صلہ دے رہے ہو......؟ وہ تو مجھے گھر سے نکال دے گی یا پھر دانہ پانی بند کر دے گی۔'' وہ ایک لمبا سانس لے کر بولا۔ ''وہ کہتی ہے کہ میں سوکن برداشت کر سکتی ہوں۔ سگریٹ نہیں......''

''دانہ پانی بند ہو جانا تمہارے حق میں زیادہ بہتر اور طبی لحاظ سے مفید ثابت ہوگا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''وہ کیوں اور کیسے......؟'' ہاشم نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اس لئے کہ تم بسیار خور ہو...... تمہاری آمدنی سے زیادہ تمہارا وزن بڑھ رہا ہے...... تم میٹھا بہت زیادہ کھاتے ہو۔ اندیشہ ہے کہ تمہیں شوگر نہ ہو جائے۔ گھر سے باہر نکالے جانے کی صورت میں تمہارا وزن کم ہو جائے گا۔''

''یار......! میری غذا ہے کتنی جو تم مجھے نظر لگا رہے ہو...... ناشتے میں چار انڈوں کا آملیٹ...... کوئی سی سویٹ ڈش...... مکھن اور آدھا کلو دودھ...... دوپہر کے کھانے میں چاول یا بریانی...... آدھا کلو گوشت صرف چار شامی کباب...... رات کے کھانے میں مچھلی اور......''

''اچھا...... اچھا...... بس کرو......'' ٹائیگر نے اس کی بات کاٹی۔ ''ہماری بھابھی تمہارا ذکر کرتی رہتی ہیں۔ وہ غریب پکا پکا کر دبلی پتلی ہوتی جا رہی ہے اور تم گینڈا...... اس غریب پر رحم کرو یار!''

''یار......! وہ سلم ہو کر کتنی پرکشش لگتی ہے۔ بڑی سویٹ بھی...... اس لئے مجھے سویٹ ڈش زیادہ پسند ہے۔''

''اب تمہارا علاج کرنا ہی پڑے گا۔ میں کل رات ہی ایک سگریٹ کارٹن پہنچاؤں گا۔'' ٹائیگر بولا۔ ''مگر یار! یہ جو تم نے الائچی والا پان جو دن میں دس بارہ کھاتے ہو پھر بھی

سگریٹ کے تمباکو کی بو آ جاتی ہے۔"

"ہاں......اس وقت جب دل سے دل......اور ہونٹوں سے ہونٹ ملتے ہیں۔"

"یار......بہت بڑے بے وقوف ہو......جب بھابھی کہتی ہیں کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتی......"تم کہو کہ میں سگریٹ نہیں چھوڑ سکتا......لہٰذا وہ تمہیں چھوڑ دے گی۔تم دوسری شادی کر لینا......کتنا آسان نسخہ ہے۔"

"اس کے سات بھائی ہیں......سنا ہے کہ آٹھواں بھی آ رہا ہے......دوسری، تیسری شادی کی خواہش اور ارمان نہیں ہوتا ہے......اس کے ساتوں بھائی مجھ سے کہیں مسٹنڈے ہیں......کیا تم چاہتے ہو کہ میں آٹھ ماہ اسپتال میں زیر علاج رہوں......لیکن یار ٹائیگر......! وہ بھی کسی شیرنی سے کم نہیں ہے......لیکن ایک بات یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں جو ذائقہ ہے میں اپنی انگلیاں چاٹ لیتا ہوں......" ہاشم ہنس دیا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ ناوقت تمہارا آنا کیسے ہوا......؟ کیا بھوک لگ رہی ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔"کیا بھابھی نے آج کھانا نہیں دیا۔"

"میں تمہارے ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔" ہاشم نے جواب دیا۔"رشید الزماں صدیقی نے کل صبح دس بجے ایک نہایت ضروری کام سے دفتر بلایا ہے۔بس یہی پیغام دینے آنا پڑا۔جب میں نے موبائل پر رابطہ کیا تو تمہارا موبائل بند تھا۔"

دوسرے دن صبح ٹھیک دس بجے رشید الزماں صدیقی کے دفتر سندر بن ٹریول ایجنسی میں ٹائیگر اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔رشید الزماں صدیقی نے رسمی سلام علیک کے بعد میز کی دراز سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

ٹائیگر نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو رشید نے بغیر کسی تمہید کے کہنا شروع کیا۔

"اس میں پچاس ہزار ڈالر اور پچیس ہزار ہندوستانی کرنسی ہے۔ پچاس ہزار ڈالر تو پیشگی ہے۔باقی پچاس ڈالر مہم کا آغاز کرنے سے پہلے ادا کئے جائیں گے......مہم ناکام ہو یا کامیاب دونوں صورتوں میں تمہارے ایک لاکھ ڈالر پکے......کامیابی کی صورت میں مزید پچاس ہزار ڈالر......پچیس ہزار ہندوستانی کرنسی جیب خرچ ہے......اس کے علاوہ ممبئی شہر کے جس ہوٹل میں قیام کرو گے وہ ہے شیرٹن اوبرائے......طعام، قیام اور جو مشروبات بھی پینا چاہو گے اس کے بھی تمام اخراجات پارٹی کے ذمے......راتیں کالی کرنے کے لئے جو

کال گرل، اداکارہ اور ہیروئن پسند ایک فون نمبر پر رابطہ کرو گے وہ پارٹی فراہم کر دے گی۔ اس بات کی فکر نہ کرنا کہ تمہاری پسند اور خواہش وہ کیسے اور کیوں کر پوری ہو جائے گی۔اس کے علاوہ......مزید کوئی خرچ ہو تو ایک کوڈ نمبر دے رہا ہوں صرف اتنا کہنا کہ یہ کام اسے الہ دین کا چراغ سمجھو۔ہر قسم کی تفریح جب چاہو گے صرف ایک حکم پر پورا۔"

"مہم کیا ہے......؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"اس لفافے میں ایک ٹائپ شدہ کاغذ ہے۔" رشید نے جواب دیا۔

"کیا تمہارا کوئی کمیشن ہے......!" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"تم جانتے ہو کہ میں کمیشن پارٹی سے لیتا ہوں۔وہ مجھے پیشگی دے دیا گیا ہے۔" رشید نے جواب دیا۔

رشید الزماں صدیقی کی بظاہر ٹریول ایجنسی تھی لیکن وہ یہاں زیر زمین اور مختلف بین الاقوامی تنظیموں کا ایجنٹ تھا۔وہ تنظیمیں اس سے کام لیتی تھیں اور اس سے رابطہ قائم کرتی تھیں۔وہ ان کے لئے با اعتماد آدمی تھا۔اس نے ٹائیگر سے کچھ کام لیا تھا جو ٹائیگر نے بخوبی انجام دیا تھا۔یوں بھی ٹائیگر نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جو قانون اور جرائم کی زد میں آتا تھا۔اس لئے ٹائیگر کا شہرہ اور چرچا بنگلہ دیش سے باہر تمام دنیا میں ہوتا تھا۔اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ ملک سے باہر نہ جائے۔اس نے یہ کام اس لئے بھی لے لیا تھا کہ ممبئی جانے کی جو خواہش تھی وہ پوری ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

ممبئی کی بندرگاہ پر واقع شیرٹن ہوٹل اس شہر کا کیا بلکہ ہندوستان کے تمام ہوٹلوں میں مہنگا ترین، اعلیٰ اور ہر قسم کی جدید ترین سہولتوں سے آراستہ تھا۔اس میں اداکارائیں، اداکار، کال گرلز کے علاوہ زیر زمین دنیا کے سرغنہ، مافیا، صنعتکار اور سرمایہ دار کے علاوہ غیر ملکی سیاح بھی ٹھہرتے تھے۔اس میں ہر وہ شخص ٹھہرتا اور ٹھہر سکتا تھا جس کی جیب میں پیسہ ہو......پیسہ ہر عیب چھپا لیتا ہے۔اس ہوٹل میں اسمگلروں کی سرگرمیاں بھی جاری رہتی تھیں۔

اس نے اس ہوٹل میں کمرا لیا ہوا تھا۔جس مہم کو وہ سر کرنے کے لئے آیا ہوا تھا، وہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔وہ نہ صرف جتنا پراسرار تھا بلکہ اس سے بھی کہیں بے حد خطرناک اور بے حد اہم تھا۔جس پارٹی نے اسے توقع سے کہیں معاوضہ اور سہولتیں دی تھیں وہ یوں ہی

نہیں دے دی تھیں...... ٹائیگر اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ جو مہم بھی ہو وہ حلوہ نہیں ہوتی ہے۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر سر کرنے کے لئے نکلنا پڑتا ہے۔ کوئی مہم آسان نہیں ہوتی ہے۔ اس میں جان جانے کا زیادہ خطرہ موجود ہوتا ہے۔

چوں کہ ابھی مہم کے آغاز میں کچھ دنوں کی دیر اس وجہ سے تھی کہ پارٹی کی جانب سے ہدایات موصول نہیں ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی آمد اور ہوٹل میں قیام کی اطلاع دے دی تھی۔ اس کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ سب سے زیادہ مشکل اکیلے شخص کا وقت کاٹنا ہوتا ہے۔

اس نے اس بات کو محسوس کیا تھا کہ ہندوستان میں عریانی، بے حجابی اور فحاشی بہت بڑھ گئی ہے۔ اور مزید بڑھتی جا رہی ہے بلکہ عریانیت کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ لڑکیاں کیا...... شادی شدہ عورتیں مختصر سے لباس میں اس طرح نظر آتی تھیں جیسے کپڑے کانٹے کی طرح چبھتے ہیں۔ ان کی مجبوری تھی۔ ورنہ ان کا بس چلتا تو وہ ابتدائی دور کی نظر آنے لگتیں جب تہذیب نے انسانیت کو چھوا نہیں تھا۔ وہ ایک طرح سے حیوان دکھائی دیتی تھیں......

ہندوستانی فلمیں ٹی وی کے علاوہ بنگال کے سینما گھروں میں دکھائی جاتی تھیں۔ اس کے بولڈ مناظروں کا اثر لڑکیوں اور عورتوں پر پڑ رہا تھا۔ جب وہ ساحلوں، ہوٹلوں اور بازاروں میں انہیں دیکھتا کہ یہ ہندوستانی عورت کو کیا ہوتا جا رہا ہے...... شرم و حیا نظر نہیں آتی ہے اور روایتی صورت دکھائی نہیں دیتی ہے...... وہ کوئی پارسا، ناصح اور مبلغ نہیں تھا لیکن صرف سوچتا تھا۔ فلموں سے زیادہ تفریح مفت کی تفریح تھی۔ وہ ان سے دل بہلاتا رہتا تھا۔ فلموں کے بولڈ مناظر سے زیادہ ان سے محظوظ ہوتا تھا۔

ٹائیگر نے آج اپنے کمرے کی کھڑکی سے پیراکی کا تالاب دیکھا جہاں عورتوں کا جلوہ تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ مغربی ساحل کا نظارہ دیکھ رہا ہو۔ وہی ماحول تھا...... عورت سے کہیں حسین، دلکش اور ہیجان نظارہ دنیا میں کوئی نہیں ہے...... اس نے سوچا کہ قدرت نے بھی دنیا میں عورت کیا بنائی...... انوکھی اور بے مثال...... اس کی صناعی جتنی دی جائے کم ہے۔

ٹائیگر نہانے اور تنہائی کی بوریت دور کرنے کی غرض سے ہوٹل کے پیراکی کے تالاب کی طرف چل دیا۔ اس لئے بھی کہ تیرنے اور نہانے میں خاصا وقت صرف ہو جاتا ہے اور آسانی سے بلکہ تیزی سے کٹ جاتا ہے۔ تالاب میں اور اس کے کنارے مرد اور جل پریوں

میں ہر عمر...... ہر قامت اور ہر رنگ و نسل کی تھیں۔ جو بجلی گرا رہی تھیں۔ ان پریوں کے سنسنی خیز، دلکش اور دل کو برما دینے والے فن کاروں میں وہ ایسا کھویا کہ خود کو فراموش کر بیٹھا...... اسے اس بات کا کوئی خیال...... فکر اور احساس نہیں تھا کہ کتنے ان سے محظوظ ہو رہے ہیں۔

ٹائیگر نے کسی فلسفی کے انداز سے سوچا کہ ہندوستانی معاشرہ اندھا دھند بھاگتا جا رہا ہے...... اسے نہ تو رک کر دم لینے کی ضرورت ہے اور نہ ہی پیچھے مڑ کر دیکھنا چاہتا ہے...... اور اسے اس بات کا بھی احساس نہیں تیزی سے بھاگنے سے ٹھوکر بھی لگ سکتی ہے؟...... انہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہیں ہے...... یہاں جو ماحول تھا جس سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ قوم کسی جنگ میں راستہ بھول کر بھٹک رہی ہے...... پہلے ستر پوشی پتوں سے ہوتی تھی اب یہاں چند گرہ سے ہو رہی تھی...... بے حجابی کے نظارے جو تھے ان سے آنکھیں چرانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ کوئی مٹی کا تودہ اور پتھر نہیں تھا جس پر اثر نہ ہو۔

لیکن اس کی نگاہ ایک ایسی ہستی پر مرکوز تھی جس کی کسی ایسے آتش فشاں کی مثال تھی جو اندر ہی اندر دہک رہا ہو...... کسی بھی لمحے یک لخت پھٹ سکتا ہو...... اس کے بدن پر بھی پیراکی کا انتہائی مختصر لباس تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ رسمی طور پر پہن رکھا ہو...... اگر اسے کھلی چھٹی دے دی جاتی تو شاید وہ اس کا تکلف ہرگز نہ کرتی۔ تالاب پر کسی امریکی نائٹ کلب کا سا سماں جیسا تھا۔

ٹائیگر نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ اس عالم میں صرف وہ ایک ہی شاداب کلی نہیں تھی...... اور بھی لڑکیاں اور جواں سال عورتیں موجود تھیں جو نہایت حسین، وضعدار اور پرکشش بھی تھیں...... لیکن اس شعلہ مجسم میں جو انفرادیت تھی وہ کسی اور میں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس نے ٹائیگر کو اپنی طرف متوجہ پا کر اندازہ کر لیا تھا کہ وہ اسے بڑی دیر سے اور بڑی محویت کے عالم میں اس طرح دیکھ رہا ہو جیسے کوئی کتاب پڑھ رہا ہو...... ایک ایک سطر اور پیراگراف...... اسے شاید ٹائیگر کی یہ حرکت معیوب اور ناگوار سی لگی تھی۔ کیوں کہ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی...... ٹائیگر نے اس کے بشرے سے بھی بھانپ لیا اور دل میں حیران ہوا کہ لڑکیاں اور عورتیں ان کی طرف متوجہ ہونے سے دل میں خوش ہو جاتی ہیں...... اسے کیوں ناگوار لگا...... ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آیا...... جب اس نے ٹائیگر کی طرف پیش قدمی کی اس کا انداز جارحانہ سا تھا...... ٹائیگر کو دن میں تارے نظر آنے لگے اور اب اس کے لئے

فرار کی راہ بھی نہیں رہی تھی...... اس نے گھبرا کر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی...... آسمان پر چیلیں اور گدھ محوِ پرواز تھے...... یہ ایسا انتہائی مکروہ نظارہ تھا کہ اس کی طبیعت مکدر سی ہوگئی۔

جیسے جیسے وہ ٹائیگر کے قریب ہوتی جارہی تھی ویسے ویسے وہ اپنے دل کو مضبوط اور اس کی ہر کارروائی کے لئے ذہن کو تیار کر رہا تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ پھر بھی ٹائیگر کی پیشانی عرق آلود سی ہورہی تھی۔ وہ گیدڑ بن گیا تھا۔

''ہیلو......'' اس نے ٹائیگر کو رسیلی آواز میں مخاطب کیا تو ٹائیگر کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ یہ کوئی طنز یا استہزا نہیں تھا۔ وہ سنجیدہ تھی۔ ''کیسے ہو بلیک ٹائیگر......!''

ٹائیگر کی تھوڑی بہت بھی جو غلط فہمی تھی وہ دور ہوگئی...... کیوں کہ اس کا لہجہ نہ تو چبھتا ہوا تھا اور نہ ہی اس میں طنز کی آمیزش تھی جیسا کہ اس نے چند لمحے پیشتر محسوس اور اندازہ کیا تھا...... اس کا خیال تھا کہ یہ مہ پارہ اس کے رخسار کا باجا بجادے گی...... تاہم وہ ذہنی طور پر مزاحمت اور مدافعت کے لئے تیار تھا کہ نازک سی کلائی کو تھام لے۔

''ٹائیگر......'' جواباً ہیلو کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے دل پر جبر کرنا تھا۔ وہ جس انداز سے اس کے سامنے کھڑی تھی اس کے وجود کو خاکستر کئے دے رہا تھا۔ اس قیامت نے اسے قتل کرنے کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

پھر اس نے مصالحت کے لئے اپنا گورا گورا اور مرمریں ہاتھ بڑھایا تو ٹائیگر نے بغیر کسی تامل کے اسے تھام لیا۔ اس کے جسم میں سنسنی بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ اس نے سوچا۔ کاش! وہ اس ہاتھ کو تھامے رکھے۔ پھر اس نے رسمی انداز سے کہا۔

''کیا آپ بیٹھنا پسند فرمائیں گی......؟ مجھے بڑی دلی مسرت ہوگی۔''

ٹائیگر کو توقع نہیں تھی کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کرلے گی...... کیوں کہ ایک غیر اور اجنبی مرد کے پاس اس بے حجابی کے عالم میں بیٹھنا نامناسب سا تھا...... لیکن جب وہ شکریہ کہہ کر اس کے قریب چکنے فرش پر بیٹھ گئی تو اسے یقین نہ آیا۔ اس لئے بھی کہ وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھی تھی۔ یہ توبہ شکن انداز تھا۔ ٹائیگر نے دل تھام لیا تھا۔

یہ کوئی خواب نہ بلکہ ایک حقیقت تھی...... ٹائیگر کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ وہ کوئی چاکلیٹی نوجوان نہیں تھا نہ ہی خود ایسا سمجھتا تھا۔ اس کی عمر چھتیس برس کی ہوچکی تھی۔ لیکن وہ ایک وجیہہ، دراز قد اور ایسا خوب صورت ضرور تھا کہ اسے نوجوان

لڑکیاں اور عورتیں دزدیدہ نظروں سے دیکھتی اور متوجہ ہوجاتی تھیں...... ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آخر اسے اس تتلی کو لفٹ دینے کی کیا ضرورت آن پڑی۔ وہ ایسی قیامت تھی کہ نوجوان اس کے ایک اشارے پر اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ سکتے تھے۔ ٹائیگر نے اس بات کو محسوس کیا تھا کہ وہ اس کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لے رہی ہے...... کیا اس لڑکی کا اس پر مر مٹنے کا ارادہ ہے؟

ٹائیگر نے اس کے آتشی قرب اور بڑی بڑی خوب صورت سیاہ آنکھوں کی تاب نہ لاتے ہوئے رسمی انداز سے پوچھا۔

''یہاں آپ کا آنا کسی کام کے سلسلے میں ہے یا پھر تفریح مقصود ہے۔'' اس کی ضدی نگاہیں بے اختیار تتلی کی جانب اٹھ گئیں۔ ''یوں تو ارادہ ایک طرح سے تفریح کا ہے...... لیکن میں وثوق سے کہہ نہیں سکتی ہوں...... میری آمد تفریح تک ہی محدود رہے گی...... لیکن آپ یہ بتائیں کہ آپ یہاں کیسے آئے ہیں؟''

''ہوائی جہاز سے......'' ٹائیگر نے شوخی سے کہا۔ پھر وہ سنجیدہ سا ہوگیا۔ چونک سا گیا۔ ''مجھ جیسے آوارہ گرد کے لئے یہ شہر ہر لحاظ سے تفریح کے موزوں سقو ہوا تو میں چلا آیا۔ پھر اس شہر کی سب سے بڑی خوبی یہاں رنگینی ہے۔ شو بزنس کی دنیا ہے۔ حسن و شباب کی بھرمار ہے۔ رنگین تتلیاں اور پرستان کی پریاں بھی ہیں۔''

ٹائیگر کی بات سن کر اس کی خوب صورت آنکھوں میں گہری سوچ کے بادل چھا گئے۔ وہ سنجیدہ سی ہوگئی۔ دوسرے لمحے ٹائیگر نے سکوت کو توڑتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ بھی اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہیں؟''

''نہیں۔'' اس نے اپنی لانبی سرمگیں پلکوں کی چلمن اٹھا کر اس کی اوٹ سے ٹائیگر کو دیکھا۔ پھر اس نے اپنا خوش نما سر نفی کے انداز میں ہلا دیا۔ ''میں کسی کروڑ پتی خاندان کی تھوڑی ہوں۔ میں اس ہوٹل میں مقیم نہیں ہوں۔''

''کیا آپ کا شوہر ساتھ نہیں رہتا جو آپ یہاں روز ہی اس سے ملنے کے لئے آتی رہتی ہیں؟'' ٹائیگر نے کہا۔ ''کیا یہ ہوٹل اور تالاب بہت پسند ہے۔''

''یہ بات آپ کے علم میں کیسے آئی کہ میں اس سے ملنے یہاں روزانہ آتی ہوں؟'' وہ تعجب سے بولی۔ ''کیا کسی نے بتایا؟''

''میں دو ایک دن سے اپنے کمرے کی کھڑکی سے آپ کو دیکھ رہا ہوں۔''

''یہ سچ ہے کہ میں اس سے ملنے یہاں تفریحاً روز ہی آتی ہوں...... میں صرف آج یا دو دن سے نہیں آرہی ہوں......'' اس نے جواب دیا۔ ''بات یہ ہے کہ وہ روز بہت مصروف رہتا ہے اور کسی وجہ سے مجھے سارا دن اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا...... اس لئے مجھے اس کے انتظار میں دن کاٹنا پڑتا ہے...... اس لئے میں اپنی بوریت دور کرنے اور خوش و خرم رہنے کے لئے یہاں اکیلی تفریح کی غرض سے آجاتی ہوں۔ یہ ہوٹل اور تالاب اول درجے کا ہے۔ ایسا تالاب کسی اور ہوٹل میں نہیں ہے اور نہ ہی نیچ لوگ یہاں آتے ہیں۔'' ٹائیگر کو اس کا جواب سن کر بڑی حیرت ہوئی اور اس پر رحم بھی آیا کہ یہ رنگین تتلی کی طرح اڑتی رہتی ہے۔ وقت گزاری کے لئے اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ پھر اس نے انجان بن کر کہا۔

''آپ شادی شدہ ہیں...... آپ سولہ برس کی عمر کی لگ رہی ہیں۔''

''دراصل میں اپنے جسم کا بڑا خیال رکھتی ہوں...... ورزش اور غذا سے جسمانی تناسب کا بھی بہت بڑا خیال رکھتی ہوں......'' اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ جس نے نظارہ اور ہیجان خیز بنا دیا۔ پھر وہ افسردگی سے بولی۔ ''میں اس شادی کو جبر و زیادتی کا نام دیتی ہوں جو مرضی کے خلاف کی جائے...... مسٹر ٹائیگر......! حقیقت میں اس شادی سے خوش نہیں ہیں۔''

''ٹائیگر......؟'' وہ دل میں بڑے زور سے چونکا۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کہ اس رنگین تتلی کو اس کا نام کیسے معلوم ہوا...... جب کہ تعارف نہیں ہوا......؟ یہ اسے کیسے جانتی ہے...... جب کہ آج ہی ان دونوں کا سامنا ہوا ہے...... یہ اور بات ہے کہ وہ اسے کچھ دنوں سے دیکھ رہا ہے...... اس قاتلۂ عالم نے اسے آج پہلی بار دیکھا ہے...... اگر اس نے اس لڑکی کو دس برس پہلے دیکھا ہوتا بھی تو نہیں بھول سکتا تھا...... آخر ٹائیگر نے اس پر اپنی حیرت کا اظہار کر ہی دیا۔

''کیا آپ مجھے یہ بتانے کی زحمت کریں گی کہ آپ مجھے کیسے جانتی ہیں......؟ کیوں کہ آپ سے ایک بار بھی مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔'' اس کے رس بھرے ہونٹوں پر دل کش مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے ٹائیگر کو تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''میں نے آپ کے بارے میں جیسا سنا تھا...... آپ کو ویسا ہی پایا...... واقعی آپ

بے حد دلچسپ اور زندہ دل شخص ہیں...... لیکن آپ اپنے چہرے مہرے سے رشید کی گائے دکھائی دیتے ہیں......'' پھر توقف کر کے اپنا چہرہ ٹائیگر کے چہرے کے قریب لائی اور اس کی مہکتی سانسیں ٹائیگر کے چہرے کو معطر کرنے لگیں۔ پھر اس نے چھبتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیا آپ کو خوش فہمی ہو رہی ہے، میں آپ کے مضبوط جسم...... اور چوڑے چکلے سینے پر مرمٹی ہوں جو کشاں کشاں چلی آئی ہوں؟''

''شریمتی جی......! یہ آپ کا اندازہ اور خیال ہے۔ میں ایک حقیقت پسند شخص ہوں۔'' ٹائیگر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں اس لئے بھی خواب نہیں دیکھتا ہوں یہ کسی ہرجائی حسینہ کی طرح ہوتے ہیں۔''

''لیکن میں اس بات کا ضرور اقرار کروں گی کہ آپ کے جسم کی خوب صورتی نے مجھے متاثر کیا ہے...... مگر میں آپ کی وجاہت کی تعریف کرنے نہیں آئی بلکہ میں اپنی غرض سے آئی ہوں۔ میں آپ سے ایک سودا طے کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے یہ آخری جملہ سرگوشی میں بڑے پراسرار انداز سے کہا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی سی چھا گئی۔

''سودا......؟ آپ مجھ سے کیا سودا کرنا چاہتی ہیں......؟ میں سوداگر نہیں ہوں...... سراغ رساں ہوں...... مہم جو ہوں۔'' ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''آپ میرے بارے میں کھل کر بتائیں آپ مجھے کیسے جانتی ہیں......؟ آپ کو کس نے بتایا؟'' جب تک آپ یہ نہیں بتائیں گی اس وقت تک بات آگے نہیں بڑھے گی۔''

''میں جانتی ہوں کہ آپ کیا چیز ہیں......؟ مجھے ہر قیمت پر آپ کی خدمات درکار ہیں...... کل شام مجھے آپ کے متعلق معلوم ہوا۔ مجھے ہر قیمت پر آپ کی خدمات درکار ہیں۔ میں یہ جملہ دوبارہ اس لئے دہرا رہی ہوں کہ آپ کو اندازہ ہو کہ میں آپ کی خدمات کے لئے کتنی بے چین ہوں...... اس لئے کہ آپ کے عظیم کارناموں کے بارے میں سنا ہے...... اور پھر اخبارات میں آپ کی تصویر بھی دیکھی۔ گزشتہ مرتبہ جب آپ آئے تھے تو آپ نے ایک کارنامہ انجام دے کر پولیس کو ایک مشکل سے نکالا تھا جس کی پورے ملک میں دھوم مچ گئی تھی۔ اس وقت بھی آپ کی تصویر اخبارات میں دیکھی لیکن دل پر نقش نہ تھی...... کل آپ کی تصویر دل پر نقش ہوئی کہ...... کل شام میں آپ کو ایک ریسٹورنٹ میں دیکھا۔ اس وقت میرا پتی بھی موجود تھا۔ وہ آپ کو دیکھتے ہی بڑے زور

سے چونکا اور ایسا اچھلا جیسے اسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ اس کا چہرہ متغیر ہو گیا اور اس کے ہاتھ سے کافی کی پیالی چھوٹ کر گرتے گرتے بچی تھی...... میں اس کی اس کیفیت پر دل میں بری حیران ہوئی۔ کیوں کہ وہ شخص دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا ہے۔ اس نے خود ہی آپ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ شخص شیر بنگال ہے اور اسے ساری دنیا بلیک ٹائیگر کہتی ہے۔ جس کے کارناموں نے نہ صرف بنگلہ دیش بلکہ ہندوستان میں بھی اس کے نام کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اس نے کچھ کارنامے انجام دے کر تہلکہ مچا رکھا ہے۔ اسے غیر مافیاؤں نے انٹرنیشنل بلیک ٹائیگر کا خطاب دیا ہوا ہے...... حرام زادہ جتنا ذہین اور اتنا ہی بہادر بھی...... خطرات میں آنکھیں بند کر کے کود جاتا ہے...... مگر یہ مردود یہاں کیا کر رہا ہے؟...... اس کے یہی الفاظ تھے۔ اس کی تسویش میری سمجھ سے بالاتر تھی۔''

''جرائم پیشہ افراد کے میرے بارے میں اس قسم کے ریمارکس ہوتے ہیں......'' ٹائیگر نے بے پروائی سے کہا۔ ''میری حد سے زیادہ تعریف ہو گئی...... آپ کے پتی نے مجھے ہوا بنا دیا...... اچھا اب آپ یہ بتائیں کہ آپ میری خدمات کیوں اور کس لئے حاصل کرنا چاہتی ہیں...... بائی دے وے...... مجھے آپ کے کسی کام آ کر دلی مسرت ہو گی۔''

''میں اپنے خبیث، ذلیل اور ظالم شوہر سے سدا کے لئے نجات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔'' اس کے حسین چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

''اس کام کے لئے میری خدمات کی کیا ضرورت ہے...... آپ کسی دن موقع پا کر اندرون ہندوستان کے کسی بڑے شہر یا بنگال، آسام چلی جائیں۔'' ٹائیگر نے مشورہ دیا۔

''وہ آپ کو تلاش کرنے سے رہا۔''

''مجھ میں اتنی ہمت اور جرأت نہیں ہے۔'' وہ بولی۔ ''اس لئے کہ اگر میں بدقسمتی سے دھر لی گئی تو وہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔''

''اس مسئلے پر بعد میں سوچا جا سکتا ہے۔'' ٹائیگر نے موضوع بدلا۔ ''آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا؟ کیا نام ہے آپ کا......؟ کس نام سے پکاروں...... کہیں آپ بے نام تو نہیں ہیں...... صرف پتنی کہلاتی ہیں؟''

وہ ایک دم سے کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ پھر شوخ اور مترنم لہجے میں بولی۔ ''نام تو ہوتا ہے...... کوئی کیا بے نام بھی ہوتا ہے...... جانوروں کے نام ہوتے ہیں...... میرا نام سروجا ہے۔''

''سنیں مسز سروجا......! میں یہاں چھٹیاں گزارنے آیا ہوں۔ میں کسی ایسی عورت کا کیس لینے کو تیار نہیں ہوں جو پتی سے ناراض ہو۔''

''آپ اسے ناراضگی کا نام نہ دیں...... میں اس کمینے سے سخت نفرت کرتی ہوں...... میں اس سے کس قدر بے زار اور نالاں ہوں آپ سوچ بھی نہیں سکتے...... کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ اسے سوتے میں قتل کر دوں...... ایسا کر سکتی ہوں لیکن اس کے آدمی میری تکا بوٹی کر دیں گے۔''

''اس قدر نفرت اور حقارت کی وجہ یہ تو نہیں کہ وہ آپ کو گھناؤنے مقاصد کا آلہ کار بنا رہا ہے؟''

''وہ کمینہ...... بے غیرت...... حرام کی اولاد معلوم ہوتا ہے...... آپ نے اس جیسا بے غیرت شوہر دیکھا نہیں ہو گا...... وہ یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے خبیث دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر ان کی بے ہودہ گفتگو سنوں اور ان کی ذلیل نظروں کو سہتی رہوں...... اور بعض اوقات ہندوستانی فلموں کے بولڈ قسم کے رقص کروں...... ایسے ملبوسات میں کہ جو مجھے عریاں کر دیں...... میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ یہ میرے لئے کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے...... اس لئے میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے قریب رہ کر باڈی گارڈ کے فرائض انجام دیں۔ مجھے ہر لمحہ ایسا لگتا ہے کہ کسی دن وہ اجتماعی طور پر بے عزت نہ کر دیں...... اگر ایسا کبھی ہوا تو میرا ذلیل شوہر کہہ دے گا کہ کوئی بات نہیں...... کیوں کہ وہ اپنے آدمیوں کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ پھر میں کسی دن موضع بنگال کی طرف نکل جاؤں۔ وہاں غیر معروف آبادیاں بہت ساری ہیں۔''

''آپ وہم کا شکار ہو گئی ہیں......'' ٹائیگر نے اسے دلاسا دیا۔ ''آپ کو میرے تحفظ کی ضرورت نہیں...... اور پھر میں کسی قسم کا کوئی کیس لینے کو ہرگز تیار نہیں ہوں۔ اس لئے کہ میری ساری تفریح اور چھٹیاں اس کی نذر ہو کر خاک میں مل جائیں گی...... اگر آپ میری جگہ ہوتیں تو کیا اپنی تفریح کو یوں غارت کرتیں......؟'' ٹائیگر اس لئے خود غرض بن گیا تھا کہ وہ کسی اور مہم پر آیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ متاثر ہو جائے۔

سروجا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کا حسین چہرہ ایک دم سے فق ہو گیا۔ سروجا کی کیفیت ٹائیگر کی پشت پر ہوئی تھی۔ اس نے اس سمت دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے لہجے میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔

"ہیلو...... جگ دیپ......! آج تم نے بہت دیر کردی۔ خیریت تو ہے؟"

ٹائیگر نے گردن گھما کر دیکھا۔ ایک خوب صورت، وجیہہ اور تنومند نوجوان مرد کھڑا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت، نفرت اور غصے کے تاثرات تھے۔ سروجا فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تو ٹائیگر بھی کھڑا ہو گیا۔ سروجا نے تعارفی رسم ادا کی۔

جگ دیپ...... ان سے ملو...... آپ ہیں بلیک ٹائیگر۔"

"ہیلو مسٹر جگ دیپ......!" ٹائیگر نے دوستانہ انداز سے اس کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ اس سے ہرگز ہاتھ نہیں ملائے گا کیوں کہ اس کی بیوی بے حجابی کی حالت میں بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھی...... جگدیپ کو اس لمحہ ایسا محسوس ہو رہا ہو گا کہ تالاب کے کنارے نہیں بلکہ بستر پر ٹائیگر کے ساتھ ہو۔ اس لئے اس نے ٹائیگر کو نظر انداز کر دیا۔

"اچھا تو تم وہی بنگالی احمق سراغ رساں ہو جو ڈھاکا میں رہتا ہے اور وہاں کھیاں مارتا ہے۔" جگ دیپ نے اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔

"میں صرف ٹائیگر ہوں...... میں نے سراغ رساں کا استعمال نہیں کیا ہے۔" ٹائیگر نے یک لخت سخت لہجے میں کہا۔ کیوں کہ جگ دیپ کا رویہ توہین آمیز تھا۔ ایک لمحے کے لئے ان کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

جگ دیپ کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ وہ اپنی بتیسی کی استہزائی انداز سے نمائش کرنے لگا۔ ٹائیگر نے اپنا غصہ ضبط کیا۔ ورنہ وہ اس کی بتیسی نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیتا اور کہتا کہ لو اپنی امانت سنبھالو۔ وہ معاملہ بڑھانا اور یہاں کا ماحول خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ چوں کہ یہاں شرفا اور ان کی عورتیں تھیں۔

دوسرے لمحے جگدیپ نے اپنا ہاتھ ٹائیگر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میری جان......! یہ ممبئی ہے ہندوستان ہے...... یہ بنگلہ دیش نہیں ہے...... دال بھات اور ماس نہیں کھاتے ہیں...... بنگال کا شیر یہاں کی بلی سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آؤ میرے شیر...... مجھے تم جیسے لوگوں کی تلاش رہتی ہے...... تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

ٹائیگر نے اس سے ہاتھ ملایا تو وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے لگا۔ اس نے اپنے ہاتھ کی گرفت ٹائیگر کے ہاتھ پر مضبوط کرنے لگا تو انگلیاں چٹخنے لگیں اور ٹائیگر کی جگہ کوئی اور ہوتا

تو اس کا درد کی شدت سے برا حال ہو جاتا۔ ٹائیگر چوں کہ دنگا فساد کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔

"ہاں بھئی...... آپ بہت طاقت ور ہیں...... سالا بنگالی شیر تو گیدڑ ہے...... وہ بلی سے بھی ڈرتا ہے...... میں مانتا ہوں کہ تم ہندوستان کے شیر ہو...... میرا ہاتھ چھوڑ دو...... ورنہ ٹوٹ جائے گا۔"

ٹائیگر کی بات سن کر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پھر ہنسنے لگا۔ اس نے ٹائیگر کا ہاتھ چھوڑنے کے بجائے اس کی انگلیاں اور زور سے دبانے لگا...... ٹائیگر کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ وہ بھی میدان میں اتر آئے۔ جگدیپ نے اس کی جی بھر کے تضحیک کر لی تھی۔ ٹائیگر اب مجبور تھا کہ جگدیپ کو ایسا سابق دے کہ وہ بھول نہ سکے...... ٹائیگر نے برقی سرعت سے اس کے بغل میں اپنا سر دے کر اسے چاروں شانے چت کر دیا۔ پھر اس کے ہاتھ کی کلائی پکڑ کر بل دینا شروع کر دیا۔ پھر اسے کھڑا کیا تو وہ کراہ رہا تھا...... پھر ٹائیگر نے اس کی کمر پر ایک لات رسید کی تو وہ لڑکھڑاتا تیراکی کے تالاب میں جا گرا۔

تالاب پر جو لوگ موجود تھے ان لوگوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی...... کیوں کہ وہ لوگ اپنی تفریح اور باتوں میں مشغول تھے۔ ورنہ جگدیپ ایک تماشا بن جاتا۔ وہ ایک غوطہ کھانے کے بعد ابھر آیا تھا...... وہ ایک ہاتھ سے تیرنے کا کام لے رہا تھا...... ٹائیگر نے اس کا دوسرا ہاتھ موڑ کر اسے اس قابل رہنے نہیں دیا تھا اس سے تیرنے کا کام لے سکے۔ اس کا ہاتھ ٹھیک ہونے اور اس کام کے قابل ہونے میں کچھ دیر لگ سکتی تھی۔

جگدیپ پانی میں سے منہ نکال کر ٹائیگر کی شان میں قصیدہ پڑھنے لگا۔ ٹائیگر سے برداشت نہ ہو سکا تو دوسرے کنارے پر جا کر ڈانٹا "اگر تم نے اپنی چونچ بند نہیں کی تو میں تالاب میں اتر کر تمہارے چہرے کا جغرافیہ بدل دوں گا۔"

جگدیپ نے ٹائیگر کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں لیا۔ پھر ٹائیگر وہاں سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جگدیپ کو تماشا بنانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ یہ تفریحی جگہ تھی۔ ایک اعلیٰ ترین قسم کا ہوٹل تھا۔ اگر درمیانہ درجے کا کوئی ہوٹل ہوتا جگدیپ کا حشر نشر ایسا کرتا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔ جگدیپ جیسے بدمعاش سے نمٹنا اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔

چند لمحوں کے بعد وہ تالاب سے نکل کر بائیں ہاتھ سے دائیں بازو کو سہلانے لگا۔ پھر

وہ اپنے بازوؤں اور جیب میں کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ شاید وہ پستول تلاش کر رہا تھا جو اس کے پاس نہیں تھا۔ پھر وہ ٹائیگر کو خون خوار نظروں سے گھورتا ایک سمت چل دیا...... بڑبڑاتا ہوا بھی جا رہا تھا۔ اب اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ٹائیگر سے ہاتھا پائی کرنا آسان نہیں ہے۔

جب وہ کچھ فاصلے پر جا کر رکا تو اسے اس کے ساتھیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جو اپنی وضع قطع اور چہرے مہروں سے ایک نمبری غنڈے لگ رہے تھے۔ وہ کسر پھسر اور اس کی طرف اشارہ کرنے لگے۔

یہ ''میرا پتی اور اس کے کمینے دوست ہیں جن کے ساتھ مجھے اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے۔'' سروجا افسردگی سے بولی۔ ''کاش...... ! میری قسمت خراب نہ ہوتی اور میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔''

''اب جو قسمت میں لکھا گیا ہے وہ تو خیر پورا ہو کر ہی رہے گا۔'' ٹائیگر بولا۔ ''ہر وہ شخص جو حالات کی بھینٹ چڑھتا ہے وہ یہی کہتا ہے...... دل چھوٹا نہ کرو...... تمہارے دن کبھی نہ کبھی پھر جائیں گے۔ تمہارے شوہر کا پورا نام کیا ہے؟'' ٹائیگر نے اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھا۔ ''مایوس اور ناامید نہ ہو۔''

''یہ وہی کمینہ جگدیپ کمار ہے کیا جسے عرف عام میں مرگ ناگہاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔'' ٹائیگر نے اسے خاموش پا کر چونکتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... یہ وہی کمینہ ہے...... کیا آپ اسے جانتے ہیں؟'' سروجا نے گہری سانس لی۔ حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ ''اس خبیث کے بارے میں کون نہیں جانتا ہے......''

''میں نے صرف اس کا نام سنا تھا۔ آج اس سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو گیا...... بے حد خطرناک شخص ہے...... درندہ صفت...... اس شہر کے بڑے سے بڑے بدمعاش اس کا نام سن کر کانپتے ہیں...... اب مجھے آپ کا باڈی گارڈ بننے سے پہلے اپنے لئے فوری طور پر ایک باڈی گارڈ کا انتظام کرنا ہوگا۔''

ٹائیگر نے اس کے بارے میں جو کچھ سنا تھا...... جانتا تھا...... وہ یہ تھا کہ نوجوانی سے ہی اس کا شمار خون آشامی سے درندہ صفت شرمندہ کر دینے والوں میں ہوتا تھا۔ وہ لہو آشنا تھا...... اس نے اپنی زندگی، سفاکی اور ایذا رسانی سے کتنی جانیں لیں۔ شاید ان کی تعداد اس سے بھی یاد نہیں...... اس کے علاوہ جرائم کی دنیا میں اس کے مقابلے کا کوئی نشانہ باز نہیں تھا...... ایک

طرف بے حد سرد سفاک مزاج تھا...... دوسری طرف اس میں عقل کی کمی بھی تھی۔ اس کے اندر انسانی ہمدردی کی رمق بھی نہیں تھی۔ شاید اس نے کبھی بھولے سے بھی اپنے ماں باپ سے بھی محبت اور ہمدردی کا برتاؤ نہیں کیا ہوگا۔ انہیں ماں باپ بھی نہیں سمجھا ہوگا۔

اس قدر خطرناک شخص سے ٹائیگر کا انجانے میں واسطہ پڑ گیا تھا...... ٹائیگر جیسے شخص کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی اور حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔ وہ اس بدمعاش سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ وہ تو کسی اور مہم پر آیا تھا اس نے سروجا سے کہا۔

''اچھا...... اب آپ مجھے اجازت دیں...... سخت پیاس لگ رہی ہے۔''

''مسٹر ٹائیگر...... ! سروجا نے شوہر کی پروا نہ کرتے ہوئے بڑی لجاجت سے کہا۔'' کیا اب آپ میری مدد نہیں کریں گے؟'' سروجا نے اسے عجیب الجھن اور تذبذب میں ڈال دیا تھا...... حسین عورت اس کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں نازک اندام حسیناؤں کی خاطر بڑے بڑے سنگین خطرات مول لئے تھے...... اور سروجا جیسی حسینہ کی درخواست وہ کیسے رد کرے اس کی سمجھ میں نہ آیا جو لاکھوں میں ایک تھی۔

اس کے موکل کو نہ صرف سارا امریکہ بلکہ یورپ بھی جانتا تھا جس نے یہ مہم اس کے سپرد کی تھی۔ اس کا نام جو جو فرض کر لیا جائے۔ وہ متحدہ امریکہ کی لیبر پارٹی میں سے ایک تھا۔

ٹائیگر سروجا کو ہرگز ہرگز کسی بھی قیمت پر یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ اس کے پاس ایک بہت ہی اہم کیس ہے...... اس نے یہ تاثر دیا ہوا تھا کہ وہ جواہرات کی چوری کے ایک کیس کے سلسلے میں ممبئی آیا ہے۔

ٹائیگر دوسری طرف سروجا کو ناامید کرنا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی اس کا دل توڑنا چاہتا تھا۔ جو شیشے کی طرح تھا۔ اس نے کہا۔

''سروجا...... ! میں پوری کوشش کروں گا کہ اس بھیڑیے سے تمہیں نجات دلا دوں۔ چاہے مجھے اپنی جان کیوں نہ دینا پڑے۔''

یہ فریب تھا اور نہ ہی جھوٹ اور نہ ہی اس کے حصول کا مقصد...... ریاکاری اور منافقت بھی نہ تھی۔ یہ سنتے ہی اس کا پژمردہ چہرہ ایک دم کھل اٹھا...... اگر اس کا شوہر یہاں موجود نہ ہوتا تو وہ وفور جذبات اس کے گلے میں اپنی عریاں مرمریں بانہیں حمائل کر دیتی اور

اس پر بڑی فیاضی سے مہربان ہوجاتی۔ وہ اپنی آزادی کی بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کو تیار تھی۔

''لیکن میں تم پر ایک بات واضح کردوں تاکہ تم مجھ پر بھروسا کرکے بیٹھ جاؤ...... میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہوں......'' ٹائیگر نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔

''میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ جیسے ہی موقع ملے مجھے یہاں سے نکال دو۔ تمہاری جو بھی جتنی بھی فیس ہے کولکتہ سے بھیج دوں گی۔''

''میں حسیناؤں سے معاوضہ نقد نہیں بلکہ کسی اور شکل میں لیتا ہوں۔'' ٹائیگر نے اس پر ایک نگاہ ناقدانہ ڈالی۔

سروجا کا چہرہ سرخ ہوگیا جس نے اسے اور حسین بنادیا۔ اس کی آنکھوں سے خود سپردگی جھانکنے لگی۔ ٹائیگر نے فوراً ہی محسوس کرلیا کہ وہ اس کی بات کا غلط مطلب لے رہی ہے۔ پھر اس نے سروجا کی غلط فہمی دور کی۔

''تم میری اس بات اور نظروں کا کوئی غلط مطلب نہ لینا...... اس کی ادائیگی کی کئی صورتیں موجود ہیں...... اب تم ایسا کرو کہ اپنے خوب صورت ہاتھوں سے میرے سینے پر دو ہنٹر مارو...... اور مجھے تالاب میں زور سے دھکا دے دو۔''

''وہ کس لئے......؟'' اس کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔ ''میں ایسی بدتمیزی اور بے ہودہ حرکت نہیں کرسکتی۔''

ٹائیگر اس کی وجہ سروپا کو بتانا چاہتا تھا۔ معاً اس کی نگاہ جگدیپ اور اس کے ساتھیوں کی جانب اٹھ گئی۔ ان میں بہت سارے پیشہ ور بدمعاش اور قاتل بھی تھے۔ وہ ان میں سے کچھ بدمعاشوں کو جانتا بھی تھا...... ان میں ٹائیگر کو ایک ایسا شخص دکھائی دیا جس نے ٹائیگر کی رگوں میں اس کا لہو منجمد کردیا۔ یہ دیوہیکل بروجن داس تھا۔ جب کبھی بھی وہ ممبئی آتا تھا اس سے مڈبھیڑ ضرور ہوتی تھی اس نے ٹائیگر کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ ٹائیگر کے ہاتھ ہلانے پر وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھا۔

''تم نے مجھے بتایا نہیں کہ...... میں تمہیں تالاب میں دھکا کس لئے دوں؟'' سروجا نے دریافت کیا۔

میرا ایک دیرینہ دوست مجھ سے ملنے آرہا ہے۔ پہلے اس سے بات کرلوں۔ پھر تمہیں بتاتا ہوں۔'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

بروجن داس کا قد چھ فٹ سے بھی نکلتا ہوا تھا۔ ویسے وہ اتنا لمبا دکھائی دیتا تھا جتنا تھا۔ اس کے اعضا بہت مضبوط اور پتھر کی طرح سخت تھے۔ وہ چل رہا تھا تو زمین ہل رہی تھی جیسے زلزلہ آ گیا ہو...... ٹائیگر اسے زلزلہ کہتا تھا۔ وہ اس کے مقابل آ کر رک گیا۔

''ایک عرصہ کے بعد تمہیں دیکھ کر اتنی خوشی ہورہی ہے کہ بیان سے باہر ہے ٹائیگر......!'' اس نے اپنا فولادی پنجہ ٹائیگر کی طرف بڑھایا۔ ''ہاں دیکھو دوست میرے ساتھ جگدیپ والی حرکت نہ کرنا...... کیوں کہ مجھے اپنے بازو کی ابھی ضرورت ہے۔'' اس نے توقف کرکے ایک زوردار قہقہہ فضا میں بلند کیا۔ ''اس گدھے کو علم ہوتا کہ تم جوڈو کراٹے میں جو مہارت رکھتے ہو وہ بہت کم لوگ رکھتے ہیں تو تم سے الجھتا نہیں...... وہ صرف کمزور سے بھڑتا ہے۔'' پھر اس نے سروجا کی طرف دیکھ کر ہیلو کہا۔

سروجا نے بھی اسے رسمی انداز سے ہیلو کہا۔ ٹائیگر نے بروجن داس سے کہا۔

''وہ خود ہی بلاوجہ مجھ سے الجھا تھا...... مجھے بھی اس سے الجھنا پڑا جس کا مجھے افسوس ہے۔''

بروجن داس نے پھر قہقہے کا ایک بم فضا میں چھوڑ دیا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا ممبئی آنا کیسے ہوا......؟ خیریت تو ہے؟''

''خیریت ہی ہے...... میں یہاں تفریح اور تم جیسے دیرینہ اور مخلص دوستوں سے ملنے چلے آیا۔ کیوں کہ اس شہر اور تم لوگوں کی یاد بہت ستارہی تھی۔ میں وہاں رہتے ہوئے بڑا بور ہورہا تھا۔ دل کیا تو چلا آیا۔'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

''جگدیپ کا کہنا بھی یہی ہے کہ وہ بھی یہاں تفریح کے لئے آیا ہوا ہے۔ شاید تمہارے علم میں ہے کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔''

''نہیں...... شاید وہ جرائم سے اپنی گزر بسر کرتا ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں نے اس کے متعلق یہ بھی سنا ہے کہ وہ معصوم لوگوں کا خون پانی کی طرح بہاتا ہے۔ لہوفروش ہے۔ لیکن بروجن داس......! تم یہاں کیسے......؟ کیا کسی مشن پر آئے ہو؟''

بروجن داس سنجیدہ ہوگیا۔ اس نے قریب ہو کر سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

"ٹائیگر......! یہاں پر یہ سوال کسی سے نہیں کرنا کہ وہ ممبئی کیوں اور کس لئے آیا ہے...... یہاں سبھی تفریح کرنے آتے ہیں...... کسی کی آمد کے بارے میں سوچنے اور فکر کرنے سے صحت متاثر ہوسکتی ہے...... صحت بڑی نعمت ہوتی ہے۔"

"مجھے تمہاری بات سے اتفاق ہے بروجن!" ٹائیگر نے اس کا شانہ تھپ تھپایا۔ "تمہارے مخلصانہ مشورے کا شکریہ۔"

"اچھا دوست! اب اجازت دو۔" بروجن داس نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ "تمہیں دیکھا تو تم سے ملنے چلا آیا۔ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔ تم کسی بات کی فکر نہ کرنا۔ کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں۔"

وہ مخالف سمت بڑھ گیا تو ٹائیگر نے سروجا کو دلاسا دیا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں ہر قیمت پر تمہاری مدد کروں گا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس نے تمہیں کیسے پھانس لیا......؟ جب تم ذہین اور ہوشیار معلوم ہوتی ہو۔"

سروجا نے اپنی کہانی مختصر طور پر جو سنائی...... وہ یہ تھی کہ وہ پونا کے کافی ہاؤس میں ویٹر تھی۔ اس کے حسن وشباب اور سراپا کی دلکشی سے متاثر ہوکر مرد اور منچلے اپنی آنکھیں سینکنے آتے تھے اور مالک نے اسے جو لباس دیا تھا کہ جس سے اس کی بے حجابی اور نمایاں ہوجاتی تھی۔ گاہک مرد کسی نہ کسی بہانے سے اس کے ہاتھ، بدن، کمر اور شانے کو غیر محسوس انداز سے چھو لیتے تھے۔ مالک کا حکم تھا کہ ناراض ہونے کے بجائے وہ دلکش مسکراہٹ اور میٹھی نظروں سے پیش آئے، چوں کہ ان دنوں اس کے مالی حالت اچھے نہیں تھے۔ باپ کی موت کے بعد اسے مکان ملا جو اس نے فروخت کر کے رقم ایک بینک میں فکس ڈپازٹ کر دی۔ وہ اپنے ایک دور کے چچا کے ہاں رہنے لگی۔ چچا...... چچی کی غیر موجودگی میں اسے میلی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ چوں کہ وہ اپنی بیوی سے بہت ڈرتا تھا۔ اس لئے اس نے کوئی غلط حرکت نہیں کی تھی کہ کہیں وہ شکایت نہ کر دے۔ چچی نے اس سے کئی بار کہا کہ تین لاکھ کی رقم جو بینک میں فکس ڈپازٹ ہے اسے دے دے تاکہ اس کی کسی اچھے گھرانے میں شادی کر دے۔ ان ہی دنوں جگدیپ نے اس کے حسن سے متاثر ہوکر اسے پھانسا تھا۔ وہ ان دنوں کسی کام سے پونا آیا ہوا تھا۔ اپنے آپ کو بزنس مین ثابت کیا اور سبز باغ دکھا کر شادی کرلی۔ اس کی حقیقت اس کی اصلیت اس وقت

بلیک ٹائیگر

آشکارا ہوئی۔ جب دہلی سے ممبئی آئی۔ جب اس نے جگدیپ کو لعن طعن کیا کہ ایک شریف لڑکی کو کیوں پھانسا جرائم پیشہ ہوتے ہوئے، اسے طلاق دے دے۔ کیوں کہ اب ایک دن اس کے ساتھ گزارہ نہیں کرسکتی...... یہ سن کر جگدیپ نے اس کی ایسی زبردست ٹھکائی کی کہ وہ دو دن تک بستر سے اٹھ نہ سکی...... پھر اسے دھمکی دی گئی کہ فرار ہونے کی صورت میں اسے بے رحمی، سفاکی اور بربریت سے قتل کر دیا جائے گا۔ اس روز سے اس کی کڑی نگرانی کی جارہی ہے کہ کہیں وہ فرار نہ ہوجائے۔ سروجا نے اس کی سرگرمیوں کے بارے میں مختصر طور پر جو بتایا تھا وہ ٹائیگر کے لئے مفید ہوسکتا تھا۔

ٹائیگر جس مجرم کے تعاقب میں یہاں آیا تھا اسے کسی نے پرتشدد انداز سے قتل کر دیا تھا۔ اس کی لاش دو دن قبل پر برآمد کی گئی تھی...... اس کے سر میں گولی ماری گئی تھی...... وہ نہ صرف اسمگلر تھا بلکہ بلیک میلر بھی تھا اور وہ اپنے حلقے میں سری ناتھ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی اچانک اور غیر متوقع موت نے ٹائیگر کی مہم کو مشکل بنا دیا تھا۔

"سروجا......!" ٹائیگر نے اس سے کہا۔ "جگدیپ تمہیں مجھ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر مشتعل ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ میں نے اس کی بے عزتی کی ہے۔ اس کی اس طرح ممکن ہے کہ میرے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر کے تالاب میں زور سے دھکا دے دو۔"

"ٹھیک ہے...... میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گی۔ میں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ تمہارے حکم پر عمل کروں گی۔" اب ان دونوں کے درمیان آپ کے مخاطب کی دیوار گرگئی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو تم سے مخاطب کرنے لگے۔

وہ کھڑی ہوئی تو اس کا گل بدن شاخ کی طرح لچک گیا، حسن کی کرشمہ سازیاں مچھلیوں کی طرح کوندنے لگیں۔ ٹائیگر نے غیر محسوس انداز سے جگدیپ کی طرف کن اکھیوں سے دیکھا۔ جگدیپ اور اس کے ساتھی ان کی طرف متوجہ تھے۔

"دیکھو نیک کام میں یعنی شبھ کام میں دیر نہ کرو۔ ورنہ اسے شک ہوجائے گا۔ مجھے ایک تھپڑ رسید کر کے تالاب کی نذر کردو۔"

"او کے سر!...... لیکن نہ جانے کیوں میرا دل تم پر ہاتھ اٹھانے کو نہیں چاہ رہا ہے......"

ایسا تو غصے کی حالت میں ممکن ہے...... کوئی اور تدبیر سوچو...... سانپ بھی مر جائے......''
سروجا نے کہا۔

اور پھر اچانک سروجا نے ٹائیگر کے گال پر زناٹے کا تھپڑ رسید کر دیا جس کی بازگشت پٹاخے کی طرح دور تک سنائی دی۔ اس کی پشت تالاب کی طرف تھی۔ ٹائیگر تالاب میں جا گرا۔ تالاب میں گرنے کے بعد ٹائیگر فوراً ہی تیزی سے تیرتا ہوا دوسری سمت بڑھ گیا۔

اس وقت فضا جگدیپ کے بدمعاشوں کے بے ہنگم قہقہوں سے گونجنے لگی۔ سروجا بھی ہنسی سے دوہری ہو رہی تھی کہ جگدیپ کے بازوؤں کے حلقے میں اس کی نازک عریاں اور تھرکتی کمر قیامت بن گئی...... سروجا کے زوردار تھپڑ نے اس کی حرکت کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔

اس نے ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے اچھی طرح دیکھ لیا اور اطمینان کر لیا تھا کہ اس کے تعاقب میں کوئی تو نہیں ہے...... اس نے سروجا کے ساتھ جو حرکت کی تھی شاید جگدیپ کو طیش آ گیا ہو۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ سروجا نے یہ کہہ کر جگدیپ اور اس کے ساتھیوں کو مطمئن کیا کہ اس نے ٹائیگر کے منہ پر جو تھپڑ مارا اس نے ٹائیگر کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا اس بات نے جگدیپ کا رواں رواں خوش کر دیا تھا۔

ممبئی کی بندرگاہ کی ایک طرف شیرٹن اوبرائے ہوٹل جتنا شاندار تھا اس سے کہیں خوب صورت ہوٹل تھا۔ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم تھی۔ جب کبھی ٹائیگر اس شہر میں آتا تو اس ہوٹل کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کے شاہانہ اخراجات کی فکر اس لئے نہیں ہوتی تھی کہ وہ کہیں نہ کہیں سے پورا کر لیتا تھا۔ اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ یہاں جب بھی کسی کام سے آیا خالی ہاتھ نہ گیا تھا۔ اس کے فن کارانہ ہاتھوں نے جس کام میں ہاتھ ڈالا کامیابی سے ہم کنار کیا...... اس ہوٹل میں ہر کوئی ٹھہر نہیں پاتا تھا...... شیرٹن اوبرائے پہاڑیوں کے بیچ ایک انتہائی پرفضا مقام پر واقع تھا۔ ہوٹل کی بڑی اور پرشکوہ عمارت کے علاوہ اس سے ملحقہ بہت ساری کوٹھیاں اور بنگلے تھے وہ فن تعمیر کا جدید اور اعلیٰ ترین نمونہ تھے...... ٹائیگر نے جو کمرا لیا وہ ایک سو تین نمبر تھا...... اس نے نہانے جاتے وقت کمرا مقفل نہیں کیا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیوں کہ اس نے نقدی ایسی جگہ رکھی تھی کہ کسی کی نظر میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس کمرے کی چابی بورڈ پر لٹک رہی تھی۔ وہ اسے لئے بغیر ہی کمرے میں آ کر بستر پر دراز ہو گیا۔

ٹائیگر بڑی تیزی سے اپنے کیس کے بارے میں سوچنے لگا۔ ساری کڑیاں ایک ایک کر کے ذہن میں چلی آ رہی تھیں۔ اس کے موکل نے اسے جس مہم پر بھیجا تھا اسے سر کرنے کی صورت میں ایک لاکھ ڈالر کی رقم ملنے والی تھی۔ جو ہندوستان اور بنگلہ دیش کرنسی میں بہت بڑی رقم بنتی تھی۔ اس کے علاوہ جو سہولتوں کی صورت میں جو رقم ملی تھی وہ الگ تھی۔

وہ سوچتے سوچتے گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا۔ سوچوں کی دنیا میں گم ہونے کے باعث وہ لباس تبدیل نہیں کر سکا۔ بیدار ہوا تو اس بات کا خیال آیا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا تو سات بج چکے تھے۔ گہری نیند دیر تک سونے کے باعث اس کی تھکن دور ہو چکی تھی۔ پھر اس نے بستر سے نکل کر کپڑے تبدیل کئے۔ اور پھر وہ بے مقصد ہی ہوٹل سے نکل آیا۔

ٹائیگر جس کمرے میں مقیم تھا اسے سری ناتھ نے بک کرایا ہوا تھا۔ لیکن اس کی موت کی خبر سننے کے بعد اس نے ڈیسک کلرک کو پانچ سو روپے رشوت دے کر اسے لے لیا تھا......

ٹائیگر کو یہ بات لفافے میں جو کاغذ تھا اور اس پر جو ہدایات تھیں اس سے معلوم ہوئی تھی۔ سری ناتھ کے پاس ایسی اہم دستاویزات تھیں جن کی بدولت وہ ہر قسم کے مطالبات منوا سکتا تھا......

ٹائیگر کی یہ شام بھی غارت گئی۔ رات گئے تک ایک ملاقاتی بھی سری ناتھ سے ملاقات کے لئے نہیں آیا۔ اس کی موت کی خبر ابھی کسی وجہ سے عام نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس کا خیال تھا کہ شاید کوئی کام سے سری ناتھ سے ملنے آئے گا۔ سری ناتھ جیسا بین الاقوامی بلیک میلر دور دراز کا سفر کر کے بے مقصد نہیں آ سکتا تھا۔ وہ شب خوابی کا لباس پہن کر آرام دہ بستر پر دراز ہوا تھکن کے باعث جلد ہی سو گیا۔

صبح اس نے ڈیسک کلرک سے دریافت کیا کہ کیا کسی نے اس کے لئے رابطہ تو نہیں کیا......؟ اس کا جواب نفی میں تھا۔ پھر اس نے لابی میں دو تین گھنٹے بڑی اذیت میں کاٹے۔ لیکن کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ البتہ اس نے کچھ پیشہ ور قسم کے بدمعاشوں کو دیکھا۔ ان میں رام سوامی بھی تھا۔ ٹائیگر جب پہلی بار ممبئی آیا تھا۔ اس نے رام سوامی کی سولہ برس کی بہن کو چار غنڈوں سے اپنی جان پر کھیل کر بچایا تھا جو مسلح تھے اور وہ نہتہ تھا...... چوں کہ وہ جوڈو کراٹے کا ماہر تھا۔ اس نے ان غنڈوں کی بہت درگت بنائی تھی۔ رام رسوامی اس کا احسان

ماننا تھا۔لیکن ٹائیگر کہتا تھا کہ اس نے ایک فرض ادا کیا تھا......شہر کے بڑے بڑے غنڈے بھونچکے رہ گئے تھے۔ کیوں کہ وہ چاروں غنڈے دادو کے علاقے کے چھٹے ہوئے تھے۔وہ ٹائیگر کی بڑی قدر اور عزت کرتا تھا۔کسی بھی افتاد پڑنے پر وہ اس کی ہر قیمت پر مدد کرسکتا تھا۔ وہ احسان فراموش نہ تھا۔گزشتہ مرتبہ جب وہ آیا تھا تو رام سوامی اس سے بڑی محبت اور خلوص سے ملا تھا۔رام سوامی کی نگاہ اس پر نہ پڑی اور وہ اس لئے رام سوامی سے ملنے نہیں گیا تھا۔ ابھی وہ اس سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ بے زار اور اکتا کر اپنے کمرے میں چلا آیا تھا کہ یک سوئی سے کچھ سوچ سکے۔وہ بستر پر لیٹ کر خیالات کے گرداب میں چکرانے لگا۔وہ گونا گوں سوچ میں غرق تھا کہ دروازہ بڑی آہستگی اور غیر محسوس انداز سے کھلا۔دوسرے لمحے اس کی نظروں کے سامنے ہوٹل کا ایک ویٹر کھڑا تھا۔وہ ایسا شخص تھا کہ کمزور دل کا آدمی اسے دیکھ لے تو اس کے جسم پر سنسنی دوڑ جائے۔وہ لمبے چوڑے قد کا تھا۔اس کے چوڑے چہرے پر بہت ساری خراشیں پڑی ہوئی تھیں جس نے اس کے چہرے کو اور بھیانک بنا دیا تھا۔دیکھنے میں وہ گینڈے کی طرح لگ رہا تھا۔اس کے چپٹے سر نے اسے اور بھی مضحکہ خیز بنا دیا تھا......وہ جس پراسرار انداز سے کمرے میں داخل ہوا تھا وہ چونکا دینے اور خوف زدہ کرنے والی بات تھی۔ٹائیگر دل میں حیران تھا کہ ہوٹل والوں نے ایسے شخص کو ویٹر رکھا ہے......! تاہم وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی بڑا بدمعاش ہے جو ویٹر کی وردی پہن کر کسی خطرناک ارادے سے آیا ہے۔اسے پچھتاوا سا ہوا کہ اس نے اپنا اسپیشل کولٹ ریوالور جیب میں کیوں نہیں رکھا۔اس نے اوپر سے نیچے ٹائیگر کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔''کیا تم سری ناتھ ہو......؟''

''کیا......؟'' ٹائیگر نے انجان بن کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں تمہیں تیار ہونے کے لئے صرف پندرہ منٹ دے رہا ہوں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔''لباس تبدیل کرلو۔''

''کیا مطلب......؟'' ٹائیگر نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور تیز لہجے میں کہا۔

''اس نے ٹائیگر کی بات کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا۔کمرے میں جس طرح گھسا تھا اسی طرح واپس چلا گیا۔

ٹائیگر کو ابھی تک اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ اسے کس قسم کے حالات کا سامنا کرنا ہوگا۔اس لئے اس نے سوچا اسے اپنی حفاظت کے لئے ریوالر جیب میں رکھنا ضروری ہوگیا ہے۔اس سے غافل رہنا نہیں چاہئے۔وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے اپنے کمرے کے ملحقہ غسل خانے میں آہٹ سی سنائی دی۔ٹائیگر کے جسم پر سنسنی دوڑ گئی......کیا غسل خانہ میں کوئی مسلح بدمعاش چھپا ہوا ہے جو اسے قتل کرنے کے ارادے سے باہر آ رہا ہے۔اس نے ذہنی طور پر اس بدمعاش سے دو ہاتھ کرنے کے لئے تیار کرلیا۔دروازہ آہستہ آہستہ پراسرار انداز سے کھل رہا تھا۔پھر دروازے کے پیچھے سے کوئی مسلح بدمعاش کے بجائے جیسے کوئی چاند نمودار ہوا۔وہ بھونچکا سا ہوگیا۔اس نے سوچا کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ کیوں کہ اس کی آنکھوں میں نیند کا ہلکا سا خمار بھرا تھا۔وہ بڑی سنسنی خیز تھی۔اس کے جسم پر ایک ریشمی گون تھا جس پر کڑھائی کا کام کیا ہوا تھا۔اوہ گون جس میں سے اس کا شاداب بدن جھانک رہا تھا۔جام کی طرح چھلک رہا تھا۔

''ہیلو......سری ناتھ!'' اس نے بصد ناز و ادا کمرے میں قدم رکھتے ہی شوخی سے کہا۔

''تمہیں میرے آنے کی اطلاع تو مل گئی تھی نا؟'' ٹائیگر نے دانستہ تردید نہیں کی۔''چوں کہ سری ناتھ کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔اس لئے ہر شخص اسے سری ناتھ ہی سمجھ رہا تھا......وہ خود بھی یہی چاہتا تھا۔

ٹائیگر نے اس کے داہنے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سیاہ بکس دیکھا جسے اس نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔اس قسم کے بکس میں عورتیں اپنا لباس اور میک اپ کی لوازمات رکھتی ہیں۔پھر اس نے بڑی بے تکلفی سے اس بکس کو بستر پر رکھ دیا۔پھر اپنا گون اتار کر اس پر ڈال دیا۔

اب وہ شب خوابی کے رنگین لباس میں تھی۔اس نے ٹائیگر کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے ریشمی آواز میں مخاطب کیا۔

''مجھے تورالائی نے تمہارا ہر طرح سے دل بہلانے کے لئے بھیجا ہے......میں کیا سیوا کرسکتی ہوں؟ کروں؟'' اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

''تورالائی نے......؟'' ٹائیگر نے چونک کر دل میں سوچا۔پھر اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"جی تورالائی نے......" اس نے رسیلی آواز میں کہا۔ "اس لئے کہ وہ جب تک تمہیں ملاقات کا وقت نہیں دیتا اس وقت تک میں تمہارا ہر طرح سے خیال رکھوں۔ سیوا کروں...... دل بہلاؤں...... تمہیں بور نہ ہونے دوں......"

ٹائیگر نے اپنے ذہن پر بہت زور دیا۔ اسے بالکل بھی یاد نہ آسکا کہ زیر زمین دنیا میں اس نام کی کوئی شخصیت بھی موجود ہے۔ ایسا نام اس کے ذہن میں نہ آیا تو وہ الجھن میں پڑ گیا۔ پھر اس نے سوچنا بند کر دیا پھر وہ اس کے ہیجان خیز سراپا میں کھو گیا۔

"کیا تم مجھے سزا دے رہے ہو جو بیٹھنے کے لئے نہیں کہہ رہے ہو؟" وہ تیزی سے بولی۔

"آئی ایم ساری...... جان من!" ٹائیگر نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ اس میں میرا نہیں بلکہ تمہارا قصور ہے۔"

"میرا قصور......؟ وہ کیسے......؟" اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ "میں نے کیا کیا......؟"

"وہ ایسے کہ تم بلا کی حسین ہو...... لاکھوں میں ایک...... خوابوں کی رانی...... سپنوں میں نظر آنے والی جان جاں!...... تمہارے حسن کے جادو نے مجھے خود فراموش کر دیا تھا...... چلو...... اب بیٹھ جاؤ دلوں کی ملکہ......"

وہ ٹائیگر کی زبان سے اپنی تعریف شاعرانہ انداز سے سن کر اتنی خوش ہوئی کہ...... ٹائیگر کو لگا کہ وہ جیسے کسی بھی لمحے اس کی جھولی میں کسی پکے پھل کی طرح گر نہ جائے...... اس کے بشرے سے ایسا ہی ظاہر ہو رہا تھا۔ اتنی تعریف کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ اس سے دریافت کرے کہ موصوف کون ہیں...... ان کا جغرافیہ کیا ہے......؟ اس کا جد امجد کیا ہے......؟ پھر اسے خیال آیا کہ وہ سری ناتھ ہے۔ پھر وہ اس کے سوال پر مشکوک ہو جائے گی۔ پھر کمرے سے نکل جائے گی۔ وہ اس بت طناز جانے دینا نہیں چاہتا تھا...... اور پھر اسے غیر محسوس انداز سے اس سے معلومات حاصل کرنا تھیں۔ اس سے جو کچھ معلوم ہو سکتا تھا کسی اور سے نہیں۔

"کیا تمہیں واقعی تورالائی نے میری ہر طرح کی سیوا کے لئے بھیجا ہے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"ہاں......" اس نے اپنا جوش نما سر ہلا دیا۔ "کیا تمہیں یقین نہیں آیا...... تم کتنے ہینڈسم ہو۔"

"اسے میرا کتنا خیال ہے......؟ اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے......" ٹائیگر نے کہا۔ اس نے جواب نہیں دیا تو پھر ٹائیگر نے اس سے پوچھا۔ "اے حسینہ عالم! تم نے بتایا نہیں کہ کیا پینا پسند کرو گی؟"

"یہ کیا کوئی پوچھنے کی بات ہے......؟ کیا مہمانوں سے پوچھا جاتا ہے......؟" وہ شوخی اور شگفتگی سے بولی۔ "میں تو تمہاری پجارن ہوں...... باندی ہوں...... تم جو بھی پلاؤ گے پی لوں گی۔"

"اگر زہر پلاؤں......"

"وہ بھی پی لوں گی میرے دل کے راج کمار......" سابقہ لہجے میں بولی۔

"کیا تم مجھے اتنا سنگ دل سمجھتی ہو...... میں تو ایک ایسی شراب پلاؤں گا جو کہ نہ صرف بے حد قیمتی ہے بلکہ بڑھیا قسم کی بھی ہے۔ کیا تم شراب سے شغف رکھتی ہو...... کیوں کہ تم دیسی ہو...... بدیسی نہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"ہاں...... میں صرف وہ شراب پیتی ہوں اور اچھی لگتی ہے جو مفت میں مل جائے۔" یہ کہہ کر وہ بڑے زور سے ہنسی۔ "جو تم پلاؤ گے اسے امرت سمجھ کر پی لوں گی...... ہندوستان میں شراب نوشی کتنی عام ہے اور ہوتی جارہی ہے تم جانتے ہو گے...... لڑکیاں اور عورتیں پینے میں مردوں سے کم نہیں ہیں...... ہاں تو کیا پلاؤ گے؟"

ٹائیگر کے پاس اعلیٰ درجے کی نفیس قسم کی بیئر تھی جو اس نے اس لئے خرید رکھی تھی کہ کوئی مہمان آگیا تو ہوٹل کے بار سے منگوانے کے بجائے خود ہی خاطر تواضع کر لے۔ اس نے دو گلاس تیار کر کے ایک گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ جس وقت اس نے ٹائیگر کے ہاتھ سے گلاس لیا اس وقت ٹائیگر کی نظر اس کی انگلی پر پڑی جس میں ایک بڑی سی انگوٹھی تھی جس پر ایک انگریزی لفظ E کھدا ہوا تھا۔ مسیحی لڑکیاں جو انگوٹھی پہنتی تھیں اس پر اپنے نام کا پہلا حروف کھدوا کر پہنتی تھیں۔ ٹائیگر نے انگوٹھی کو غور سے دیکھتے ہوئے اس کا نازک اور گورا اور سڈول ہاتھ تھام کر پوچھا۔

"بے بی......! کیا تم مجھے اپنا نام بتانا پسند کرو گی؟"

''میرا نام ایولین ہے۔'' اس نے ٹائیگر کو اپنی نظروں کی گرفت میں لے لیا۔ ''تم مجھے ایو کہہ کر بلا سکتے ہو۔''

جس وقت وہ اپنا نام بتا رہی تھی ٹائیگر نے اپنا گلاس خالی کر دیا تھا۔ ایولین کا گلاس خالی ہو گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا اس کے لئے دوسرا گلاس تیار کر دے...... اس نے منع کر دیا۔

ایولین نے آخری گھونٹ لے کر خالی گلاس میز پر رکھا اور پوچھا۔ ''کیا تم کسی تفریح کے موڈ میں ہو؟ تمہیں موسیقی سے دلچسپی تو ہو گی!''

''اس وقت صرف تم میری دلچسپی اور تفریح کا محور ہو۔ موسیقی تمہیں پسند ہے تو مجھے بھی بہت پسند ہے۔'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

اس نے ٹائیگر سے اجازت لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ اس نے ریکارڈ پلیئر کا بٹن آن کر دیا۔ ٹائیگر کے لئے تو وہ خود موسیقی، نغمہ اور آہنگ تھی۔ کمرے کی خاموش فضا میں موسیقی کی لطیف دھنیں بکھرنے لگیں۔ پھر اس نے ٹائیگر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''رقص کے بارے میں کیا خیال ہے......؟ ناچنا گانا تو آتا ہی ہو گا؟''

''اتفاق سے ہر قسم کے رقص کی مہارت رکھتا ہوں...... ویسے نیک خیال ہے۔'' ٹائیگر نے گہری نظروں سے دیکھا۔

ایولین نے اپنے نامناسب شب خوابی کے لباس کو اور اونچا اٹھا لیا۔ پھر وہ ٹائیگر کے قریب آ گئی۔ پھر ہیجان خیز رقص شروع ہو گیا۔ یہ رقص کم تھا۔ وہ ٹائیگر پر نچھاور ہوئی جا رہی تھی...... ٹائیگر نے دل میں تورالائی کا شکریہ ادا کیا جس نے اس کی تفریح طبع کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ بات رقص سے بھی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ جس سے وہ ہر چیز اور مافیہا سے بے نیاز ہوتے جا رہے تھے۔

پھر ایک دم سے رنگ میں بھنگ پڑ گیا۔ دھڑام سے دروازہ کھلا۔ وہ خبیث بغیر دستک اور اطلاع کے دندناتا ہوا کمرے میں گھس آیا۔ ٹائیگر کے جی میں تو آیا کہ ریوالور نکال کر اس کی کھوپڑی، اڑا دے، دو تین جوڈو کراٹے کے ہاتھ مار کر اس کا ہاتھ توڑ دے۔ اس کم بخت کو اسی وقت آنا تھا۔ جو ٹائیگر کو کیا ایولین کو بھی زہر لگا۔ وہ دونوں ان جانے راستے پر بہت دور جانے والے تھے۔

اس نے ٹائیگر کو لباس تبدیل نہ کر کے تیار نہ ہوتا ہوا دیکھ کر کہا۔ ''سری ناتھ! حیرت کی بات ہے۔ میرے کہنے کے باوجود تم نے لباس تبدیل نہیں کیا؟''

''ہاں...... میں نے لباس تبدیل کیا اور نہ کروں گا۔'' ٹائیگر نے بگڑتے ہوئے برہمی سے کہا۔ ''کیا میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں...... تم سے کس نے کہا کہ کباب میں ہڈی بنو...... میں کہتا ہوں یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' سنا تم نے......''

''یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟'' اس کا چہرہ اور خوفناک اور مکروہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بھر گئیں۔ وہ ترش روئی سے بولا۔ ''سنو...... سری ناتھ......! میں تمہیں ایک منٹ کی مہلت دے رہا ہوں۔ اگر تم نے لباس تبدیل نہیں کیا تو پھر میں تمہیں اس حالت میں لے جاؤں گا تو کیا تورالائی کو یہ بات پسند آئے گی کہ تم اس ہیت میں اس سے ملنے آئے ہو۔''

ویٹر کی بات سن کر ایولین بڑے زور سے چونکی۔ پھر اس نے ٹائیگر کو سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''تمہیں فوراً ہی تیار ہو کر چل دینا چاہئے۔ تورالائی کو تم جانتے ہو کہ ہندوستان کے صدر سے کہیں مصروف آدمی ہے۔ اس کے پاس وقت بہت کم ہوتا ہے۔''

ٹائیگر غصے کی حالت میں جامے سے باہر ہو گیا تھا۔ ایولین نے پیار بھرے انداز اور حرکات سے اس کے غصے کو سرد کیا تھا۔ ٹائیگر نے بستر سے اس کا گون اٹھایا تا کہ اسے پہننے میں مدد دے سکے۔ اس نے گون اٹھایا تو اسکا بکس جو گون کے نیچے تھا نجانے کیسے بستر سے نکل کر فرش پر گر گیا۔ ایولین نے ہذیانی انداز سے چیختے ہوئے کہا۔ ''تم کیسے بے پروا آدمی ہو...... تم نے میرے بکس کا ستیاناس کر دیا۔''

''آئی ایم ساری...... مائی سویٹ ہارٹ ایولین!'' ٹائیگر نے خجالت سے کہا۔ ''مجھے بکس کا بالکل بھی خیال نہیں رہا۔ پلیز! جان من! تم ناراض مت ہو۔''

ایولین کی تیوری پر بل پڑ گئے تھے۔ اسے یکایک نجانے کیا ہوا کہ اس نے ٹائیگر کے ہاتھ سے گون لے لیا اور فرش سے بکس اٹھایا اور پھر وہ اس حالت میں کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس نے گون پہننے کی زحمت بھی نہیں کی۔ یہ بات ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اس ویٹر کے آنے سے پہلے وہ بہت خوش سرشار تھی۔ اس نے ٹائیگر کی جذباتی کیفیت اور من مانیوں کو

بڑی خوش دلی سے قبول کیا اور خود سپردگی سے بھی پیش آئی۔ اس کا ایک دم سے اچانک بدلا ہوا رویہ معمہ بن گیا۔

ویٹر کمرے سے باہر نہیں گیا تھا۔ اس نے جیسے پھر ٹائیگر کو وارننگ دی۔ ''سری ناتھ......! صرف دس سیکنڈ باقی ہیں۔''

ٹائیگر نے فوراً ہی انڈر ویئر پر پتلون پہنی۔ بغیر جرابوں کے جوتے پہننے لگا۔ بس ویٹر نے اسے جوتے کے تسمے بھی باندھنے نہیں دیئے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے سے باہر لے آیا اور دروازہ زور سے بند کر دیا۔ پھر اس نے ٹائیگر سے کہا۔

''سری ناتھ......! مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم اس قدر احمق ہو......تم نے وقت ضائع کر کے اچھا نہیں کیا۔''

ویٹر ٹائیگر کو کشاں کشاں اس سمت لے جا رہا تھا۔ جہاں ہوٹل اشو کا تھا۔ یہ ہوٹل سب سے مہنگا اس لئے تھا کہ سب سے زیادہ پر تعیش مانا جاتا تھا۔ یہ ہوٹل بھی ساحل سمندر کے کنارے واقع تھا۔ ٹائیگر بھی اس میں ایک مرتبہ ٹھہرا تھا۔ ٹائیگر کی نظر سمندر میں کھڑے ایک بحری جہاز پر پڑی۔ جس پر نارچون نام لکھا ہوا تھا۔ وہ نام دور ہی سے دکھائی دیتا تھا۔ ٹائیگر کو یہ نام مانوس سا لگا۔ لیکن اس وقت اس لئے یاد نہیں آیا تھا۔ اس کیفیت میں عین وقت اس ویٹر نے بدمزگی پیدا کر دی تھی۔ اویلین نے لمحات میں جو رنگینی پیدا کی تھی وہ ویٹر کی وجہ سے ختم ہو گئی تھی۔ اس کا ذہن غصے سے کھول رہا تھا۔

ویٹر اسے ہوٹل کے اندر لے گیا اور ایک ہال کے دروازے پر جا کر رک گیا۔ پھر اس نے مخصوص انداز سے دروازے پر کوئی تین مرتبہ دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازے کو بند کر کے مقفل کر دیا گیا۔ ٹائیگر نے جائزہ لیا۔ یہ ایک وسیع و عریض ہال تھا۔ اس کے اندر بہت سارے لوگ موجود تھے۔ ٹائیگر کی نگاہ سب سے پہلے اس شخص کی جانب اٹھی تھی جو کرسی صدارت پر بڑے پر وقار اور رعب کے انداز سے بیٹھا ہوا تھا۔ ٹائیگر کو اس شخص کے پہچاننے میں لمحہ بھر کی دیر بھی نہ لگی۔ یہ تورالائی تھا...... سنہرا بچھو تورالائی......لوگ اسے غائبانہ طور پر گوریلا کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ لیکن کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کے سامنے گوریلا کہہ کر مخاطب کر سکے۔

اسے دیکھ کر ٹائیگر کے دل میں غم و غصے اور نفرت کی شدید لہر اٹھی تھی۔ کیوں کہ یہ جرائم

کی دنیا کا سب سے ظالم، سفاک اور اونچا بدمعاش تھا۔ سرغنہ تھا۔ بڑے بڑے خطرناک بدمعاش اس کا نام سن کر کانپ اٹھتے تھے۔ وہ اسے خواب کی سی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر کو یقین نہیں آیا کہ یہ درندہ صفت اس کی نظروں کے سامنے موجود ہے کیوں کہ موجودہ حالت میں اس کی ہندوستان آنے کی توقع نہیں تھی۔ وہ امریکہ سے کب کا روپوش ہو چکا ہے۔ یہ بات ٹائیگر کے علم میں تھی اور اس کے متعلق افواہیں اڑتی رہتی تھیں......اس کے بارے میں یہ افواہ بھی گشت کر رہی تھی کہ وہ اٹلی کے کسی دور دراز علاقے میں روپوش ہے۔

ٹائیگر کو اپنی نظروں کے سامنے فرشتہ اجل کھڑا نظر آیا۔ وہ اس پر ہنس رہا تھا اور جیسے کہہ رہا تھا برے پھنسے بلیک ٹائیگر......پھر اس کی نگاہوں نے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سرسری انداز سے دیکھا۔ پورا ہال دنیا کے جرائم پیشہ اور اجرتی قاتلوں کی تنظیموں کے سرغنوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ جگہ کسی بھی سراغ رساں کے لئے پھانسی کا گھاٹ تھی۔

اس کے ہال میں داخل ہوتے ہی ایک بھن بھناہٹ اور سنسنی سی پھیل گئی۔ یہ سارے تقریباً اسے جس طرح جانتے اور پہچانتے تھے اپنی اولاد کو بھی نہیں۔ ایک طوفان سا آ گیا۔ کچھ بدمعاش اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دو ایک بدمعاش اس کی طرف بڑھنے لگے۔

تورالائی یہ سب کچھ بڑے سکون واطمینان سے دیکھنے لگا تھا۔ اس کی نگاہیں ٹائیگر پر مرکوز تھیں۔ لیکن اس کے چہرے اور آنکھوں سے دلی تاثرات ظاہر نہ تھے۔ چند لمحوں تک شور شرابا ہوتا رہا۔ تورالائی نے جب اپنا ہاتھ فضا میں اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو شور ایک دم سے ٹوٹ گیا۔ پورے ماحول پر ایک بے کراں سکوت سا مسلط ہو گیا۔

''تم سری ناتھ تو نہیں ہو......؟'' گہری خاموشی میں اس کی پر وقار آواز گونجی۔

''سری ناتھ؟'' ٹائیگر نے انجان بن کر اپنی پلکیں حیرت سے جھپکائیں۔ ''یہ سری ناتھ کون ہے......اور آپ کون ہیں......؟'' اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

''سنو مسٹر......!'' تورالائی نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''زیادہ ہشیاری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم سری ناتھ کے کمرے میں کیا کر رہے تھے؟''

ٹائیگر کو اس بات کا نہ صرف احساس تھا بلکہ بخوبی اندازہ کہ وہ موت کے دہانے پر کھڑا ہے۔ اس کی بدحواسی، اور ذرا سی غفلت اور غلطی اسے موت کے منہ میں لے جا سکتی تھی۔ ایسے

واقعات اور حالات اور لمحات سے اسے اکثر واسطہ پڑا تھا اور پڑتا رہتا تھا اس لئے وہ مطلق نہیں گھبرایا۔ اسے ایسے دشت کی سیاحی ہوتی رہتی تھی۔ اس نے بڑے مضبوط لہجے میں اور بے خوفی سے جواب دیا۔

''سری ناتھ کی تکرار میری سمجھ سے باہر ہے...... آپ مجھ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس کا نام میں نے پہلی بار سنا ہے...... ویسے اس نام کے سینکڑوں کیا ہزاروں اس ایک شہر میں ہوں گے۔ میں نے اس سری ناتھ کی شکل تک نہیں دیکھی ہے۔''

ٹائیگر اس وقت دروازے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ وہ اپنی بات ختم کر کے بے خوفی سے تورالائی کی طرف بڑھا اس نے حاضرین میں سے کئی ہاتھوں کو تیزی سے جیبوں میں رینگتے ہوئے محسوس کیا۔ انہوں نے دوسرے لمحے برق سرعت سے ریوالور نکال لئے تھے۔ دو ایک نے تو اس کی راہ میں حائل ہونے کی تو تورالائی نے انہیں اشارے سے روک دیا۔ اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

''ویسے آپ کو یہ ذاتی سوال کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ کون سے کمرے میں اور کس لئے ٹھہرے ہو۔''

تورالائی کو اس کی بات ناگوار گزری تھی۔ اس کے چہرے پر غصہ نمودار ہوا۔ لیکن اس نے خود پر قابو پا کر ٹائیگر کی پشت پر کسی کو اشارہ کیا...... ٹائیگر نے گھوم کر فوراً ہی دیکھا تو اس کی نگاہ بروجن داس پر پڑی تو ٹائیگر نے جلدی سے اسے مخاطب کیا۔

''بروجن داس یہ کون مہاتما ہیں......؟ یہ صاحب مجھ سے بے سروپا قسم کے سوالات کئے جا رہے ہیں؟ یہ کیا تماشا ہے؟''

ٹائیگر نے پہلی بار بروجن داس کو سنجیدہ پایا تھا۔ اسے حالات کی نزاکت کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے ٹائیگر سے بات کرنے کے بجائے تورالائی کو مخاطب کیا۔

''میں آپ کو اس شخص کے بارے میں بتاتا ہوں۔ اس کا اصل نام کچھ ہے...... یہ بلیک ٹائیگر کے نام سے مشہور ہے اکثر لوگ اسے اس نام سے واقف ہیں۔ یہ بنگلہ دیش میں رہتا ہے۔ وہاں اس کا کام سراغ رساں انسانی ذریعہ معاش ہے۔ اس سے دیرینہ دوستی ہے اور ہیں اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ یہاں تفریح کی غرض سے آیا ہوا ہے۔ ایک عرصہ بعد آیا ہے۔'' پھر اس نے توقف کر کے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور اس سے کہا۔ ''دیکھو......

مسٹر تورالائی...... جو کچھ بھی تم سے دریافت کریں اس کا صحیح صحیح جواب دینا تا کہ ان کی غلط فہمی دور ہو سکے...... مسٹر تورالائی صاف گو آدمی ہیں۔ جھوٹ بولنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں۔''

بروجن داس جیسے مجرم شخص نے اس کی حمایت میں جو کچھ کہا اس بات نے ٹائیگر کا دل جیت لیا تھا۔ اس بے خوفی کی ٹائیگر کو اس سے توقع نہیں تھی۔ ٹائیگر کے دل میں اس کے لئے اور جگہ پیدا ہو گئی تھی۔

''مجھے سچ کہنے میں قطعاً کوئی عار نہیں اور نہ ہی میری عادت ہے کہ میں جھوٹ بولوں۔'' ٹائیگر نے بروجن داس کو جواب دے کر تورالائی کی طرف دیکھا۔ ''آپ کیا تسلی کرنا چاہتے ہیں؟''

تورالائی...... گہری خاموشی اور تنقیدی نظروں سے ٹائیگر کو دیکھے جا رہا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنا سوال دہراتے نہیں ہیں۔ ٹائیگر کو اس کی شخصیت کی اس پہلو کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے خود ہی بتانا شروع کر دیا۔

''مجھ سے جس کمرے کی بابت دریافت کیا گیا ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں کل ہی اس شہر میں وارد ہوا ہوں۔ اتفاق سے ایک کمرا بھی خالی نہیں تھا۔ البتہ ایک شخص نے کمرا بک کرایا ہوا تھا اور وہ کسی وجہ سے نہیں آیا تھا۔ لہٰذا میں نے ڈیسک کلرک کو پانچ سو رشوت دے کر وہ کمرا لے لیا۔ اتنی سی بات ہے۔''

ٹائیگر کی یہ بات سنتے ہی فوراً ایک بدمعاش ہال سے نکل گیا۔ وہ شاید اس کی بات کی تصدیق کرنے گیا ہوا تھا۔ تورالائی کو اس کے بیان پر جیسے یقین آ گیا تھا۔ اس لئے اس نے نرم لہجے میں ٹائیگر سے پوچھا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ ویٹر کے ہمراہ تم بحیثیت سری ناتھ یہاں کس لئے آئے ہو؟''

ٹائیگر نے جواب دینے سے قبل ویٹر کی طرف دیکھا جو ایک جانب مودب اور بھیگی بلی بنا سا کھڑا ہوا تھا۔ اس نے تورالائی کو جواب دیا۔ ''اس بات کا جواب تو آپ کا ویٹر ہی دے سکتا ہے...... ایک تو یہ شخص میری اجازت کے بغیر کمرے میں کسی بدمعاش کے انداز میں گھس آیا۔ مجھے لباس تبدیل کرنے کا حکم دے کر چلا گیا۔ اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا مجھے کہاں لے کر جانا چاہتا ہے۔ ایک حسین و جمیل اور جوان عورت میرے کمرے میں تھی۔ مجھے

دعوت گناہ دے رہی تھی...... میں اس فتنے کی قربت میں دیوانگی کی حد تک پہنچا تھا کہ ویٹر آ گیا۔ پھر یہ شخص مجھے جبر وزیادتی سے لے آیا...... میری بوٹوں پر ایک نظر ڈالیں۔اس نے مجھے تسمے باندھنے کی مہلت تک نہیں دی۔''

ٹائیگر نے توقف کر کے حاضرین کو اپنے بوٹ دکھائے۔ پھر ٹائیگر نے پوچھا۔

''میں اب تک یہ جان نہیں سکا ہوں کہ مجھ پر جرح کیوں کی جا رہی ہے...... جیسے میں کوئی مجرم ہوں۔''

ٹائیگر کا بیان سننے کے بعد تورالائی نے ویٹر کو قہر آلود نظروں سے گھورا۔ پھر وہ ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''مسٹر ٹائیگر......! مجھے افسوس ہے کہ...... آپ کو محض غلط فہمی کی بنا پر تکلیف پہنچی ہے...... بات یہ ہے کہ الیکشن کے لئے ایک کنونشن بلا رہے ہیں...... ظاہر ہے کہ پارٹی سیکرٹ کو دوسروں سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کنونشن کی ہر کارروائی خفیہ رکھی جانا چاہئے۔''

''میں نے جو آداب محفل کا خیال نہیں رکھا اس کے لئے میں معافی کا خواستگار ہوں۔''

ٹائیگر نے اسے یہ تاثر دیا کہ اس نے تورالائی کی بات کو سچ تسلیم کر لیا ہے...... جو بدمعاش ہال سے باہر نکل گیا تھا وہ اس وقت اندر داخل ہوا۔اس نے تورالائی کو مخصوص انداز سے اشارہ کیا تو اس کے جواب میں مخصوص انداز سے ہی سر ہلایا۔اس بدمعاش نے ٹائیگر کی بات کی تصدیق کر دی تھی۔ پھر تورالائی نے ٹائیگر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو جس تکلیف اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں...... آپ سے ایک گزارش ہے کہ جب تک ہمارا کنونشن ختم ہو جاتا آپ اپنے کمرے سے نہیں نکلیں گے۔''

''یوں بھی میرے پاس کہیں جانے کا اور نہ کسی سے ملنے کا کوئی پروگرام ہے...... میں اس وقت تو سونے اور آرام کرنے کے موڈ میں ہوں...... شاید وہ گل بدن چھم سے کسی پری کی مانند آ جائے...... آ جائے گی تو اس کے ساتھ ڈنر اور فلم کے لئے جا سکتا ہوں...... مجھے آپ کے کنونشن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی میں پنچھی کی طرح کمرے میں رہ سکتا

ہوں...... پھر بھی اس بات کی کوشش کروں گا کہ کمرے میں رہوں...... یوں میرے کمرے کی کھڑکی سے تالاب کا نظارہ بڑا دلکش اور ہیجان خیز ہو جاتا ہے کیوں کہ جل پریاں جو ہر عمر کی ہوتی ہیں...... ہر رنگ ونسل کی...... ایسا نظارہ اور کہاں...... وہ بھی مفت کی تفریح...... تالاب پر جا کر میں ان میں شامل ہو جاتا ہوں۔خوابوں کی دنیا میں پہنچ جاتا ہوں۔''

ٹائیگر کو اس بات کا اندازہ تھا کہ اس نے لمبی چوڑی بات سے تورالائی کو بور کر دیا۔ اگر اس نے جگدیپ کو دیکھ لیا نہ ہوتا تو وہ تالاب کا ذکر نہ کرتا......اس کا مقصد اسے جلانا بھی تھا۔ کیوں کہ اس کی بیوی سروجا جس حالت میں بڑی دیر تک ٹائیگر کو لبھاتی رہی اس نے جلتی پر تیل گرا دیا تھا اور پھر تالاب پر اس نے جگدیپ کا ہاتھ بھی مروڑا تھا۔ جب وہ دروازے کے پاس پہنچا اس کی نظریں جگدیپ سے چار ہوئیں۔ وہ ٹائیگر کو غضب ناک نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

ٹائیگر کے علم میں آئی تھی کہ ان دنوں ممبئی میں ایک کنونشن ہو رہا ہے......لیکن آج یہ عقدہ اس پر کھلا تھا کہ یہ کنونشن ہے سیاسی نوعیت اور سیاسی لیڈروں کا نہیں بلکہ بڑے بڑے جرائم پیشہ سرغنوں کا ہے......ٹائیگر اس کانفرنس کی غرض وغایت کی تہہ میں پہنچ چکا تھا اور پھر ٹائیگر کو اپنے شبہات کی تصدیق کرنا بھی لازمی تھا......اس نے ان جرائم پیشہ کے ہجوم میں رام سوامی کو بھی دیکھا تھا۔ جس سے اسے بڑی مدد مل سکتی تھی۔ کیوں کہ کوئی بھی جرم ہمیشہ اپنے محسن کو بھلاتا نہیں تھا اور اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے بے چین رہتا تھا۔

ٹائیگر نے فوراً ہی رام سوامی کی تلاش شروع کر دی۔ کوئی دس منٹ کے بعد اس نے رام سوامی کو لابی میں بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے خبیث ویٹر کو بھی دیکھ لیا تھا جو اس کی نگرانی پر مامور کر دیا گیا تھا۔ اس لئے وہ اس کی موجودگی میں رام سوامی سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جب رام سوامی کچھ دیر اس کے سامنے سے گزرا تو اس نے بظاہر اخبار پڑھتے ہوئے غیر محسوس انداز سے اسے مخاطب کیا۔

''درست......! تم مجھے بار میں ملو۔''

اس برابر صوفے پر ایک تیس برس کی خوب رو عورت کسی کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ بار بار پہلو بدل رہی تھی اور اس کی نگاہ جو داخلی دروازے کی طرف جاتی اور لوٹ آ رہی تھی وہ سمجھ کہ اس نے اسے دعوت دی ہے۔ وہ اس کے اور قریب آ کر بولی۔

''مکیش کا میں ایک گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں...... لگتا ہے کہ وہ نہیں آئے گا...... میں بار میں کیا...... کمرے میں بھی مل سکتی ہوں۔ ہم ساری رات جشن منائیں گے...... آپ کو میری جیسی تنہائی کی رفیقہ کبھی نہیں مل سکتی۔''

''میں اتنا خوش نصیب کہاں شریمتی جی......'' ٹائیگر نے ایک لمبا سا سانس لیا۔ ''آپ کتنی حسین ہیں۔''

''بدنصیبی......؟'' اس نے غیر محسوس انداز سے ساڑی کا پلو گود میں گرا لیا تا کہ وہ کس قدر ہیجان نظارہ سے اندازہ کرے کہ وہ کس قدر قیامت ہے۔ واقعی وہ بجلی تھی جو ہر مرد کے دل پر گر سکتی ہے۔ اس نے پلو اٹھایا نہیں۔ ''کیسی بدنصیبی۔''

''جس کمرے میں ٹھہرا ہوا ہوں اس میں میری پتنی اور سات بچے بھی ہیں۔'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''بس وہ آنے والی ہے۔''

یہ سن کر عورت نے پلو درست کیا اور بھن بھناتی ہوئی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ ٹائیگر ایک دم ہنس پڑا۔

جب ٹائیگر ہوٹل کے عقبی دروازے پر رک کر پلٹا تو اس کی ویٹر سے ٹکر ہو گئی۔ ٹائیگر نے زہر خند کہا۔

''تم مجھے پہلے ہی بہت پریشان اور ہراساں کر چکے ہو...... کباب میں ہڈی بنے ہو...... تمہیں میری نگرانی کرنے اور تعاقب کرنے میں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ٹنڈے ملیں گے۔ بڑی اچھی ترکاری ہوتی ہے۔''

ویٹر نے ٹائیگر کی بات کا جواب نہیں دیا۔ سپاٹ چہرہ لئے کھڑا رہا۔ ٹائیگر جب بار کی طرف بڑھا تو وہ دیکھ کر ایک طرف کھڑا رہا۔ وہ اس کے تعاقب میں نہیں آیا۔ کیوں کہ بار میں آمد و رفت کا ایک ہی راستہ تھا۔ رام سوامی اسے بار میں مل گیا...... پہلے تو ویٹر نے اس کے بارے میں بتایا کہ اس کا نام جوکر ہے۔ وہ ایک پیشہ ور غنڈہ ہے۔ وہ سنسان راستوں پر لڑکیوں اور عورتوں کے پرس چھین لیتا ہے۔ زیور اتار لیتا ہے۔ دستی گھڑی اور موبائل فون بھی چاقو کے ہی زور پر چھین لیتا ہے۔

اس نے ٹائیگر کو وہ تمام معلومات بہم پہنچائیں جس کی اسے اشد ضرورت تھی...... جب رام سوامی نے اسے موجودہ کانفرنس کے بارے میں بتایا تو ٹائیگر اپنے اسٹول سے گرتے

گرتے بچا تھا...... جب ٹائیگر نے اس کی اہمیت پر غور کیا تو حیران رہ گیا۔ متحدہ امریکہ یونین نہ صرف مزدور لیڈروں کے لئے ایک انعام کی حیثیت رکھتی تھی بلکہ یہ جرائم پیشہ سرغنوں اور اشتراکیوں کے لئے بھی اتنی ہی مفید ثابت ہو سکتی تھی۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ جو لوگ ان یونینوں کو کنٹرول کرتے ہیں وہی امریکہ کی صنعتوں کو بلکہ امریکی قوم کو بھی کنٹرول کرتے ہیں...... خود لینن نے اپنی زندگی میں یونینوں میں اثر و رسوخ کو بہت زیادہ اہمیت دی تھی...... اس کا قول تھا کہ مزدور کو قابو میں کر لو تو پورے ملک کو بھی قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ تورالائی...... لینن کے اس قول پر عمل کرنا چاہتا تھا۔

رام سوامی نے جو تفصیلات بتائی تھیں اب ٹائیگر کو اندازہ ہوا تھا کہ یہ کیس کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اسے کبھی زندگی میں ایسے کیس سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ وہ کبھی اتنے بڑے کیس میں ہاتھ نہیں ڈالا تھا...... اب اس کی کھوپڑی میں آیا تھا کہ کس لئے اسے اتنی بڑی پیشکش کی گئی۔

ٹائیگر...... رام سوامی سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں آ گیا...... جوجو کی بلیک میل کی فائل کی بہت زیادہ اہمیت اس کے نزدیک بڑھ گئی تھی۔ اس فائل کے حصول کے لئے اس نے آگ اور خون کے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی جوان کے دام میں پھنس جانے سے پوری امریکی قوم کے لئے المیہ اور ناقابل تلافی نقصان تھا۔ یوں تو اسے امریکیوں سے بھی شدید نفرت تھی لیکن اسے روسیوں اور تورالائی کے سرغنوں کی تنظیموں سے اس سے کہیں شدید نفرت اور عداوت سی تھی۔ اس لئے اس نے امریکیوں کی مدد کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دوسری مجبوری یہ تھی کہ نہ صرف زبان دے چکا تھا بلکہ موٹی رقم بھی وصول کر چکا تھا۔

وہ کیس کی مختلف کڑیوں پر غور کرتا رہا۔ وہ پہلی فرصت میں سروجا سے مل کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کے شوہر نے اسے ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ نہیں...... اگر اس نے اس بات کا تہیہ کیا ہوا ہے تو کسی غیر معروف محفوظ جگہ منتقل ہو جائے گا تا کہ آزادی سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے۔ اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی مہم پر جگدیپ اثر انداز ہوتا رہے۔ ویسے اس نے محسوس کر لیا تھا کہ جگدیپ اس کے لئے خطرناک بن گیا ہے۔ اگر یہ مشن نہ ہوتا تو وہ جگدیپ کی عقل ایسے ٹھکانے لگاتا کہ دو ماہ تک کسی اسپتال میں زیر علاج رہتا۔

جب کمرے سے نکلا تو ٹائیگر نے جوکر کو ایک کونے میں کھڑا دیکھا۔ جب ٹائیگر نیچے

جا کر بورڈ سے اپنے کمرے کی چابی نکال کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا وہ اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔ اس تیزی سے کہ جیسے وہ اسے دبوچ لے گا۔ ٹائیگر نے جیسے ہی کمرے میں داخل ہو کر دروازے کو بند کرنا چاہا جو کر نے اپنی ٹانگ پھنسا دی...... ٹائیگر اس ایک پل میں کچھ سوچ کر اسے اندر آنے دیا۔ جیسے ہی اندر گھسا تو ٹائیگر نے اس کا بڑا پر جوش اور والہانہ استقبال اس کی کمر میں لات مار کر کیا۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کھڑکی کی طرف جا کر چوکھٹ سے ٹکرایا۔ ٹائیگر نے فوراً ہی کمرے سے نکل کر دروازہ بند اور مقفل کر دیا۔

☆......☆......☆

ٹائیگر اپنے کرائے کی بیوک لے کر شہر کے غیر معروف علاقے میں واقع ہوٹل ڈی لیمار پہنچا۔ یہ ایک تیسرے درجے کا ہوٹل تھا۔ یہاں سیاحوں سے زیادہ مچھیروں کا بسیرا ہوتا تھا۔ ہوٹل کے عقب میں مچھیروں کی خاصی بڑی آبادی تھی۔ ڈیسک کلرک نے ایک پرانا، بوسیدہ سا رجسٹر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس ہوٹل کی خوبی یہ تھی کہ اس کے کمرے نہ صرف صاف ستھرے بلکہ بستر بھی آرام دہ اور کئی چیزوں کی سہولتوں سے آراستہ تھا...... ایک تو اس کا یومیہ کرایہ کم تھا۔ بہترین سی فوڈ اور نہایت عمدہ شراب بھی دستیاب تھی۔ ملحق غسل خانوں میں دیواروں اور چھت پر بھی آئینے تھے۔ صرف ایک مچھلی کی بو ہوتی تھی۔ جو فریشنز سے دور کر لی جاتی تھی۔ یہ ہوٹل اس لئے بہت چلتا تھا کہ نوجوان طالب علم لڑکے اور لڑکیاں...... مرد اور عورتیں اپنے آشناؤں کے ساتھ چند گھنٹوں کے لئے آتے تھے۔ رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں۔ لیکن کوئی جوڑا ڈائننگ ہال میں اخفاراز کے خوف سے نہیں آتا تھا۔ سیاح غیر ملکی لڑکیاں اور عورتیں مقامی مرد اور لڑکوں کو مچھیروں کی طرح مچھلی پھانس کر لاتی تھیں۔

ٹائیگر نے رجسٹر میں اپنا نام ٹنڈولکر لکھا اور ایک زنگ آلود چابی لے کر کمرے میں پہنچا۔ اس ہوٹل میں صرف چار کمرے اے سی کے تھے لیکن اس میں نوجوان جوڑے اپنی ہم جماعت لڑکیوں کے ساتھ داد عیش دے رہے تھے۔ وہ کمرے میں آیا اور اس نے کھڑکی تازہ ہوا کے لئے کھول دی۔ پھر کمرا مقفل کر کے وہ ڈیسک پر آیا اور کلرک کے پاس چابی جمع کرا دی۔ کونے میں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف اس طرح لپکا جیسے وہ اس کی محبوبہ ہو۔

ٹائیگر نے دہلی کے لئے کال بک کرائی۔ موبائل پر اس لئے بات کرنے سے احتراز کیا جاتا تھا کہ اس کی گفتگو ریکارڈ ہو جاتی اور نمبر بھی ٹریس ہو جاتے تھے۔ اس نے جوجو سے رابطہ کیا جو ان دنوں وہی ایک عام شخص کی طرح آیا ہوا تھا۔ پھر اس نے جوجو کو تفصیلات سے آگاہ کیا۔ جب اسے ٹائیگر نے تورالائی کی موجودگی کے بارے میں بتایا تو اس پر موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر ٹائیگر نے اسے ان اشیاء کے بارے میں لکھوایا جس کی اسے فوری ضرورت ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ان اشیاء کا مہیا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ٹائیگر نے اس سے کہا کہ یہ اس کا مسئلہ ہے۔ اسے ہر قیمت پر ان اشیاء کا ملنا بہت مشکل ہے۔ اس کے آدمی ہندوستان کے ہر شہر میں موجود ہیں۔ اگر کچھ ہوا تو وہ کل اسے اس مشن کی ناکامی کا ذمہ دار نہ ٹھہرانا...... آخر میں اس نے کہا کہ اس کا پچاس ہزار ڈالر کا معاوضہ بنگلہ دیش فارن اکاؤنسٹ میں اس کے نام جمع کرا دے تاکہ وہ سکون اور اطمینان سے کام کر سکے۔ ''معاوضہ تمہیں مشن کی کامیابی کی صورت میں ادا کیا جائے گا۔ یہ طے ہوا تھا۔'' جوجو نے تکرار کی۔

''رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع ہونے کی صورت میں اس مشن پر میری موت واقع ہونے پر لواحقین کو یہ رقم مل جائے...... اور پھر میں موت کے فرشتے کے سامنے بے دھڑک جاؤں گا۔ اس طرح موت کا فرشتہ میدان جنگ میں سامنے آئے گا...... اگر یہ بات منظور نہ ہو تو پھر میں کل شام ہی بنگلہ دیش جا رہا ہوں۔ تم یہ مشن کسی اور کو سونپ دو۔''

''کل صبح بینک کھلتے ہی تمہارے اکاؤنٹ میں پچاس ہزار ڈالر جمع ہو جائیں گے۔'' جوجو بولا۔ ''تم جاسوس کم کاروباری زیادہ ہو۔'' پھر ٹائیگر نے اسے وہ ہوٹل ڈی لیار میں ٹنڈولکر کے نام سے مقیم ہے۔ تمہارا ہرکارہ جب وہ اشیاء لے کر پہنچے گا تو اس سے اس کا نام پوچھے گا۔ ہم میں سے ایک کہے گا ریڈ روز...... دوسرا جواب دے گا کہ سفید گلاب...... اس طرح وہ دونوں متعارف ہوں گے۔ تمہارے ہرکارہ اور اس کے سوا کسی کو بھی ان باتوں کا علم نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ تورالائی کے آدمی اس کے پیچھے سائے کی طرح لگے ہوئے ہیں۔

☆......☆......☆

ٹائیگر نے اپنی گاڑی ہوٹل الکٹنا ڈو سے خاصے فاصلے پر روک دی۔ وہیں اسے پارک کیا۔ کیوں کہ یہ مناسب جگہ تھی۔ سروجا اس ہوٹل کے کاٹیج نمبر ستائیس میں ٹھہری

ہوئی تھی۔ وہ پیدل اس کے کاٹیج پر جا پہنچا۔ اطلاعی گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے رک گیا۔ کیوں کہ اسے فوراً ہی خیال آیا کہ جگدیپ ہونے کی صورت میں وہ اپنی آمد کی کیا غرض وغایت بیان کرے گا...... کیا وہ اس سے کہے گا تمہاری بیوی کی کشش کھینچ لائی ہے۔ وہ رات بھر اس لئے سو نہیں سکا کہ تالاب میں وہ جس حالت میں تھی اس منظر نے اسے سونے نہیں دیا۔ دل کو لمحہ بھر برقرار بھی نہ رہا۔ اس کا جادو اور وہ منظر مجھے کشاں کشاں لے آیا ہے۔ لہٰذا گولی مارنے کی زحمت نہ کرنا۔ وہ شعلہ مجسم ایسی قیامت ہے کہ بھسم کر دے۔

ٹائیگر نے اس لئے ہوٹل سے سروجا کو فون نہیں کیا تھا کہ ٹیلی ٹیپ ہونے کا امکان تھا۔ یہ اس کے علم میں نہ تھا کہ سروجا کے پاس موبائل فون ہے یا نہیں...... ہونے کی صورت میں جگدیپ شاید کال اور ایس ایم ایس یقینی چیک کرتا ہوگا۔ ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس کاٹیج کی بناوٹ کچھ ایسی تھی کہ وہ سامنے والی کھڑکی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے وہ عقبی کھڑکی کی تلاش میں اس کے عقب میں آ گیا۔ وہاں ایک بنگلہ بنا ہوا تھا۔ اس کے عین اوپر ایک کھڑکی تھی۔ اس کاٹیج کے عقب میں اور نیچے کوئی دو سو گز دور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ اس کھڑکی تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ اس نے جنگلے پر کھڑے ہو کر کھڑکی کی طرف شیر کی طرح جست لگائی اور اس کے چھجے کو تھام لیا۔

ٹائیگر نے دیکھا۔ یہ کمرا نشست گاہ تھی۔ سروجا کا سراپا ایک کوچ پر بکھرا تھا اور کسی جھرنے کی طرح بہہ رہا تھا اس کے حسن کی کرشمہ سازیاں واضح تھیں۔ وہ کھڑکی میں سے اسے یک ٹک دیکھتا رہا۔ وہ ایک انگریزی ناول پڑھنے میں غرق تھی جس کا سرورق نہایت ہی نامناسب تھا۔ وہ چند لمحوں تک اسے یک ٹک دیکھتا رہا۔ پھر اسے اندازہ ہو گیا کہ سروجا اس وقت اکیلی ہے۔ چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ اس کھڑکی سے بے آواز کمرے میں اتر گیا۔ جب وہ اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تو اس نے غیر ارادی طور پر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر وہ کتاب پڑھنے لگی...... دوسرے لمحے اس نے ٹائیگر کو جو دیکھا تو غش کھا گئی۔ پھر وہ جلد ہی ہوش میں آ گئی۔ اس کا سینہ جو دھڑک اٹھا تو اس پر قابو پانے کے لئے ہاتھ رکھ لیا۔

ٹائیگر نے سرگوشی میں اس سے سب سے پہلے جگدیپ کے بارے میں پوچھا......

سروجا نے اسے بتایا کہ اس کے شوہر کا کوئی بھروسا نہیں وہ کسی وقت بھی آ سکتا ہے...... پھر اس نے ٹائیگر کو یہ خوش خبری سنائی کہ جگدیپ نے اس سے کہا ہے کہ وہ اس سے میل جول

بڑھا کر میں یہاں کس سلسلے میں آیا ہوں۔ اگر دو ایک راتیں ہوٹل میں گزارنا پڑے تو کوئی حرج نہیں...... اس لئے کہ ٹائیگر بہت خطرناک ہے۔ وہ یقیناً کسی مشن پر آیا ہے۔ بڑا گہرا آدمی ہے۔ ایک عورت ہی اسے موم کر سکتی ہے...... تورالائی بھی اس میں دلچسپی لینے لگا ہے...... یہ سب کچھ سن کر ٹائیگر تذبذب میں پڑ گیا...... اس لئے جگدیپ نے سروجا کو ماتا ہری کا کردار سونپ دیا تھا۔ پھر ان دونوں نے اس ہوٹل کے نائٹ کلب میں ملنے کا پروگرام بنا لیا...... سروجا نے کہا کہ...... وہ جگدیپ سے کہے گی کہ اس نے خود ٹائیگر کو ٹیلی فون پر رابطہ پروگرام طے کیا ہے۔ رخصت ہونے سے پہلے سروجا نے اس سے کہا کہ ذرا تم وہ گال پیش کرنا جس پر اس نے تھپڑ مارا تھا۔ ٹائیگر نے اپنا وہ گال بڑھایا تو اپنے ہونٹ اس پر رکھ دیئے۔ ٹائیگر چاہتا تو بات اتنی بڑھ جاتی کہ واپسی کا خیال اور جگدیپ کے آنے کا خوف نہ رہتا۔ جب کہ سروجا اس کی جھولی میں کسی پکے پھل کی طرح گر جانے کے لئے بے تاب تھی۔ ٹائیگر نے اس کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کی...... وہ اس قماش کا نہ تھا۔ وہ صرف من مانی، قدرے بہکنے اور ہلکی پھلکی تفریح سے دل بہلاتا تھا۔ اس تنہائی اور سروجا کی خود سپردگی سے فائدہ نہیں اٹھایا...... اس طرح ایویلین سے ہی...... سروجا نے اس کے گلے میں اپنی باہیں حمائل کیں تو وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا جن میں کیف و مستی بھری تھی۔ ابھی بھی روشنی گل ہی تھی۔ وہ کھڑکی کے چھجے پر چڑھ گیا اور جس طرح آیا تھا اس طرح چلا گیا۔ جگدیپ کمرے میں آ گیا۔ روشنی بھی ہو گئی تھی۔ جگدیپ نے اس سے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ ''تم نے اندھیرا کیوں کر رکھا تھا؟''

''میں اندھیرے میں سمندر کا نظارہ کر رہی تھی جو ہلکی چاندنی میں بڑا بھلا لگ رہا تھا...... کیا میں تمہارے لئے کھانے کے لئے کچھ لے آؤں؟'' ''ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ یہاں سے سمندر کا نظارہ کیسا لگ رہا ہے؟'' جگدیپ نے کھڑکی کے پاس آ کر مشکوک انداز سے کھڑکی سے باہر جھانک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

جگدیپ اپنی تسلی کر کے کمرے سے نکل گیا تو سروجا نے روشنی گل کر دی۔ یہ روشنی شاید اس نے ٹائیگر کے نکل جانے کے لئے گل کی تھی۔ وہ تھوڑی دیر بعد وہ بیوک میں زندہ سلامت بیٹھا ہوا تھا۔ صرف ایک بوسہ نے ٹائیگر پر پرانی شراب کا سا اثر کر دیا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ سروجا بہت دور جانا چاہتی ہے لیکن وہ انجانے راستے پر جانا

نہیں چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سروجا کو بہکنے اور غلاظت کے دلدل میں گرنے کی کیا تدبیر ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کی پرجوش محبت بھلا دینے والی نہ تھی۔ وہ اس بات سے دل میں یہ خوشی محسوس کررہا تھا کہ غلاظت کے دلدل میں گرنے سے بال بال بچ گیا تھا۔

اس نے تھوڑی دیر بعد بیوک اسٹارٹ کی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ اسے خیال آیا کہ جوکر نے اس کے فرار کی اطلاع تورالائی کو دے دی ہوگی۔ تورالائی نے اس کے لئے کیا احکام صادر کئے اس کا علم ہونا مشکل تھا۔ لیکن اسے اس کی کوئی فکر اور پروا نہ تھی۔ وہ اس کا نوکر تو تھا نہیں...... اس نے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلیا تھا۔ وہ تورالائی کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ شیر بنگال ہے۔ کوئی گیدڑ نہیں...... کوئی اس کا بال بیکا تو کر کے دیکھ لے۔

اسے یاد آیا کہ سروجا نے اسے جو کچھ بتایا تھا اس سے یہ ظاہر تھا کہ وہ اس کے ذریعے پھانسنے کے لئے جال بچھا رہے ہیں۔ ٹائیگر نے ایک ٹیلی فون پر گاڑی روک کر سروجا کو فون کیا۔

''میں ٹائیگر بول رہا ہوں...... کیا مسز سروجا جگدیپ سے بات ہوسکتی ہے؟''

سروجا نے غیر محسوس انداز سے اسے اشارہ دے دیا تھا کہ فون جگدیپ بھی سن رہا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ ''مسٹر جگدیپ گھر پر نہیں ہیں۔''

''جان من! آج موسم بہت حسین ہے...... کیا تم میرے لئے وقت نکال سکتی ہو۔ میرا دل تم سے ملنے کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے۔''

''میں خود بھی تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہی ہوں۔'' اس نے جگدیپ کی ہدایت پر جواب دیا۔ اس کے لہجے میں گرم جوشی نہ تھی۔

''کیا خیال ہے...... پیرا کی کلیوں نہ کرلی جائے؟ تم شعلہ بدن ہو...... جل پری ہو...... قیامت ہو...... جان تمنا ہو۔'' ٹائیگر نے شکرانہ انداز میں کہا۔ ''اس روز جو تالاب میں تمہیں جس حالت میں دیکھا اس نے میری نیندیں حرام کررکھی ہیں۔''

''میرے خیال میں کلب دینا اس کو مناسب رہے گا۔'' سروجا نے کہا۔ ٹائیگر نے اس کی ذہانت پر عش عش کراٹھا۔ ''جگدیپ اتنا بے شرم اور احمق بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے ساتھ بے حجابی سے تفریح کرتے ہوئے دیکھ سکے۔

''میں آدھے گھنٹے کے بعد تمہارا وہاں انتظار کروں گا...... کیا تم اپنے خبیث شوہر سے بہانہ کرکے آسکو گی؟'' ٹائیگر نے خوش دلی سے کہا۔ ''تم میرے شوہر کی فکر نہ کرو...... میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہی ہوں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

ٹائیگر نے ریسیور رکھ کر سوچا۔ آدھے گھنٹے میں جگدیپ کی نیت اور ارادوں کا پتہ چل جائے گا۔ چھپ کر مہم کو سر کرنے میں بڑی دشواری معلوم ہورہی تھی۔ ٹائیگر آج ہی اس رکاوٹ کو دور کرنا چاہتا تھا...... تخت یا دھڑن تختہ......؟

☆......☆......☆

ٹائیگر نے لمحے بھر کی بھی دیر نہیں کی تھی۔ وہ ٹھیک وقت پر پہنچ گیا تھا۔ سروجا ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ وہ فریش لیمن جوس پینے کے بعد وقت گزاری کے لئے کلب میں گھومنے لگا۔ اس نے دو ایک بدمعاشوں کے چہرے دیکھے اور چونک پڑا۔ کیوں کہ ان کی موجودگی اسے بری طرح کھٹک گئی تھی۔ لیکن اس نے بشرے سے کچھ ثابت ہونے نہیں دیا تھا۔ وہ ایک قد آور پوسٹر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس میں آج کی رات کے شو کی تفصیلات درج تھیں...... رقاصہ کا نام دینارامانی، پوسٹر میں اس کی بہت بڑی تصویر چھپی تھی، جس میں وہ قدرے نامناسب لباس میں تھی۔ اس کی اس حالت کی تصویر اس لئے تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ آئیں۔ ایسی تصویر سے لوگوں کو اس لئے متوجہ کیا جاتا تھا کہ ٹکٹ دھڑا دھڑ فروخت ہوں۔ یوں بھی لوگ رقص سے زیادہ جسم دیکھنے ہی آتے تھے۔

وہ پچیس چھبیس برس کی بے حد پرکشش، خوب صورت اور گداز بدن کی تھی جو دلوں کو برماتا تھا۔ وہ اس کے استقبال کے لئے صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ اس قیامت خیز حسن کے استقبال کے لئے بہت سارے مرد چشم براہ تھے۔

پانچ تنومند نوجوان جو اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے غنڈے دکھائی دیتے تھے کلب میں بڑے اکڑے ہوئے داخل ہوئے۔ ٹائیگر کو وہ چہرے شناسا سے لگے۔ ان کی تصویر پوسٹر میں ایک کونے میں چھپی تھی۔ چند لمحوں کے بعد ایک لمبی سیاہ رنگ کی گاڑی رکی۔ اس میں سے دینارامانی اپنا جلوہ لئے باہر آئی۔ وہ یہ تاثر دے رہی تھی کہ دنیا کی بہترین رقاصہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہ تھا۔ ٹائیگر کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ دنیا کے ہر قسم کے رقص میں بڑی مہارت رکھتی ہے۔ وہ ایک عام سی عورت سے زیادہ خوبرو نہ تھی۔ لیکن اس کا

جسم بے حد مرمریں اور چمک دار تھا۔ اس کے جسم کے میں بڑی جاذبیت اور دل موہ لینے والی دل کشی تھی۔

جب وہ ٹائیگر کے قریب سے مہکتی ہوئی گزرنے لگی تو اس نے بڑی اپنائیت کے لہجے میں مخاطب کیا۔

''ہیلو دینارامانی......! کیسی ہو؟''

وہ ٹائیگر کے اس اندازِ تخاطب پر حیران ہو کر رک گئی۔ اس نے تیوریوں پر بل ڈالتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا۔

''تمہاری تعریف...... میں نے تمہیں پہچانا نہیں؟''

''خاکسار کو ٹائیگر کہتے ہیں......'' اس نے خم ہوئے رسمی احترام سے جواب دیا۔

''اچھا تو...... آپ ٹائیگر ہیں۔ سوری ٹائیگر! میں آپ کو فوری پہچان نہ سکی۔'' وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے لہجے میں بولی۔ ''کیا یہاں آپ میرا انتظار کر رہے تھے......؟''

''نہیں...... میں کسی اور کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ کو گاڑی سے اترتا دیکھا تو سوچا کہ آپ کے نیاز حاصل کرلوں۔''

ٹائیگر کا جواب سنتے ہی اس کی ساری خوشی جیسے کافور ہو گئی۔ تاہم وہ سنبھل کر بولی۔

''جب آپ یہاں آئے ہی ہیں تو میرا رقص ضرور دیکھنا...... میں آج بڑا سنسنی خیز آئٹم پیش کر رہی ہوں۔''

تھوڑی دیر کے بعد اس نے سروجا کو دیکھا۔ وہ مستانہ خرامی سے چلی آرہی تھی۔ دینارامانی کے جسم کا جو فسوں اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا وہ یک لخت اتر گیا۔ سروجا نے جو لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ ایک ہی بات تھی۔ جگ دیپ نے اسے بے حجابی کے عالم میں بھیجنا کیسے گوارا کر لیا ٹائیگر کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ ٹائیگر کو دیکھ کر دل کش انداز سے مسکرائی۔ اس نے ٹائیگر کے قریب جا کر شوخی سے کہا۔

''حیرت کی بات ہے...... شیر بنگال ابھی تک سلامت ہے...... مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔''

''تم اس لباس میں کچھ دیر میرے سامنے کھڑی رہیں تو شاید میں زندہ نہ رہ سکوں۔ میرا مرڈر ہو جائے گا۔'' ٹائیگر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تم نے بڑی دیر لگا دی...... تمہارے

فراق میں، میں شاعری کر رہا تھا۔''

''میں یہاں کتنی مشکل سے آئی ہوں کیا بتاؤں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جگ دیپ نے عین وقت پر اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ اسے میرے لباس اور بالوں کی بے ترتیبی سے شک ہو گیا تھا۔ تاہم میں نے بہ وقت تمام اس کا شک دور کیا۔ اس کمینے کو کیا معلوم مجھے چھونا تو درکنار میرے قریب تک نہ آئے۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو تصادم یقینی تھا۔''

''تمہاری وجہ سے میں جگ دیپ کی نظروں میں آنے سے بچ گیا۔ میں تمہارا ممنون ہوں...... اس احسان کے بدلے میں تمہاری ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''کیا حکم ہے؟''

''ذرا صبر کرو۔ میں اس کا صلہ ضرور لوں گی۔ اس لئے کہ میں معاف کرنے والوں میں سے...... تم جادوگر ہو...... تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔'' وہ سوچ کی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

ڈانس فلور خالی پڑا تھا۔ ٹائیگر نے جائزہ لینا شروع کیا۔ ہال کے اندر کچھ زیادہ لوگ موجود نہ تھے۔ پھر وہ دونوں ڈانس فلور کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔ ہوٹل دینارسکو کا ڈانس فلور منفرد قسم کا تھا۔ اس کے ایک طرف پہاڑی تھی اور دوسری طرف عریض و بسیط خلاء جس کے نیچے سمندر کا نیلگوں پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ٹائیگر کو ایسا لگا کہ کسی ماہر کاریگر نے ایک کھلا پلیٹ فارم تیار کرنے کے بعد اسے پہاڑی کے اندر افقی طور پر گاڑ دیا ہے۔

ٹائیگر نے بیٹھتے ہی مشروب کا آرڈر دیا تھا۔ ویٹر جب مشروب رکھ کر چلا گیا۔ تب ٹائیگر نے کہا۔

''یہاں بات چیت کرنے میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے...... کیوں کہ یہاں نہ تو مائیکروفون نصب ہے نہ ہی کوئی مشتبہ شخص ہماری گفتگو سننے کے لئے قریبی میز پر موجود ہے۔ اب تم کھل کر یہ بتاؤ کہ مجھے موت کی نیند سلانے کے لئے ان کا منصوبہ کیا ہے......؟ اور کیا کسی شخص کی خدمات مستعار لی گئی ہیں......؟ کوئی نام سننے میں تو آیا ہوگا؟''

''تمہیں قتل کرنے کا کام اب تک کسی کو سونپا نہیں گیا ہے...... اس لئے کہ کوئی ایسا بدمعاش نہیں جو تم سے مقابلہ کر سکے...... جو تمہارا نام سنتا ہے وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے...... اس کی جرأت اور حوصلہ جواب دے جاتا ہے...... بڑی رقم اور انعام پر بھی تیار نہیں ہو پا رہا

ہے......اور اس لئے بھی تورالائی یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تمہارا مشن کیا ہے......؟ تم سے قریب ہونے اور اپنے آپ کو پیش کرنے کی پوری اجازت دی گئی ہے...... میرے پتی نے یہ بھی کہا ہے کہ تمہیں کسی طرح بھی اسے خوش کرنا پڑے تو پیچھے نہ ہٹنا...... اگر میرے پتی کو اس بات کا علم ہوجائے کہ میں تمہارے لئے کام کررہی ہوں تو شاید وہ مجھے قتل کر کے میرا گوشت کتوں اور مچھلیوں کو کھلا دے۔ اس کا رویہ مجھ سے اس لئے بدل گیا ہے کہ اب میں تمہاری خاطر اس کے ساتھ محبت اور گرم جوشی سے پیش آنے لگی ہوں...... اب وہ میرے زرخرید غلام کی طرح ہو کر رہ گیا ہے۔ میں کبھی بھی اس کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آئی ہوں۔''

ٹائیگر نے دل میں سوچا کہ حسینوں کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے...... گویا رنگین تتلی اپنے پتی پر مہربان ہوگئی تھی اور اس نے بڑی فراخ دلی اور فیاضی کا ثبوت بہت جلد دے دیا تھا...... پھر بھی ٹائیگر اس پر کلی اعتماد کرنا نہیں چاہتا تھا...... اس کارزار میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ صورت تھی کہ اس سے زیادہ سے زیادہ اگلوالوں...... اور اسے اپنے بارے میں ہوا بھی نہ لگنے دوں۔ اس پر یہی ظاہر کروں کہ میں محض یہاں تفریح کے لئے آیا ہوں...... پھر ٹائیگر نے اسے سری ناتھ اور تورالائی کانفرنس میں پہنچنے کا واقعہ سنایا۔ پھر اس سے پوچھا کہ وہ سری ناتھ کے بارے میں کیا جانتی ہے؟

سری ناتھ کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ علم نہیں ہے...... لیکن صرف یہ جانتی ہوں کہ اس کی پراسرار گمشدگی سے ایک افراتفری سی مچی ہوئی ہے...... لیکن تمہیں سری ناتھ کی ذات سے اتنی دلچسپی کیوں ہے......؟ کس لئے ہے؟''

''صرف اس لئے کہ مجھے تورالائی کے پاس سری ناتھ کی حیثیت سے لے جایا گیا تھا...... میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کس لئے تورالائی سے ملنا چاہتا تھا۔''

ٹائیگر نے اسے گہری سوچ میں غرق پا کر سوال کیا۔ ''یہ تم کیا سوچ رہی ہو؟''

''میرا ذہن غشیات کے بارے میں سوچ رہا ہے۔'' اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

ٹائیگر کے لئے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ دستاویزات تورالائی کے ہاتھ نہیں لگی

ہیں۔ اس نے سروجا کا خوب صورت اور مرمریں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

''سروجا......! سنو...... ہم دونوں نہ صرف دوست ہیں بلکہ ہمارے درمیان کبھی کسی بات کا راز...... راز رہا ہے۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لئے مخلص بھی ہیں۔ اس کے باوجود تم سے ایک درخواست ہے کہ مجھ سے سوالات کرنے سے احتراز کرنا۔''

سروجا کا چہرہ ایک دم سے فق ہوگیا جیسے اس نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا ہو۔ وہ دل گرفتہ لہجے میں بولی۔

''میں تو اپنا تن من سونپنے کے لئے تیار ہوں پھر بھی تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے ہو۔ عورت اس سے بڑھ کر اور کیا کرسکتی ہے اور کس حد تک جاسکتی ہے۔ پھر بھی تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے ہو۔ اگر میں تمہاری خاطر جان بھی دے دوں تو تمہارے اعتماد سے محروم رہوں گی...... اس کے باوجود میں تمہارے لئے دل وجان سے کام کرتی رہوں گی۔ یقین نہ ہو تو مجھے آزما لینا۔''

اتنا کہہ کر وہ جام پر جام چڑھانے لگی۔ وہ بے حد جذباتی ہوگئی تھی۔

''سروجا......! تم مجھے غلط نہ سمجھو...... کیا میں کھڑکی پر چڑھ کر تم سے ملنے نہیں آیا؟ اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالی؟''

''تم صرف اپنی غرض کے لئے آئے تھے...... تم دوست نہیں خود غرض ہو...... تم نے مجھ سے معلومات حاصل کر کے اپنا الو سیدھا کرلیا...... مجھے اندازہ تھا کہ تم خود غرض اور فریبی ہو۔'' وہ جذباتی لہجے میں بولی۔

''میں تمہاری خاطر اس کھڑکی کے راستے آیا کروں گا...... صرف محبت بھری باتیں کرنے کے لئے...... میں نے پہلے بھی تمہارے بدن کو ہاتھ نہیں لگایا نہ اب ایسی کوئی خواہش ہے۔ میں دوستی اور جذبے کو میلا کرنا پسند نہیں کروں گا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''نہیں...... اس کی کوئی ضرورت نہیں...... میں نہ تم سے محبت بھری باتیں کروں گی اور نہ ہی مہربان ہوں گی...... تم نے میرے دل کو گہرا صدمہ جو پہنچایا ہے۔ وہ قابل معافی نہیں ہے۔'' اس نے پورا پیگ ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

سروجا پر شراب نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اس پر نیم مدہوشی طاری تھی۔ فضا

میں موسیقی کی مدھر دھنیں گونج رہی تھیں۔ ڈانس فلور خالی پڑا تھا۔ دینارامانی اور اس کے ساتھی اب تک جلوہ افروز نہیں ہوئے تھے۔ تماشائیوں سے تمام کرسیاں بھر چکی تھیں۔ قریب کی میزوں پر جو لوگ پہلے سے براجمان تھے وہ شریف النفس قسم کے تھے۔ ان سے میزیں خالی کروا کر وہاں غنڈوں نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے محسوس کرلیا تھا کہ یہ سب کچھ ایک منصوبے کے تحت کیا ہوا تھا۔ اس کی حالت اس چوہے کی سی تھی جو پنجرے میں پھنسا ہوا تھا۔ یہ بدمعاشوں کا خیال تھا...... ٹائیگر نے لمحے کے لئے سوچا کہ کسی کھلی جگہ پر ہوتے تو اس ایڈونچر میں زیادہ لطف آتا۔ اس نے ہال کی داخلی دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں غنڈے مستعد کھڑے تھے جیسے اسے باہر نکلنے دینا نہیں چاہتے تھے۔ اس کی راہ مسدود کردی تھی۔ دوسری طرف سمندر تھا۔ اسے ایک عجیب سی الجھن ہونے لگی۔

ٹائیگر نے سروجا کو آگاہ کرنے کے لئے ٹہوکا دیا...... پھر اس نے ایک ذات شریف کو دیکھا جو اس کی کرسی کی پشت پر اپنا پاؤں ٹکائے ہوئے تھا...... پھر ٹائیگر نے اپنے آپ کو نصف درجن غنڈوں کی نظروں کی گرفت میں پایا۔ چوں کہ اس وقت دینارامانی نے ڈانس شروع کردیا تھا۔ اس لئے وہ اسے دیکھنے لگا۔ ان غنڈوں کی حرکت اسے مشتعل کرنے والی تھی۔ لیکن وہ اس وقت ان سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ بلاشبہ ایک بہترین رقاصہ تھی۔ وہ اپنے جسم اور فن کا شان دار مظاہرہ کررہی تھی...... ٹائیگر نے محسوس کیا کہ رقص کے دوران وہ اس کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ وہ جیسے اس میں دلچسپی لے رہی ہو۔ اس کی وجہ کچھ سمجھ میں نہ آسکی۔ مختصر سی ملاقات تھی۔ یا پھر کوئی اور جذبہ کارفرما تھا۔ وہ اندازہ نہ کرسکا۔ اب تک وہ اکیلی ہی ناچ رہی تھی۔ اس کے ساتھی، جیسے ہی اسٹیج پر آئے ایک طوفان سا آگیا۔ وہ اسے ہاتھوں پر اچھال رہے تھے اور آغوش میں باری باری لیتے اور نکال دیتے...... اور ایسی حرکتیں جو ایک ہیجان اور سنسنی اور اس کے جسم کو نمایاں کررہے تھے۔

ٹائیگر نے غیر محسوس انداز سے ہال کا جائزہ لینا شروع کیا تو اس کا ماتھا ٹھنکا...... جگ دیپ...... اور دیگر بدمعاش بھی ہال میں قدم رنجہ فرما چکے تھے وہ پھر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ بروجن داس ڈانس فلور کی طرف بڑھا۔ اس کے فلور پر پہنچتے ہی ڈانس بند ہوگیا۔

جوکر نے ڈانس فلور کا مائیک سنبھالا۔ پھر اس نے سامعین پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سامعین کو مخاطب کیا۔

"خواتین و حضرات! آپ لوگوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ہمارے دوست شیر بنگال...... جو صرف شام میں بلیک ٹائیگر کہلاتے ہیں۔ جن کے نام سے پورا بنگال کانپتا ہے وہ بنگلہ دیش سے تشریف لائے ہیں۔ وہ ایک عمدہ اور بہترین سراغ رساں مانے جاتے ہیں۔ ہر قسم کے رقص میں بھی ماہر ہیں...... ان سے مودبانہ گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اسٹیج پر آکر اپنے شان دار فن کا مظاہرہ کرکے ہم سب کو محظوظ کریں...... پرزور تالیوں کے ساتھ ان کا استقبال کریں...... مسٹر بلیک ٹائیگر!"

پرزور تالیوں کے شور سے ہال گونج اٹھا۔ ٹائیگر سمجھ گیا تھا کہ اسے تماشا بنا کر ذلیل کرنے کے لئے ڈانس فلور پر بلایا جارہا ہے...... سروجا تو نشے میں دھت تھی۔ لیکن یہ اعلان سن کر ششدر ہوکر دیکھا۔ اس کا نشہ ہرن ہوگیا تھا۔ اسے تشویش اور خوف سا محسوس ہونے لگا۔ ٹائیگر نے اس کی آنکھوں اور چہرے سے محسوس کرلیا تھا۔ پھر اس نے سروجا کے شانے کو دلاسانہ انداز سے تھپکا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے جگ دیپ کی طرف دیکھا اس کے ہاتھ میں رومال میں ایک آٹو میٹک پستول کی نالی جھانک رہی تھی۔ اس کے اور غنڈوں کے ہاتھوں میں جو ریوالور تھے ان کی نالیں بھی رومالوں کے نیچے سے شریر بچوں کی طرح جھانک رہی تھیں...... ان کی آنکھوں میں سفاکی تھی...... ہوٹل کے ویٹر بھی جھاڑن کے نیچے سے ریوالوروں کی نمائش کررہے تھے۔

ٹائیگر کو جگ دیپ سے اس بزدلی اور کمینگی کی توقع نہیں تھی۔ ٹائیگر نے جگ دیپ کو جلانے اور اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے لئے سروجا کو کھڑا کرکے اس کی نازک عریاں کمر میں ہاتھ ڈال کر آغوش میں لے کر ایک طویل بوسہ گرم جوشی سے لیا تو سامعین نے پرجوش تالیوں سے سواگت کیا...... اور پھر جگدیپ کے چہرے کے تاثرات دیکھے بغیر ڈانس فلور کی طرف بڑھ گیا۔ جوکر نے اسے ڈانس فلور کے اندھیرے گوشے میں لے جاکر سخت لہجے میں مخاطب کیا۔

"آج تمہاری ذہانت اور چالاکی کوئی کام نہ آئے گی۔ تمہیں ہمارے اشاروں پر رقص پیش کرنا ہوگا۔"

اس نے یہ کہہ کر اپنے بغلی ہولسٹر سے اس کے دیرینہ ساتھی آٹو میٹک کو تیزی اور ہوشیاری سے نکال لیا۔

”کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ رقص کے دوران میرے پیروں کو نشانہ بنایا جائے۔“ ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”یہ تمہیں ڈانس فلور پر پہنچ کر پتا چلے گا۔“ اس نے استہزائی لہجے میں جواب دیا۔ ”ذرا جلدی سے چلے چلو...... شاباش......!“

جوکر نے اسے بڑے زور سے فلور کی طرف دھکا دے دیا۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ فرش پر گر پڑا۔ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ اسے چار عدد بدمعاشوں نے اٹھالیا اور ڈانس فلور پر لے جا کر موسیقی کی لے پر جھولے کی طرح جھلانے لگے۔ اس کی سمت دیکھ کر تماشائی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ جیسے جیسے موسیقی تیز ہوتی گئی تھوڑی دیر کے بعد ان کی حرکات میں تیزی آتی گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے اسے سمندر کی طرف اچھال دیا۔ فضا میں ایک دل خراش چیخ گونجی...... سروجا کی یا دینا رامانی کی تھی، وہ اندازہ نہ کر سکا۔ دوسرے لمحے وہ سمندر کی لہروں کی آغوش میں تھا۔

اسے تقریباً سو فٹ کی بلندی سے کسی پتھر کی طرح سمندر میں پھینکا گیا تھا۔ وہ بری طرح گرا اور پانیوں سے ٹکرا گیا تھا۔ پہلے تو کسی بھاری چیز کی طرح اندر چلا گیا تھا۔ پھر رک گیا تو اوپر آنے کے لئے ہاتھ پیر مارے...... اس کا جسم چند ثانیوں کے لئے مشل سا ہو گیا۔

جب اس کا سر پانی سے نکلا تو اس نے اپنا پورا منہ کھول کر تازہ ہوا لی۔ گویا خاصا پانی اس کے پیٹ میں چلا گیا تھا۔ لیکن ہوا کی وجہ سے اسے جیسے ایک نئی زندگی مل گئی تھی۔ اب وہ پوری طرح سنبھل گیا تھا۔ اس کے حواس اور اس کی حالت پوری طرح اس کے قابو میں تھی۔

ڈانس فلور سے تیز روشنی پھینکی گئی تھی کہ اس کا حشر نشر دیکھا جا سکے۔ خوش قسمتی سے وہ دوسری سمت اور دور بھی تھا۔ اس لئے وہ روشنی کی زد میں نہیں آیا تھا۔ سمندر پرسکون نہیں تھا۔ اس کی لہریں ساحل اور پہاڑیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس لئے ایک شور سا فضا میں گونج رہا تھا۔ پھر اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ ان میں جتنے بھی حرام زادے ہیں وہ انہیں مزا چکھا کر رہے گا۔

ٹائیگر نے کنارا دیکھ لیا تھا۔ وہ پانی میں تیرتا وہاں جا پہنچا اور ستانے لگا۔ وہ ایک

چٹان کی اوٹ میں تھا اس لئے پوری طرح محفوظ تھا۔ اب حالات نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا تھا۔ اس کے خیال میں وہ تمام بدمعاش اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اس کا باب بند ہو گیا ہے۔ اس کا کوٹ اور جوتے سمندر کی نذر ہو گئے تھے۔ جوکر نے اس کا ریوالور نکال لیا تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ پہلی فرصت میں اپنی گاڑی تک جا پہنچے۔ اس لئے کہ اس کے دوسرے مسائل حل ہو جائیں گے۔ وہ بدمعاش اس کی موت کا جشن منا رہے ہوں گے۔ اس نے لمحے کے لئے سوچا کہ کیا سروجا کو بھی اس کی موت کی خوشی ہو رہی ہو گی۔

وہ جلد ہی پارکنگ لاٹ پر پہنچ گیا تھا۔ بیوک اس سے زیادہ دور نہ تھی۔ لیکن وہاں تک پہنچنا ایسا ہی تھا جیسے سینکڑوں میل کی مسافت طے کرنا۔ وہاں اندھیرے میں دو بدمعاش موجود تھے۔ ان کی سگریٹ نوشی سے ان کی موجودگی کا پتا چلا تھا۔

معاً اس کی نگاہ دینا رامانی کی زرد رنگ کی گاڑی پر پڑی جو اس سے زیادہ فاصلے پر نہ تھی۔ وہاں تک پہنچنا اس کے لئے آسان تھا۔ اس نے وہاں پہنچنے میں لمحے کی تاخیر بھی نہیں کی۔ جھکتا جھکتا اس کی گاڑی تک جا پہنچا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ گاڑی مقفل نہ تھی۔ وہ نہایت احتیاط اور خاموشی سے اندر جا پہنچا اور دروازہ بھی بے آواز بند کیا۔

کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد دینا رامانی کوئی فلمی گیت گنگناتی، تھرکتی، لچکتی اور مستانہ خرامی انداز سے آتی دکھائی دی۔ ٹائیگر نے اندازہ کر لیا کہ وہ اپنے کامیاب شو پر بے حد مسرور ہے۔ وہ فرش سے جونک کی طرح چپک گیا۔ جس وقت وہ گاڑی میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرنے لگی۔ ٹائیگر نے اسے پیچھے سے دبوچ کر بے بس کر دیا۔ ٹائیگر کا ایک ہاتھ اس کے کندھے اور دوسرا ہاتھ منہ پر تھا تا کہ وہ چیخ نہ سکے وہ اس کا ہاتھ کاٹنے لگی تو ٹائیگر نے سرگوشی میں کہا۔

”مس دینا رامانی...... میں ٹائیگر ہوں...... یہ حرکت میں نے اس لئے کی ہے کہ کہیں تم چیخنا نہ شروع کر دو۔“ پھر اس نے منہ پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔

دینا رامانی کو اس بات پر حیرت تھی کہ وہ زندہ کیسے بچ گیا۔ اسے ایک طرح سے زندہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی تھی اور اس نے ٹائیگر کا ہاتھ تھام کر اسے گرم جوشی سے چوم لیا اور مسرت بھرے لہجے میں بولی۔

”ٹائیگر......! تمہیں جو زندگی ملی ہے اس بے پناہ خوشی سے میری آتما کو بڑا سکون ملا

ہے۔ایسا لگ رہا ہے جیسے نئی زندگی ملی ہو۔“

ٹائیگر اس کا شکریہ ادا کر کے بولا۔”اس وقت وہ چاروں طرف سخت خطرے میں گھرا ہوا ہے۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟“ اس کی بات سن کر دینا رامانی نے اسے پیشکش کی کہ وہ اس کے گھر چلے...... وہ اکیلی رہتی ہے...... وہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ چلا گیا۔گو یہ وقت کسی پر بھروسے کا نہیں تھا۔لیکن اسے یہ خطرہ تو مول لینا ہی تھا۔اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس کی رفاقت میں سکون ملے گا۔یوں بھی اس نے محسوس کیا کہ دینا رامانی اسے اپنے گھر لے جانے کے لئے بے چین تھی۔اس نے ٹائیگر کو راستے میں سروجا کے بارے میں بتایا کہ بدمعاشوں نے جب اسے سمندر میں پھینکا تھا تب سروجا کسی زخمی شیرنی کی طرح ان بدمعاشوں پر جھپٹ پڑی تھی۔اس نے کسی کے منہ پر تھپڑ مارے...... کسی کا منہ نوچ لیا...... تو کسی کو کاٹ کھایا...... منہ پر تھوک دیا...... انہیں حرامی کا خطاب دیا تھا...... جوتی سے چہرے کا نقشہ بگاڑ دیا...... اگر اسے دو بدمعاش دبوچ کر اور گھسیٹتے ہوئے زبردستی باہر نہ لے جاتے تو ان کی درگت بنا دیتی۔

اس کہانی کی روشنی میں ٹائیگر کو یقین ہو گیا کہ سروجا اسے ڈبل کراس نہیں کر رہی تھی۔

دینا رامانی کی رہائش مغربی ساحل سمندر کے پرفضا علاقے میں تھی۔وہاں سکون کے متلاشی لوگ رہتے تھے۔دولت مندوں کی یہ بستی تھی۔فضا اور ماحول میں بڑی فرحت تھی۔اس کا نہایت شاندار لگژری فلیٹ دیکھ کر ٹائیگر کا دل خوش ہو گیا۔وہ بڑا متاثر ہوا۔دینا رامانی نے اسے غسل کا مشورہ دیا۔کیوں کہ کپڑے سمندر کے کھارے پانی کی وجہ سے جسم سے چپک گئے تھے۔جب وہ نہا کر آیا تو اسے دینا رامانی نے اپنا شب خوابی کا لباس دے دیا۔اس لئے کہ اس کے پاس کپڑے نہیں تھے۔

اس نے دو بیڈ رومز کی طرف اشارہ کیا۔”یہ میرا ہے اور دوسرا مہمانوں کے لئے ہے...... دونوں میں ڈبل ماسٹر بیڈ ہیں...... جس میں چاہے رات گزار سکتے ہو...... میرے بیڈ روم میں...... دوسرے بیڈ روم میں تنہا رات گزارنا ہو گی...... ویسے جس بیڈ روم میں بھی رات گزارو...... حکم کی دیر ہے...... میں تمہاری ہر طرح کی سیوا کرنے کو تیار ہوں۔“

”تمہارا یہ احسان کیا کم ہے کہ تم نے مجھے اپنے ہاں پناہ دی۔“ ٹائیگر نے کہا۔

”تمہاری اس پیش کش کا بہت بہت شکریہ...... میرا خیال ہے کہ میں تنہا ہی رات

گزاروں۔ویسے تم نے جو دوسرا بیڈ روم بڑا خصوصی اور خواب ناک ماحول کا بنایا ہوا ہے۔کیا تمہارے ہاں مہمان آتے ہیں...... میں نے شاید ایسا بیڈ روم خواب میں دیکھا ہو۔“

”تم جانتے ہو گے کہ شو بزنس میں ایک ماڈل گرل، ہیروئن اور رقاصہ کسی کال گرل کی طرح ہوتی ہے۔اس کے بغیر وہ اس گندے تالاب میں نہیں رہ سکتی۔“ وہ بولی۔”یہ سب کال گرل ہوتی ہیں۔لیکن اپنے آپ کو ستی ساوتری ثابت کرتی ہیں...... جھوٹ بولتی ہیں...... آج سب لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ یہ کیا ہوتی ہیں...... سچ سچ ایک بات بتاؤ کیا میں بہت بدصورت یا بے کشش ہوں جو رات میرے ساتھ گزارنا نہیں چاہتے ہو۔“

”نہیں دینا......“ ٹائیگر نے بڑے پیار سے اس کا رخسار تھپ تھپایا۔”تم بہت حسین ہی نہیں بلکہ بے حد پرکشش بھی ہو۔کون مرد نہیں چاہے گا کہ تمہاری اس محبت اور فیاضی کی پیشکش کو ٹھکرا دے...... لیکن میں ذرا مختلف سوچ کا آدمی ہوں۔اس لئے جسمانی تعلق کے مقابلے میں دوستی، خلوص، اور پاکیزگی کا رشتہ بڑا مقدس ہوتا ہے۔روحانی کیفیت کی بات ہوتی ہے۔اس لئے میں اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ غلاظت کے دلدل میں نہ گروں۔“

”میری زندگی میں تمہاری جیسی سوچ کا کوئی آدمی نہیں آیا۔تم سچ کہتے ہو۔روحوں کا ملاپ اطمینان قلب ہے اور ہر تعلق سے بلند تر ہوتا ہے...... کیا سروجا سے بھی تم جسمانی تعلق نہیں رکھتے؟“

”ہاں۔“ ٹائیگر نے سر ہلایا۔”میں نے آج جو حرکت کی وہ جگ دیپ کو جلانے کی تھی۔بس...... اتنی سی بات ہے۔“

پھر وہ اس کا بوسہ لے کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ٹائیگر دل میں حیران تھا کہ آخر وہ ایسا کیوں اور کس لئے چاہتی ہے۔اس کی زندگی میں مردوں کی کیا کمی ہے......؟ لوگ اس کے ساتھ راتیں کالی کرتے ہیں اور رقم بھی دے جاتے ہیں۔

ٹائیگر بستر پر دراز ہو کر چاہتا تھا کہ وہ گزرے واقعے پر سوچے۔لیکن اس قدر تھکا ہوا تھا کہ نیند نے اسے دبوچ لیا تو اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔وہ جیسے گھوڑے بیچ کر دن چڑھے تک سوتا رہا۔اس نے نیند کی حالت میں محسوس کیا تھا۔دینا رامانی اس کے بستر پر ساتھ سوتی رہی۔اسے اس لئے محسوس ہوا تھا کہ بستر اس کے جسم کی خوشبو سے مہکتا رہا۔بیدار ہوا تو اس

کے جسم کی سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک بستر کی چادر میں بسی ہوئی تھی۔اس نے آئینہ دیکھا تو چہرے پر لپ اسٹک کے نشانات تھے۔وہ مسکرا دیا۔

دینارامانی نے اس کے بیدار ہوتے ہی اس کا ماتھا چھو کر دیکھا۔پھر اس کے گلے کے نیچے ہاتھ رکھا اور بولی۔

''تمہیں رات تیز بخار چڑھ آیا تھا۔تم ہذیان بک رہے تھے۔اب کچھ کم تو ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ رات مجھے تیز بخار تھا اور میں ہذیان بک رہا تھا۔'' ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔

''میں نے اپنا دروازہ کھلا رکھا ہوا تھا......تمہاری آواز سے میری نیند ٹوٹ گئی...... میں سمجھی تم مجھے بلا رہے ہو...... جب میں نے دیکھا کہ تم ہذیان بک رہے ہو...... میں نے تمہارے ماتھے اور گلے کے نیچے ہاتھ لگا کر دیکھا تم بخار میں تپ رہے تھے۔میں ساری رات تمہارے سرہانے بیٹھی پانی کی ٹھنڈی پٹی تمہارے ماتھے پر رکھتی رہی۔جب بخار خاصا اتر گیا اور تم نے ہذیان بکنا بند کیا تو میں ساتھ ہی لیٹ گئی۔شاید تمہیں کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے۔'' دینارامانی بولی۔

''تمہارا یہ دوسرا احسان ہے جس نے مجھے زندگی دی۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''اچھا اب تم منہ ہاتھ دھو آؤ...... میں ناشتا اور بخار کی گولیاں لاتی ہوں۔ایسا کرنا ناشتے کی میز پر آجانا۔''

جب ٹائیگر تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو اس پر پرتکلف ناشتا چنا ہوا تھا۔پراٹھے......آملیٹ......توس......مکھن، جام جیلی، ملائی اور شہد تھا۔وہ ہنس دیا۔''کیا بیمار یہ سب کچھ کھا سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں......'' اس نے جواب دیا۔''ایک تو رات تم نے کچھ کھایا نہیں تھا...... پانی میں بڑی دیر تک ڈوبے رہے...... یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اے سی آن کر دیا تھا...... اس کی ٹھنڈک سے بخار آ گیا تھا۔اب تم بہت بہتر ہو۔جلدی سے ناشتا کر لو۔میں تمہارے لئے کافی اور بخار کی گولیاں لاتی ہوں......''

کچھ دیر بعد وہ کافی اور گولی لے کر آئی۔اس نے پانی کے ساتھ گولی کھلائی۔پھر کافی پی۔اس پرتکلف ناشتے نے اس کی طبیعت قدرے بحال کر دی تھی۔

وہ ایک طرح سے سچ مچ بیوی جیسے بن گئی تھی۔اس نے ٹائیگر سے پوچھا کہ ہاتھ پیروں اور جسم میں درد ہو رہا ہو تو دبا دے؟ ٹائیگر نے اس سے کہا وہ اس کے لئے مردانہ جوڑے کا کہیں سے بندوبست کر دے یا خرید کر لا دے۔اس نے ٹائیگر سے کہا تم آج نہیں نکلنا......وہ تمہاری لاش سمندر میں نہ پا کر تلاش میں ہوں گے۔میں آج تمہیں جانے نہیں دوں گی۔تم کل صبح ہی جاؤ گے۔میں تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتی......تم لباس کی پروا نہ کرو بس......اب تم آرام کرو۔میں تمہارے لئے دوپہر کا کھانا تیار کروں گی۔رات کا بھی...... آج رات کا میرا کوئی پروگرام نہیں ہے۔

وہ ٹائیگر کو ایک لمحے کے لئے بھی تنہا چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔اس لئے کہ دینارامانی اس کی معیت میں سارا دن گزارے......اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اور نہ اس کی آنکھوں میں خود سپردگی اور نہ اس کے گداز رسیلے ہونٹ دعوت گناہ دے رہے تھے۔

ٹائیگر کچھ دیر بعد یہ کہہ کر کمرے میں آ گیا کہ وہ یکسوئی سے حالات کے بارے میں کچھ سوچنا اور واقعات کا جائزہ لینا چاہتا ہے۔پھر اپنے کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بھیڑ دیا۔وہ سوچنے لگا کہ سری ناتھ کے قتل کے بعد آخر دستاویز گئی کہاں......؟ اس نے فرضی نام سے کمرا بک کرا لیا لیکن پہنچنے سے پہلے ہی وہ قتل ہو گیا۔کمرے میں قتل کیا گیا تھا۔قاتل جو کوئی بھی تھا اس کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔اب وہ دستاویز اس کے قبضے میں ہے۔اس نے تورالائی کے ہاتھ اس لئے نہیں بیچی کہ اسے منہ مانگا معاوضہ ملنے کی ایک فیصد بھی امید نہ تھی بلکہ شاید اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔وہ شاید کسی ملک کے ہاتھ دستاویز فروخت کرنا چاہتا ہوگا جو اس کے دشمن ہیں۔دشمن ہی منہ مانگی قیمت دے سکتا تھا۔

ٹائیگر نے سوچا کہ ''دینارامانی کے ہاں بیڈ ریسٹ کرنے کے بجائے اسے فوری طور پر اس دستاویز کے حصول کے لئے قدم اٹھانا چاہئے۔اور پھر اسے سروجا سے بھی رپورٹ لینا تھی۔ان بدمعاشوں نے کیا تیر مارا ہے؟''

سروجا ہی اسے صحیح رپورٹ دے سکتی تھی۔اس نے سروجا کو ٹیلی فون کرنے کے لئے اس نے ڈیسک کلرک سے رابطہ کیا جس نے اس سے رشوت لے کر سری ناتھ کا کمرا دیا تھا......اس نے ٹائیگر کو بتایا کہ اس کے متعلق یہ خبر گرم ہے کہ وہ سمندر میں ڈوب گیا ہے۔اس کی لاش کی تلاش کے لئے سمندر میں غوطہ خوروں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں......

”ٹائیگر کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ ایک موٹا سا غنڈہ ہوٹل میں تحقیقات کرتا پھر رہا تھا......“ پھر ٹائیگر نے اسے تاکید کی کہ وہ کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہ بتائے اور نہ اس گفتگو کی کسی کو بھی کوئی خبر ہو۔ آنکھیں اور کان کھول کر رکھنا۔ کوئی خاص بات علم میں آئے تو اسے ذہن کے لاکرز میں محفوظ کر دینا۔ تمہارے پانچ سو روپے پکے......“

پھر اس نے سروجا کو ٹیلی فون کیا۔ ٹائیگر کی خوش بختی تھی کہ وہ گھر میں اکیلی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا کہ ٹائیگر زندہ ہے۔ اس کے سوال کے جواب میں بتایا کہ تورالائی......سری ناتھ سے جو چیز ملنے والی تھی وہ ابھی تک نہیں مل سکی...... جگ دیپ رات والے واقعہ سے اس پر بہت زیادہ مہربان ہو گیا ہے۔ کیوں کہ اسے سروجا کی وفاداری پر اندھا یقین ہو گیا ہے۔ اس نے رات جگ دیپ سے کہا تھا کہ ٹائیگر کی موت کے بعد جارج کی وقعت تورالائی کی نظروں میں کم ہو جائے گی۔ جگ دیپ نے اس دلیل کو تسلیم کر لیا ہے۔ پھر سروجا نے اسے بڑے محبت بھرے انداز میں نصیحت کی وہ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالے۔

دینا رامانی نے رات اس کا سوٹ، قمیص اور زیر جامے دھو کر سوکھنے کے لئے رکھ دیا تھا۔ صبح جب وہ خشک ہو گئے تو اس نے ان پر استری بھی کر دی۔ وہ اسے اکیلے جانے دینا نہیں چاہتی تھی۔ ٹائیگر نے اسے سمجھایا کہ یہاں کے تمام بدمعاش اس کی جان کے دشمن ہیں۔ لہٰذا وہ اس کے ساتھ نہ چلے۔ پھر اس نے ٹیلی فون کر کے ایک ٹیکسی منگوائی، ٹیکسی والے سے اس نے کہا کہ وہ چوک کے پاس اس کا انتظار کرے۔

جس وقت وہ دینا رامانی کے ہاں سے رخصت ہو رہا تھا تب اس نے ٹائیگر کا ہاتھ بڑی محبت اور گرم جوشی سے تھام لیا پھر بولی۔

”ٹائیگر مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے میلا نہیں کیا جب کہ میں تم پر مہربان ہونا چاہتی تھی۔ ہمیں ایک حادثاتی لمحے نے ملا دیا۔ تمہاری رفاقت سے میرے دل کو جو شانتی ملی ہے میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔“

پھر دینا رامانی نے بوسوں کی بوچھاڑ سے اسے رخصت کیا۔ لیکن یہ بوسے پاکیزہ اور جذبوں سے بھرے ہوئے تھے۔

جب ٹائیگر باہر نکلا تو موسم خوش گوار تھا۔ بڑی فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ دھوپ بھی چمک رہی تھی۔ وہ محتاط انداز سے چلتا ہوا اس طرف جا رہا تھا جہاں ٹیکسی اس کی منتظر

تھی۔ ممبئی کے تمام خطرناک بدمعاش اس کی جان کے دشمن ہو رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی گولی مارنے میں ذرا بھی تحمل نہیں کرتے......اسے دور سے ٹیکسی نظر آ گئی تھی۔ وہ رات کے لرزہ خیز واقعے کے بارے میں سوچتا جا رہا تھا کہ ایک گاڑی اچانک آ کر اس کے عقب میں رکی تو اس کے بریک لگنے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ اس کے ذہن میں فوری جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ وہ پھر دشمنوں کے نرغے میں آ گیا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا یہ دینا کی گاڑی تھی۔

”دینا......! کیا میں نے تم سے دور رہنے کے لئے نہیں کہا تھا......کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میری وجہ سے لپیٹ میں آ جاؤ۔“

مگر اس نے میری بات نہیں مانی تھی......اس سے رہا نہیں گیا تھا اس لئے وہ گاڑی لے کر آ گئی تھی تا کہ وہ جہاں کہے اسے لے کر چل سکے۔ ٹائیگر نے اسے بادل نخواستہ ساتھ لے لیا۔ وہ اس کی خاطر ہر قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار تھی۔ اس نے ٹیکسی کو رخصت کر دیا۔ پھر وہ اسے لے کر سیوری کے ہوٹل پہنچا۔ جب وہ دونوں کمرے میں پہنچے تو دینا رامانی نے پوچھا کہ......”کیا یہاں کسی کا انتظار ہے......؟“ ٹائیگر نے اسے جواب دیا کہ ”بس تم خاموشی سے دیکھتی جاؤ کہ کیا واقعات پیش آتے ہیں......“ بیٹھے بیٹھے اسے ایک خیال آیا تو اس نے فوراً ہی ہوٹل فون کر کے ڈیسک کلرک سے رابطہ کیا......اس نے بتایا کہ......”کل سہ پہر کے وقت آپ کی بیوی آپ کا پوچھتی ہوئی آئی تھی۔ آئی ایم سوری سر......! میں یہ بات آپ کو بتانا بھول گیا تھا۔“

اس نے جو بیوی کا حلیہ بتایا تھا وہ سنتے ہی ٹائیگر اچھل پڑا۔ یہ اس عورت کا حلیہ تھا جو اس کے کمرے میں آئی تھی۔ یہ ایویلین کا حلیہ تھا۔ اس کا خیال آتے ہی ٹائیگر نے اپنا سر پیٹ لیا کہ اس سے کتنی بڑی بھول ہو گئی۔ وہ اس کے واضح اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ اسے ایسا لگا کہ وہ بازی ہار چکا ہے۔ اسے دیر ہو چکی تھی۔

پھر بھی ٹائیگر نے حوصلہ نہیں ہارا۔ اس نے سروجا کو کوئی دو تین مرتبہ فون کیا تو وہ مصروف جا رہا تھا۔ شاید ریسور کریڈل پر ٹھیک نہ رکھا ہوا تھا۔ اب اس کے لئے لمحہ لمحہ قیمتی تھا۔ پھر وہ دینا رامانی کو لے کر فوراً سروجا کے کاٹیج پر پہنچا۔ اس نے دینا رامانی کو باہر ٹھہرنے کے لئے کہا۔ پھر وہ دندناتا ہوا اس کے کاٹیج میں گھس گیا۔ اس وقت اسے جگ دیپ اور غنڈے ساتھیوں کی ذرا برابر بھی فکر نہ تھی اور نہ ہی کوئی خوف اور ڈر تھا۔ سروجا اسے دیکھ کر

خوش ہوگئی۔ اسے جیسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ اتفاق سے وہ اکیلی تھی۔ اس کے زندہ بچ جانے کی وہ بڑی جذباتی انداز سے خوشی اور جشن منانا چاہتی تھی۔ اس لئے بھی کہ اکیلی تھی...... ٹائیگر نے کہا یہ خوشی اور جشن بعد میں بھی منایا جاسکتا ہے...... اس نے ایوا کا حلیہ بتاتے ہوئے پوچھا کہ کیا یہ لڑکی آئی تھی......؟ اس نے بتایا کہ وہ آئی تو تھی۔ اس نے ایوا کے بارے میں بتانے کے لئے کوئی تین مرتبہ اسے ٹیلی فون کیا تھا۔ لیکن وہ اسے نہیں ملا۔ سروجا نے ٹائیگر کو بتایا کہ وہ اس ہوٹل کے کاٹیج نمبر چھ میں ٹھہری ہوئی ہے...... پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ تورالائی کو آدھے گھنٹے پہلے کسی نے ٹیلی فون کر کے کہا اسے سری ناتھ کا تحفہ چاہئے تو وہ پانچ لاکھ ڈالر میں دے سکتا ہے۔ تورالائی نے اس کے شوہر کے سپرد طے کرنے کی خدمات کردی ہیں۔ جگ دیپ تورالائی سے مل کر سیدھا یہاں آیا تھا۔ ٹائیگر کے کہنے پر سروجا نے اسے کاٹیج کے برآمدے سے ایوا کا کاٹیج نمبر چھ دکھا دیا۔

ٹائیگر کے لئے ایک لحظہ بھی اس قدر قیمتی تھا کہ اس نے نہ تو سروجا کا شکریہ ادا کیا اور نہ ہی اس کی اجازت لی۔ بلکہ برقی سرعت سے باہر نکل گیا۔ اس نے دینارامانی کی گاڑی میں بھی وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اسے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس کے حواس جیسے معطل تھے۔ وہ درختوں کے درمیان سے بھاگنے لگا۔ جب وہ ایوا کے کاٹیج سے سو گز دور تھا۔ تب ٹائیگر نے دیکھا کہ ایک شخص تیزی سے ایوا کے کاٹیج سے باہر آیا۔ پھر باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھ کر تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے اندیشے درست ثابت ہوئے تھے۔ اس نے ایوا کی سلامتی کے لئے دوڑ لگائی تھی لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔

ایوا کا کاٹیج بھی سروجا کے کاٹیج کی طرح تھا۔ دروازے کھلے ہوئے تھے۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا اس کی نظر سامنے والے کمرے پر پڑی۔ جس میں سے آگ کے شعلے باہر آتے دکھائی دے رہے تھے پہلے تو وہ یہ سمجھا کہ اس بدمعاش نے صرف کاٹیج کو آگ لگائی ہے۔ لیکن دوسرے لمحے گوشت جلنے کی بو محسوس ہوئی جو بہت ناگوار اور تیز تھی۔ پھر اس نے کمرے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر دیکھا...... کمرے میں گیسولین بھری تھی۔ اس کے عین اوپر دو انسانی پاؤں لٹک رہے تھے۔ تیز شعلوں اور آگ کی حدت نے انہیں جلا کر سیاہ کر دیا تھا۔ یہ ایوا کے پاؤں تھے...... اسے نہ صرف کرسی سے باندھ کر جکڑ دیا تھا بلکہ منہ پر ٹیپ چپکائی ہوئی تھی۔ آگ کے شعلے ایوا کے جسم کو بڑی سرعت سے چاٹ رہے تھے۔

مگر وہ ایک انسان کو جلتے ہوئے کیسے دیکھ سکتا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے منہ پر سے ٹیپ ہٹائی تو اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے بہت آہستہ آہستہ اپنی پلکیں اوپر اٹھائیں...... وہ اسے دیکھتے ہی بہ دقت تمام ٹوٹے پھوٹے اور بے ربط الفاظ بھی کہنے لگی۔

اس بدمعاش نے اس کا نام تورالائی بتایا...... گل آئی لینڈ...... گل......"

ٹائیگر نے اس سے کہا کہ زیادہ مت بولو...... میں ابھی ڈاکٹر اور ایمبولینس کو بھی لے کر آتا ہوں...... مگر اس کی موت نے اسے مہلت نہیں دی۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

ایوا...... سری ناتھ کی قاتلہ تھی۔ لیکن اس وقت اس کے دل میں ہمدردی کے جذبات تھے۔ ایک عورت کو اس بربریت، بہیمانہ اور ایذا دے کر مارنا کسی بھی انسان کو زیب نہیں دیتا تھا۔ یہ بدترین اور وحشیانہ قتل تھا۔ ایسی سفاکی اور درندگی ایک شقی القلب خوں آشام بھیڑیا بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ٹائیگر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ لیکن وہ کیا کرسکتا تھا اس وقت قاتل اس کی نظروں سے اوجھل، دسترس سے باہر اور دور تھا۔

تورالائی کا آدمی اس دستاویز کی تلاش میں گل آئی لینڈ جا چکا تھا جو سمندر کے بیچ و بیچ موجود تھا۔ اب وہ ہر قیمت پر یہ دستاویز حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ٹائیگر نے تہیہ کرلیا تھا کہ کسی بھی صورت میں وہ اس دستاویز کو تورالائی تک پہنچنے نہیں دے گا۔ اس کے ہاتھ لگنے کا مطلب یہ تھا ساری دنیا کے سکون و امن کو تہہ و بالا کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ساری دنیا کے مافیاؤں کی تنظیمیں جو تھیں وہ ان کا سرغنہ تھا۔ وہ ساری دنیا کی سیاست اور معیشت کو قابو میں کئے ہوئے تھے۔ وہ جب چاہیں اور جس ملک کی چاہیں بساط الٹ دیں۔ تورالائی کو دستاویز نہ ملنے سے پوری دنیا میں سکون رہتا تھا۔ وہ نہ صرف اسلحہ بلکہ منشیات کے کاروبار میں بھی ملوث تھا۔ ہر ملک میں اس کا اثر و رسوخ اس لئے بھی تھا کہ وہاں کے سربراہ اس کے زیر اثر تھے...... اس کی وجہ یہ تھی کہ اعلیٰ شخصیات اس کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی تھیں...... اور فلمی دنیا کی...... ہر مرد کی کمزوری عورت ہوتی ہے...... جو بھی شخصیت جس کسی اداکارہ کی اور منتخب ملکہ حسن کی خواہش کرتا تھا وہ پہنچا دی جاتی تھی۔ خفیہ طور پر ان کی فلم بنالی جاتی تھی۔ یہ تمام باتیں ٹائیگر کے علم میں بھی تھیں۔

ٹائیگر نے کچھ سوچ کر ایوا کے ہاتھ سے اس چپکی انگوٹھی کو اتارا۔ باہر آیا تو

دینارامانی......سروجا کے کاٹیج کے پاس ہی تھی۔ وہ اس کا اشارہ نہیں سمجھی تھی۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس کی گاڑی کی طرف بڑھا۔ جو بدمعاش گاڑی میں گیا تھا۔ وہ اسے گل آئی لینڈ پہنچنے سے پہلے روک سکتا تھا۔ اب تک اس کا سامنا کسی بدمعاش سے نہیں ہوا تھا۔ دن کی روشنی میں اسے دور سے دیکھ کر کوئی بھی پہچان سکتا تھا۔ اس لئے اس کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ دینا کی گاڑی تک پہنچنے سے اس صورت میں خطرہ ٹل جاتا تھا۔ وہ دینا کی گاڑی سے کچھ فاصلے پر تھا کہ سروجا کے کاٹیج کا دروازہ کھلا۔ اس میں سے جوکر نکلا۔ وہ اس قدر سفاک اور ظالم تھا کہ اس کے نزدیک انسانی لہو پانی سے بھی ارزاں تھا۔ اس کی نگاہ جیسے ہی ٹائیگر پر پڑی وہ بھونچکا سا ہوگیا۔

ٹائیگر نے فوراً ہی دینا کی گاڑی کی طرف دوڑ لگائی پھر اس نے چیخ کر کہا۔ ''تم فوراً گاڑی لے کر بھاگ جاؤ۔''

جوکر ٹائیگر کی تیز آواز سن کر چونکا......وہ بھی اس کی طرف تیزی سے دوڑ کر آنے لگا۔ دینا نے گاڑی اسٹارٹ کرلی تھی۔ لیکن وہ برق رفتاری سے گاڑی اور ٹائیگر کے درمیان آ کر کھڑا ہوگیا۔

ٹائیگر فوراً ہی راستہ بدل کر دوسری سمت بھاگنے لگا۔ پھر اس نے چیختے ہوئے دینا سے کہا کہ وہ بھاگ جائے۔ خطرہ مول نہ لے۔ ٹائیگر نہیں چاہتا تھا کہ دینا کے ساتھ بھی ایوا جیسا سلوک ہو۔ اب جوکر سے مقابلہ کئے بغیر چارہ نہیں رہا تھا۔ لیکن وہ جوکر کو بے خبری میں سزا دینا چاہتا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی دیکھ لیا تھا۔ جوکر نے اس خیال سے گولی نہیں چلائی تھی کہ اس کی آواز سن کر لوگ اس طرف آسکتے تھے۔ وہ ٹائیگر کو بھی پرتشدد موت کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ جب ٹائیگر اور اس کے درمیان کوئی فاصلہ نہ رہا تو جوکر نے اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ٹائیگر کو پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو جوکر کا خیال تھا کہ اسے قابو میں کرلے گا۔ یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ اس نے ٹائیگر کو جیسے بلی کا بچہ سمجھ لیا تھا۔ ٹائیگر اس سے فٹ بال کے کھلاڑی کے انداز میں بری طرح ٹکرایا کہ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ اور زمین پر گر گیا۔

اس اثنا میں دینا نے گاڑی لاکر روکی تو ٹائیگر کو اس پر سخت غصہ آیا۔ دینا کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ لڑائی زندگی اور موت کی ہے۔ مرغوں کی نہیں۔ جوکر نے دینا کو پہچان لیا تو اس کا

انجام کس قدر دردناک ہوگا۔ ٹائیگر نے پھر اسے بھاگ جانے کے لئے کہا۔ جوکر کھڑا ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے وہ ریوالور بھی اٹھانے کی کوشش نہیں کی جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تھا۔ وہ سنبھل کر ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس بات سے واقف نہیں تھا کہ ٹائیگر جوڈو کراٹے میں کسی قدر مہارت رکھتا ہے۔ جس وقت جوکر غراتا اور سور جیسی آنکھوں سے گھورتا اس پر حملہ آور ہوا تو ٹائیگر نے اس کے منہ پر ایک بھرپور وار کیا۔ ٹائیگر نے اس کی ناک کی ہڈی کا نشانہ لیا تھا۔ اس نے ٹائیگر کا ہاتھ پکڑ کے بل دینا شروع کیا۔ یہ اس کی حماقت تھی۔ ٹائیگر نے اپنا گھٹنا اس کے جسم کے سب سے نازک حصے پر دے مارا۔ وہ کراہ کر دہرا ہوا اور زمین پر کسی کٹے درخت کی طرح آرہا۔ پھر بے ہوش ہوگیا۔

دینا رامانی جو یہ لڑائی دیکھ رہی تھی جوکر کو بے ہوش دیکھ کر گاڑی لے آئی......ٹائیگر کی رگوں میں نفرت، حقارت اور غصے سے لہو ابل رہا تھا۔ اگر گل آئی لینڈ جانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ جوکر کی ایسی درگت بناتا......ایذائیں دیتا......ایسا تشدد کرتا کہ کتے کی موت مرتا۔

دینا رامانی نہیں چاہتی تھی کہ ٹائیگر گل آئی لینڈ جائے۔ اسے خوف اور اندیشہ تھا کہ کہیں اسے ہلاک نہ کردیا جائے۔ اس نے دینا رامانی کو صورت حال کی نزاکت اور دستاویزات کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ پھر دینا رامانی نے اس کے کہنے پر ساحلی علاقے پر گاڑی روک لی۔

پھر ٹائیگر نے وہاں اتر کر ایک موٹر بوٹ کرائے پر حاصل کی اور گل آئی لینڈ کی سمت معلوم کرکے اس طرف تیزی سے روانہ ہوگیا۔

اس وقت ساحلی علاقہ غیر معمولی طور پر پرسکون تھا۔ اس نے کچھ دور جانے کے بعد موٹر بوٹ کے عقب میں دیکھا۔ موٹر بوٹ سے پیدا ہونے والی لہروں کے علاوہ سکوت طاری تھا۔ جیسے یہ کوئی بہت بڑی جھیل ہو۔ اب اسے گل آئی لینڈ کے افق نظر آنے لگے۔ وہاں کل چھ جزیرے تھے۔ ان میں سے کس جزیرے پر دستاویزات چھپائی گئی تھیں یہ معلوم کرنا بہت مشکل تھا۔ ایوا نے بڑی ذہانت اور دوراندیشی سے کام لیا تھا۔

مگر اندھیرے میں ایک کرن تھی۔ ایوا کے قاتل نے شاید تشدد سے اگلوالیا ہوگا۔ موٹر بوٹ کی آواز سے اس کی آمد سے دشمن کو باخبر کردیتی اور وہ اس کی گھات میں بیٹھ جاتا۔ اس کے لئے ٹائیگر کو موت کا نشانہ بنانا آسان ہوتا۔ ٹائیگر نے سوچا۔ اسے یہ خیال آیا کہ جلد

بازی میں وہ ریوالور لینا بھول گیا۔ وہ اب بھی واپس جا کر کہیں سے بھی ریوالور کا بندوبست کر کے آ سکتا تھا۔ اس کے بہت سے ذرائع بھی تھے۔ مگر وہ وقت برباد کرنے کے حق میں نہیں تھا...... اور پھر اس نے بار بار مڑ کے تسلی کر لی تھی کہ کوئی اس کے تعاقب میں تو نہیں ہے؟ اس نے اپنے موٹر بوٹ کا انجن بند کر دیا تھا کیوں کہ وہ گل آئی لینڈ پہنچ چکا تھا۔

سب سے پہلے اسے ایوا کے قاتل کی کشتی کو تلاش کرنا تھا جو یہاں آیا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے اس کی تلاش میں ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ اس نے جلد ہی موٹر بوٹ کو پالیا جو ساحل کے ساتھ ایک طرف کھڑی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے پتھر کی اوٹ میں بیٹھا اس کا انتظار کرنے لگا کہ وہ جیسے ہی آئے اسے دبوچ لے۔ انتظار کے لمحات اس کے لئے بڑے اذیت ناک تھے۔ اب ان دونوں سے ایک ہی زندہ جا سکتا تھا۔ اس کی رگوں میں لہو ابل رہا تھا۔ اس نے جس بے رحمی اور شقاوت سے ایوا کو موت کی نیند سلایا تھا۔ وہ بڑا دردناک اور روح فرسا تھا۔ وہ ہر قیمت پر ایوا کی موت کا انتقام لینے کا تہیہ کر چکا تھا۔

کوئی بیس منٹ کے بعد وہ اسے آتا دکھائی دیا۔ وہ چھپ کر بیٹھا ہی رہا اور اس کے قریب آنے کا انتظار کرتا رہا۔ ٹائیگر کو اس وقت بڑی شدت سے ریوالور کی کمی محسوس ہوئی تھی۔ جیسے جیسے وہ قریب آتا گیا اس کے خدوخال واضح ہوتے گئے۔ جب اس کے اور ٹائیگر کے درمیان کا فاصلہ بہت کم رہ گیا تب ٹائیگر اپنی کمین گاہ سے نکلا اور اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس طرح سکون اور اطمینان سے چلا آ رہا تھا جیسے اس کے سوا یہاں کوئی اور نہیں ہے۔ ٹائیگر کو دیکھتے ہی وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ کیوں کہ اس کے خیال میں ٹائیگر اس جہان فانی سے دفع ہو چکا تھا...... اور وہ ٹائیگر کو اس جزیرے پر پا کر بری طرح سٹپٹا گیا۔

ٹائیگر اس کی حیرت سے فائدہ اٹھا کر اس کی طرف کوندا بن کر لپکا۔ اس بدمعاش نے جلد ہی اپنی حیرت پر قابو پالیا تھا اور ٹائیگر کو قریب پا کر دستاویز والا سیاہ صندوقچہ اس کے منہ پر دے مارا۔ اگر ٹائیگر سرعت سے ایک طرف نہ ہٹتا تو اس کے چہرے کا جغرافیہ بدل جاتا۔ پھر بھی وہ اس کے شانے سے ٹکراتا ہوا کچھ فاصلے پر جا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ بدمعاش جیب سے ریوالور نکالتا۔ ٹائیگر نے اس پر تیندوے کی طرح چھلانگ لگا دی۔

وہ ٹائیگر سے ٹکراتے ہی گر گیا تھا لیکن برق سرعت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ان دونوں کے درمیان زندگی اور موت کی جنگ شروع ہو گئی۔ اب ان دونوں میں سے صرف ایک زندہ

رہ سکتا تھا۔ ٹائیگر نے اس پر پھر چھلانگ لگا دی۔ اس نے کمال ہوشیاری اور مستعدی سے خود کو بچایا اور ایک طرف ہو کر ٹائیگر کے جبڑے پر اتنے زور سے مکا مارا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی تک آگ بھر گئی۔ وہ اس کے حملے سے سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ اس کے مضبوط ہاتھوں کا ایک بھرپور وار ٹائیگر کے گلے سے نیچے پڑا۔ ٹائیگر درد سے کراہ اٹھا۔

جگ دیپ بھی ٹائیگر کی طرح جوڈو کراٹے میں ماہر تھا۔ وہ ٹائیگر پر بھاری پڑ چکا تھا۔ یہ اس کی خوش بختی تھی کہ جگ دیپ اپنے فن سے کام لینے کے بجائے اپنے ریوالور سے کام لینا چاہتا تھا۔ اس نے ٹائیگر کو جو نیم جان محسوس کیا تو اپنی جیب سے ریوالور نکالنے لگا۔ اس وقت وہ ٹائیگر کے قریب تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے ٹائیگر پر گھونسا تانا مگر ٹائیگر اس پر سبقت لے گیا۔ ٹائیگر نے اس کے سر پر ایک زوردار ترچھا ہاتھ مارا جس سے وہ بری طرح ڈگمگا گیا۔ لیکن اس نے اس کے باوجود ٹائیگر کی پسلی پر مکا رسید کر دیا۔ ٹائیگر مدافعت کرنے لگا۔ اس کے گھونسوں میں بڑی طاقت تھی۔ جس کی وہ تاب نہیں لا پا رہا تھا۔ اگر وہ اس پر مکوں کی مسلسل بارش کرتا تو ٹائیگر شاید بچ نہ پاتا۔ اس نے جو دوبارہ ریوالور نکالنے کی کوشش کی وہ جگ دیپ کو مہنگی پڑی۔

ٹائیگر نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر پھر اس پر جست لگا دی۔ وہ دونوں زمین پر آ رہے۔ وہ ٹائیگر کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے بغیر کسی تاخیر کے اس کے منہ، سینے اور نازک مقامات پر جنونی انداز سے مکے برسانا شروع کر دیئے۔ اسے تڑپا تڑپا کر مارنے لگا۔ اس کی نظروں میں ایوا کا چہرہ اور لاش گھومنے لگی تھی جس نے ٹائیگر کی نفرت اور اس کے غصے کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ وہ وحشی درندہ بن گیا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس خبیث اور درندے نے دم توڑ دیا...... جگ دیپ کی عبرت ناک موت کی خوشی ٹائیگر کو اس بات سے ہو رہی تھی کہ اس نے ایوا کی دردناک موت کا انتقام لے لیا تھا۔ وہ کتے کی موت مرا تھا۔

ٹائیگر کو گھٹنے میں چوٹ آنے کی وجہ سے چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ اس نے دستاویز والا سیاہ صندوقچہ اٹھا لیا۔ پھر اپنی موٹر بوٹ کی طرف آہستہ آہستہ چل پڑا۔ کچھ دور جانے کے بعد اس کی نگاہ معاً اٹھی تو اس کی رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ اسے اب خیال آیا کہ جوکر نے ہوش میں آتے ہی تورالائی کو اس کے بارے میں بتا دیا ہوگا کہ...... ٹائیگر زندہ ہے۔ تورالائی کے گرگے اس کی طرف آ رہے تھے جہاں وہ کھڑا ہوا تھا۔

موٹر بوٹوں میں سوار کل چھ نفر تھے۔ اس سے یہ حماقت ہوئی تھی کہ وہ جگ دیپ کا ریوالور نکال کر لانا بھول گیا تھا۔ وہ ہوتا تو اس سے ان کا مقابلہ اور دفاع ہو سکتا تھا...... پھر وہ جزیرے کے اندر کی طرف گرتا پڑتا بھاگا تا کہ اس صندوقچہ کو کہیں چھپا دے۔ چند لمحوں کی کوشش سے اسے ایک بڑا سا دو شاخہ درخت دکھائی دیا۔ ٹائیگر نے اس کو نشانہ بنایا اور اس سے بیس قدم دور شمال کی جانب کو کھودنا شروع کیا۔ چوں کہ زمین بے حد نرم تھی اس لئے وہ دو فٹ گہرا گڑھا کھودنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس میں صندوقچہ دفن کر کے زمین اس طرح ہموار کر دی کہ کھدائی کا شبہ نہ ہو۔ پھر وہ مختلف سمتوں میں اس طرح اندھا دھند بھاگنے لگا جیسے اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہا ہو...... دشمن یہ سمجھے کہ اس کے بھاگنے کے نشان ہیں......

چوں کہ سیاہ صندوقچہ ہر طرح سے محفوظ ہو چکا تھا اس لئے ٹائیگر کو بڑا سکون اور دل کو بڑی طمانیت سی محسوس ہوئی تھی۔ مگر اسے یہاں سے فرار ہونا مشکل دکھائی دیا۔ کیوں کہ اس کی اور جگ دیپ کی موٹر بوٹیں ان بدمعاشوں کے قبضے میں تھیں۔ وہ خشکی پر اتر چکے تھے۔ ایک صورت فرار کی یہی تھی کہ جگ دیپ کی موٹر بوٹ کے پاس ایک بدمعاش بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ ٹائیگر اس کی طرف آہستہ آہستہ اور بے آواز بڑھنے لگا۔ اس کی پشت، ٹائیگر کی طرف تھی۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا لیا جو کرکٹ کی گیند سے قدرے بڑا تھا۔ ٹائیگر اس سے ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر کے فرار ہو سکتا تھا۔

ٹائیگر اس کی طرف دبے قدموں بڑھ رہا تھا کہ اچانک اس کی کھوپڑی ریوالور کے بٹ کی ضرب سے بج اٹھی تھی۔ اس کا سر ایک دم سے چکرایا تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جب ٹائیگر کو ہوش آیا تو وہ زمین پر چت پڑا تھا۔ وہ کتنی دیر تک بے ہوش رہا اسے کچھ اندازہ نہ ہو سکا۔ جگہ جزیرے کی ہی تھی کھلا آسمان تھا۔ آسمان پر پرندے محو پرواز تھے۔ اس نے سر کو گھمایا تھا کہ اس کے جبڑے پر ٹھوکر لگی۔ ہونٹوں نے خون کا ذائقہ محسوس کیا۔ ٹائیگر نے سوچا کہ جبڑا ٹوٹنے سے کیسے بچ گیا۔ مگر گوشت میں بہت درد محسوس ہو رہا تھا۔ ٹائیگر کراہ کر رہ گیا۔

''ٹائیگر......!'' ایک کرخت آواز نے کہا۔ ''ذرا دائیں طرف کا نظارہ کرنا...... کس قدر دل فریب منظر ہے۔''

اس کا لہجہ استہزائی تھا۔ ٹائیگر نے اس کے کہنے کے مطابق سر گھمایا تو پھر اس کے جبڑے پر ٹھوکر لگی۔ فضا میں بدمعاشوں کے بھونڈے قہقہے جو بڑے بے ہنگم اور زہریلے قسم کے تھے فضا میں بلند ہوئے جو اس کے دل پر کوڑوں کی طرح لگے تھے۔

چند ثانیوں کے بعد اس نے حکم دیا۔ ''چلو اٹھو...... اب سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ۔''

اب ٹائیگر کے نزدیک اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ وہ اس پر تشدد کر کے اور ایذائیں دے کر اسے دردناک موت سے ہم کنار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ دشمن کو دیکھے۔ اس نے دیکھا کہ وہ چھ بدمعاشوں کے نرغے میں ہے۔ وہ تین ریوالوروں کی نالیں اسے فرشتہ اجل کی طرح گھور رہی تھیں۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس وقت اس کے لئے صورت حال بڑی نازک خطرناک اور پیچیدہ تھی...... وہ اس بری طرح ان کی قید میں پھنس چکا تھا کہ اس سے نکلنا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔

''کھڑے ہو جاؤ......'' اس مرتبہ وہ بری طرح دھاڑا۔

ٹائیگر نے کھڑے ہو کر اس کی طرف دیکھا جو اس پر مسلسل حکم چلا رہا تھا اور اس نے جبڑے پر بے دردی سے ٹھوکریں ماری تھیں۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسے انسانی مخلوق تو نہیں کہا جا سکتا۔ وہ پورا گنجا تھا۔ نصف چہرہ باقی چہرہ ہاتھی سے مشابہہ...... ہاتھی کی طرح...... چھوٹی چھوٹی سور جیسی گول آنکھیں...... اور مونچھوں کی یہ کیفیت کہ گویا بال نتھنوں میں سے گھاس کی طرح اگ کر باہر نکل آئے ہوں...... لحظہ بہ لحظہ اس کا چہرہ خوف ناک اور انتہائی مکروہ دکھائی دینے لگا۔ اس نے اپنے چہرے کا رخ دوسری طرف کر لیا کہ یہ منحوس چہرہ نہ دیکھ سکے۔

''شاباش ٹائیگر!'' اس نے تمسخر سے کہا۔ ''تم بڑے سعادت مند اور فرماں بردار بھی ہوتے جا رہے ہو۔ میں نے تمہارے بارے میں یہ سن رکھا ہے کہ تم کسی کا حکم سننے کے عادی نہیں ہو...... اب یہ بتاؤ کہ وہ دستاویزات کہاں ہیں؟...... تم نے انہیں کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے؟ دیکھو...... جھوٹ نہیں بولنا۔''

''کون سی دستاویزات......؟'' اس نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ ''تم کن دستاویزات کے بارے میں پوچھ رہے ہو......؟''

"سنو ٹائیگر......! اس نے تڑختے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم ہمیں بے وقوف مت سمجھو......میں جو بھی سوال کروں اس کا ٹھیک سے جواب دینا......اگر تم نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تو میں تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مچھلیوں کی غذا بنا دوں گا۔"

یہ محض اس کی خالی خولی دھمکی نہ تھی۔ وہ اس بربریت کا مظاہرہ بھی کر سکتا تھا......

پانسہ ٹائیگر کے خلاف پلٹ چکا تھا۔ موت کا فرشتہ اس کی نظروں کے سامنے کھڑا تھا......

اسے اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ صرف نام کا ٹائیگر نہیں ہے۔ جنگل کا بادشاہ ہے......دنیا کے اس جنگل میں خونخوار درندے ہیں وہ اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا تھا......اس خبیث کو اگلوانے کا فن آتا تھا۔ وہ اس پر کیسا ہی تشدد کیوں نہ کرے......اس سے ایک لفظ بھی اگلوا نہیں سکتا تھا۔ یہ ایذا رسانی کا ماہر تھا۔ تورالائی نے اس کے تعاقب میں خون خوار شکاری کتوں کو بھیجا تھا۔ ٹائیگر نے دل میں قسم کھالی کہ وہ مر جائے گا مگر اس سیاہ بکس کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا۔

ٹائیگر نے اس سے کہا۔ "تم جن دستاویزات کے بارے میں پوچھ رہے ہو اس کے بارے میں مجھے قطعی کچھ نہیں معلوم......"

"جگ دیپ کہاں ہے؟" وہ غرایا۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

اس کے سوال سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ اسے جگ دیپ کی لاش نظر نہیں آئی ہے۔

"جگ دیپ......؟" اس نے متعجب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں ہے؟"

"تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو......؟" وہ گرجا۔ "کیا تم یہاں محض تفریح یا کسی لڑکی کی تلاش میں وقت گزاری کے لئے یہاں آئے ہو؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے سر ہلا دیا۔ "یہاں لڑکی کہاں......؟ اگر ہوتی تو پھر کیا بات تھی......البتہ ان جزیروں پر بہت خوب صورت اور مختلف ممالک کے پرندے ہجرت کر کے وہاں کے سرد موسم کی وجہ سے یہاں آ جاتے ہیں اور بسیرا کر لیتے ہیں۔ میں انہیں دیکھنے آیا ہوں......تم بھی انہیں دیکھ رہے ہو گے۔"

اس نے تاؤ میں آ کر ایک زوردار مکا رسید کیا تو ٹائیگر پھر زمین پر گر گیا......لیکن اس مرتبہ اس نے کھڑے ہونے یا بیٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ کیوں کہ اس طرح پڑے رہنے ہی

میں اس کی عافیت تھی......مگر وہ ٹائیگر کو کہاں بخشنے والا تھا۔ اس نے جھک کر ٹائیگر کا گریبان پکڑا اور ایک جھٹکے سے اسے کھڑا کر دیا۔ پھر اس نے ایک بدمعاش سے کہا۔

"تم جا کر جگ دیپ کو تلاش کرو......میرا خیال ہے کہ اس بدمعاش نے اسے ختم کر دیا ہو گا۔"

"تمہیں ایک ہی صورت میں زندگی کی ضمانت دے سکتا ہوں۔" وہ بگڑ کر برہمی سے کہنے لگا۔ "جھوٹ سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا......سچ سچ بتاؤ گے تو تم فائدے میں رہو گے......تم یہاں جگ دیپ کے تعاقب میں آئے ہو......تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میں سچ بول رہا ہوں تم میرے سوالات کا صحیح جواب دے کر ہی زندہ سلامت بنگلہ دیش واپس جا سکتے ہو۔"

ٹائیگر نے دل میں سوچا کہ وہ اسے زندگی کا لالچ دے رہا تھا۔ اب اسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس کی زندگی اس وقت تک سلامت ہے جب تک وہ دستاویزات کو نہیں پا لیتے۔

ٹائیگر نے بے وقوفی سے کہا۔ "کیا مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے جو تم میری بات کو سچ تسلیم کیوں نہیں کر رہے ہو؟"

وہ ٹائیگر کا جواب سن کر طیش میں آ گیا۔ اس نے یکے بعد دیگرے دو مکے رسید کر کے اسے بے ہوشی کی دنیا میں پہنچا دیا۔

ٹائیگر کافی دیر کے بعد ہوش میں آیا تھا۔ اس وقت وہ ٹائیگر کے سینے پر سوار تھا۔ اس نے ٹائیگر کے منہ پر دو تین تھپڑ لگاتے ہوئے اور سور جیسی آنکھوں سے گھورتے ہوئے غصے سے کہا۔

"میں تمہارے پورے جسم کی ہڈیاں توڑ ڈالوں گا ٹائیگر......! میں کتنا بڑا حرامی ہوں تم نہیں جانتے۔"

ٹائیگر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے دل میں کہا کہ واقعی تم حرامی ہو......تم جیسا حرامی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا......ٹائیگر اس کی دھمکی میں نہیں آیا۔ وہ اسے زندہ سلامت رکھنے پر مجبور تھا۔ اس لئے کہ اس کی موت سے اسے دستاویزات نہیں مل سکتی تھیں۔ اس نے ٹائیگر کے سینے سے اترتے ہوئے کہا۔

"اب تم شرافت سے کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں......"

اس نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ جتنا جلد ہو سکے وہ ان درندہ صفت بدمعاشوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا...... اس کا ذہن برقی سرعت سے ایسی تدبیر سوچ رہا تھا کہ انہیں فریب دے کر بے وقوف بنایا جا سکتا ہے۔ چوں کہ ان کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ وہ اس جزیرے پر کس لئے آیا ہے۔ اس لئے اس بات کا امکان تھا کہ وہ اس کے فریب میں آ جائیں گے۔ انہیں غلط راہ پر ڈالنے کے لئے اس کے ذہن میں ایک تدبیر تھی کہ...... جگ دیپ کی تلاش میں آیا تھا۔ مگر وہ اس کے پہنچنے سے پیشتر ہی دستاویز لے کر جا چکا تھا۔ انہیں اس کی بات کی سچائی پر یقین آ جاتا۔ وہ اسے خشکی پر اور اس کے بیان کی تصدیق تک اسے زندہ رہنے دیتے۔ پھر وہ اسی مہلت سے فائدہ اٹھا لیتا۔

اس نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک بدمعاش نے اچانک ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔ "وہ دیکھو......"

پھر وہ سب اس سمت دیکھنے لگے۔ اس نے بھی دیکھا...... اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ ان کا ساتھی جگ دیپ کی لاش کو اس طرح سے گھسیٹتا ہوا لا رہا تھا جیسے وہ کسی جانور کی لاش ہو...... اس حرام زادے نے اپنے مردہ ساتھی کی لاش کا احترام نہیں کیا تھا۔ پھر اس نے لاش سامنے لا کر چھوڑ دی۔ سبھی اس لاش کو دیکھنے لگے...... زمین پر گھسیٹنے سے لاش کی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ چہرے کا گوشت اور آنکھ کا ایک حصہ رگڑ کی وجہ سے اڑ گیا تھا...... موت اور اس کی لاش عبرت ناک بن گئی تھی۔ اس کی زندگی تک یہ غنڈے جو اس کے نام سے کانپتے تھے۔ آج وہی اس کی میت کی بے حرمتی کر رہے تھے۔

وہ اس خیال سے کانپ اٹھا تھا کہ یہ کمینے اس کی لاش کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ وہ سرغنہ اس کے قریب آیا۔

"تم نے جھوٹ بولا...... یہ بھی نہیں بتایا کہ جگ دیپ کہاں ہے؟...... کیا اس کی یہ حالت ٹھوکر کھانے سے ہوئی ہے......؟ میں سب سے پہلے تمہارے دائیں ہاتھ کی ہڈی توڑوں گا......"

"اس سے پہلے کہ تم اپنی خواہش پوری کرو میری ایک بات سن لو۔" ٹائیگر نے دلدل

میں جیسے تنکے کا سہارا لیا۔ "میں واقعی جگ دیپ کی تلاش میں آیا تھا...... اس کی وجہ اس سے ذاتی چپقلش ہے...... اس کا یہ خیال تھا کہ میرے اس کی حسین و جمیل بیوی سے تعلقات ہیں اور میں اس کی عدم موجودگی میں رنگ رلیاں مناتا ہوں۔ وہ میرا جانی دشمن بن گیا تھا...... تم جانتے ہو نا ڈوئل کیا ہوتا ہے۔ انگریزوں میں یہ عام ہے۔ وہ آپس میں کسی بات کا انتقام لینے کے لئے کسی ویران اور سنسان جگہ پر لڑتے ہیں۔ اس نے مجھے اس جزیرے پر لڑنے کے لئے چیلنج کیا تھا۔ وہ میرے پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی پہنچا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی مجھ پر حملہ آور ہو گیا۔ حالاں کہ اس کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں...... وہ مجھ سے جیت نہ سکا۔ زندگی کی بازی ہار گیا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو...... اس کے پاس ایک خطرناک قسم کا ریوالور تھا اور تم نہتے...... ایسی صورت میں تم اسے موت کے گھاٹ کیسے اتار سکتے تھے...... یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"ہم دونوں میں آپس میں کچھ دیر تک تکرار ہوتی رہی تھی۔ میں نے موقع پا کر اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا تھا۔ ٹائیگر نے جواب دیا۔ "بہت خوب مسٹر ٹائیگر......!" وہ قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا تم نے بڑا اچھا لطیفہ بنایا...... جی خوش ہو گیا...... گویا تم ریوالور چھیننے میں مہارت رکھتے ہو......" اس نے توقف کر کے جیب سے ریوالور نکالا۔ اسے اپنی انگلیوں پر نچاتے ہوئے بولا۔ "اچھا تم اسے چھین کر دکھاؤ...... تم نے اگر چھین لیا تو تمہیں آزاد کر دوں گا۔"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ اس کے ساتھ تفریح کر رہا ہے...... یہ بدمعاش دشمن کو موت کے منہ میں اتارنے سے پہلے اس طرح استہزا کرتے تھے وہ ٹائیگر کو خاموش اور بے حس و حرکت پا کر بولا۔

"کیا ہوا...... تم نے مجھ سے ریوالور نہیں چھینا...... تم تو اس کام کے ماہر ہو......"

"اس طرف دیکھو...... ایک بدمعاش نے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ سبھی اس جانب دیکھنے لگے۔ ایک سفید موٹر لانچ سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی ان کی سمت آ رہی تھی۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ یہ سمندری گشتی پولیس کی لانچ ہوگی۔ مگر وہ لانچ ساحل سے پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر سے دوسری طرف مڑ گئی۔ اس میں دو آدمی بیٹھے تھے جو ان کی طرف دیکھ رہے

تھے۔ وہ ساحل سے دو سو گز دور جا کر ان کی طرف مڑتی دکھائی دی۔ ''ہمیں یہاں سے ہٹ کر اندر چلنا چاہئے۔'' اس نے سوال کیا۔ ''اس طرح یہاں کھڑے رہنے سے انہیں شک ہوسکتا ہے......'' پھر وہ ٹائیگر سے بولا۔ ''ابھی تمہارا دماغ درست نہیں ہوا......؟ تم دستاویزات کے بارے میں نہیں بتاؤ گے تو سوچ لو...... تمہارا حشر جگ دیپ سے بھی بہت برا ہوسکتا ہے۔''

''وہ میرے پاس نہیں ہے...... کیا میں اسے آسمان سے لاکر تمہاری خدمت میں پیش کروں؟''

وہ پہلے ہی سے اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ ٹائیگر کے جواب نے اسے بری طرح تپادیا۔ پھر اس نے ٹائیگر کو گھونسا مار کر گرادیا۔ وہ جیسے ہی زمین پر گرا مجھ پر جھک کر اس کا گریبان پکڑلیا۔ تب اس نے دل میں سوچا کہ یہ بدمعاش اس طرح تو اس کے سارے بدن کی ہڈیاں توڑ کر اسے معذور کردے گا۔ گیدڑ کی موت مرنے سے بہتر ہے کہ اسے بہادری سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ اب بازوؤں اور صلاحیتوں کو آزمانے کے سوا چارہ نہیں رہا ہے...... چوں کہ وہ مسلح بدمعاشوں کے نرغے میں تھا اس لئے اس حرام زادے سے مقابلہ نہ کرسکا تھا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ تخت یا تختہ...... موت یا زندگی...... یوں بھی وہ کسی شیر سے کم نہیں تھا۔

''ارے...... یہ دیکھو...... یہ کیا ہے......؟'' ایک بدمعاش نے ہذیانی لہجے میں چیختے ہوئے کہا۔

وہ بدمعاش جو اس پر جھکا ہوا تھا۔ اپنے ساتھی کی آواز سنتے ہی سر گھما کر سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ لانچ شور کرتی ہوئی ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی...... اور پھر کنارے سے ذرا دور ہو کر سمندر کی طرف مڑگئی۔ اس وقت جو منظر دکھائی دیا وہ ناقابل یقین تھا...... شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے حواس معطل ہو رہے تھے۔ لیکن یہ حقیقت تھی۔ اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔ نہ ہی یہ کوئی رنگین اور ہیجان خیز خواب تھا۔

لانچ کے پیچھے ایک لمبی رسی بندھی ہوئی تھی اور اس کے آخری سرے کو ایک جوان عورت تھامے ہوئی تھی۔ وہ اسکائٹنگ کررہی تھی...... یہ کوئی نئی یا حیرت کی یا معیوب بات نہ تھی...... لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس عورت کے حسین پرشباب گداز

بدن پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی...... کسی بھی حصے پر ایک دھجی تک نہ تھی۔ وہ اس حالت میں اسکائٹنگ کے چرمی جوتے نما لمبے تختوں پر کھڑی ہوئی پانی ادھر ادھر شارک مچھلی کی طرح تیرتی جارہی تھی۔

ساحل کے قریب سے مڑتے وقت اس نے ایک بار ان کی طرف مڑ کے دیکھا...... دوسرے لمحے ٹائیگر نے اسے پہچان لیا...... وہ اسے لاکھوں میں پہچان سکتا تھا...... یہ دینارامانی تھی...... وہ ٹائیگر کے لئے ایک عجیب وغریب عورت تھی...... معلوم نہیں اسے کیا سوجھی تھی کہ وہ ایسے وقت میں فطری حالت میں اس جزیرے کے پاس اسکائٹنگ کرتی پھر رہی تھی...... اور پھر اس نے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ہاتھ فضا میں ہلایا تو ایک بدمعاش نے جیسے سرکاری اعلان کیا۔

''یہ لڑکی تو لباس کے بغیر ہے۔''

تمام بدمعاش دینارامانی کے بے لباس جسم کے نظارے سے محظوظ ہونے لگے۔ اس کا جسم سرخ وسفید اور ایسا نازک...... ایسا خوب صورت...... اور کشش کے خزانوں سے بھرا ہوا تھا کہ وہ سب کے سب اس ہیجان خیز اور رنگین نظارے میں ایسے کھوئے کہ انہیں دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ رہی...... دینارامانی نے اسے گھر میں قیام کے دوران بتایا تھا کہ وہ امریکہ اور یورپ جب تیرہ برس کی تھی چار برس رہی تھی۔ وہ اسکائٹنگ کرتی تھی۔ اس لئے وہ یہاں بڑے سکون واطمینان سے سمندر کی لہروں میں تیر رہی تھی۔ قلابازیاں کھا رہی تھی۔ آڑھی ترچھی اور منہ کے بل ہو رہی تھی۔ اپنے فن کا کمال دکھا رہی تھی۔ جس سے ایسے زاویے جنم لے رہے تھے کہ بدمعاشوں کے دلوں پر بجلی گر رہی تھی۔

یہ لمحات ٹائیگر کے لئے بے حد اہم اور قیمتی تھا...... لمحہ لمحہ سحر انگیز تھا جس نے بدمعاشوں پر جادو کردیا تھا...... وہ خبیث ابھی تک ٹائیگر پر جھکا ہوا تھا اور اس کا گریبان بھی تھامے ہوئے تھا...... دینارامانی کو ندیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے ایک لمحے میں جو کچھ کیا شاید وہ ایک گھنٹے میں بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ اوپر والے کی ذات سے مایوس نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ قدرت اسے اس درندے سے نجات پانے کے لئے موقع ضرور دے گا۔ آخر اس نے ناامید نہیں کیا۔ ٹائیگر کے گھٹنے کی زوردار ضرب نے اسے بے حال کردیا اور حلق سے دل خراش چیخ نکالتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔ ٹائیگر نے اس پر گرفت مضبوط کرلی تھی۔ پھر

وہ برقی سرعت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اسے ڈھال بنالیا۔ اب اس کا ریوالور ٹائیگر کے ہاتھ میں تھا۔

اس خبیث کا سر ٹائیگر کے نشانے پر جھول رہا تھا۔ وہ اس کی ضربات کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا تھا...... گو اس کی یہ حرکت نازیبا، نامناسب اور اوچھی تھی۔ محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے...... اور پھر وہ سفاک ترین اور ایذا رسانی سے اسے موت کے منہ میں دھکیلنے والا تھا۔ اور اس پر تشدد کیا تھا جس سے وہ دو مرتبہ بے ہوش ہوا تھا۔

وہ چوں کہ تمام بدمعاش ان دونوں کے پاس سے ہٹ کر دینا رامانی کے مناظر سے محظوظ ہو رہے تھے۔ وہ بے نیام تلوار تھی جس نے ان سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔ وہ اپنے سرغنہ اور ٹائیگر کو بھول چکے تھے۔ جب انہیں خیال آیا تو بساط الٹی ہوئی تھی۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو......'' ٹائیگر گرجا۔ ''ورنہ تم سب کو ایک ایک کر کے بھون دوں گا۔''

اس نے اپنا جملہ پورا ہی کیا تھا کہ...... ان میں سے ایک بدمعاش پر معاً اس کی نگاہ پڑی جو اس پر فائر کرنے کے لئے پر تول رہا تھا۔ اس کی اس حرکت سے یہ خبیث نشانہ بن سکتا تھا جسے ٹائیگر نے ڈھال بنا رکھا تھا۔ تاہم اس نے اس بدمعاش کو موقع نہیں دیا۔ اس پر دو فائر جھونک دیئے۔ اسے شاید اندازہ نہ تھا اور نہ جانتا تھا کہ ٹائیگر ایک بہترین نشانہ باز ہے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ ٹائیگر کا نشانہ خطا ہو جائے گا...... وہ لڑکھڑاتا ہوا تین چار قدم گیا اور کٹے ہوئے درخت کی جھاڑیوں پر گر کر دم توڑ دیا۔ اس کی موت نے ساتھیوں کو خوف زدہ کر دیا۔ گو کہ انہوں نے اپنے سرغنہ کو بچانے کے لئے سوچا تھا کہ ٹائیگر کو نشانہ بنالیں گے۔ لیکن انہوں نے دیکھا اور محسوس کر لیا تھا کہ یہ ناممکن سی بات ہے۔ وہ ٹائیگر کے نشانے کی زد میں ہے اور اس کا بال تک بیکا نہیں ہوگا۔ انہوں نے اپنے اپنے ریوالور پھینک کر ہاتھ اٹھا لئے۔

''شاباش...... ویلڈن تم لوگ واقعی بہت سمجھ دار ہو...... اپنی جگہ سے ہلنا نہیں......'' ٹائیگر نے انہیں وارننگ دی۔ ''اور ہاں...... ذرا سورج کو دیکھو...... کیسا دل فریب منظر ہے...... پیٹھ میری طرف کر لو...... جس نے پلٹ کر دیکھا وہ پتھر کا نہیں بلکہ موت کا نشانہ بن جائے گا۔'' جب انہوں نے ٹائیگر کی طرف پشت کر لی تو خبیث سرغنہ کو اس کے بالوں سے

پکڑ لیا۔ پھر اسے کسی جانور کی لاش کی طرح گھسیٹتا ہوا سمندر میں اتر گیا۔ ان پر جو دینا رامانی کو دیکھ کر نشہ طاری ہوا تھا۔ وہ اتر گیا تھا۔ ان بدمعاشوں نے جب ٹائیگر اس خبیث کے قابو میں تھا تب وہ صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ کسی طرح دینا رامانی کی لانچ کو پکڑ کر ان میں جو دو آدمی سوار ہیں انہیں قتل کر کے اس لڑکی کو لانچ کے اندر لے جا کر نشانہ بنائیں۔ ٹائیگر نے سن لیا تھا۔ پھر تحکمانہ لہجے میں چیخ کر اس نے کہا۔ ''زندہ رہنا ہے تو بھاگ جاؤ...... اس لڑکی کو خواب میں بھی نہیں دیکھنا۔''

وہ کسی نہ کسی طرح بھاگنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ انہوں نے جو منصوبہ دینا کو اغوا کرنے کا بنایا تھا وہ سرغنہ کے بے ہوش اور ٹائیگر کے قابو میں دیکھ کر چوپٹ پڑ گیا اور انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ ٹائیگر کا حکم سنتے ہی سب سر پر پیر رکھ کر مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے۔ وہ سخت ہراساں اور سراسیمہ تھے کہ کہیں انہیں بھاگتے ہوئے ٹائیگر ان کو نشانہ نہ بنا دے۔ ٹائیگر نے اس خبیث کو پانی میں چھوڑ دیا۔ پھر ٹائیگر تیزی سے دینا رامانی کی لانچ کی طرف تیرنے لگا۔ پھر وہ لانچ مڑ کر تیزی سے اس کی طرف آنے لگی۔

چند لمحوں کے بعد لانچ قریب آ کر رکی۔ دینا رامانی اس کے استقبال کے لئے موجود تھی۔ اس نے کپڑے پہن لئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد لانچ میں موجود بیڈ روم میں تھا۔ اس کے جسم اور ہونٹوں کے لمس نے اس کے لئے مرہم کا کام کیا۔ لانچ کے اندر وہ رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ ''میں نے دوربین سے دیکھ لیا تھا کہ وہ غنڈہ بدمعاش تمہاری کیسی درگت بنا رہا ہے۔ میرے پاس پستول ہوتا تو میں تمہاری مدد کو پہنچ جاتی۔'' وہ دونوں جیسے سرگوشیوں میں کھو سے گئے...... ''تم نے مجھے ایک نئی زندگی ہے...... میں اس کا احسان ساری زندگی اتار نہیں سکتا......'' ٹائیگر بولا۔

''ماضی میں جو تم نے مجھ پر احسان کیا تھا اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی تو نہیں ہے۔'' وہ اس کے بالوں کو سہلاتی ہوئی بولی۔

ٹائیگر جب ممبئی آیا تھا اس وقت دینا رامانی تین برس پہلے ایک نائٹ کلب میں رقاصہ تھی۔ ان دنوں ممبئی میں دو ایک فلم پروڈکشن تھے جو ممنوعہ اور اخلاق سوز فلمیں بنا کر خلیج اور …سری ریاستوں کی ویڈیو کیسٹ کی شکل میں بیچتے تھے۔ ان فلموں میں کام کرنے کے لئے …یوں اور شادی شدہ عورتوں کی بھی کمی نہ تھی۔ کیوں کہ یہ فلم پروڈکشن منہ مانگی رقم دیتے

تھے۔ چودہ برس سے سولہ برس کی لڑکیوں کی مانگ تھی اور جواں سال شادی شدہ عورتوں کی...... اتفاق سے ان دنوں ایک ہندوستانی حسینہ مس ورلڈ منتخب کی گئی تھی۔ دینا کی اس حسینہ سے اتنی گہری مشابہت تھی کہ وہ دونوں جڑواں بہنیں معلوم ہوتی تھیں۔ ان دونوں میں بال برابر بھی فرق نہ تھا...... ایک جیسے خدوخال...... جسامت اور قامت اور چہرہ...... ایک فلم پروڈکشن نے غیر ممنوعہ فلم میں کام کرنے کے لئے پانچ لاکھ کی خطیر رقم کی پیشکش کی تاکہ ایسی بے ہودہ اور لغو فلم بنا کر ایکس پورٹ کردیں۔ وہ لاکھوں کیا کروڑوں کما لیتے اور وہ اس اداکارہ کو بلیک میل بھی کرنا چاہتے تھے...... دینا رامانی نے اس پیشکش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ وہ کوئی طوائف نہیں ہے۔ جب اس اداکارہ نے ایک تقریب میں دینا کو دیکھا تو ششدر رہ گئی تھی...... دینا کو فلم سازوں نے بھی فلموں کے لئے پیشکش کی تھی۔ لیکن اس نے صاف انکار کردیا تھا۔ اس پروڈکشن نے پہلے تو اسے سمجھایا کہ لاکھوں کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے...... اتفاق کی بات ہے کہ ٹائیگر اس کا شو دیکھ کر نکل رہا تھا کہ اسے گن پوائنٹ پر چھ مسلح غنڈوں نے اغوا کر کے گاڑی میں ڈال لیا۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔ ایک خالی ٹیکسی کو ان کا تعاقب کرنے کے لئے بولا۔ اس نے بتایا کہ یہ کالا اژدہا گروہ کے لوگ ہیں۔ پھر ٹائیگر نے اسے ایک ہزار کی رقم دی اور ٹیکسی لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔

پالی ہل کے مضافات میں ایک کوٹھی میں اس پروڈکشن کا دفتر اور اسٹوڈیو تھا۔ آج کل اور ماضی میں بھی یہ ہوتا تھا کہ کسی لڑکی کو بلیک میل کرنے کے لئے اس کی ویڈیو فلم یا نامناسب تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ وہ ایک خواب گاہ میں دس مردوں کے درمیان تھی...... ان غنڈوں کے ہاتھوں میں چاقو، پستول اور ڈنڈے بھی تھے۔ ایک بدمعاش کے ہاتھ میں تیزاب کی بوتل تھی۔ فلم ساز اسے سمجھا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ دھمکیاں بھی دے رہا تھا اس کی بات مان لو...... فلم ساز اس سے کہہ رہا تھا کہ تم یہاں سے فرار نہیں ہوسکتی ہو...... میں تمہیں یہاں تین دن تک قید اور بھوکا رکھوں گا...... بھوک دماغ درست کردیتی ہے...... نہ ماننے کی صورت میں جبر و زیادتی سے تمہیں بے لباس کردیا جائے...... اگر تم نے تعاون نہیں کیا اور ہماری مرضی کے شاٹ فلمانے نہیں دیا تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ تمہارے چہرے اور جسم کو تیزاب سے نہلا دیا جائے گا...... دینا نے صاف انکار کردیا تو اسے ایک ایسے کمرے میں قید کردیا گیا جہاں سے اس کی چیخ و پکار سنائی نہیں دی جاسکتی تھی...... ایک بدمعاش کو جس

کے ہاتھ میں تیزاب کی بوتل تھی، کمرے کے باہر پہرے پر بٹھا دیا۔ حالاں کہ پہرے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیوں کہ کمرے کے باہر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔

تمام بدمعاش اور فلم ساز اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ جو غنڈہ پہرا دے رہا تھا کرسی پر بیٹھ کر مے نوشی کرنے لگا۔ ٹائیگر چھت سے ایک روشن دان سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب گہرا سکوت طاری ہوگیا تو وہ نیچے آیا۔ بدمعاش اونگھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے شراب کی بوتل سے اس کی کھوپڑی بجا کر بے ہوش کردیا۔ پھر وہ اندر گیا۔ دینا اسے بدمعاش کا ساتھی سمجھی۔ وہ بڑی پراعتماد تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹائیگر کے ساتھ ٹیکسی میں جا رہی تھی۔ ٹائیگر کو امید نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے وہ اسے نکال لے جائےگا۔ ٹائیگر نے اس سے راستے میں دریافت کیا کہ اس نے اتنی بڑی پیشکش کیوں ٹھکرا دی...... اس نے بڑی سچائی سے بتایا کہ وہ کوئی باکردار نہیں ہے۔ راتیں کالی کرتی ہے۔ اس نے اس لئے انکار کردیا کہ وہ اداکارہ کی بڑی عزت کرتی ہے۔ ان کے درمیان پیار اور بہنوں کا سا سمبندھ ہوگیا ہے۔ وہ اس کی زندگی اور مستقبل کسی قیمت پر تباہ نہیں کرنا چاہتی ہے۔ جب ٹائیگر نے اسے فلیٹ پر پہنچایا تو وہ بولی کہ نجات دلانے کے عوض اس کا جو بھی مطالبہ ہو وہ اسے بہ خوشی پورا کرنے کے لئے تیار ہے۔ رقم یا اس کے حصول کی خواہش...... ٹائیگر نے جواب دیا کہ دونوں میں سے کوئی سا بھی نہیں...... وہ اس کے رقص کا دیوانہ اور پرستار ہے۔ وہ کچھ دیر تک اس کا رقص دیکھنا چاہتا ہے...... پھر دینا نے اس کی فرمائش پر کلاسیکل رقص پیش کیا۔ دینا نے اسے صبح بڑی محبت و خلوص اور جذبے سے ایک بوسہ لے کر رخصت کیا۔ وہ دونوں ساری رات باتیں کرتے رہے۔ ایک اچھے دوست بن گئے تھے۔ دینا نے اس لئے ٹائیگر کی قدر کی تھی وہ بے غرض اور بے لوث شخص تھا۔ ٹائیگر ان تین برسوں کے درمیان میں ممبئی آیا تو اس کی ملاقات دینا رامانی سے اس لئے نہ ہوسکی تھی کہ وہ امریکہ میں تھی۔ لانچ ساٹھ برس کا ایک صحت مند شخص چلا رہا تھا۔ وہ نیلی وردی میں ملبوس تھا۔ وہ ان سے لاتعلق سا رہا۔ اس نے کاک پٹ سے ایک بار بھی اندر نہیں جھانکا۔

”تمہیں یہ تدبیر کیسے سوجھی......؟“ ٹائیگر نے اس کی مخمور آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے بھی ایسا لگ رہا ہے کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔“

اس کے رسیلے ہونٹوں پر تبسم رقصاں تھی۔ اس کے بال بے ترتیبی سے چہرے اور شانے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر ایسا دل فریب نکھار تھا کہ ٹائیگر نے سوچا

کہ اسے ہونٹوں پر جذب کر لے۔ لیکن اندیشہ تھا کہ بات بڑھ نہ جائے۔ کیوں کہ دینارامانی کی آنکھوں میں سے خود سپردگی جھانک رہی تھی۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس پر نچھاور ہونا چاہتی ہے۔ اس کی زندگی بچ جانے پر اس قدر اور ایسی مسرور تھی جیسے اس کی جان بچ گئی ہو۔ وہ رسیلی آواز میں بتانے لگی۔

''جس وقت تم موٹر بوٹ پر روانہ ہوئے اس وقت میں ڈاک پر موجود تھی۔ تم میری نظروں سے اوجھل ہوئے تھے کہ اسی وقت چھ غنڈے قسم کے لوگ ڈاک پر آئے...... تم نے جو کچھ بتایا تھا...... اس سے اور ان کے اشاروں کنایوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ کر لیا کہ معاملہ کچھ گھمبیر ہے۔ میں نے ہر قیمت پر تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ جم کی لانچ ہے۔ میرے اس سے دیرینہ مراسم ہیں۔ پھر میں نکل پڑی...... میں سوچنے لگی کہ تمہاری کس طرح مدد کی جا سکتی ہے۔ میں نے اس جزیرے پر تین کشتیاں دیکھیں تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے دوربین سے دیکھا تو تم مجھے غنڈوں کے نرغے میں دکھائی دیئے...... میں نے جان لیا کہ تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ مجھے فوراً ہی اسکائنگ کا خیال آیا۔ اس کا لباس میرے پاس نہیں تھا۔ میں ملبوس لباس میں اسکائنگ کرتی تو وہ شک میں مبتلا ہو جاتے...... پھر میں نے لباس سے آزاد ہو کر اسکائنگ کی تاکہ وہ مجھے بے لباس دیکھ کر متوجہ ہو جائیں گے۔ اس طرح میری تدبیر کامیاب رہی...... کیا تمہیں وہ دستاویز مل گئی......؟''

''نہیں...... ابھی وہ میری ملکیت نہیں ہے۔'' اس نے دوستانہ انداز سے دینارامانی کا گال تھپتھپایا۔

اس لمحے ایک خیال ٹائیگر کے ذہن میں بجلی کی طرح آیا کہ اس کے یہاں سے جانے کے بعد وہ بدمعاش پھر سے دستاویز کی تلاش شروع کر دیں گے۔ شاید وہ سیاہ بکس تلاش کرنے میں کامیاب بھی ہو جائیں۔ اسے پہلی فرصت میں انہیں جزیرے سے بھگا دینا چاہئے۔ اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی تو اس نے دینارامانی کو بتائی۔ پھر ان کی لانچ ان جزیروں کی طرف رخ کر رہی تھی۔ اب غنڈوں سے سامنا ہونے کا خوف واندیشہ نہیں رہا تھا۔ اور پھر یہ لانچ نہ صرف جدید ترین بلکہ انتہائی تیز رفتار بھی تھی۔ ان کی موٹر بوٹیں اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتی تھیں۔ سب سے پہلے اسے ان بدمعاشوں کے سرغنہ کو پانی سے نکالنا تھا جسے وہ پانی میں چھوڑ آیا تھا۔

اب اس لانچ کا رخ بڑے جزیرے کی طرف نہیں تھا جس پر بدمعاش موجود تھے۔ اس جزیرے کی طرف رواں دواں تھی جو اس بڑے جزیرے سے تین سو گز کے فاصلے پر واقع تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی لانچ اس جزیرے کے گرد چکر کاٹنے لگی۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ جزیرے پر موجود بدمعاش ان کی نقل وحرکت کا جائزہ لے رہے ہیں...... ٹائیگر کو ان تمام باتوں کا خیال اس لئے بھی آیا تھا کہ ایک تو ان کے پاس دوربین تھی...... دوسرا یہ کہ ان کی لانچ دور سے دکھائی دیتی تھی۔ جب پورا ایک چکر لگ گیا تب اس نے لانچ جزیرے پر رکوائی۔

لانچ کے رکتے ہی ٹائیگر نے خشکی پر چھلانگ لگائی۔ پھر تیزی سے اندر کی طرف لپکا۔ دراصل اس نے انہیں فریب دینے کے لئے یہ چال چلی تھی کہ دستاویزات اس جزیرے پر ہیں اور وہ انہیں لینے جا رہا ہے تاکہ وہ اس جزیرے پر اس کی تلاش ترک کر دیں۔ پھر ناامید ہو کر چلے جائیں پھر میں کسی مناسب وقت پر جا کر ان دستاویزات کو وہاں سے نکال لاؤں۔''

تھوڑی دیر کے بعد جب لانچ واپس جانے لگی تو دینارامانی نے دریافت کیا۔

''کیا بدمعاش دھوکا کھا گئے ہوں گے......؟''

''ہاں......'' ٹائیگر نے سر ہلا کر جواب دیا۔ ''اس کے علاوہ کف افسوس بھی مل رہے ہوں گے۔''

ڈاک پر پہنچ کر لانچ کو رخصت کرنے کے بعد دینارامانی نے پوچھا۔ ''اب ہم کہاں جائیں گے ٹائیگر؟''

''کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گی......؟'' ٹائیگر نے اس کی بات کی تہہ میں پہنچ کر حیرت سے پوچھا۔

''ہاں...... میری جان! میں تمہارے ساتھ چلوں گی...... میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔'' اس نے میٹھے لہجے میں جواب دیا۔

''اگر ایسی بات ہے تو ہم ہوٹل کرناٹک چلیں گے۔ کیوں کہ ممبئی شہر میں اس سے زیادہ محفوظ مقام کوئی اور نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

دینارامانی کی گاڑی چوں کہ دوسرے ڈاک پر تھی اس لئے انہوں نے ٹیکسی کر لی۔ وہ

ہوٹل اشوکا سے سوقدم پہلے اتر گئے چلتے چلتے کوئی چھ سات دکانوں میں داخل ہوئے۔ ٹائیگر کوفوری طور پر کچھ اشیاء کی سخت ضرورت تھی۔ اس نے انہیں خریدنے کے بجائے انہیں چرایا...... کیوں کہ ان اشیاء کوخریدنے میں خطرے کا اندیشہ تھا اور وہ دینا کوخرید کر کر دینے کے لئے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

ٹائیگر کوایک سیاہ نقلی بکس تیار کرنا تھا۔ جوایوا کے بکس سے ملتا جلتا ہو۔ اس طرح کا ایک بکس کباڑیے کی دکان سے مل گیا۔ اس کا مالک بہت بوڑھا تھا اور اس کی بینائی بھی بہت کمزورتھی۔ دینا نے اسے باتوں میں لگا رکھا تھا۔ اور ٹائیگر نے اسے چرالیا پھر دوسری دکانوں سے سیلنگ لاکھ موم اور کچھ کاغذات حاصل کرنے کے بعد ہوٹل کی طرف چل دیئے۔

ہوٹل پہنچ کر ٹائیگر نے کمرانمبر دس کی چابی لی اور وہ کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں ایک شخص ریوالور تھامے ان کا منتظر تھا۔ دینا رامانی ٹائیگر سے چمٹ گئی۔ پھر ٹائیگر نے دروازہ بند کرنے کے بعد پوچھا۔

''کیا تم جان پی ٹنڈولکر ہو......؟''

اس نے اثبات میں سرہلایا تو ٹائیگر نے پوچھا۔ ''الیکشن میں کون کامیاب ہوگا؟''

''کانگریس......'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ جوجو کا آدمی تھا۔ اس نے جو چیزیں منگوائی تھیں وہ پہنچانے کے لئے آیا تھا۔

''تم نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا مجھے تم سے اس انداز سے ملنے کی امید نہیں تھی۔'' ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کی مطلوبہ اشیاء اس بریف کیس میں موجود ہیں۔ اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے بریف کیس کی طرف اشارہ کیا جو میز پر رکھا ہوا تھا...... ''ایسی کوئی بات نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ بریف کیس پہنچانے کا بہت بہت شکریہ۔''

''اس میں شکریہ کی کیا بات ہے...... مجھے اس کام کے لئے معقول معاوضہ ادا کیا گیا ہے۔'' وہ زیرلب مسکرادیا۔

جب وہ جانے کے لئے اٹھا تو ٹائیگر نے اس سے اس کا ریوالور مانگا تو بغیر کسی چوں چرا کے دے دیا تھا۔ اس کے رخصت ہونے کے بعد دینا نے پوچھا۔

''ٹائیگر...... آخر یہ سب کیا ہے......؟''

''میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا...... اس لئے کہ تم نے میرے لئے جوایثار و قربانی دی، میں اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔'' ٹائیگر نے کہا۔ پھر اس نے بریف کیس کھولا۔ اس میں جو مختلف چیزیں موجود تھیں۔ نکال کر میز پر رکھنے لگا۔ ٹیپ ایل...... فوٹو اسٹیٹ فوٹو...... دیگر دستاویزات جو ایک طرح سے جعلی تھیں لیکن دیکھنے میں وہ بالکل اصلی دکھائی دیتی تھیں۔ اس کے لئے غارت گری ہورہی تھی۔ اس نے دینا رامانی سے کہا۔

''اصلی دستاویزات تو جزیرے پر موجود ہیں...... یہ جعلی دستاویزات تورالائی کو چکمہ دینے کے لئے ہے۔''

پھر اس نے ان تمام چیزوں کو بستر پر پھیلا دیا...... پھر ایوا کی انگلی سے اتاری ہوئی انگوٹھی جس پر ETC کا حرف کندہ تھا وہ...... اور سربمہر کرنے والی لاکھ، ماچس اور دیگر چیزیں...... ان کا بہ غور جائزہ لینے کے بعد اس چوری کیئے ہوئے سیاہ بکس میں رکھا۔ پھر اسے مقفل کرکے لاک سے سربمہر کردیا۔ اس نے لاکھ پر انگوٹھی سے مہر لگانے کے بعد اسے جیب میں رکھ لیا۔

دینا رامانی حیرانی اور تجسس سے ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس سے کہا۔

''تھوڑی دیر کے لئے تم یہ فرض کرلو کہ یہ جزیرہ سے لایا ہوا سیاہ بکس ہے۔''

''تم یہ بکس کہاں سے لائے تھے......؟ وہ تو کچھ جھاڑیاں تھیں جن پر تم نے کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔ دینا رامانی نے حیرت سے کہا۔

''میں نے تمہیں بتایا نا کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے یہ ڈراما رچایا تھا۔'' ٹائیگر نے اس کی حیرانی دور کرتے ہوئے کہا۔

''ٹائیگر نے تورالائی کے لئے ایک جال بچھایا تھا...... اسے یہ اطلاع ملنے والی تھی کہ وہ جزیرے سے دستاویزات لے جانے میں کامیاب ہوگیا ہے...... اب اس کا ردعمل یہ ہوسکتا تھا کہ پیشہ ور قاتلوں کو اس کی بیخ کنی کا حکم صادر کردے۔ ان جعلی دستاویزات کو پانے کے بعد وہ خواب میں بھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ اصلی دستاویزات ٹائیگر کے پاس ہوں گی۔ پھر اس کے لئے میدان صاف ہوجاتا۔ پھر وہ کسی روک ٹوک کے بغیر امریکہ جاسکتا تھا۔ اس کا ویزا صرف ایک گھنٹہ میں بن سکتا تھا۔ لیکن امریکہ جانے کی اس کی ایسی کوئی خواہش

نہیں۔ نہ نئی نسل کے جیسا اس میں پاگل پن تھا۔ تب کسی بھی فرشتے کے علم میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ اصل دستاویزات ساتھ لے جا رہا ہے۔ یہ اہم دستاویزات وہ لے جانے کے بجائے کسی اور ذریعہ سے بھی پہنچا سکتا تھا۔ بالفرض محال ان دستاویزات کا تورالائی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا تو موردالزام سری ناتھ ٹھہرے گا کہ اس نے دھوکا کھایا۔ ایوا نے سری ناتھ سے حاصل کیا...... وہ تمام دستاویزات ٹائیگر تک پہنچ چکی تھیں۔

اس نم آلود کمرے میں یہ جعلی بلیک میل دستاویزات اس وقت ٹائیگر کے لئے ایک اثاثے سے کم نہیں تھیں اور پھر وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کھیل کا جتنا جلد ڈراپ سین ہو جائے اتنا ہی اس کے لئے بہتر ہوگا۔ اس نے جو منصوبہ بنایا ہوا تھا اس کے لئے جوکر جیسے بدمعاش کی ضرورت تھی۔ جوکر نے نہ صرف اس کا ریوالور قبضے میں کر لیا تھا بلکہ اسے سمندر میں پھینک کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ ٹائیگر کو اس سے حساب بے باک کرنا تھا۔ اس نے نہ جانے کتنے بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہوئے تھے۔

وہ پہلی فرصت میں جوکر کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دینا رامانی کو سمجھایا کہ ہم دونوں کو عارضی جدائی کی فوری ضرورت ہے۔ کیوں کہ ایک گھنٹے کے بعد یہ کمرا ہنگامے کا مرکز بن جائے گا۔ پھر وہ اس سے ملے گا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ اس نے سیاہ بکس کو سربمہر کیوں کر دیا......؟ ٹائیگر نے اسے سمجھایا کہ سربمہر ہونے سے تورالائی یہ سمجھے گا کہ وہ یہ بکس ہے جو ایوا نے سری ناتھ سے حاصل کیا۔ اس کی انگوٹھی کی مہر اس بات کی تصدیق کر دے گی کہ یہ اصلی دستاویزات ہیں۔

پھر اسے یک لخت خیال آیا کہ ایوا کو بے رحمی اور سفاکی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ اب وہ اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں گے۔ جب وہ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی نہیں دیکھیں گے تو انہیں شک ہو جائے گا کہ اس کی موت کے بعد انگوٹھی اتار لی گئی ہے۔ پھر بنا بنایا سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ دینا جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی کھڑا ہو گیا تاکہ دینا کو رخصت کر دے۔

دینا نہ صرف اپنی خوشبو چھوڑ کر چلی گئی تھی بلکہ اس کے ہونٹوں کو اپنی لبوں کی مٹھاس سے میٹھا کر کے چلی گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی ہوٹل سے نکلا تو اس کے ذہن پر دینا کا جادو چھایا ہوا تھا......

ٹائیگر کے لئے بڑی آزمائش اور امتحان تھا کہ اس سے وہ جتنا دور ہونا چاہتا تھا وہ اتنا ہی قریب آنا چاہتی تھی۔ جب کہ اب تک وہ غلاظت کے دلدل میں گرا نہیں تھا۔ آخر وہ کب تک اپنا دامن آگ سے بچاتا رہے گا...... آخر وہ ایک مرد ہے...... مٹی کا تودہ نہیں...... دوسری طرف سروجا بھی تھی۔ وہ تڑپ رہی تھی۔ آخر کار اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جتنا جلد یہ مشن ختم ہو سکے اتنا ہی اچھا ہوگا۔ ان دونوں سے نجات پا لے گا۔ یہی ایک صورت رہ جاتی ہے۔

ٹائیگر کی یہ کوشش تھی کہ جتنا جلد ہو سکے کاٹیج پہنچ کر ایوا کے ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دے جیسے یہ شادی کی انگوٹھی ہو...... وہ جلد ہی وہاں پہنچ گیا اور اپنی گاڑی میں اس کے کاٹیج سے دور ہی کھڑی کی۔ اس وقت رات کا اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایوا کے کاٹیج کی طرف دبے پاؤں اور بڑے محتاط انداز سے بڑھا تھا۔ دشمن کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ اس لئے وہ یہاں ایک فیئٹ گاڑی چرا کر پہنچا تھا۔ کیوں کہ ٹیکسی میں آنے سے اس کا ڈرائیور بدمعاشوں کے لئے گواہ بن جاتا۔ اسے ان بدمعاشوں کا خیال بھی آ رہا تھا جو جزیرے پر رہ گئے تھے۔ وہ وہاں سے واپس آئے یا نہیں اس کی کوئی اطلاع نہیں تھی اور پھر اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ ایوا کی لاش کاٹیج میں موجود ہے یا اسے ٹھکانے لگایا جا چکا ہے۔

اس نے کاٹیج میں پہنچ کر یہ اطمینان کیا کہ وہاں کوئی بدمعاش ہے یا نہیں...... ویسے اسے اس کا امکان نظر نہیں آیا۔ پھر بھی وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ جب اس نے بیرونی دروازہ کھولا تو گوشت جلنے کی کراہیت انگیز بو نے اس کا استقبال کیا۔ کمرا بند ہونے کی وجہ سے اس بو کی تیزی ابھی تک برقرار تھی۔ اسے بڑے زور کی ابکائی آئی۔ وہ اس کمرے کی طرف تیزی سے بڑھ گیا جس میں ایوا کی لاش تھی۔ چوں کہ اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں اس لئے اسے ایوا کی لاش نظر آ گئی تھی۔ وہ موجود تھی۔ اسے اب تک لے جایا نہیں گیا تھا۔ پھر اس نے جلدی سے انگوٹھی والے ہاتھ کی اس انگلی میں جس میں سے انگوٹھی اتاری گئی تھی۔ انگوٹھی پہنا دی۔

وہ کمرے سے باہر نکلنے والا ہی تھا کہ چاپیں سنیں۔ جو باہر کے دروازے سے اسے سنائی دے رہی تھیں۔ اب اس کے لئے پلنگ کے نیچے چھپنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

اسے حیرت اس بات کی تھی کہ یہ لوگ کیسے وارد ہوئے......؟ کیوں کہ نہ تو ان کی گاڑی کی آواز سنائی دی تھی اور نہ ہی روشنی نظر آئی تھی۔ یہ جناتوں کی طرح آدھمکے تھے...... وہ ایوا کو بری طرح کوس رہے تھے جس کی وجہ سے انہیں تاوقت ایک ناگوار ڈیوٹی انجام دینا پڑ رہی تھی۔ یہ ڈیوٹی ان کے سپرد اس لئے کی گئی تھی کہ جگ دیپ کے جرم پر پردہ ڈالا جاسکے۔

ایک آواز گہرے سکون میں گونجی۔ ''جلدی سے روشنی کرو...... نجانے کیوں مجھے ہول آرہا ہے۔''

ٹائیگر نے دل میں سوچا کہ...... آخر یہ بھی انسان ہیں۔ انہوں نے دولت کے لالچ میں اپنے ضمیر کو مردہ کرلیا ہے...... ظاہر تھا کہ اس بو سے متاثر ہونا ایک فطری امر تھا۔

دوسرے لمحے روشنی ہوگئی۔ اسے صرف چار پاؤں دکھائی دیئے۔ شاید ان کے ساتھی باہر موجود ہوں۔ وہ کمرے میں آکر ایوا کی لاش کو بستر کی چادر میں لپیٹ کر باہر لے گئے۔ اس نے پلنگ کے نیچے سے نکلنے میں عجلت نہیں دکھائی۔ کوئی چار پانچ منٹ کے بعد اس نے موٹر کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو وہ باہر نکل آیا۔ پھر کاٹیج سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے گاڑی کو اس کاٹیج کی طرف لے گیا جو اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس میں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ لہٰذا اگر اس میں کوئی ہو بھی تو اس پر شک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ یہ گاڑی اس کاٹیج والے کی ہے۔

اب وہ بڑی تیزی سے جوکر سے دو ہاتھ کرنے جارہا تھا۔ سرجا سے معلوم ہوچکا تھا کہ وہ ایشیا ہوٹل میں مقیم ہے۔ وہ خیریت وعافیت سے ایشیا ہوٹل پہنچ گیا۔ اس نے گاڑی کو خاصی دور اندھیرے میں کھڑا کردیا تھا۔ پھر پیدل اس ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے سینے میں جوکر سے انتقام لینے کی جو حسرت تھی وہ اس وقت آگ کی صورت میں اس کے سینے میں بھڑک رہی تھی۔ اب وقت آگیا تھا کہ اس سے حساب بے باق کرکے اس سرزمین کو اس کے وجود سے پاک کردے جو بوجھ بنا ہوا ہے...... اور جس نے اپنی خون آشامی سے نجانے کتنے بے گناہ انسانوں کو موت کی نیند سلادیا۔ تورالائی جیسے ظالموں اور وحشیوں سے مل کر خون کی ہولی کھیل رہا تھا...... زندگی اور موت...... جو خدا کے ہاتھ میں ہے...... قانون کو سزا دینا کا حق ہے۔ ایسے درندے قانون کے ہتھے نہیں چڑھتے تھے۔ ان کے لئے اس جیسے لوگوں کا فرشتہ اجل بننا کارخواب تھا۔

اس نے ایک ویٹر کی مٹھی گرم کرکے جوکر کے بارے میں معلوم کرلیا تھا۔ وہ اس وقت کہیں جانے کے لئے تیار ہورہا تھا۔ اور اپنے کمرے میں موجود تھا۔ اس نے جوکر کے کمرے کے دروازے پر دستک دینے سے پہلے ریلوار کو مضبوطی سے پکڑلیا۔ دستک دینے پر دروازہ کھلا۔ اسے دیکھ کر وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ اس نے اس کے ماتھے پر ریوالور کے میٹ سے ضرب لگا کر اس کے پیٹ پر لات رسید کی تو وہ کمرے کے وسط میں جاگرا۔ اس نے فوراً ہی کمرے میں گھس کر دروازہ بند کیا۔ اس کے ماتھے پر ایک گومڑا ابھر آیا تھا۔

جب وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا ہوا تو ٹائیگر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''دیوار کی طرف گھوم جاؤ۔''

''خبیث کی اولاد...... میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔'' ٹائیگر نے دہاڑتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف گھومنے لگا۔ لیکن کن اکھیوں سے وہ اس کی حرکات و سکنات دیکھے جارہا تھا۔ جب ٹائیگر نے ریوالور والا ہاتھ اوپر اٹھایا تب اس نے برق سرعت سے ٹائیگر کے حملے سے بچنے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔ اس کے برسٹ نے جوکر کی کھوپڑی بجادی۔ وہ بے حال ہوکر فرش پر اس کے قدموں میں گرنے لگا تاکہ اس کی ٹانگیں پکڑ کر گرادے۔ مگر ٹائیگر بھی اس کا باپ نکلا۔ وہ فوراً ہی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کی یہ کوشش اس کا منہ چڑانے لگی۔ پھر وہ فرش پر آرہا۔

اس جیسے سخت جان کو بے ہوش کرنے کے لئے ایک ضرب ناکافی تھی۔ ٹائیگر نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے جوکر کی کھوپڑی کی پشت پر ریوالور کے بٹ سے ایک اور ضرب لگادی۔ اب وہ پوری طرح بے ہوش ہوکر فرش پر بکھر چکا تھا۔ پھر اس نے تیزی سے کمرے کی تلاشی لینا شروع کردی۔ اس کی میز کی دراز میں ٹائیگر کا محبوب اور دیرینہ ساتھی ریوالور رکھا ہوا تھا۔ اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ ٹائیگر کو اسے دوبارہ پاکر اتنی خوشی ہوئی جیسے کسی بچھڑے دوست کو پاکر ہوتی ہے۔

وہ چوں کہ سخت جان تھا۔ حرام کھا کھا کر سور ہورہا تھا اس لئے جلد ہی ہوش میں آگیا۔ اس نے ٹائیگر کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر پوچھا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں تمہارے سر کی درگت بنانا چاہتا ہوں کیوں کہ تم نے کلب میں میرے ساتھ جو

حرکت کی تھی اس کی سزا موت ہے۔ میں بدلہ لینا خوب جانتا ہوں۔ میں اپنے دشمن کو معاف کرنے اور رعایت دینے کا ذرہ برابر بھی قائل نہیں ہوں...... اور پھر درندہ صفت غنڈے بدمعاش کو......'' ٹائیگر نے اتنا کہہ کر اس کی کھوپڑی پھر بجادی۔ وہ پھر بے ہوش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آیا تو ٹائیگر نے اس سے کہا۔

''میں تم پر صرف ایک صورت میں رحم کھا سکتا ہوں کہ تم میرے پارٹنر بن جاؤ اور میرے ساتھ ہر اس جگہ چلو گے جہاں میں لے جاؤں...... تمہیں مالی فائدہ بھی بہت ہوگا۔ انکار کی صورت میں تمہاری لاش اس کمرے میں خون میں لت پت سڑتی رہے گی......''

اتفاق سے ٹائیگر کی ایک جیب میں سائی لینسر بھی تھا جو اس نے نکال کر ریوالور میں نصب کرلیا۔ پھر اس سے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم بہت چالاک، عیار، مکار اور ذلیل...... حرام کی اولاد...... تم کسی بدچلن اور فاحشہ کی اولاد ہو...... تم دیکھ رہے ہو میرے پاس سائی لینسر لگا ریوالور ہے۔ تم نے راستے میں یا ہوٹل سے نکلتے وقت کوئی گڑبڑ کی۔ چالاکی اور بہادری دکھانے کی کوشش کی۔ حرامی پن کیا تو میں تمہیں بغیر کسی تامل کے شوٹ کردوں گا۔ شرافت سے چلو گے تو لاکھوں کے فائدے میں رہو گے...... اب تم میرے ففٹی ففٹی کے پارٹنر ہو گے۔ میری بات کا یقین کرو۔''

ٹائیگر نے نہ صرف اس کی عقل اور حواس ٹھکانے لگا دیئے تھے بلکہ مزاج بھی ایسے درست کئے تھے کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا تھا...... اور وہ زخمی بھی ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے ٹائیگر کے حکم کی تعمیل کی۔ سدھائے ہوئے بیل کی طرح بڑی شرافت سے اس کی گاڑی تک چلا آیا جس کی ٹائیگر کو ایک فیصد امید بھی نہ تھی۔ بہرحال وہ چوکنا تھا۔ کیوں کہ یہ بدمعاش آستین مار ہوتے ہیں۔ گاڑی کی پچھلی نشست پر بٹھایا۔ وہ جیسے ہی بیٹھا پھر اس کے سر پر ضرب لگا کر اسے پھر بے ہوش کر دیا۔ ٹائیگر کو اس کی کھوپڑی کا اندازہ تھا۔ وہ بڑی سخت تھی۔ مسلسل ضربوں سے وہ مرا تو نہیں تھا۔ اور نہ اس کی کھوپڑی منقسم ہوئی تھی۔ صرف بے ہوش ہوتا رہا تھا۔

وہ اسے لے کر ہوٹل کے عقبی حصے میں پہنچا تو جوکر اس وقت بھی بے ہوش تھا۔ اس نے

جوکر کو بے ہوشی کی حالت میں گاڑی سے نکال کر کندھے پر ڈالا اور ایک ایسے راستے سے اوپر لے گیا جو سامان اور ملازموں کی آمد و رفت کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے کمرے کی کھڑکی اسے کھلی سی دکھائی دی تو اس نے کھڑکی سے جوکر کو کمرے میں فرش پر گرادیا۔ اس کام کے لئے اسے پرواز ورصرف کرنا پڑا تھا۔ جوکر کسی بھینسے سے بھی بھاری تھا۔ چوں کہ زندگی اور موت کا سوال تھا اس لئے وہ ہر قسم کی تکلیف اور مشقت کو سہہ رہا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد اس نے ٹائیگر سے کہا کہ کاٹیج کے باہر تم سے لڑائی کے بعد تورالائی کو فون کر کے تمہاری نقل و حرکت کے بارے میں بتایا تو تورالائی نے اسے نہ [illegible] اپنی حفاظت کے لئے اپنے چھ غنڈوں کو گل آئی لینڈ کے جزیرے پر بھیجا تھا اس کا خیال تھا کہ تم ایک عام قسم کے جاسوس ہو۔ جگ دیپ تم سے آسانی سے نمٹ لے گا۔

☆......☆......☆

اس نے جوکر سے رابطہ کر کے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا۔ جوکر چوں کہ لاعلم تھا اس لئے اس نے بتا دیا کہ اسے کچھ نہیں معلوم ہے۔ تورالائی نے اسے آخری ہدایت یہ دی تھی کہ وہ ایک گھنٹے تک واپس نہیں لوٹے تو وہ خود جا کر ان کے بارے میں معلوم کرے۔ تورالائی کے نزدیک یہ معاملہ سنگین ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے جوکر سے تورالائی کو فون اس لئے کرایا تھا، وہ جان لے کہ کاغذات بلیک ٹائیگر کے پاس ہیں تاکہ اپنے آدمیوں کو جزیرے سے واپس بلالے...... اور پھر کاغذات انہیں ٹائیگر سے چھیننے کے لئے روانہ کر دے گا۔ اس طرح اصل دستاویزات ان کے ہاتھ لگنے سے محفوظ رہیں گے اسے یہ خوف دامن گیر تھا کہ ان کی تلاش سے اتفاقیہ اصل دستاویزات ہاتھ نہ لگ جائیں۔

پھر اس نے ایک گھنٹے کے بعد جوکر سے کہا کہ وہ تورالائی سے فون کر کے کہے کہ اس کا ٹکراؤ ساحل پر ٹائیگر سے ہو گیا تھا۔ اس کے ہمراہ ایک حسین لڑکی تھی۔ دستاویزات بھی تھیں، اس نے ٹائیگر سے دستاویزات گن پوائنٹ پر چھین لی ہیں۔ اگر وہ دستاویزات اس سے حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایک لاکھ امریکی ڈالر دے دے۔ ڈالر کے علاوہ کوئی کرنسی قابل قبول نہ ہوگی۔ ٹائیگر نے اسے بتانے سے منع کیا کہ وہ کہاں سے بول رہا ہے۔

ٹائیگر کا خیال تھا کہ وہ اپنے زرخرید غلام سے یہ باتیں سن کر چراغ پا ہو گیا کہ ہماری بلی ہم سے میاؤں...... تورالائی نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد اسے جواب دیا کہ چوں کہ وہ اس وقت مصروف ہے لہٰذا سوچ کر جواب دے گا۔ جوکر نے اس سے کہا کہ وہ صرف ایک گھنٹے کی مہلت دے رہا ہے۔ لہٰذا وہ اس وقت تک فیصلہ کر کے رکھے۔

جوکر یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ ٹائیگر اس کے ساتھ یہ ڈرامہ کیوں کھیل رہا ہے۔ ویسے وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ ٹائیگر...... تورالائی سے مذاق کر کے اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا باس حکم دینا جانتا ہے۔ حکم سننا نہیں...... جوکر میں اتنی عقل کہاں تھی کہ ٹائیگر کی چالاکی کو سمجھ سکے اور اس کے منصوبے کی تہہ میں پہنچ سکے اگر اس میں اتنی عقل ہوتی تو شاید وہ جرائم پیشہ نہیں بنتا۔ وہ تو صرف غلامی کرنا اور سرغنوں کے احکام بجالاتا تھا۔

ٹائیگر نے اس سے کہا کہ وہ کمرے میں بیٹھا رہے۔ وہ ڈیسک کلرک سے مل کر آ رہا ہے۔ پھر اس نے نیچے جا کر فون بوتھ سے تورالائی کو فون کر کے رابطہ کیا اور اسے بتایا کہ دستاویزات جوکر کے پاس ہیں۔ جوکر نے اس سے گن پوائنٹ پر چھین لی ہیں اور وہ اس وقت فلاں ہوٹل کے فلاں کمرہ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ تمہیں بلیک میل کرنا چاہتا ہے...... اگر میرے علم میں ہوتا اس کا تعلق تم سے ہے تو میں اس معاملے میں بھولے سے بھی ہاتھ نہیں ڈالتا۔ تورالائی نے اسے یقین دلایا کہ اس کی بات سچ ہونے پر اور سیاہ بکس پانے کی صورت میں اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

ٹائیگر نے یہ راہ اس لئے اختیار کی تھی کہ...... لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ وہ کسی شریف اور بے گناہ شخص کے ساتھ یہ حرکت کرتا تو یہ انتہائی ذلالت اور کمینے پن کی حرکت تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان بھیڑیوں کے ہاتھوں مارا جائے۔ اتنی اہم دستاویزات ان کے حوالے کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جائے۔ اس نے اپنی جان اور دستاویزات بچانے کے لئے چال چلی تھی اور یہ حرکت معیوب تھی اور نہ ہی انسانیت سے گری ہوئی تھی۔ ایک طرح سے انسانیت کی خدمت ہی تھی۔

وہ کمرے میں پہنچا تو جوکر کسی سعادت مند بچے کی طرح کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کے ہاتھوں سے بری طرح پٹ چکا تھا۔ اسے جوکر پر قطعی ترس نہیں آیا۔ کیوں کہ اس پر ترس کھانا ایسا ہی تھا جیسے مار آستین پر...... جوکر کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ ٹائیگر کو قتل کر دیتا۔

''ٹائیگر تم یہ مت بھولنا کہ میں تمہیں بخش دوں گا۔'' وہ غرا کر بولا۔ ''میں تم سے گن گن کر بدلہ لوں گا۔ میں دشمن کو معاف کرنا نہیں جانتا۔''

''جب کبھی بھی تمہیں موقع ملے دل کی حسرت ضرور پوری کر لینا۔ فی الحال اپنی چونچ بند رکھو۔ بکواس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''اب مجھے جانے دو۔ میں تمہارا زرخرید غلام ہوں جو تم نے مجھے روک رکھا ہے۔'' جوکر نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔ ''میں اپنے ہوٹل جا کر آرام کرنا چاہتا ہوں...... تم نے مار مار کر میرا بھرکس نکال دیا ہے۔''

''لگتا ہے کہ تمہارا دماغ ابھی تک ٹھکانے نہیں آیا ہے۔'' ٹائیگر نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

''نہیں...... نہیں......'' وہ گڑگڑایا۔ ''اب مجھے مت مارنا۔ اب مجھ میں مار کھانے کی سکت نہیں رہی ہے۔''

''تو پھر خاموشی سے بیٹھے رہو۔'' ٹائیگر نے اسے ڈانٹا۔ ''تم نے بکواس کی تو شامت آ جائے گی۔''

پھر ٹائیگر نے ڈرامے کے ڈراپ سین کی تیاری شروع کر دی۔ کیوں کہ اس کے خیال میں تورالائی نے اپنے آدمیوں کو احکامات صادر کر دیئے ہوں گے...... پھر اس نے جعلی دستاویزات کے سیاہ بکس کو ایک ایسی جگہ پر رکھ دیا کہ وہ دروازے اور کھڑکی سے بھی نظر آ سکے اس نے کھڑکی کا پردہ گرا کر وہاں کرسی رکھ دی۔ پھر اس نے جوکر کو کرسی پر بیٹھا دیا۔ کھڑکی کے پردے پر اس کی پرچھائیاں پڑ رہی تھیں۔

''جوکر......!'' اس نے سخت لہجے میں مخاطب کیا۔ ''میں جب بھی تالی بجاؤں تم کرسی سے اٹھ کر ایک چکر لگا کر بیٹھ جاؤ گے۔''

جوکر نے اس سے نہیں پوچھا کہ یہ احمقانہ حرکت کیوں اور کس لئے ہے۔ وہ اسے ہونقوں کی طرح دیکھتا رہا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آخر یہ سب کچھ کیا مقصد رکھتا ہے...... جب ٹائیگر نے تالی بجائی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے کا ایک چکر لگا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس دوران ٹائیگر اسے ریوالور کی زد میں لئے رہا۔ کیوں کہ اس کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ وہ موقع پاتے ہی ٹائیگر پر کسی سانپ کی طرح حملہ کر کے ڈس سکتا تھا۔

اس وقت جوکر کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی۔ وہ ایک موذی سانپ کی طرح تھا۔ سانپ کو ڈسنے کے لئے پل کی ضرورت ہوتی ہے۔ چشم زدن میں اس کا کام کر سکتا تھا اور وہ پہلے سے زیادہ جرائم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکتا تھا۔ اس لئے وہ ہرگز قابل معافی نہیں تھا۔ اور پھر وہ دونوں ایک ایسے دوراہے پر کھڑے تھے کہ ان میں سے ایک زندہ رہ سکے۔ جوکر کی زندگی اہم اور قیمتی نہ تھی۔ کیوں کہ وہ ایک زہریلا سانپ تھا۔ جانے وہ کتنے معصوم اور بے گناہوں کو موت کی نیند ڈس کر سلا چکا تھا۔ اس لئے ٹائیگر چاہتا تھا کہ اس کا سر جتنا جلد ہو سکے کچل دیا جائے۔

جوکر ابھی تک تہہ میں پہنچ نہیں سکا تھا۔ جان لینے کے باوجود اس کا فرار بہت مشکل تھا۔ کیوں کہ ٹائیگر اسے ریوالور کی زد میں لئے ہوئے تھا۔ انتظار میں خاصا وقت بیت چکا تھا۔ ٹائیگر کی بے تابی نے جوکر کو بہت ہوشیار کر دیا تھا۔ مگر اس کے چہرے سے بوریت ظاہر ہونے لگی۔

ٹائیگر کے اندازے کے مطابق ڈرامے کا کلائمکس جلد ہونے والا تھا۔ اس کے اندر ایک بے چینی سی ہونے لگی۔ کیوں کہ وہ اسے ریوالور دینا چاہتا تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں آنے کے بعد ٹائیگر سے کیا سلوک کرے گا ٹائیگر کو اندازہ نہیں تھا۔ ریوالور نہ دینے کی صورت میں وہ لوگ مشکوک ہو سکتے تھے۔ ٹائیگر کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس راستے سے آئیں......؟ کمرے کے دروازے یا کھڑکی سے۔

ٹائیگر نے چند لمحوں کے بعد جوکر کی طرف ریوالور اچھال دیا اور اپنے عزیز ریوالور کی زد میں لے لیا۔

''یہ ریوالور تم نے مجھے کس لئے دیا؟'' جوکر نے ششدر ہو کر پلکیں جھپکائیں۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا۔

''اس لئے کہ تم اسے اپنی حفاظت کے لئے اپنے پاس رکھو۔'' ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

اس نے ٹائیگر اور اس کے ریوالور کی نالی کو گھورتے ہوئے دیکھا تو اس ریوالور کو اپنی نال پر رکھ لیا۔

ٹائیگر نے پہلے ہی سے ایک فولادی الماری کا انتخاب کر لیا تھا کہ وہ اس کے پیچھے

چھپ سکے۔ یہ اس کمرے میں تھی۔ وہ جوکر کے پاس کھڑا تھا اور دروازے اور کھڑکی میں سے دیکھنے والے کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ تاہم جوکر اس کے عین سامنے اور وہ اس کے روبرو موجود تھا۔

دو تین منٹ گزر گئے۔ ٹائیگر کے کان ہر قسم کی آواز سننے کے لئے باہر کی طرف لگے ہوئے تھے۔ رات کے اندھیرے اور خاموشی میں کبھی کبھار کسی گاڑی کے گزرنے کی آواز آ جاتی تھی۔ پھر ایک سناٹا سا چھا جاتا۔

''کیا ساری رات مجھے اس طرح بت کی طرح کرسی پر بیٹھے رہنا ہوگا؟'' وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''یہ کیا بے ہودہ مذاق ہے؟''

''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اپنی چونچ بند رکھو۔'' ٹائیگر نے تیز لہجے میں کہا۔

اچانک ایک گاڑی بے آواز سی قریب آ کر رکی تھی۔ اس کی آہٹ جوکر سن نہیں سکتا تھا۔ اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کا آنا کس سمت سے ہوگا۔ جوکر ابھی کرسی پر براجمان تھا۔ تب ٹائیگر نے فوراً تالی بجائی۔ وہ فوراً ہی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے کمرے کا ایک چکر لگایا۔ پھر کرسی پر بیٹھا تو اس کی پرچھائیں کھڑکی کے پردے پر تیرنے لگی۔

اس لمحے میں جو کچھ ہوا۔ وہ ناقابل یقین نہیں تھا۔ کھڑکی کے پردے میں دو سوراخ ہو گئے۔ سائی لینسر والے ریوالور نے جوکر کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ فرش پر گر کر دم توڑ چکا تھا......

ٹائیگر بجلی کی سی سرعت سے الماری کی اوٹ میں ہو گیا۔ کمرے کا دروازہ بے آواز کھلا۔ کسی نے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کی صورت دکھائی نہیں دی۔ اور نہ ہی وہ اسے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ اور بھی لوگ تھے۔ اس نے حیرت سے کہا۔

''یہ سیاہ بکس سامنے رکھا ہے۔''

پھر وہ سیاہ بکس لے کر تیزی سے باہر نکل گئے۔ اس نے جو ڈرامہ اسٹیج کیا تھا وہ فطری انداز میں ختم ہو چکا تھا۔ جوکر اپنے ہی ساتھیوں کا نشانہ بن چکا تھا۔ اب اس کے تمام شکوک و شبہات مٹ چکے تھے۔ وہ پھر دروازے سے باہر اور سروجا کے کاٹیج کی طرف جا رہا تھا۔ سروجا بیوہ ہو کر اکیلی ہو گئی تھی۔ اسے اپنی بیوگی کی خبر ملی یا نہیں ٹائیگر کو اس بات کا علم نہیں تھا۔

جب وہ سروجا کے ہاں پہنچا تو وہ بے تابانہ اس کے بازوؤں میں اس طرح سما گئی جیسے وہ اس کا شوہر ہو۔ اسے اپنے شوہر کی موت کی خبر تو رالائی کے آدمیوں سے مل چکی تھی۔ اس

وقت سے اس پر سرشاری کی کیفیت طاری تھی۔ ٹائیگر کو دیکھ کر اس کی مسرت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اسے بہت ساری خوشیاں ملی تھیں۔ ایک خوشی یہ بھی تھی کہ اب اس کا کوئی تعلق تورالائی کے گروہ سے نہیں رہا۔

سروجا رات بھر جشن منانا چاہتی تھی۔ رات کو رنگین...... ٹائیگر نے اس سے کہا کہ ایک تو وہ بہت شدید زخمی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ دوستی جذبہ خلوص اور پاکیزگی کو جسمانی تعلق سے میلا کرنا نہیں چاہتا ہے۔ اس بات نے سروجا کو بہت خوش اور متاثر بھی کیا۔ جگدیپ نے اپنے گھناؤنے مقصد کے لئے اسے کئی لوگوں کی بستروں کی زینت بنا کر اس سے بے زار اور متنفر کر دیا تھا۔ اس نے ٹائیگر کے زخموں کی مرہم پٹی ایک نرس کی طرح کی۔

پھر وہ دوپہر کے وقت ساحل پر چلا گیا۔ جم کی لانچ لے کر جزیرے پر گیا۔ وہاں سے سیاہ بکس لے آیا۔ پھر اس نے بلیک میل دستاویزات کو دیکھا۔ یہ اسی طرح کے مواد پر مشتمل تھا جو مسٹر جو نے اسے بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ دفاعی کاغذات کی ایک فائل بھی موجود تھی جو آگے چل کر انسانیت کے لئے تباہ کن تھی۔ اس بکس سے ایسی تصویریں بھی برآمد ہوئیں جو مسٹر جو کی محبوبہ دل نواز کی تھیں۔ جائز تصویروں کے علاوہ اس کے ناجائز بچے کی تصویریں بھی تھیں۔ اس نے اس بکس کو ایسی جگہ چھپا دیا کہ سروجا کو اس کی ہوا تک نہ لگے۔ یہ بکس اسے ایف۔ بی۔ آئی کے ایجنٹ کے حوالے کرنا تھا۔ اس دن اس نے یہ بکس حوالے کر کے بقایا رقم وصول کر لی تھی۔

جگدیپ اپنی تجوری میں لاکھوں کی رقم چھوڑ کر مرا تھا۔ اب سروجا کلکتہ جا رہی تھی۔ وہ اسے رخصت کرنے ایئرپورٹ چلا گیا تو سروجا نے اس کا الوداعی بوسہ لیا اور روتی ہوئی جہاز پر سوار ہو گئی۔ اس کے دوسرے دن دینارامانی جنوبی ہندوستان کے دورے پر روانہ ہو گئی۔

ٹائیگر ابھی ممبئی میں رہنا چاہتا تھا۔ وہ تورالائی اور اس کے تمام گروہ کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اس لئے تورالائی اور اس کے تمام وحشی درندے اور سفاک ترین اور پیشہ ور قاتل تھے۔ انہوں نے ساری دنیا میں دہشت گردی اور خون خرابے کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ لیکن یہ اتنا آسان نہ تھا۔ وہ اکیلا انجام نہیں دے سکتا تھا...... رام سوامی جو اس کا بااعتماد دوست تھا اس کی مدد سے یہ کام کر سکتا تھا۔ لیکن بے حد خطرناک تھا۔ لیکن رام سوامی نے مایوس نہیں کیا۔

تیسرے دن تورالائی سہ پہر کے وقت اپنا جہاز لے کر کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوا تو رام سوامی اور ٹائیگر ساحل سمندر پر بیٹھے اس کی روانگی دیکھنے کے لئے بیٹھے تھے۔ سمندر میں جہاز بہت دور جا چکا تھا اور نقطہ دکھائی دینے لگا تو ٹائیگر نے جیب سے ریموٹ کنٹرول نکال کر اس کا سرخ بٹن دبایا۔ پھر ایک دم سے جہاز میں اتنے زور کا دھماکہ ہوا کہ اس کے پرخچے اڑ گئے۔ جہاز میں آگ لگتے ہی وہ شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ آسمان روشن ہو گیا۔ دھماکہ اس قدر خوفناک تھا کہ میلوں تک اس کی آواز سنائی دی تھی۔ دوسرے دن میڈیا سے پتا چلا کہ اس میں کوئی نہیں بچا...... اس خوفناک دھماکے کی وجہ جہاز میں رکھے اسلحہ اور بموں کی وجہ سے بھی تھا۔

''مبارک ہو دوست!'' ٹائیگر نے اس کا شانہ تھپ تھپاتے ہوئے گرم جوشی سے کہا۔

''یہ کارنامہ تمہارے سر جاتا ہے۔''

''اصل کارنامہ تمہارا ہے جو تم نے اس جہاز پر رات کے اندھیرے میں جا کر بموں کو رکھا۔'' رام سوامی بولا۔ ''کس قدر خطرناک اور خوفناک کام تھا۔ بم پھٹ بھی سکتے تھے۔ تم نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ جان پر کھیل گئے اور ان تمام قاتلوں اور تورالائی کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ میں تو خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ یہ گروہ ختم ہو جائے گا۔''

''کیوں نہ اس خوشی میں ایک پرتکلف ڈنر ہو جائے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''لیکن اس کارنامے کا راز صرف ہم دونوں تک رہے۔''

☆......☆......☆

یہ خواب نہیں تھا بلکہ حقیقت تھی۔ ایسی اور اس قسم کی جانے کتنی صورتحالوں سے ٹائیگر گزر چکا تھا۔ اس لئے اس نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ اس طرح سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

ریوالور کا رخ ٹائیگر کی کھوپڑی کی طرف تھا اور ریوالور کی نالی اسے فرشتہ اجل کی طرح گھور رہی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ بس کسی لمحے اس کے نام کی گولی بس اب نکلنے ہی والی ہے...... ادھر وہ......؟''

ٹائیگر اسے بے خوفی، بے پرواہی اور ناقدانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اسے ہرگز ہرگز شوٹ نہیں کرے گا۔ اس لئے اسے اطمینان تھا۔ کیوں کہ شوٹ کرنے والا

اس طرح کھڑے ہو کر گھورتا نہیں تھا۔ بس وہ فوراً ہی گولی چلا دیتا ہے۔

ریوالور بردار شخص چھوٹا سا تھا...... وہ ٹائیگر کے مقابل میلی سی پتلون جس پر شکنوں کا جال تھا اور ایک فضول قسم کی قمیص پہنے کھڑا تھا۔ اس کے پیروں میں چرمی جوتے تھے لیکن وہ بھی بے حد گھسے ہوئے تھے۔

اس نے بہت سارے بدمعاش دیکھے ہیں۔ ان میں چھوٹے بھی اور بڑے بھی...... وہ ہاتھ میں ریوالور تھام کر خود کو بہت بڑا اور خطرناک بدمعاش ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی اپنا رعب اس پر گانٹھ رہا تھا۔ وہ خاصا سنجیدہ تھا اور اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری......

وہ ہر قسم کے بدمعاشوں کو نہ صرف دیکھتا رہتا تھا بلکہ ان سے اکثر واسطہ پڑتا بھی رہتا تھا...... غریبانہ حلیے میں یہ بدمعاش ہر جگہ جا پہنچتے ہیں۔ بینک میں بے شک ہزاروں لاکھوں ہی کیوں نہ ہوں۔ اس قدر اکائیاں ہوتے ہیں کہ جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہیں رکھتے ہیں...... جوئے خانے یا ریس کورس میں ہار جیت کا تناسب عموماً ففٹی ففٹی ہوتا ہے...... جیت گئے تو کیا کہنا...... مال گیا مال خانے اور خود گئے جیل خانے یا پھر گئے جان سے...... جیل کو وہ اپنا آبائی گھر سمجھتے ہیں۔ ایک عورت کی طرح بلکہ...... جہاں بڑا آرام اور سکون اور سہولت بھی جو وہاں پہرہ داروں کی مٹھی گرم کر کے انہیں میسر آ جاتا ہے، انہیں نہ صرف منشیات بلکہ لڑکیاں اور عورتیں بھی جو زنانہ جیل میں ہوتی ہیں وہ اور باہر سے امپورٹ ہو جاتی ہیں۔ پیسے میں کتنی بڑی طاقت ہے اور اس میں کیسا جادو ہے جرائم پیشہ کو جیل میں جا کر معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مجرم جیل کو میکہ سمجھتے ہیں۔

مال کے بدلے جان لینے والے کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ لاش کے ساتھ کیس کو دبانے کے لئے پہلے جو خرچ کرنا پڑے گا وہ آخر کتنا ہو گا؟

اس وقت ٹائیگر بھی بے حد سنجیدہ تھا...... اس کی سنجیدگی کا اصل سبب وہ ریوالور تھا جس کا رخ اس کے سر کی طرف تھا۔ جسم کے باقی اعضا کے مقابلے میں سر کی سلامتی کو وہ کیا ہر کوئی اہمیت دیتا تھا اور اصولی طور پر ہونا بھی چاہئے...... کیوں کہ اسی سے سارے کاروبار چلتے ہیں۔ ٹوٹے پھوٹے آدمی کی...... ''ڈینٹنگ پینٹنگ'' کا فن اتنا ترقی کر گیا ہے کہ مصنوعی اعضا کے علاوہ سینوں میں بھی لوگ ''پرائے'' دل لئے پھرتے ہیں مگر سر کا نعم البدل خوار

فرد ہے...... سر نہیں تو آدمی بھی نہیں...... آدمی نہیں تو جہاں نہیں...... عشق کا سودائے تمام سر میں ہوتا ہے...... غم کا مداوا بھی یہی سر ہے...... آدمی دوسرے اعضا کے بغیر زندگی گزار سکتا ہے لیکن سر کے بغیر نہیں۔

اس چھوٹے سے قد کے آدمی میں کوئی خاص بات نہیں تھی...... لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس چھوٹے سے آدمی کے ہاتھ میں اتنا بڑا ریوالور تھا کہ اس سے میچ نہیں کر رہا تھا۔ خواتین خصوصاً ہم آہنگ کا بڑا خیال رکھتی تھیں...... مگر اس کے عزائم اس کی صورت پر عیاں جذبات سے یقین کرتے تھے۔ لیکن اب ٹائیگر نے اپنی خوش فہمی دور کر لی تھی۔ اس لئے کہ یہ خواب نہیں تھا اور نہ اس فریب میں رہنا چاہتا تھا کہ وہ اسے قتل نہیں کرے گا...... وہ اسے قتل کر سکتا تھا...... اس کے چہرے سے جو بات صاف ظاہر تھی وہ یہ تھی کہ وہ احمق اور جذباتی معلوم دیتا تھا۔ کیوں کہ ان کے سر میں بھیجا نہیں ہوتا ہے ایسے لوگ سوچے سمجھے بغیر گولی مار دینے سے دریغ نہیں کرتے ہیں...... ایسے احمقوں سے بڑے بڑے بدمعاش کیا ٹائیگر جیسے سراغ رساں بھی ڈرتے تھے۔

یہ کوئی ایسا موقع نہیں تھا کسی قسم کی چالاکی اور ہوشیاری دکھائی جائے اور اس پر قابو پانے کی کوشش کی جائے اور موت کا نوالہ بن جایا جائے۔ وہ احمق تھا...... ٹائیگر نے سوچا کہ وہ تو احمق نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے سرعزیز سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ دور اندیش اور دانش مندی کا تقاضا بھی تھا...... اس احمق کو عقل سلیم کے مہلک ہتھیار سے ہی قابو میں کیا جا سکتا تھا۔

''بھائی صاحب......!'' ٹائیگر نے بڑی اپنائیت آمیز لہجے میں کہا۔ ''مجھے مارنے یعنی صفحۂ ہستی سے مٹانے کی تمنا تھی تو آپ نے یہ توپ لانے کی زحمت کیوں کی...... کوئی چھوٹا سا عام قسم کا پستول لے آتے...... ویسے یہ رسم دنیا ہے کہ جب کسی کو دنیا سے رخصت کیا جاتا ہے تو اس کی آخری خواہش پوچھی جاتی ہے...... ویسے اس جہاں سے مجھے رخصت کرنے سے قبل میری آخری خواہش تو پوچھو گے نا......؟''

''ہاں'' وہ غرا کے بولا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم کام کرو گے نا......؟''

''یہ کس قسم کا سوال ہے؟'' میں نے پر امید لہجے میں کہا۔ ''میں یہاں بیٹھا ہوں کس لئے......؟ مکھیاں مارنے نہیں؟ آپ کو ایک مکھی بھی دکھائی دی۔''

”یہی تو مجھے پوچھنا تھا......؟“ اس کے لہجے میں رعونت تھی۔ ”تم یہاں کس لئے بیٹھے ہو......؟ یہ بتاؤ کہ تم نے ابھی تک ہمارا کام کیوں اور کس لئے نہیں کیا......؟ یہاں بیٹھے جھک کیوں مار رہے ہو......؟“

”کام......؟ کیا کام......؟ کون سا کام...... کیا تمہارا کام تمام کرنے کا............؟ لیکن آپ جیسے شریف آدمی کا کام تمام کرنے سے رہے......“ ٹائیگر نے سر کھجا کر اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔ ”تم نے پہلی بار یہاں اپنے چرن رکھے ہیں...... میں نے تمہیں خواب میں بھی نہیں دیکھا اور ہاں یہ تم اس قدر تزک و احتشام سے کیوں آئے ہو...... اور اس توپ خانے کو لانے کی کیا ضرورت تھی...... کہیں ایسا نہ ہو کہ نازک کلائی میں موچ آ جائے...... اگر کام کی کوئی بات کرنی ہے تو یہ آلہ قتل جیب میں رکھیں اور دوسری جیب سے میری فیس نکال کر بتاؤ کہ کام کیا ہے؟...... میری فیس ایک ہزار روپے یومیہ ہے۔“

”یہ سب پہلے ہی طے ہو چکا تھا۔“ وہ بگڑ کر برہمی سے بولا۔ اس کے چہرے پر خشونت ابھر آئی اور اس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک کوندی۔ ”فضول باتوں میں وقت ضائع مت کرو۔ ہم نے ایک ہزار کی رقم تمہیں اس لئے تو نہیں دی کہ تم یہاں بیٹھے اونگھتے رہو یا کسی اداکارہ کے بولڈ مناظر کے تصور میں کھو جاؤ۔ کیا ایک ہزار اداکارہ کو تصور میں دیکھنے کے......“ وہ بڑبڑ کرتا گیا۔

”کیا کہا......؟ ایک ہزار روپے......؟ میں......؟“ ٹائیگر نے اسے حیرانی سے گھورا۔ ”کیا تم نے یہ رقم مجھے دی تھی......؟“ اس نے بے خوفی سے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔ ”کیا بھنگ پی کر آئے ہو......؟ اتنے بڑے شہر میں یقیناً کوئی میرا ہم نام اور ہم شکل بھی ہے...... بھگوان جانے کتنے لوگوں کو فوٹو اسٹیٹ بنا کر اس سنسار میں بھیج دیتا ہے۔ میری جان! ایک ہزار روپے کی رقم تم نے اگر دی ہوئی ہوتی تو کیا میں ملباری ہوٹل کی چائے منگوا کر نہیں پی رہا ہوتا؟“

اس چھوٹے سے یا بڑے بدمعاش نے ریوالور اٹھایا اور قدرے کرخت لہجے میں کہا۔

”میں مذاق نہیں کر رہا...... میں کوئی جوکر نہیں ہوں۔ ہم نے کشن لال کیس میں تمہاری خدمات حاصل کی تھیں......؟“

ٹائیگر کشن لال کا نام سن کر چونکا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات اور ردعمل دیکھ رہا تھا۔ وہ پوری طرح متوجہ تھا۔

”یہاں بیٹھو اور غور سے میری بات سنو...... میں بھی مذاق نہیں کر رہا اور نہ ہی تمہیں سرکس کا جوکر سمجھ رہا ہوں...... اگر تم نے کسی کو ایک ہزار روپے دے کر میرے پاس بھیجا تھا کہ کشن لال کے قتل کا سراغ لگانے کے لئے تو وہ شخص راستہ بھول گیا...... راستہ بھول کر آدمی کہیں بھی جا سکتا ہے...... اسے کہیں بھی لے جایا جا سکتا ہے...... میرے پاس کوئی آتا تو میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولنے کا خطرہ مول نہیں لیتا...... فرشتہ اجل کو دیکھ کر تو سب قاتل بدمعاش بھی سچ سچ بتا دیتے ہیں...... میں تو ایک حقیر فقیر پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔“

اس کی بات کا اس چھوٹے بڑے بدمعاش پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اب ریوالور کا رخ اس کی طرف نہیں رہا تھا۔ اس چھوٹے سے بڑے بدمعاش کی صورت پر حیرانی کے آثار نمودار ہوئے۔ وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔

”شنکر یہاں آیا بھی نہیں......؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے...... پھر وہ ریس کورس سے کہاں گیا......؟“

دنیا میں اور اس شہر میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ گو کہ ہزار کی رقم بہت بڑی نہیں لیکن پھر بھی اتنی بڑی ہے کہ کوئی بھی کالج گرل، کال گرل اور ہر قسم کی گرل دل بہلا سکتی ہے۔ ساتھ ساتھ مے ہوشی بھی۔“ ٹائیگر نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ”اب اس کی چنتا چھوڑو۔ تم چاہو تو یہ سودا اب بھی ہو سکتا ہے۔ میں مسٹر لاک ہومز کے باپ سے بھی کم نہیں ہوں۔“

وہ ریوالور جیب میں ڈال کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ٹائیگر اس چھوٹے سے کمرے کو بڑے فخر سے۔ ”آفس......“ کہتا تھا۔ دراصل اس نے دو تین آفس بنا رکھے تھے۔ چوں کہ اسے کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ وہ یہاں کچھ عرصہ رہنا مگر مصروف رہنا چاہتا تھا۔ اس کا ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کا...... ایک مڈل کلاس اور ایک عام قسم کا...... یہ ایک کاروباری راز تھا۔ اس کے پیچھے اسرار و رموز بھی تھے اور مصلحت بھی...... اس کے علاوہ یکسانیت سے بچنے کے لئے کسی نہ کسی آفس میں براجمان ہو جاتا تھا۔ اس طرح وہ ایک عجیب سا لطف بھی محسوس کرتا تھا۔ اسے کبھی روپے پیسے کی ضرورت اور ہوس نہیں رہی تھی اور اس کے پاس دولت کی کمی نہیں نہیں تھی۔

”لو......! سگریٹ پیو......“ اس نے بدمعاش کو متذبذب دیکھ کر اس کی طرف

سگریٹ کا پیکٹ بڑھایا۔ ''مجھے پوری بات بتاؤ۔''

اس نے سگریٹ بادل نخواستہ قبول کر لیا۔ ٹائیگر نے لائٹر دکھایا۔ وہ ایک لمبا سا کش لے کر بولا۔

''ہمیں بتایا گیا تھا کہ شنکر یہاں آ کے تم سے سارے معاملات طے کر کے گیا ہے...... کیا وہ واقعی تم سے نہیں ملا تھا......؟'' وہ جمع کا صیغہ استعمال کر رہا تھا۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ وہ کسی گروہ یا تنظیم کا نمائندہ بن کے بات کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے پہلے شنکر کا سراغ لگانا ہوگا...... اسے اچانک احساس ہوا کہ اصل مسئلہ شنکر کی گم شدگی ہے، وہ جاننا چاہتا ہے کہ شنکر کہاں گیا......؟ کہیں وہ ایک ہزار روپے میں کسی لڑکی کے ساتھ عیش تو نہیں اڑا رہا ہے۔ چوں کہ اس شہر میں مہنگائی اور گرانی اس قدر تھی کہ بہت سی ضرورت مند اور محتاج اور احساس محرومیوں کا شکار لڑکیاں شکار تلاش کرتی ہیں۔ شاید اس کا بھی شکار کر لیا ہوگا۔

''دیکھو...... مسٹر......!'' ٹائیگر نے کہا۔ ''تم مجھ سے زیادہ چالاک نہیں ہو...... ایک ہزار روپے دینے کی بات چھوڑو...... مجھ سے معاملات طے کرنے ہیں تو کر لو۔ میری فیس ہے......''

''بکواس بند کرو......'' اس نے درمیان میں مشتعل ہو کر جیب سے ریوالور نکال لیا۔'' میں تم سے دریافت کر رہا ہوں کہ شنکر کہاں ہے؟''

''مجھے معلوم ہے اور نہ ہی میرے فرشتوں کو اس کا علم ہے۔'' ٹائیگر اس کے ریوالور نکالنے سے ذرہ برابر بھی خوف زدہ نہیں ہوا۔ پھر اس نے بے پروائی سے کہا۔ ''لیکن میں معلوم کر سکتا ہوں...... رہی میری فیس کی بات......! میں تم سے زبردستی نہیں لے سکتا لیکن تم زبردستی مجھ سے کام لے سکتے ہو...... تمہارا کام ہو جائے گا...... کل شام پانچ بجے آنا......'' یہ کہہ کر اس نے مصافحے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ''میں پانچ بجے آؤں گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے خشونت بھرے لہجے میں بولا۔ ''شنکر نہ ملا تو میں تمہیں لے جاؤں گا۔''

''میرے اکثر کلائنٹ مجھے ڈنر کے لئے تاج ہوٹل یا اوبرائے ہوٹل لے جاتے ہیں۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''لیکن شاید تم مجھے کہیں اور لے جانے کی بات کر رہے ہو۔''

''میں شمشان کی بات کر رہا تھا۔'' وہ چڑ کر بولا۔ ''شاید وہاں جگہ نہ ملے...... شمشان

گھاٹ میں تمہاری چتا تیار کر کے آؤں گا۔''

جب وہ چلا گیا تو ٹائیگر خوب ہنسا، دیر تک ہنستا رہا۔ اس چھوٹے سے بڑے بدمعاش کا ریوالور اعشاریہ پینتالیس کا تھا۔ اس لئے وہ اتنی اکڑفوں دکھا رہا تھا۔ ورنہ اس کے لئے اسے ریوالور سمیت آفس سے باہر پھینک دینا کوئی مشکل نہ تھا۔ مگر وہ اپنے لئے خواہ مخواہ مسائل پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ عقل مندی اس میں تھی کہ بات مذاق میں ٹل جائے۔ گالی نہ دی جائے اور گالی سے مسئلہ ہو تو تھپڑ رسید نہ کیا جائے۔ تھپڑ اگر کافی ہو تو گولی نہ ماری جائے...... ٹائیگر نے سوچا۔

اس شہر کے بیشتر بدمعاش اور زیرزمین دنیا کے بدمعاش اسے بہت اچھی طرح جانتے تھے اور وہ بھی ان کی صورتیں پہچانتا تھا۔ لیکن یہ کوئی نووارد تھا...... کسی دوسرے شہر سے بدمعاشی کے راج پاٹ سے محروم ہو کر اس شہر میں پر مارنے والا...... اس نے کسی بڑے بدمعاش کے سایہ عاطفت میں پناہ لے لی تھی یا پھر وہ خود اقتدار، سکہ جمانے کی فکر میں تھا...... اس کے والی وارث یقیناً ان تمام دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے کے اہل تھے جو وہ سرکاری ترجمان کی حیثیت سے دے گیا تھا۔

چناں چہ اب اسے واقعی شنکر کا پتا چلانا تھا۔ صرف نام کی مدد سے...... اس کی تصویر تو اس کا حلیہ تک اسے معلوم نہ تھا۔ پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے چھوٹے بڑے بدمعاش سے شنکر کا حلیہ کیوں نہیں معلوم کر لیا۔ اب اتنے بڑے شہر میں شنکر کو کیسے تلاش کیا جائے۔ معلوم نہیں اتنے بڑے شہر میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں شنکر ہوں گے۔

ٹائیگر کے لئے مسئلہ خاصا سنگین تھا۔ کیوں کہ بات کشن لال کے قتل سے شروع ہوئی تھی۔ کشن لال کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ وہ ترقی کرتے کرتے شہر کا وی آئی پی بن گیا تھا۔ پریس کچھ بھی کہے۔ پبلک اس سے بہت ڈرتی تھی۔ دولت مند اسے خراج پیش کر کے تحفظ کی ضمانت حاصل کرتے تھے اور بعض اوقات سیاست دان اور رہنما بھی اس سے رابطہ قائم کر لیتے تھے۔ چناں چہ اسے قتل کرنے والا کوئی غیر معمولی آدمی ہی ہو سکتا تھا۔ یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ تھا جس پر عام لوگ خوش تھے۔

یہ بات سبھی جانتے تھے کس کس واردات میں کشن لال ملوث تھا۔ اس نے کتنے ڈاکے ڈلوائے اور کتنے قتل کرائے تھے۔ وہ جرائم کی دنیا کا ایسا بے تاج بادشاہ تھا جس کی ''کابینہ''

کا ہر رکن بڑا بدمعاش تھا اور کسی ایک محلے کا نگران تھا۔ چوری، ڈکیتی، اغوا، آبروریزی، قتل، منشیات اور اسلحے کی تقسیم اور ایسے ہی متعدد جرائم اس کی سرپرستی میں ہوتے تھے۔ مگر جرائم کا ارتکاب الگ بات اور مجرم کے خلاف عدالت میں ناقابل تردید ثبوت پیش کرنا الگ بات ہے۔ سزا سنی سنائی بات پر نہیں ہوتی اور زبان خلق کا نقارہ کتنی ہی اونچی آواز میں بجے لیکن قانون شہادت ہی کو تسلیم کرتا ہے۔ اگر ممکن ہوتا تو وہ اس کے قاتل کو سزا دینے کے بجائے معاشرے کے اس ناسور کو ختم کرنے پر تحفہ دیتا۔ مگر دنیا میں بہت کچھ عملی طور پر ناممکن ہے۔

اس کے غریبانہ آفس کے قریب سب سے اعلیٰ شراب خانہ ہے۔ شراب خانے کا مالک ساٹھ برس کا بوڑھا مرہٹہ ہے۔ اگر مے خانہ کا مالک طبعاً نیک نہ ہوتا تو کچھ نہ چلتا...... یعنی اس کا ادھار...... نہ معاشقہ...... وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ٹائیگر سہ ماہی یا ششماہی غربت کے بعد اچانک دولت مند ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا قرض سب سے پہلے مع سود کے ادا کرتا ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ روزی جو اس کی ویٹرس ہے۔ ایک طرح سے تمام بادہ کشوں کی...... ''دولت مشترکہ'' ہے۔ اور کچھ نشہ انہیں شراب کا ہوتا ہے اور کچھ روزی کے حسن بے حجاب کا...... لیکن دونوں ہوش سے نکل جانے والوں کے ہوش ٹھکانے رکھنا جانتی ہے اور ہاتھ دامن تک پہنچے تو برا نہیں مانتی مگر گریبان تک آئے تو وہ ایسا ہاتھ رسید کرتی ہے کہ نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ ٹائیگر کو ان تمام باتوں کا علم تھا اور یہ سب باتیں اس کے علم میں تھیں۔

ٹائیگر کو اس بات کی خوشی ہے کہ وہ اس پر جنون کی حد تک مرتی ہے۔ وہ سوچتا کہ کہیں کبھی سچ مچ کی ہی نہ مر جائے۔ لیکن وہ اس حد تک مرتی تھی کہ فرشتہ اجل شرما کر چلا جاتا تھا۔ لیکن افسوسناک بات یہ تھی کہ اس کے عاشقوں اور رقیبوں کے درمیان کوئی غلط فہمی نہیں ہے...... وہ سب کی اور سب اس کے ہیں۔

ٹائیگر چوں کہ ابھی واپس اپنے وطن جانا نہیں چاہتا تھا۔ تورالائی کے گروہ کو خس کم...... جہاں پاک کرنے کے بعد اس نے سوچا کہ وہ یہاں کئی روپ بدل کر رہ سکتا ہے۔ ویسے بھی یہاں رام سوامی جیسے مخلص دوستوں کی کمی نہیں تھی۔ جب تک دل نہ بھرے اس شہر میں رہنا چاہتا تھا۔ فطری طور پر وہ ایک سراغ رساں اور ہرفن مولا بھی تھا۔ اس لئے اس نے کچھ سوچ کر اور ایک منصوبے کے تحت اس پس ماندہ اور مفلوک الحال

علاقے میں اس چھوٹے سے آفس سے پرائیویٹ سراغ رسانی کا آغاز کیا تو بات اس وقت مجبوری کی تھی۔ لیکن حالات بہتر ہونے پر اس نے اسے قائم رکھا تھا۔ اس وقت وہ کسی عالی شان آفس کا دانستہ متحمل ہونا نہیں چاہتا تھا جو شہر کے بہترین کاروباری علاقے میں ہو...... بعد میں یہاں کے رہنے والوں کے ذریعے اسے خلوص اور یگانگت کا وہ احساس ملا جو دولت سے زیادہ دلکش تھا۔ کچھ لوگ جو محض دولت کو جدوجہد کا انعام سمجھتے ہیں...... اس کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتے کہ آمدن کا اخلاقیات سے کوئی رشتہ ہے۔ وہ بھی ان سے اتفاق نہیں کرتا۔

نتیجہ یہ کہ اس کا غریبانہ آفس روز اول کی طرح بے سروسامان ہے۔ مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے لئے خوشی کی بات یہ تھی اس کے مخلص دوستوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ لوگ اسے جانتے ہیں اور پہچانتے بھی ہیں اور اسے اپنا جیسا کہتے ہی نہیں بلکہ سمجھتے بھی ہیں۔

اگلے روز شام تک شنکر کا پتا چلانے کا وعدہ اس نے مذاق میں کر لیا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو کچھ نہ کرتا اور اگلے روز اس بدمعاش کی ساری ہوا نکال دیتا...... مگر کشن لال کے نام نے اسے تجسس میں مبتلا کر دیا تھا...... یہ کوئی شنکر تھا جو گیا تو ریس کورس تھا مگر اس نے اپنے باس یا ساتھیوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ریس کورس سے سیدھا پرائیویٹ سراغ رساں دیو کمار کے پاس جائے گا...... اور ایک ہزار روپے کے عوض کشن لال کے قاتلوں کا سراغ لگانے پر آمادہ کر لے گا۔ مگر وہ اس کے پاس نہیں پہنچا۔ ٹائیگر نے یہاں دیو کمار کے نام سے دکان کھولی ہوئی تھی۔ وہ ٹائیگر کے نام سے روشناس کرانا بہتر نہیں سمجھا تھا۔ نام میں کیا رکھا تھا۔ مطلب کام سے تھا۔ بھلے جس نام سے بھی کیا جائے۔ یوں بھی جیسا دیس ویسا بھیس......

وہ کیوں نہیں پہنچا اس کے ان گنت اسباب ہو سکتے تھے...... مثلاً اس نے ایک ہزار روپے ہارنے والے گھوڑے پر لگا دیئے تھے...... وہ میرے پاس کیسے آتا...... اسے آسمان نگل گیا...... یا زمین کھا گئی......؟ اصل بات تو وہ خود ہی بتا سکتا تھا کہ کیا ہوا......؟ شاید وہ کسی ذات کا اسیر ہو کر گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔

اس نے سوچا کہ کچھ نہ کرنے سے بہتر تھا کہ وہ شنکر کا سراغ لگائے۔ اس طرح کشن لال کے قاتلوں کا پتہ چل جائے تو معاوضہ نہ سہی۔ نیک نامی اور شہرت مل جائے گی ایک

سراغ رساں دیوکمار بڑا باکمال، باصلاحیت اور بہترین ہے۔ اس کی خدمات حاصل کر کے فائدہ اٹھائیے۔

ریس کورس میں ہر گھوڑے کے آباؤ اجداد سے لے کر ان کے دوڑنے اور دوڑانے والوں کی تاریخ پر وائٹی سے زیادہ عبور اس علاقے میں کسی کو نہ تھا۔ چناں چہ وہ ترکمان ہوٹل پہنچا...... اس ہوٹل کے بارے میں اس نے جو کچھ سنا ہوا تھا کہ شاید سولہویں، سترہویں صدی میں اسے سرائے کہا جاتا تھا۔ تاریخ کے دھارے میں تنکے کی طرح بہتا ہوا یہ ڈھانچہ مختلف خاندانوں کی ملکیت رہا...... پھر ہوٹل کہلایا اور بالآخر موجودہ مالک کو ورثے میں ملا تو باپ کی نشانی سے جذباتی وابستگی کے باوجود وہ اسے گرانے والے ہاتھوں سے نہ بچا سکتا جو اس کی جگہ کثیر المقاصد تجارتی عمارت کھڑی کرنا چاہتے تھے۔ مسافر اب اس میں قیام کرتے ہوئے اس لئے ڈرتے تھے کہ انہیں اس کی آسیب زدہ فضا میں رات کے وقت کسی دوسو سالہ پرانے بھوت سے شرف ملاقات کا خدشہ رہتا تھا۔ علاوہ اس خدشے کے ایک ڈر یہ بھی تھا کہ عمارت ان کے رخصت ہونے سے پہلے ہی نہ بیٹھ جائے...... لیکن کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جن کو خود ان کی یا دوسروں کی نظریں بے وقعت ہوتی ہیں...... ایسے لوگوں نے کمرے ماہانہ کرائے پر لے رکھے تھے اور مہنگائی کے اس دور میں یہ کمرہ ایک نعمت لگتا تھا۔

اس کے باوجود مالک کی کیفیت بھی عمارت سے مختلف نہ تھی۔ ایک بار مفت ایکس رے کرنے والے ٹی بی ایسوسی ایشن کے ارکان گاڑی لے کر اس کے ہوٹل پہنچے۔ گاڑی اس ہوٹل کے دروازے پر کھڑی کر کے صدائے عام دیتے رہے مگر وہ نہ نکلا...... بس وہ کھانستا رہا...... سینہ ملتا رہا اور سب کی نظریں بچا کر خون تھوکتا رہا...... وہ ڈرتا تھا کہ کسی کو اس کے ٹی بی میں مبتلا ہونے کا علم ہوا تو آمدنی کا یہ وسیلہ بھی بند ہو جائے گا...... پھر اس عمارت میں رہنے کون آئے گا؟ جاننے والے جانتے تھے مگر انجان بنے رہتے تھے کہ لینڈ لارڈ کی دل شکنی نہ ہو۔

ٹائیگر کو دیکھ کر ہوٹل کا مالک مسکرا دیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے سے بڑے رسمی انداز سے پوچھا کہ کاروبار کیسا چل رہا ہے؟ مالک نے بھگوان کا شکر ادا کیا کہ سب ٹھیک ہے...... پھر اس نے مالک سے کہا کہ ''مجھے شنکر نام کے ایک شخص کی تلاش ہے۔ جو ریس کا رسیا ہے۔''

''راجن سے بات کرو مگر ذرا سنبھل کے......'' مالک نے کہا۔ ''اس کا موڈ آج کل بہت قاتلانہ ہو رہا ہے۔ کمرہ نمبر دو سو سات!''

''مجھے معلوم ہے......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

وہ اس کی دوستانہ قسم کی تشویش پر خوش ہوا۔ جس شخص کی فکر کرنے والے ہر جگہ موجود ہوں اسے اکیلا کون کہہ سکتا ہے۔ اس نے دوسری منزل پر جا کر کمرہ نمبر دو سو سات پر پہنچ کر اس کا دروازہ اس طرح بجایا جیسے شادی کا باجا بج رہا ہو۔

اس نے اندر سے دہاڑ کر کچھ کہا جو اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''راجن......!'' اس نے چلا کر کہا۔ ''میں دیوکمار ہوں...... تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''پھر کبھی آنا......'' وہ اندر سے ہی بولا۔ ''اس وقت میں کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''اچھا......! تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ کیا تم شنکر نامی کسی شخص کو جانتے ہو......؟'' اس نے بند دروازے کے باہر سے مذاکرات جاری رکھے۔

دروازہ یک لخت کھلا اور راجن نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے اندر گھسیٹ لیا۔

''پاگل کے بچے......! کس کا نام لے کر چلا رہا ہے...... خود بھی مرے گا اور مجھے بھی مروائے گا۔'' اس نے غرا کر اور دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔

''شنکر دھونی......! تم اس کا پوچھ رہے تھے نا......؟'' وہ گڑبڑا کے بولا۔ اس نے غیر ارادی طور پر اس کا پورا نام بتا دیا۔

''ہاں......'' اس نے اس چھوٹی سی کامیابی پر خوش ہو کر کہا۔ اگر اس کی جگہ کوئی لڑکی یا شنکر دھونی کی محبوبہ بھی ہوتی تو اس کا گال چوم لیتا۔

پھر اس نے کمرے پر نگاہ ڈالی۔ علامات سے واضح تھا کہ راجن نے اپنی قید تنہائی کا وقت شراب پینے اور خالی بوتلیں توڑنے میں صرف کیا ہے۔ ایک اور بوتل دیوار پر مارنے سے پہلے اس نے دو گلاس بھرنے چاہے مگر وہ آدھے رہ گئے۔ اس نے بڑی فراخ دلی سے ٹائیگر کو پیش کیا۔

ٹائیگر صرف بیئر پیتا تھا...... یہ بیئر تھی اس کا ذائقہ کونین مکسچر، حقے کے پانی موبائل

آئل کے مرکب جیسا تھا۔ جس میں اندر کی صفائی کے لئے شاید صابن اور سوڈا بھی ملا دیا گیا تھا۔ تاہم اس نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا...... لیکن اس سنہرے موقع کی تلاش میں تھا کہ اس کی نظریں بچا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے۔

''تم اس کے چکر میں کیوں ہو......؟'' راجن نے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں گلاس کو گھماتا رہا۔

''ایک چھوٹا سا بدمعاش بہت بڑا ریوالور لے کر مجھے یہ بتانے آیا تھا کہ شنکر کا تعلق کشن لال کے قتل سے ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اس نے مطالبہ کیا کہ کل شام تک میں اس کا پتہ چلالوں ورنہ کل رات میرا پتا نہیں چلے گا۔ میں ناکام رہا تو شام پانچ بجے مقتول کہلاؤں گا۔''

راجن نے گلاس کو حلق میں اس طرح انڈیل لیا جیسے کوئی شربت تھا۔ پھر اس نے گلاس میز پر رکھ کر کہا۔

''شنکر مل سکتا ہے...... اگر تم دو گھنٹے بعد آ جاؤ تا کہ میں معلوم کرلوں وہ کہاں ہے؟''

''دو گھنٹے...... ایک سو بیس منٹ......؟'' اس نے رحم طلب میں کہا۔ ''راجن......! میں ایک گھنٹے کے بعد آؤں گا۔''

راجن نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔ ''میں پوری کوشش کروں گا...... لیکن یہ شراب چھوڑ کے مت جاؤ یہ بدتہذیبی ہے۔'' اس نے گلاس میں موجود بقیہ شراب کی طرف اشارہ کیا۔

اس وقت کسی نے دروازے پر دستک دی تو وہ لپک کر گیا۔ ٹائیگر نے اس لمحے سے فائدہ اٹھا کر شراب باہر کھڑکی سے پھینک دی۔ پھر بھی اس میں ایک دو گھونٹ رہ گئے تھے۔ وہ فوراً ہی گالیاں دیتا دروازہ بند کر کے پلٹا۔ آخر اس نے گلاس منہ سے لگا کر...... اس راکٹ فیول کو دل پر جبر کر کے حلق سے اتار لیا۔ اسے شنکر کے لئے یہ زہر سقراط کے لئے پینا پڑا...... وہ اس کے پاس آ کر بولا۔

''وہ کونے کے کمرے میں دو بچوں کی ماں رہتی ہے...... دو سو روپے ادھار مانگ رہی تھی...... کہہ رہی تھی کہ تین دن میں لوٹا دوں گی۔''

وہ اس ''راکٹ فیول'' کو حلق سے اتار کر کمرے سے باہر آیا تو شاید وہی عورت تھی جو

ایک اور دروازہ کھٹ کھٹا رہی تھی۔ اس نے تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ وہ عورت یوں تو خاصی پرکشش تھی۔ لباس سے بے حجابی ظاہر ہو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی۔

''آپ کا کیا خیال ہے......؟ کیا آپ تفریح کے موڈ میں ہیں...... میں آفس گرل ہوں اور گھر پر اکیلی ہوں۔ صرف دو سو......''

وہ اس کی بات نظر انداز کر کے تیزی سے زینے کی طرف لپک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اگر وہ رک جاتا تو وہ جواں سال عورت امر بیل بن کر اس سے لپٹ جاتی۔ جب وہ زینے کے راستے نیچے اترا تو اسے یوں لگا جیسے وہ لفٹ سے نیچے جا رہا ہو۔ راکٹ فیول کے صرف دو گھونٹ کا اثر تھا۔ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے مالک نے اسے دیکھ کر اس کے زندہ سلامت لوٹ آنے پر ہاتھ ملایا اور اظہار مسرت کیا تو اس نے سوچا کہ...... اس کے جواب میں ہاتھ ہلانا چاہئے یا رسید کر دینا چاہئے تا کہ اس کی طبیعت بھی صاف ہو جائے۔

اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر جب اس نے روزی کے سڈول، گداز اور مرمریں دست غایت بیئر کے دو پیگ پی لئے تو اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے...... چند لمحوں کے بعد وہ سوچنے کے قابل ہوا تو اسے راجن پر ہنسی آئی...... راجن نے اسے شنکر سے فوراً ملانا کسی مصلحت کے تحت قبول نہیں کیا تھا...... بس راجن یہ چاہتا تھا کہ وہ دفع ہو جائے...... اور وہ اپنے طور پر شنکر سے اس مسئلے پر گفتگو کرے...... اگر شنکر کو اعتراض نہ ہو تو اسے بتا دے کہ شنکر کہاں ہے......؟ ورنہ کہہ دے کہ سوری بوائے...... وہ تو اس دنیا سے سدھار چکا ہے۔

عجب نہیں کہ پاس پڑوس میں یا پھر اس ہوٹل میں موجود ہو اور رابطہ کرنا چند منٹ کی بات ہو۔

''ڈیو کمار......!'' روزی نے عرض کی شراب پینے پر برا مانے بغیر مترنم لہجے میں کہا۔

''تمہارے دو مہمان تمہیں پوچھتے ہوئے آئے تھے...... مجھے ان کی نیت ٹھیک نہیں لگتی تھی...... چہروں پر شیطان کی سی خباثت اور آنکھوں میں درندگی تھی...... ان میں ایک تو گوریلا اور دوسرا گدھ...... ان کی شکل دیکھ کر جسم پر جھرجھری سی آ گئی۔''

''میں تمہیں کیسا لگتا ہوں......؟'' اس نے لہرا کے پوچھا...... لیکن روزی کی بات ذہن نشین کرنے کے بعد۔ ''کیا خوابوں کا راج کمار......؟''

''کون......! تم......؟ تم تو مجھے کسی الو کی طرح لگتے ہو......'' روزی زیر لب

مسکرادی۔ مسکراہٹ اتنی دلکش اور موہنی تھی کہ میں آہ بھر کے رہ گیا۔ دل کی حسرت کا گلا گھونٹ دینا پڑا۔ اس لئے کہ اسے ہونٹوں میں جذب نہیں کرسکتا تھا۔ پھر وہ بولی۔ ''اپنے حال میں رہنے والے...... ہر وقت سوچ بچار میں مبتلا اور دنیا کو بے وقوف نظر آنے والے...... مگر بے حد کائیاں اور سیانے بلکہ کامیاب اور سعادت مند پتی دیو کی طرح......'' اتنا کہہ کر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

اس نے سوچا کہ یہ ملاحظہ کرنے والی بات ہے...... روزی آدمی پر کتنی گہری نظر رکھتی ہے اور اس کی رائے کتنی صحیح ہوتی ہے۔

نپی تلی...... قیافہ شناسی کا یہ ہنر اس نے مے خانے سے سیکھا۔ جہاں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں...... وہ کوئی ماہر نفسیات بھی نہیں...... وہ بھی جو شراب پی کے کچھوے کی طرح اپنے خول سے باہر نکل آتے ہیں...... اور وہ بھی جو شراب پی کے آئینہ دیکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

چنانچہ میرے نامعلوم بن بلائے مہمانوں کے بارے میں اس نے جو تصویر پیش کی اس بات نے ٹائیگر کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا اس کے جاننے والوں میں بہت سارے لوگوں کو دیکھ کر چڑیا گھر کے کسی مکین کا خیال آتا ہے۔ مگر گوریلا اور گدھ......؟ اس نے یقین کے ساتھ نفی میں سر ہلایا جیسے روزی نے غلط سمجھا ہو۔

''کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں......؟'' وہ چراغ پا ہو کے بولی تو چہرہ دہک اٹھا جس نے اس کے حسن کو اور نکھار دیا۔ وہ بہت ہی سندر دکھائی دینے لگی۔ ٹائیگر نے پل بھر کے لئے سوچا۔ کس قدر محرومی ہے کہ وہ دل کی تمنا پوری نہیں کرسکتا۔'' میں تمہیں خبردار کرنا چاہتی تھی۔

''مجھے کہنا یہ تھا کہ میں کسی گوریلا اور گدھ کو بالکل نہیں جانتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''تمہاری تشویش اور تمہارا جذبہ عشق......؟'' اس نے بغیر کسی جھجک کے کہنا شروع کیا مگر جملہ پورا ہونے سے پہلے روزی گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہوگئی۔ تصور میں بھی نہیں آئی۔ شاید کسی جنگل میں جا کر گدھ اور گوریلا کو تلاش کر رہی ہو۔

اس نے کوئی آدھے گھنٹے تک لوگوں کی طرف دیکھ کر بلاوجہ مسکرانے کے علاوہ کچھ نہیں کیا مگر عین اسی وقت جب وہ اٹھنے والا تھا دو افراد کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ بری طرح چونکا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو نہ صرف اس کی مسکراہٹ کافور ہو جاتی بلکہ رگوں میں لہو منجمد

ہو جاتا...... شاید بے ہوش ہو جاتا۔

حقیقت یہ تھی کہ ان میں سے ایک بالکل گوریلے جیسی شکل کا تھا۔ بھاری بھرکم اور بھد بھد کر کے چلنے والا...... اس کے پہلے جنم میں وہ ایک سو ایک فیصد گوریلا رہا ہوگا۔ دوسرا جنم میں زڑیوس ہوگیا تھا یا کر دیا گیا تھا، کیوں کہ یہ انسانوں کی مہذب دنیا تھی...... دوسرا اداعی گدھ تھا اور دبلا پتلا جس کی گردن آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ انہوں نے انداز بے نیازی کے مصنوعی مظاہرے اس پر ثابت کر دیا کہ وہ ان کی دلچسپی کا مرکز ہے۔ مگر وہ قیدی تھے۔ اچھی اداکاری نہیں کر رہے تھے۔

جب وہ باہر نکلا تو وہ سائے کی طرح اس کے پیچھے ہولئے...... پھر وہی ہوا جو اس نے سوچا تھا۔ یعنی انہیں اس نے تھوڑا سا چکر دیا اور ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اور پھر جب وہ ہوٹل پہنچا تو ان کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ وہ بوکھلائے حیران پھر رہے ہوں گے کہ یہ آدمی تھا یا چھلاوہ...... اور اب نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہے ہوں گے۔ اس نے خوشی سے سوچا۔ پھر راجن کی جان نوازی کے تصور سے جیسے یہ ساری خوشی خاک میں مل گئی۔

''شنکر کا پتا چل گیا ہے۔'' راجن نے وہی جان لیوا مکسچر کا گلاس بھر کے اس کے سامنے رکھا تو اس کی طبیعت ہری ہوگئی۔ ایک گھونٹ لینے سے پہلے ہی اسے اپنے آباؤ اجداد یاد آگئے جنہیں وہ نہ جانے کب کا بھول چکا تھا۔ اسے لگا کہ راجن نے شاید ایک ڈرم بھر کر رکھا ہوا ہے اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ وہ خود تم سے ملنا چاہتا ہے اور اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے...... کمرا نمبر دو سو دس...... تم جا کر اس سے مل سکتے ہو...... جاؤ...... وہ تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔''

''فائن...... ایکسی لینٹ......'' اس کے اندازے درست ہونے پر بھی راجن سے اظہار محبت کیا۔ اسے مکھن لگانا بھی بہت ضروری تھا۔ ''تم نے کمال ہی کر دیا...... کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔''

اس کے منہ سے تعریف سن کر راجن خوشی سے گول گپا بن گیا۔ دنیا میں ایسے ہی مصلحت آمیز جھوٹ بولی درست بنائے جاتے تھے اور مالی فائدہ بھی اٹھایا جاتا تھا...... یہ ایک اصلی مکھن تھا جس سے بہت سارے کام نکلتے تھے۔ اس نے جھوٹ اور مکھن سے

بڑے بڑے کام نکالے تھے۔ ان سے جو کام نکلتا تھا وہ مال سے بھی نہیں...... اور پھر بے وقوف بنانے کا بڑا زبردست ہتھیار اور حربہ بھی تھا۔ یہ اس کا آزمودہ نسخہ تھا جو اس وقت بڑا کام دے گیا تھا۔

''شنکر دھونی اتنی بڑی آسامی ہے کہ شاید ہی پورے ہندوستان میں کوئی ہے؟'' وہ ایک گھونٹ بھر کے بولا۔

''کیا اس میں سرخاب کے پر لگے ہیں......؟'' اس نے راجن کو چھیڑا۔

''سرخاب کے پر ہی تو لگے ہیں...... اس لئے اس کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ وہ کوئی ملک خرید لے اور اس کا تنہا صدر بن جائے۔''

''دنیا کے تمام ممالک میں صدر منتخب ہوتے ہیں......'' میں نے دبے دبے لفظوں میں کہا۔ ''اکثر سیاسی مقبولیت اور شہرت کی بنا پر...... کچھ الیکشن میں دھاندلی، غنڈہ گردی، بوگس ووٹنگ اور ووٹ خرید کر...... مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ دولت کی قوت کا دائرہ لامحدود ہے۔'' جس وقت وہ میز سے بوتل اٹھانے گھوما تو اس نے اس پل کی مہلت سے فائدہ اٹھا کر آدھے سے زیادہ اس کا امرت باہر پھینک کر گلاس منہ سے لگایا۔ جب اس نے آدھے سے زیادہ گلاس خالی دیکھا تو اتنا خوش ہوا کہ ٹائیگر کا گال چوم لیا۔ اسے یقین نہ آیا تھا کہ اتنا سارا امرت ایک ہی سانس میں وہ حلق میں انڈیل لے گا۔ ''اور ایک پیگ بنا دوں؟''

''نہیں......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''بس یہ بہت تھا۔ تمہاری نوازش تھی کہ تم نے اتنا قیمتی اور نایاب مشروب پلایا ہے۔''

''تکلیف نہیں کرو میرے یار!'' راجن بولا۔ ''میں یہ مشروب خود تیار کرتا ہوں۔ جب مزا آیا ہے تو انکار کیوں؟''

''اس لئے کہ ہندوستانی فلموں کے بولڈ مناظر کرنے میں مشہور و معروف اور شہرت رکھنے والی اداکارہ میرے تصور میں ناچ رہی ہے۔''

''ونڈر فل...... ونڈر فل......'' راجن خوش ہو گیا۔ ''ایک اور پیگ پی لو تو وہ اور بولڈ ہو جائے گی۔''

''اگر میں کسی کرکٹ کے کھلاڑی کی طرح کلین بولڈ ہوتا رہا تو شنکر سے ملاقات کیسے کروں گا؟'' وہ بولا۔ ''یہ کام نہ ہوا تو وہ چھوٹا بڑا بدمعاش پانچ بجے آ کر میرا کام کر دے

گا...... یعنی مجھے کلین بولڈ کر دے گا۔''

''اوہ یار......! مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں رہا۔'' اس نے خجل ہو کر کہا۔

''کہیں شنکر نے تمہیں خرید کر تو نہیں رکھا ہے......؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے راجن کو دیکھا۔

''مجھے......؟ نہیں......!'' راجن کے لئے یہ سوال غیر متوقع تھا۔ ''مگر وہ تم سے شنکر کا پتا پوچھنے آئے تھے...... تم چاہو تو زیادہ سود مند سودا کر سکتے ہو......'' میں تمہارے فائدے کے لئے کہہ رہا ہوں۔''

اس کی مسکراہٹ کا اطمینان...... شراب کا وافر اور اس کا لہجہ گواہ تھے کہ شنکر نے اپنی دولت میں سے مٹھی بھر بھیک راجن کو دی ہے۔ مگر اس نے کہا۔ ''میں نے آج تک کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا اس لئے کہ یہ تم جیسے مخلص دوستوں کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔''

پھر ٹائیگر نے پہلے کی طرح دوبارہ باقی گلاس جس میں بمشکل ایک گھونٹ یوں خالی کیا جیسے سقراط نے زہر کا پیالہ پیا ہو گا...... ایک گھونٹ حلق سے اترا اور دوسرے لمحے ایک پل کے لئے سر چکرایا تو چشم تصور میں اس نے خود کو بولڈ ہیروئن کے ساتھ خود کو بولڈ پایا۔ پھر وہ سنبھلا۔ پھر وہ بخیر و عافیت ورک آؤٹ ہونے پر قادر رہا...... اس نے دل میں اوپر والے کا شکر ادا کیا کہ اس نے بڑا کرم کیا...... ورنہ یہ پرائیویٹ سراغ رساں ہے کیا چیز...... کیا بیچتے ہیں؟''

چند لمحوں کے بعد اس نے کمرہ نمبر دو سو دس کا دروازہ ڈگڈگی بجانے کے انداز سے بجایا اور ایک دیوزادے نے یوں دروازہ کھولا جیسے وہ دستک کے انتظار میں کھڑا ہوا تھا...... اس کی نظر میں وہ دیوزاد اس لئے تھا کہ کچھ لوگ عموماً بڑھتے ہیں تو کچھ زمین کے ساتھ ساتھ...... مگر اس کی حفاظت دونوں طرف افراط کی شرح سے بھی زیادہ بڑی معلوم دی۔

''دیوکا...... آؤ......'' وہ بولا۔ ''راجن نے مجھے بتایا تھا کہ وہ خبیث گورکن تمہارے پاس آیا تھا؟''

''اچھا...... یہ کیا تھا راجن نے......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''گورکن تھا یا جلاد...... مجھے معلوم نہیں تھا۔''

''ہاں...... یہی نام ہے اس کا......'' شنکر نے کہا۔ ''چھوٹا سا بچھو کی شکل کا کمینہ صفت آدمی...... بولو کیا پیو گے......؟''

اس نے اس سے کہنا چاہا کہ وہ راجن کے کمرے سے زہر کا پیالہ پی کر آیا ہے۔ لیکن وہ بات گول کر گیا۔ شنکر نے میز پر شراب کی بوتلیں بڑے سلیقے اور ترتیب سے رکھی تھیں۔ وہ کوئی نصف درجن ہوں گی۔ بڑھیا اور نفیس بھی اور قیمتی بھی تھیں...... کچھ آدھی اور کچھ پوری...... یہ میڈان شنکر نہیں تھیں۔ اس کے کمرے کو دیکھ کر لگتا نہیں تھا کہ اس ہوٹل میں ایسا شاندار کمرا بھی ہوگا۔ یہ کسی فائیو اسٹارز کا سا کمرا لگتا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کی آرائش بھی بہت ہی بہتر کی ہوئی تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بڑا شائستہ، باذوق اور سلیقے کا آدمی یہ اور اس کے رویے میں شائستگی بھی تھی۔

''مجھے صرف بیئر سے دلچسپی ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں کسی اور قسم کی شراب کے قریب نہیں جاتا ہوں۔''

شنکر نے فریج کھولا تو ٹائیگر نے دیکھا کہ اس میں سوڈے اور شراب کی بوتلیں اور کولڈ ڈرنکس اور بیئر کے ڈبے بھرے ہیں۔ اس نے ایک بیئر کاٹن پیکل نکال کر ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔ ''یہ فرانس کی بیئر ہے...... میرے پاس شراب غیر ملکی ہوتی ہے۔ ممبئی شہر کے پورٹ کے قریب ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ ہر غیر ملکی شے مل جاتی ہے۔ عورت بھی۔ پرتگالی، چینی، بنگالی اور یورپی، جاپانی اور امریکی بھی...... بس جیب میں مال ہو...... ہر مال مل جاتا ہے۔''

پھر شنکر اسے لے کر بڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے لئے وہسکی کا پیگ تیار کیا اور کہنے لگا۔

''وہ دیکھنے میں اتنا خطرناک نہیں لگتا...... لیکن وہ پیشہ ور قاتل ہے۔ معاوضہ......؟ اچھا ملے تو اپنے باپ کو بھی مارنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ تم خوش قسمت ہو کہ سنڈیکیٹ نے تم سے بات کرنے کا فیصلہ کیا...... گورکن کو حکم نہیں دیا کہ تمہیں مار کر گاڑ دے۔''

''یہ گورکن کسی سنڈیکیٹ کے شعبہ تدفین کا نگران ہے؟'' ٹائیگر نے سوال کیا۔

''اس سنڈیکیٹ کا سربراہ کشن لال تھا۔'' شنکر نے جواب دیا۔ ''اسے مارنے والے بدمعاشوں کی قیادت سنبھالنا چاہتے ہیں...... یہ لوگ پہلے دہلی میں تھے۔ حالات وہاں زیادہ خراب ہو گئے تو وہاں کی سرگرمیاں منسوخ کر کے یہاں آ گئے۔ یہاں آ کر کاروبا

چل نکلا تو دو بڑے شہروں کے بعد تیسرے شہر کی سوچیں گے۔ میدان عمل وسیع کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا تم کشن لال کے دست راست تھے......؟'' ٹائیگر نے پوچھا۔ ''کیا اب تم اس تنظیم کے سربراہ ہو......؟''

''میں نے اس کا اعلان تو نہیں کیا ہے مگر سنڈیکیٹ والے تو یہی کہتے ہیں؟'' شنکر نے جواب دیا۔ ''لہٰذا انہوں نے تمہیں میری تلاش پر مامور کیا کہ میں ہاتھ آ جاؤں تو میرا کام بھی تمام کر دیں...... نجانے تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں اس علاقے میں موجود ہوں...... تمہارے بارے میں کسی نے بتایا ہوگا کہ تم محض پرائیویٹ سراغ رساں ہی نہیں بلکہ اس شہر کے چپے چپے میں واقفیت رکھتے ہو۔ اس علاقے میں ہو۔ اور لوگ تمہیں شاید بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ تم سے بہتر آدمی کون ہو سکتا ہے جو سراغ لگا سکے؟''

ٹائیگر کو اپنی تعریف سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ اسے یوں لگا وہ اسے جیسے بے وقوف بنا رہا ہو۔ اس کا اندازہ بے جا خوشامدانہ انداز سے ہو گیا تھا۔ اسے دن میں نجانے کتنے ایسوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ اس نے شنکر کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تو تم ان کے خوف سے یہاں روپوش ہو......؟'' اس نے سوال کیا۔

''سامنے آ کر تو مقابلہ وہ نہیں کرتے...... میں باہر جا کر خودکشی کروں گا تو ان کے اقتدار کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی...... لیکن میں ایسی حماقت کیوں کروں گا۔ یہ تو اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے والی بات ہو گی۔'' اس نے کہا۔ ''دہلی والے ممبئی فتح کر لیں گے۔''

شنکر کی بات اس کے دل کو نہیں لگی۔ کھوٹ اس کے لہجے میں بولتا تھا۔ غالباً اپنے بارے میں یہ بات اور سنسنی جان بوجھ کر پھیلا رہا تھا۔ چنانچہ اس کے شاطر ذہن نے اسے تلاش کیا کہ وہ قابل اعتماد گواہ بن جائے۔

اگر یہ بات ہے تو......؟ ٹائیگر نے صورت حال پر غور کرنے کے بعد کہا۔ ''تم فکر نہ کرو...... گورکن سے میں نمٹ لوں گا۔''

''دیو کمار......؟ میں نے ہر ایک سے تمہاری بہت تعریف سنی ہے؟'' شنکر نے کہا۔ ''اگر تم مجھے گورکن سے بچا سکو تو تمہاری فیس کھری...... جتنا معاوضہ مانگو گے...... اس سے دس گنا زیادہ دوں گا......'' وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا کہ تمہارے لئے یہ کام زیادہ

آسان ہے تم چوں کہ لائسنس یافتہ سراغ رساں ہو اور اگر اپنے دفاع کی آڑ لے کر گورکن کو گولی مار دو گے تو قانون تمہارے بیان کو مستند سمجھتے ہوئے تسلیم کرلے گا۔ میری بات اور ہے...... اس نے ٹائیگر کو کن اکھیوں سے تاڑا کہ وہ کس حد تک اس کا ہم خیال ہے۔

ٹائیگر نے سوچا کہ اگر وہ آسانی سے اس کا ہم خیال بن جاتا ہے تو وہ شبہے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

گولی مارنے کا کوئی سوال نہیں۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں تو گورکن سے نمٹ لوں گا...... کیوں کہ دھمکی اس نے مجھے دی ہے۔ تم یہیں ٹھہرو...... میں فیس لے کر کسی کو بہانے سے قتل نہیں کرتا...... خواہ سزا پانے کے امکانات صفر ہوں۔ لیکن میں اس کا بندوبست کردوں گا۔''

شنکر ہنسا۔ ''چلو فیس کا نام مت لو...... تم مجھے پانچ بجے گورکن کے حوالے نہ کر کے خطرہ تو مول لے رہے ہو...... اس تعاون یا مدد پر میری طرف سے یہ حقیر نذرانہ......!'' اس نے ایک لفافہ ٹائیگر کی طرف بڑھایا۔

''کتنی رقم ہے اس لفافے میں......'' ٹائیگر نے ہاتھ بڑھائے بغیر پوچھا۔ ''معاوضہ یا حقیر نذرانہ...... بات تو ایک ہی ہے۔''

شنکر نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں دوستی کے اس مظاہرے پر تمہاری شاندار دعوت کرتا یا تحفہ دیتا...... لیکن میں باہر نہیں جاسکتا۔ اس لئے اسے کھولے بغیر رکھ لو...... نہ تو تم نے مانگا ہے اور نہ ہی میں نے سودا کیا...... کم آن......''

اس نے لفافہ ٹائیگر کی جیب میں ٹھونس دیا۔ ''اور دیکھو! گورکن سے محتاط رہنا۔ پہلے اس کا دو اعشاریہ پینتالیس کا ریوالور لے لینا ورنہ مارے جاؤ گے...... سانپ پر بھروسا کرسکتے ہو لیکن اس پر نہیں...... اس سے مقابلہ کرنا ہے تو یہ لو......'' اس نے ایک ریوالور آگے بڑھایا۔

ٹائیگر کو خیال آیا کہ یہ دنیا اتنی بری نہیں جتنی قنوطیت کے مارے لوگوں کو نظر آتی ہے اور آدمی کی سرشت میں نیکی اب بھی غالب ہے۔ شنکر جیسا بدمعاش کہتا ہے کہ محتاط رہنا...... ایک ہوٹل کا مرقوق بوڑھا اسے خبردار کردیتا ہے کہ ذرا سنبھل کے...... بار کی حسین اور پرشباب گداز بدن کی دوشیزہ کو میں الو لگتا ہوں۔ مگر وہ کہتی ہے کہ میں تمہیں ہوشیار کرنا چاہتی

ہوں۔ قدم قدم پر اس کے بھی خیر خواہ موجود ہیں...... یا دنیا اچانک نیک لوگوں سے بھر گئی ہے......؟''

''یہ بھی اعشاریہ پینتالیس کا ریوالور ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''اس کی کوئی گولی کشن لال کے جسم میں تو نہیں اتری تھی؟''

''کوشش کرو...... تمہیں معلوم ہوجائے گا۔'' شنکر ہنسا۔ ''پولیس کے ماہرین تمہارے دوست ہیں۔''

بظاہر اسے یوں لگا تھا جیسے وہ اسے ریوالور لے کر پولیس کے پاس لے جانے کی ترغیب دے رہا ہو...... لیکن وہ اس امکان کو یکسر مسترد نہیں کرسکتا تھا کہ شنکر کو اپنے باس کشن لال کی موت پر واقعی صدمہ ہے اور وہ دہلی کے ان بدمعاشوں سے انتقام لینا چاہتا ہے...... ویسے تو اسے خوش ہونا چاہئے تھا کہ اب وہ خود باس بن گیا ہے۔ مگر کچھ لوگ جذباتی ہوتے ہیں اور اتنے بے وفا نہیں ہوتے ہیں۔

ایسی صورت میں شنکر کا یہ معاوضہ...... حقیر نذرانہ یا تحفہ...... کسی بھی نام سے اسے قبول تھا۔ بصورت دیگر وہ لفافہ اس کے منہ پر مار کے جاسکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ریوالور لے لیا۔ یہ سوچ کر کہ بھاگتے بھوت کی لنگوٹ سہی۔ پھر وہ اس ہوٹل سے نکل آیا۔

لفافے میں اسے سو سو کے دس نوٹ نظر آئے۔ اسے قرض ادا کرنے کا خیال آیا...... وہ اس دہری زندگی میں یہاں مقروض اور مالی مشکلات کا شکار تھا، اس لئے یہاں ایسی زندگی دانستہ گزار رہا تھا کہ یہاں خلوص اور محبت کا سمندر موج زن تھا...... ایک طرح سے وہ اچانک امیر ہوگیا تھا۔ سب کا قرض ادا کرنے کے بعد آدھی رقم بچ جاتی تھی...... اس لئے وہ خود کو امیر ترین آدمی سمجھتے ہوئے شیرٹن میں ڈنر کا حقدار ہوگیا تھا۔ اگر اس کی جیب میں وہی چالیس روپے ہوتے جو وہ ساتھ لے گیا تھا جو ٹیکسی کا کرایہ دینے پر بچے تھے تو اس نے واپسی میں ٹہلتے ہوئے جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ لیکن اب اس نے ٹیکسی پکڑی اور اسے بیس روپے بخشش دے کر رخصت کیا۔ میں نے شیرٹن میں سب سے سستا ڈنر کیا۔ بوفے مہنگا پڑتا تھا، وہ پیٹو قسم کے لوگوں کے لئے سستا پڑتا تھا۔ شیرٹن کے کھانے بہت عمدہ لذیذ اور ذائقہ دار بھی ہوتے تھے۔

اپنے غریبانہ آفس لوٹ کر اس نے دروازہ کھولا اور اسے بیڈروم میں تبدیل کرنے کا

عمل کیا۔ پھر اسے چھوٹے بڑے بدمعاش گورکن کا خیال آیا۔ جسے کل سہ پہر پانچ بجے آنا تھا۔

وہ بستر پر دراز ہوگیا۔ اس نے سوچا۔ آسمان بھی کیسے کیسے رنگ بدلتا ہے۔ وہ بھی کیسے کیسے بہروپ بھر رہا ہے...... محض زندگی کا لطف اٹھانے اور اس کے دل کو بڑی طمانیت اور سکون مل رہا ہے۔ بہر حال وہ پرائیویٹ رساں ہوتے ہوئے بھی ایک مسافر ہی تو ہے...... اس سفر میں کیسے کیسے لوگ مل رہے ہیں اور حالات اور واقعات پیش آ رہے ہیں۔ اسے ایسا لگ رہا ہے کہ الف لیلہ ہزار داستان......

پھر وہ بہت سے جواب طلب سوالات پر غور کرنے لگا...... مثلاً یہ کہ راجن نے اسے براہ راست شنکر سے ملنے کیوں نہیں دیا......؟

شنکر نے جھوٹ بولا تھا یا سچ......؟

اور وہ دونوں کون تھے جن کو روزی نے گوریلے اور گدھ سے تشبیہ دی تھی......؟

روزی کا خیال آنے کے بعد خوابوں تک پھر کسی اور خیال کا گزر نہ تھا...... صبح میں مسکراتا ہوا اٹھا تو دنیا بھی مسکراتی ہوئی نظر آئی۔

غسل اور ناشتے تک زندگی میں آسودگی اور قناعت کا احساس برقرار رہا۔ ٹھیک آٹھ بجے اس کا ارادہ ایک انسپکٹر سے بات کرنے کا تھا جس کا تعلق پولیس کے شعبہ قتل سے ہے...... مگر اسے کچھ دیر ہوگئی تھی اور پھر انسپکٹر کو اس نے ٹیلی فون کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ دونوں باہمی امداد کے اصول پر ہیرا تھے اور سمجھتے تھے کہ آج وہ میرے کام آئے تو کل میں اس کے کام کروں گا۔ اس نے تصدیق کی کہ کشن لال اعشاریہ پینتالیس کے ریوالور سے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔

''اگرچہ زخم کافی مہلک تھا'' اس نے بتایا۔ ''مگر اسے مرنے میں خاصی دیر لگی ہوگی۔ قاتل بے رحم تھا۔''

''کیا بدمعاش بھی رحم یا کسی رعایت یا نرمی کے مستحق ہوتے ہیں؟'' ٹائیگر نے کہا۔

''کیا قاتل رحم دل ہوتے ہیں...... اگر ایسا ہو تو پھر قتل ہی نہ ہو۔''

''قتل تو بہر حال قتل ہے۔'' انسپکٹر نے کہا۔ ''کیا تم کوئی کارآمد بات بتا سکتے ہو؟''

''ابھی تو کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔'' ٹائیگر نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''لیکن اس وقت

اس لئے نہیں کہ تمہاری بات سن کر میں قیاس آرائی پر مجبور ہوگیا ہوں...... اور انسپکٹر! اگر یہ قیاس آرائی درست ثابت ہوئی تو عین ممکن ہے کہ تمہیں کشن لال کے قتل کا سراغ مل جائے اور پھر تم اس کامیابی پر بجا طور پر فخر کر سکو گے۔''

انسپکٹر تجسس میں مبتلا ہوگیا تھا۔ لیکن ٹائیگر نے ریوالور رکھ دیا۔ اس وقت اس نے سوچا کہ کاش...... ! کشن لال اعشاریہ پینتالیس کے ریوالور سے مارا گیا ہوتا...... کاش! اس کے لئے بدمعاش گورکن کے ساتھ کئے ہوئے دعوے کے مطابق شنکر کو حاضر کرنا ممکن ہوتا۔ اور وہ اپنی جان بچا سکتا۔ لیکن جان تو بہر صورت بچانی تھی۔ خواہ اس کے لئے اسے گورکن پر گولی چلانا کیوں نہ پڑے۔

وہ لنچ کے سلسلے میں ٹاس کرنے والا تھا کہ وہ اعلیٰ ترین لوگوں میں سے کس کا انتخاب کرے ٹیلی فون کی گھنٹی نے مداخلت کی۔ خفیہ پولیس کا جو دراصل ایجنٹ تھا جس سے اس کی شناسائی تک کے مرحلے کئی برسوں میں طے ہوئے تھے۔ جب بھی وہ ممبئی آتا تھا اس سے دوستی کی تجدید ہوتی تھی۔ وہ اس سے مخاطب تھا۔ ابتدا ایک کیس میں اس کی مدد سے ہوئی تھی۔

''دیوکمار...... ! یار! آج کل کاروبار کیسا چل رہا ہے......؟'' اس نے پوچھا۔

''آج کل کے کاروبار کو اچھا ہی کہا جا سکتا ہے۔'' ٹائیگر نے سوچ کر جواب دیا۔

''ہاں بھئی۔ تمہاری خفیہ پولیس کیسی ہے؟''

''آج کل ایک مسئلہ درپیش ہے۔'' وہ بولا۔ ''میرے خیال میں اسے مسئلہ ہی کہنا چاہئے بلکہ یہ زیادہ مناسب ہوگا۔''

ٹائیگر ہنسا۔ ''کیا تمہارے محکمے کے مالی مسائل......؟ عوام نے گویا سفید ہاتھی پال رکھا ہے؟''

''تم سمجھے نہیں......'' وہ بولا۔ ''مسئلہ میرے محکمے کا نہیں۔ دوسروں کا ہے۔ کچھ تمہارا بھی ہے...... کل تم شیرٹن گئے تھے؟''

''ہاں...... اب تمہارا محکمہ مہذب شہریوں کی بھی نگرانی کرتا ہے۔'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیا یہ بات زیب دیتی ہے؟''

''سب شہریوں کی بات نہیں ہو رہی ہے...... کل تم نے وہاں سو سو کے دو نوٹ دیئے تھے۔'' وہ بولا۔ ''دونوں جعلی نکلے۔''

''میں نے......؟ کیا اس پر میرا نام لکھا ہوا تھا۔'' میں نے کہا۔ مجھے اس کی بات کا یقین نہ آیا۔

''دیوکمار......! مجھے معلوم ہے کہ تم ایک بااصول آدمی ہو...... کسی غیر قانونی اور غیر اخلاقی معاملے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔'' اس نے کہا۔ ''اس لئے جب ہمیں معلوم ہوا کہ وہ نوٹ دینے والے تم تھے تو میں نے سوچا کہ تم سے پوچھوں کہ وہ نوٹ کہاں سے آئے تھے......؟ ممکن ہے ان جعلی نوٹوں کے ایک پرانے کیس کا سراغ لگانے میں مدد ملے۔''

اتنی دیر میں...... وہ زیر لب شنکر کو درجن بھر گالیاں دے چکا تھا اور ساتھ میں راجن کو بھی......! کمینہ کہتا تھا کہ وہ بڑا رئیس زادہ ہے...... اس کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ ایک صوبہ خرید لے...... اس نے مجھے جعلی نوٹ دے کر کہا...... یہ حقیر نذرانہ ہے...... تحفہ ہے۔ ''کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ جعلی نوٹوں کے اس کیس میں اب تک کیا پیش رفت ہوئی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''سوری دیوکمار......!'' اس نے جواب دیا۔ ''میں تمہیں یہ بتا نہیں سکتا...... موسٹ سیکرٹ ہے۔ آفس سیکرٹ۔''

''اچھا...... میں تمہیں موسٹ سیکرٹ بتاتا ہوں کہ میرا خیال ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''غالباً اس کیس کا آغاز دہلی سے ہوا ہوگا۔ جہاں پہلی بار یہ نوٹ پکڑے گئے ہوں گے۔ جب تفتیش کے نتیجے میں تمہارے محکمے کو امید ہو چلی کہ اب مجرم پکڑے جائیں گے تو اچانک نوٹ آنے بند ہو گئے...... اور پھر کچھ عرصے کے بعد چند نوٹ یہاں ملے...... کیوں رائٹ......؟''

''رائٹ......!'' وہ بے اختیار ہنس دیا۔ ''اچھا اب یہ بتاؤ کہ......''

''آگے سنو......'' ٹائیگر نے درمیان میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''سب سے پہلے یہ نوٹ ریس کورس میں پکڑے گئے تھے۔ لیکن ابھی تم نے کسی مجرم پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ صرف ایک شخص سے پوچھ گچھ کی تھی۔ لیکن اسے قتل کر دیا گیا۔ مقتول کا نام تھا...... کشن لال...... رائٹ۔''

''اگر ذاتی طور پر مجھے علم نہ ہوتا کہ تم کیسے آدمی ہو اتنا کچھ بتا دینے پر تمہیں گرفتار کر لیتا۔'' اس نے کہا۔ ''اتنی ساری باتیں معلوم ہونے پر ایسا لگتا ہے کہ تم بھی مجرموں کے ساتھ ہو۔''

''تمہارا فون ملنے سے پہلے مجھے علم نہ تھا کہ میرے پاس جو نوٹ باقی بچے ہیں وہ جعلی ہیں......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''یہ بتاؤ تم شنکر کو جانتے ہو؟'' وہ پھر ہنسا۔ ''اسے کون نہیں جانتا...... اس حرامی کا شجرہ نسب تک جانتے ہیں۔''

''اس ذلیل...... کمینے نے مجھے یہ جعلی نوٹ دیئے تھے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''اس نے میرے سپرد ایک کام کیا تھا۔ شام تک انتظار کرو...... مجھے کسی سے ملنا ہے اور ممکن ہو تو چھ بجے آ جاؤ۔''

اگر کوئی افسر ہوتا تو تمہیں یہ مہلت نہ ملتی...... بات کرنے کے لئے وہ خود آ پہنچا یا اسے بلوا لیتا...... پھر اس نے شیرٹن فون کر کے منیجر سے معذرت کی اور وعدہ کیا کہ وہ جعلی نوٹ اس نے لاعلمی ہی کے باعث دیا ہے...... وہ اپنی اولین فرصت میں رقم ادا کر دے گا...... وہ بخوشی تیار ہو گیا کہ ایسے ایماندار لوگ کہاں ملتے ہیں......؟

ٹائیگر کا اب اصل سرمایہ سمٹ کر بہت محدود ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے بصد حسرت و یاس غریبانہ طعام کے لئے کسی بڑے ہوٹل کے مقابل کسی چھوٹے سے ریسٹورنٹ کا انتخاب کیا اور پھر روزی کے مے خانہ میں آ بیٹھا۔ وہ صرف آدمی ہی کو نہیں بلکہ آدمی کے موڈ کو بھی پہچانتی تھی۔

''تم کچھ پریشان ہو......؟'' اس نے قریب آنے کے بعد جھک کر کہا۔ ''بلکہ اداس بھی......''

''وہ دونوں پھر نظر آئے تمہیں......؟'' اس نے روزی کی طرف نظریں چرا کے کہا۔

''وہی گوریلا اور گدھ......!''

روزی سیدھی کھڑی ہو گئی اور بولی۔ ''کل رات آئے تھے۔''

اسے اب راجن سے ملنا تھا تاکہ دو دو ہاتھ کئے جائیں...... اس شائق شہسوار پر دہلی ریس کلب کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ کیوں کہ وہ بدحیوانیوں کا مرتکب پایا گیا تھا...... تاہم جن کو اس نے فائدہ پہنچایا تھا ان سے واسطہ برقرار تھا...... اس نے شنکر کو دھوکا دے کر اپنے چند دوستوں کو اس شہر میں فٹ کرنا چاہا ہوگا...... ان میں سے ایک تو وہ بڑا بدمعاش گورکن تھا جو توپ جتنا ریوالور لے کر اس کے آفس میں گھس آیا تھا۔ اس بدمعاش کو اس کے دفتر کا راستہ راجن نے دکھایا ہوگا یا خود شنکر نے......! ممکن ہے دونوں ملے ہوئے

ہوں۔ جان جاتی تو اس کی......ان کے باپ کا کیا جاتا......؟

غصے میں کسی آتش فشاں کی طرح اندر ہی اندر ابلتا ہوا وہ راجن کے ہوٹل پہنچا۔ اس دق زدہ مالک کے دوستانہ اشتیاق کے جواب میں اس نے خوش دلی کا مظاہرہ کیا اور اس پر یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ وہ اندر کس قدر کھول رہا ہے۔ وہ زینے کی طرف بڑھا۔

دوسرے لمحے ہوٹل کے مالک نے اس کے جارحانہ عزائم بھانپ لئے تھے اس لئے وہ اس کے پیچھے لپکا تھا۔

اس نے راجن کے کمرے کے دروازے پر لات ماری اور چلا کر کہا۔

''دروازہ کھولو......گھوڑے کے بچے......تیری گردن توڑ دوں گا۔''

مگر اس پرانے وقتوں کے مضبوط دروازے کو کچھ نہ ہوا۔ چوٹ اس کے پیر میں آئی۔

وہ راجن کی زبردست پٹائی کرنے کے موڈ میں تھا......آخر راجن نے اسے کیا سمجھ کر الو بنانے کی کوشش کی تھی......؟

''میں دروازہ توڑ دوں گا راجن......!'' اس نے بانگ دہل اعلان کیا جو محض گیدڑ بھبکی تھی۔

''دیو......!'' ہوٹل کے مالک نے اسے نرمی سے کہا۔ ''تم غصے میں پاگل ہو رہے ہو......راجن خطرناک آدمی ہے۔''

''میں اس کی ناک توڑ دوں گا۔'' اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ''بتیسی تمہارے ہاتھ پر رکھ دوں گا اور سر......''

معاً اس کی نگاہ اس چابی پر گئی جو ہوٹل کے مالک کا ہار بنی ہوئی تھی اور جس سے مقفل دروازے کھولے جا سکتے تھے مگر اسے پہلے یہ دیکھنا تھا کہ راجن اندر ہے تو دروازہ کیوں نہیں کھول رہا ہے۔

''میں نے سنا ہے کہ شنکر کمرا خالی کر گیا ہے۔'' وہ بولا۔

''یہ غلط ہے۔'' مالک نے تکرار کی۔ ''وہ جاتا تو میرے سامنے سے گزر کر جاتا......وہ اندر ہی ہوگا۔''

''ابھی دیکھ لیتے ہیں......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''یہ چابی ذرا مجھے دو اور تم یہاں کھڑے رہو......راجن نکلنے نہ پائے......میں یہ چاہتا ہوں کہ شنکر کے کمرے سے گزر کر کھڑکی اور

پچھلی بالکونی پر چلتا ہوا راجن کے کمرے کی کھڑکی تک جا پہنچوں۔ پھر اندر دیکھوں...... تیسرا کمرا ہے شنکر کا......؟''

''شنکر......تمہیں کمرے سے کہاں گزرنے دے گا۔'' مالک نے رونی صورت بنا کر کہا۔ ''تم خوامخواہ جان سے گزر جاؤ گے؟''

وہ اس کی بات سے متاثر نہیں ہوا نہ ہی خوف زدہ......کیوں کہ وہ اس وقت بالکل کسی فلمی ہیرو کی طرح مار دھاڑ کرنا چاہتا تھا، اس نے چابی سے شنکر کے کمرے کا دروازہ کھولا اور ریوالور ہاتھ میں لئے سیدھا کھڑکی تک جا پہنچا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ شنکر واقعی جا چکا تھا۔ وہ کھڑکی کے نیچے دو فٹ چوڑے چھجے پر اتر گیا۔ دو کھڑکیاں چھوڑ کر اس نے تیسری بند کھڑکی کے شیشوں سے اندر جھانکا۔ لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے ہاتھ پر رومال لپیٹ کر مکا مارا اور ایک شیشہ توڑ دیا۔ اندر اس کے باوجود خاموشی رہی تو اس نے اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی کھولی اور کمرے میں اتر گیا۔ کھڑکی کھولنے سے کمرے میں روشنی ہوگئی تھی۔ اس روشنی میں اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ چند سیکنڈ ساکت وصامت رہنے کے بعد دروازے کی طرف بڑھا اور باہر آ گیا جہاں ہوٹل کا مالک کھڑا تھا۔

''جا کر پولیس کو فون کرو کہ کمرہ نمبر دو سو سات میں قتل ہوگیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اور کمرہ نمبر دو سو دس میں جو قاتل تھا وہ پچھلی کھڑکی کے راستے فرار ہوگیا ہے......''

ہوٹل کے مالک کے حلق سے مبہم اور بے معنی الفاظ کا منصوبہ بلغم اور خون کے ساتھ برآمد ہوا۔ راجن کے قتل پر وہ اتنا دہشت زدہ نہیں تھا جتنا پولیس کو یہ اطلاع دینے پر کہ شنکر قاتل ہے۔ لب گور ہونے کے باوجود وہ ابھی راجن کی طرح مرنا نہیں چاہتا تھا......اور اسے یقین تھا کہ شنکر یہ اطلاع کو ہرگز معاف نہیں کرے گا مگر وہ مجبور تھا۔

اس کے جاتے ہی ٹائیگر نے پھر راجن کو دیکھا جو اس غلیظ اور متعفن کمرے میں گھٹیا شراب کی خالی اور ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے درمیان مضحکہ خیز انداز میں پڑا تھا۔ کسی نے اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا تھا......شنکر کے لئے اس کے مضبوط جسم کو توڑنا اتنا ہی آسان ثابت ہوا ہوگا۔ جتنا راجن کے لئے بوتل توڑنا......بہرحال وہ بڑی آسانی سے موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔

بیس منٹ کے بعد شعبہ قتل کا انسپکٹر پہنچا......اس کی ٹیم نے معمول کے مطابق ضابطے

کی کارروائی کا آغاز کیا تو اس نے بتادیا کہ دروازے اور کھڑکی پر اس کے فنگر پرنٹس ملیں گے...... پھر وہ دونوں روزی کے بے خانے میں آ بیٹھے۔ روزی نے اسے ایک پولیس افسر کے ساتھ دیکھا تو بے تکلفی سے گریز کرتے ہوئے خدمت کے اعلیٰ معیار کو مدنظر رکھا۔ میرے غیر محسوس انداز سے کیئے گئے اشارے پر وہ دور ہی رہی۔

اس نے انسپکٹر کو وہ سب کچھ بتادیا جو اسے معلوم تھا...... سوائے جعلی نوٹ والے معاملے کے...... کیوں کہ یہ کسی اور محکمے کا معاملہ تھا...... اس نے چھوٹے بڑے بدمعاش کا ذکر تو کیا مگر اس کا نام نہیں بتایا...... اور یہ بھی نہیں بتایا کہ اس کے پاس اشاریہ پینتالیس کا ریوالور تھا...... اس نے تاڑ لیا کہ وہ فوراً کام کی بات نہیں بتا رہا ہے۔ لیکن اس نے انسپکٹر کو تسلی دی کہ چھ بجے تک انتظار کرے پھر وہ بتادے گا کہ کشن لال کے جسم سے نکلنے والی گرمی سے اس نے کیا نتیجہ اخذ کیا تھا...... اور اگر یہ نتیجہ غلط نہ ہوا جس کا امکان نظر نہیں آتا تو شام تک قاتل اس کی گرفت میں ہوگا...... گویا تین گھنٹے کے بعد......!

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی......!'' وہ قدرے الجھ کر بولا۔ ''اس کیس میں تمہاری کیا دلچسپی ہے...... کیوں کہ تم ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہو اور فیس لے کر کام کرتے ہو؟''

''فیس تو مجھے اس کیس کی کچھ نہیں ملی......'' اس نے جواب دیا۔ ''بس ایک انتقامی جذبے کی تسکین کا سامان ضرور ہے...... راجن نے مجھے الو بنا کر مروانا چاہا تھا...... شنکر اسے نہ مارتا تو میں اس کی خاصی ٹھکائی کرتا...... شنکر نے میرے ساتھ فراڈ کیا تھا...... اس نے دھوکا دے کر ایک قتل کروانا چاہا تھا مجھ سے...... میری دلچسپی کے اسباب ذاتی ہیں انسپکٹر......''

انسپکٹر نے بل ادا کرنے کی واجبی سی کوشش کی...... مگر ٹائیگر نے روزی سے کہا کہ یہ میرے حساب سے ڈال دیا جائے۔ اس نے برا سا منہ بنایا اس نے منہ بنایا کہ...... ٹائیگر نے نقد رقم اور اب کی دستیابی میں خواہ مخواہ رکاوٹ ڈالی۔ پھر وہ اپنے اپنے راستے پر چل پڑے۔

انسپکٹر نے صبر کا پھل میٹھا ہے کے اصول پر عمل کرتے ہوئے معقولیت کا رویہ اختیار کیا ورنہ وہ اپنے قانونی اختیارات کے چکر میں پڑتا تو اسے یوں جانے نہیں دیتا...... ٹائیگر کو بھی اس بات کا احساس ہوا تھا۔ ٹائیگر کی دوستی اور سچائی نے اسے متاثر کیا ہوا تھا۔ ماضی میں اس

نے انسپکٹر اور اس کے محکمے کے ایک کیس میں جو مدد کی اور قاتل کو کیفر کردار تک پہنچایا پولیس ساری زندگی اسے حل نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے اپنے غریبانہ دفتر پہنچ کر دروازہ پورا کھول دیا اور میز کے پیچھے پڑی کرسی پر یوں بیٹھا کہ ریوالور اس کی گود میں رکھی دکھائی نہ دے۔ اور ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر کام آسکے...... یہ شنکر کا عطا کردہ نہیں بلکہ اس کا اپنا اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور تھا...... اس کے ذہن میں کوئی وسوسہ اور اندیشہ نہ تھا۔ تمام امکانات اس کے ذہن میں تھے اور وہ ہر صورت حال سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار، چوکس، اور مستعد تھا۔

بڑا بدمعاش ٹھیک پانچ بجے نمودار ہوا۔ لباس کے سوا اس کے حلیے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ جو بات اس نے نوٹ کی تھی وہ احساس کی تھی۔ اس کے تیور بدلے ہوئے تھے...... وہ سودا کرنے نہیں بلکہ قتل کرنے کے مذموم اور درندگی کے ارادے سے آیا ہوا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ ریوالور پر رکھ لیا۔ کیوں کہ گورکن نے کمرے میں گھستے ہی اپنا توپ ریوالور نکال لیا تھا۔

''ہیلو...... گورکن......!'' اس نے نارمل لہجے میں کہا تو خوش دلی کا سا انداز تھا۔ ''تمہارا ہی انتظار تھا...... سوچ رہا تھا کہ تم بھول نہ جاؤ اور دہلی جا کر کسی گھوڑے کے ساتھ دوڑنے لگو......'' وہ زیر لب ہنسا۔ ''دوڑنے سے تو میرے ایک دوست کو منع کر دیا گیا تھا...... حالاں کہ وہ جوکی تھا۔ کلب والے کہتے تھے کہ وہ دس نمبری بے ایمان تھا...... گھوڑا ہوگا بے ایمان......''

''یہ کیا بکواس ہے......'' گورکن کا حوصلہ جواب دے گیا۔ ''تم نے کہا تھا کہ شنکر یہاں ملے گا...... وہ ہے کہاں؟ نظر نہیں آرہا ہے۔''

''شنکر......؟'' اس نے یوں کہا جیسے یہ نام اس نے پہلے کبھی سنا نہ ہو۔ ''اچھا......! میں اس سے ملنے گیا تھا اور وہ یہاں آنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا...... اب تم ایسا کرو کہ اپنا بستر بوریا گول کرو اور دہلی لوٹ جاؤ...... سمجھے کہ نہیں...... یہاں تمہاری غیر موجودگی غیر ضروری ہے...... یہ میرا فیصلہ ہے۔ میرا ہر فیصلہ اٹل ہوتا ہے اور تمہیں اس کے خلاف اپیل کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے...... تمہاری ایک ہزار کی رقم بطور فیس نہیں چاہیئے...... یہاں دہلی کی کرنسی نہیں چلتی...... ویسے بھی یہ رقم اتنی سی ہے جیسے اونٹ کے منہ میں زیرہ......''

وہ سمجھ گیا کہ اسے سب معلوم ہو چکا ہے ...... لیکن مجھے معلومات سمیت ختم کرنے کا فیصلہ اس نے تاخیر سے کیا۔ تاخیر سیکنڈ کے ہزاروں حصے کی تھی جسے محسوس کرنا آسان نہ تھا مگر اس فرق نے اس کے اور گورکن کے درمیان زندگی اور موت کی بیکراں خلیج حائل کر دی۔

گورکن نے ریوالور اٹھایا تو اس نے بھی اٹھایا...... اس نے گولی چلائی تو ٹائیگر نے بھی گولی چلائی...... اس کی گولی پہلے اس کی کلائی پر لگی اور اس کا نشانہ خطا ہو گیا...... اس کا ریوالور اس کی گرفت سے نکل گیا تو ٹائیگر نے اپنا ریوالور اس پر کھینچ مارا اور ایک جست لگا کر اس پر جا پڑا...... غیر مسلح ہونے کے بعد وہ اس اپاہج کی طرح ہو گیا تھا جس کی بیساکھی چھن گئی ہو۔ جسمانی طور پر وہ اتنا حقیر اور کمزور تھا کہ وہ اسے لات مار کر فٹ بال کی طرح اچھال سکتا تھا...... لیکن وہ درد سے بلبلا رہا تھا۔ چلا رہا تھا اور زندگی کی بھیک مانگنے کے لئے منت سماجت پر اتر آیا تھا۔

ٹائیگر نے اخلاقاً اس کی کنپٹی پر ایک ہاتھ رسید کیا۔ جس سے وہ فوراً بے ہوش ہو کر گر گیا۔ ٹائیگر نے اس کے ریوالور کی نال کو ناک سے پکڑ کے کسی مردہ چوہے کی طرح اٹھایا اور میز کی دراز میں ڈال دیا۔ پھر ٹائیگر نے انسپکٹر کو فون کیا جو بڑی بے چینی سے اس کے پیغام کا منتظر تھا۔

گورکن کی ناک سے ٹپکتے چند لہو کے قطرے اس کے ہاتھ پر لگ گئے تھے۔ اس نے اس لہو کو صاف کرنے کے لئے دوبارہ صابن لگایا اور ہاتھوں کو واش بیسن میں دھوتا رہا۔ پانی کے گرنے کی آواز میں کوئی اور آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچی اور جب اسے ایک آہٹ کا گمان ہوا تو اس کا گھوم کر دیکھنا مزید برا ثابت ہوا۔ ضرب اس کے سر پر سیدھی پڑنے کے بجائے میری کنپٹی پر پڑی۔ اسے گوریلے کے ساتھی گدھ نظر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں جراب تھی جس میں سکے بھرے ہوئے تھے۔ دبلا، سوکھا، گدھ اعلیٰ فن کار تھا...... گوریلا طاقت اور بار برداری کے کام کرتا تھا...... بے ہوشی سے پہلے ایک سیکنڈ میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ جس کو اس نے قیدی سمجھا تھا وہ عقل سے بالکل پھبدی نہ تھے اور تھے تو ان کو اشاروں پر چلانے والے یقیناً استادوں کے استاد تھے۔

جب اسے ہوش آنے لگا تو پہلا احساس بھیگی ہوئی ہوا کی خوشبو تھی۔ جو سمندر یا دریا کے ساحل کی خبر دیتی ہے۔ پھر اس نے دیکھا کہ لکڑی کے فرش پر جو لکڑی کا تھا کسی کیبن کا

ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ دریا کے کنارے وہ زمین جہاں ہر سال پانی چڑھ جاتا تھا تو فصل ڈوب جاتی تھی۔ وہ دولت مندوں اور شوقین مزاجوں نے خرید لی تھی۔ وہ زمین کوڑیوں کے مول ہی ملی تھی اور پھر لاکھوں خرچ کر کے مضبوط تفریح کی خاطر ان گھروں اور ہٹس میں قیام کرنے چلے آتے تھے۔ ان میں لکڑی کے گھر بھی تھے جو نسبتاً غریب لوگوں نے بنائے تھے۔ وہ ٹوٹا پھوٹا اور ناکارہ فرنیچر ڈال کر اس فرنیچر سے مطمئن سے ہو گئے تھے۔ جنگلی جانوروں کو اندر داخل ہونے سے روکنے کے لئے یہ ہٹس مقفل کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن کسی چور کے لئے ان میں کوئی کشش نہ تھی۔ کچھ ہٹس ایسے بھی تھے جہاں مدت سے مکین آئے ہی نہیں۔ وہ نقل مکانی کر کے گئے تھے۔ یا پھر دنیا سے سدھار گئے تھے۔ اگر کوئی چاہتا تو بڑی آسانی سے معلوم کر سکتا تھا کہ کس ہٹ میں کوئی کب سے نہیں آیا...... اس کے بعد وہ لاوارث رہ جانے والی ہٹ پر قبضہ کر سکتا تھا۔

کمرے یا کیبن میں آنے والی روشنی صبح کے اولین اجالے کی طرح تھی۔ چنانچہ اس نے اندازہ کیا کہ ضرب خاصی شدید تھی جس نے اسے رات سے بے ہوش رکھا تھا...... اس کے ہاتھ اس کے جسم کے ساتھ سیدھے ملا کے اس طرح باندھ دیئے گئے تھے کہ پیروں سے شروع ہونے والی رسی جسم کے گرد بل کھاتی ہوئی شانوں تک آ گئی تھی اور وہ فراعین مصر کی ممی بن گیا تھا۔ وہ سانس لے سکتا تھا۔ یا تھوڑی سی کوشش پلٹا کھا سکتا تھا...... دوسری جانب کا منظر دیکھنے کے لئے اس نے پلٹا کھایا۔ اس کے لئے اسے کچھ کوشش کرنی پڑی۔ اس نے شنکر والی کرسی پر نیم دراز دیکھا۔

"کیا حال ہے......؟" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا اور خوش اخلاقی سے بولا۔

"اگر میں اپنا حال بیٹھ کر سناؤں تو کوئی حرج ہے......؟"

"حرج......؟" وہ ہنسا۔ "حرج کیا......؟ یہ بدتمیز لوگ جو تمہیں نیچے ڈال گئے۔"

اس نے جیب سے چاقو نکالا اور اس کے ہاتھوں کی رسیاں کاٹنے لگا۔

"میں ابھی ابھی یہاں پہنچا ہوں۔ تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔ پھر باتیں کریں گے۔" اس نے ٹائیگر کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے اٹھا کر کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر بولا۔ "کچھ کھانے پینے کا موڈ ہے؟"

"اس کا رویہ انتہائی شریفانہ تھا جو بڑے بدمعاشوں کا وتیرہ ہوتا ہے...... کشن لال

اخلاق اور شائستگی میں کم نہ تھا۔ اب اس کی جگہ شنکر نے لے لی تھی تو وہ اپنے انداز واطوار سے عالی ظرف ہونے کا ثبوت دے رہا تھا۔ دشمنی اپنی جگہ...... وضع داری اپنی جگہ...... سکون و اطمینان کا یہ مظاہرہ اس احساس کی منہ بولتی تصویر تھا کہ کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ شنکر بہت طاقت ور اور وہ بہت کم زور اور بے بس...... شنکر کو اس کی ذرہ بھر بھی فکر نہ تھی کہ وہ اس کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ پھر اس نے اعلیٰ ترین شراب پیش کی۔ ٹائیگر نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس لئے پی لیا تھا کہ اسے توانائی بحال کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اور پھر سر پر ضرب سے جو جسم درد کر رہا تھا اس میں افاقہ ہوسکتا تھا۔ پھر دو سگریٹ سلگائے۔ ان میں ایک اس نے ٹائیگر کو دی۔ اس کی حالت سنبھلنے لگی۔

''مجھے تمہاری تلاش تھی۔'' اس نے سگریٹ کا لمبا کش لے کر کہا۔

''اس لئے میں نے تمہیں بلالیا۔'' شنکر ہنسا۔ ''بلکہ منگوالیا...... میرا پروگرام یہی تھا کہ تم گورکن سے نمٹ لو میرے دونوں آدمی تم سے نمٹ لیں گے...... اور انہوں نے مجھے بتایا کہ سب کچھ میری توقع کے مطابق ہوا۔ تم نے پولیس کو فون بھی کر دیا تھا مگر میرے آدمی گورکن کے ہاتھ پیر باندھ آئے تھے کہ کہیں ہوش میں آتے ہی بھاگ نہ جائے۔''

''تم چاہتے تھے کہ شعبہ قتل والے گورکن کو آلہ قتل سمیت پکڑ لیں......؟'' اس نے کہا۔

''ہاں......'' شنکر نے سر ہلایا۔ ''میں نے اس احمق سے اپنا ریوالور بدل لیا تھا۔ ایک ہی ماڈل کے ریوالور ہوں تو کیا پتا چلتا ہے...... اس کے پاس دو ریوالور تھے جس سے کشن لال مارا گیا تھا۔ کشن لال کا اپنا ریوالور......''

''کشن لال کو تم نے کیوں مارا شنکر......؟'' ٹائیگر نے درمیان میں بات کاٹی۔ ''اور پھر تم نے راجن کو قتل کیوں کیا......؟''

''چھوڑو...... ان باتوں کو...... اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''جو ہونا تھا وہ ہوگیا......''

''اور مجھے جعلی نوٹ دینے کا کیا مقصد تھا......؟'' ٹائیگر نے پوچھا۔

''اس کے بغیر تم گورکن کو مارنے یا پولیس کے حوالے کرنے پر کہاں تیار ہوتے......'' وہ بولا۔ ''اس طرح میں نے تمہاری خدمات حاصل کی تھیں۔''

''خدمات کے بچے......! تم نے خود ہی اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری تھی۔'' ٹائیگر نے

قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں باہر نکلتے ہی دو نوٹ شیرٹن والوں کو دے دوں گا...... میں طبعاً نواب امین نواب ہوں...... پیسہ ہاتھ میں ہو تو دل مچل جاتا ہے۔ وہ نوٹ خفیہ پولیس والوں کے پاس پہنچ گیا تھا...... تم نے سوچا ہوگا کہ گورکن کا کام تمام کرنے سے پہلے بھلا نوٹ میں کہاں نکالوں گا...... بعد میں تم مجھے نوٹ سمیت اٹھالاؤ گے...... اب خفیہ پولیس والوں کے علم میں ہے کہ نوٹ تم نے دیا تھا۔ تصدیق کرنا چاہتے ہو تو کرلو۔ میں تمہیں ایک نام بتائے دیتا ہوں...... لالچ بری بلا ہے شنکر......! اگر تم اور کشن لال مل کر نوٹ بانٹ لیتے تو کیا تھا۔ مگر تم نے کشن لال کو حصہ دینا قبول نہیں کیا اور اسے مار دیا۔ اب تم دونوں طرف سے گھر گئے ہو...... آج نہ سہی کل خفیہ پولیس والے تمہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔''

ٹائیگر دیکھ رہا تھا کہ اس کی بات کا شنکر پر خاطر خواہ اثر ہوا ہے...... شنکر کا ظاہری سکون اور اعتماد رخصت ہوگیا تھا۔ اس کا رنگ اڑنے لگا تھا۔ اس نے ٹائیگر کو ایک فحش گالی دی اور اس کے منہ پر تھپڑ مارا تو ٹائیگر نے بھی جلتی سگریٹ اس کے منہ پر لگادی۔ شنکر نے پوری قوت سے اس کے جبڑوں پر مکا رسید کیا۔ گو ٹائیگر کے ہاتھ آزاد تھے مگر اس کے پیر بندھے ہوئے تھے۔ شنکر جسمانی طور پر اس سے بہتر تھا۔

''تم نراس ہوگئے ہو ہیرو......'' ٹائیگر نے طنز کیا۔

''تمہیں اس وقت بولنے کی اجازت ہے۔'' شنکر نے کہا۔ ''کوئی آخری خواہش ہو تو بتادو۔''

''مجھے اپنے انجام کا افسوس ضرور ہے۔'' ٹائیگر نے بے خوفی سے کہا۔ ''لیکن یہ اطمینان رہے گا کہ تمہیں زیادہ دن جینا نہیں ہے۔ دو افراد کو میں نے سب کچھ بتادیا ہے...... پہلا خفیہ پولیس کا انسپکٹر...... دوسرا شعبہ قتل کا انسپکٹر ہے جسے میں نے فون کیا تھا کہ راجن کی لاش لے جائے، تم اتنے غیر معروف نہیں ہو...... جاننے والے تمہارا شجرہ نسب اور ماضی اور حال سب کچھ جانتے ہیں تم یہاں کسی اور کے کیبن پر قابض ہو۔''

''ہاں...... اس ہٹ کا مالک یورپ میں ہے۔ عرصہ تین برس سے۔'' شنکر نے اعتراف کیا۔

''تم مجھے دریا میں پھینک کر رخصت ہوجاؤ گے......'' ٹائیگر نے اپنی بات جاری

رکھی۔ بعد میں میری لاش ملے یا نہ ملے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں تمہارا وجود تک ثابت نہ ہوگا۔ تمہارے اطمینان کی مدت بہت کم ہے...... تمہارا نام......؟''

''نام سے کیا فرق پڑتا ہے...... نام سے کون پکڑا جاتا ہے۔'' وہ درمیان میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''تم یہ باتیں اس لئے کر رہے ہو کہ کچھ وقت گزارا جاسکے...... باتوں میں الجھا کے کچھ کرنے کی مہلت کے لئے...... یہ مہلت حاصل کرنے کا بہت پرانا اور فرسودہ طریقہ ہو چکا ہے۔ دنیا بہت ترقی کر گئی ہے۔''

''یہ تمہارا وہم ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''یہاں میری مدد کو کون آسکتا ہے......؟ کسی کو کیا معلوم کہ میں کہاں ہوں......؟ کس حالت میں ہوں...... اور مجھے کون اغوا کر کے لے گیا ہے...... چوں کہ تمہارے دل میں میرا خوف بیٹھا ہوا ہے...... میری دہشت تمہیں کسی زہریلے سانپ کی طرح ڈس رہی ہے اس لئے تم اس قسم کی باتیں کر رہے ہو...... ذرا تم آئینے میں اپنا چہرہ تو دیکھو...... ایسا لگ رہا ہے کہ لہو کی ایک بوند بھی نہیں ہے...... تم اس وقت کسی مردے سے بھی بدتر نظر آ رہے ہو۔''

''تم اپنی چونچ بند رکھو......'' شنکر اس کی بات سن کر بری طرح بگڑ گیا۔ ''پہلے میری بات سن لو...... تمہیں اس گھسے پٹے طریقے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیوں کہ تمہارا وقت متعین ہے...... باہر میرے آدمی کشتی تیار کر رہے ہیں اور اندر آتے ہی تمہیں گولی مارنے کے بجائے اٹھا کے لے جائیں گے......''

''انہیں اٹھا کے لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟'' اس نے قدرے شوخی سے کہا۔ ''کہیں ان کی نازک کلائیوں میں موچ نہ آ جائے۔ میں نے پاؤں پاؤں چلنا سیکھ لیا ہے۔ تم نے بچہ سمجھا ہوا ہے تو کیا ہوا...... میں نہیں چاہتا کہ انہیں اٹھا کے لے جانے کی زحمت دوں۔ میں تمہارے آدمیوں کو تکلیف دینا نہیں چاہتا ہوں۔''

''میں نے یہ ان پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ تمہیں جس طرح لے جانا چاہیں لے جائیں۔'' شنکر مسکرا کے بولا۔ ''ٹائیگر......! تم واقعی بہت بہادر اور دلیر ہو...... موت کو سامنے دیکھ کر بھی نروس نہیں ہوا اور نہ ہی خوف زدہ......! میں تمہارے کارناموں سے واقف ہوں۔ تم کئی بار موت کے چنگل سے نکل چکے ہو۔ لیکن آج ہرگز ایسا نہیں ہوگا...... کیوں کہ وہ تمہارے پاؤں میں بھاری پتھر باندھ کر دریا کی گہرائی میں ڈبونے لے جائیں گے۔''

جو مرضی میرے صیاد کی۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں تو تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔''

''کیا تمہیں موت سے خوف نہیں آ رہا ہے......؟'' شنکر نے حیران ہو کر کہا۔ ''حیرت کی بات ہے...... تم زندگی کی بھیک نہیں مانگ رہے ہو۔''

''موت سے ڈرنا کیا...... مسلمان لوگ کہتے ہیں کہ موت کا دن مقرر ہے۔'' اس نے کہا یہ ایک منٹ پہلے آتی ہے اور نہ ہی بعد میں...... نہ ہی ایک سیکنڈ کے بعد...... ان کی یہ بات سولہ آنے درست ہے...... وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں...... مجھے اس کا تجربہ بھی ہے میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی مردود بدمعاش اور تم جیسے لوگوں سے کبھی زندگی کی بھیک نہیں مانگی۔ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی...... میں نے بھیک مانگنے کے بجائے انہیں زندگی کی بھیک ضرور دی ہے جنہوں نے مانگی...... تم مجھے موت سے ڈراتے ہو...... تم بزدل، کمینے اور ڈرپوک ہو...... آخر تم کب تک موت اور قانون سے بچتے پھرو گے...... یہ اذیت ناک ہے، مر مر کے جیتے رہو گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بھیگ مانگنے سے مر جانا بہتر ہے۔ اس لئے موت کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''تم نے اپنی خواہش ظاہر نہیں کی۔'' شنکر بولا۔ ''تمہاری یہ باتیں فلمی مکالموں سے کم نہیں ہیں، یہ بتاؤ کہ مرنے سے پہلے کیا خواہش ہے میں اسے ضرور پوری کروں گا۔ یہ محض رسمی بات نہیں؟''

''صرف ایک گلاس ٹھنڈا پانی اور سگریٹ جس کی طلب ہو رہی ہے۔'' ٹائیگر بولا۔ ''مگر اسے آخری خواہش نہ کہنا۔''

بظاہر شنکر جو کہہ رہا تھا وہ شک و شبے سے بالاتر تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا اور اس کی زندگی لینے پر تلا ہوا تھا۔ کیوں کہ اس کی زندگی شنکر کے لئے مصیبت اور موت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اس لئے وہ ٹائیگر کو زندہ رہنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ایک سانپ کی طرح اس کا سر کچل دینا چاہتا تھا۔

ٹائیگر کو اپنی رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تھی۔ وہ ایک ایسے جال میں پھنس چکا تھا جس سے نکلنا ناممکن نہیں رہا تھا۔ لیکن وہ مایوس نہیں ہوا تھا۔ کیوں کہ وہ آخری سانس تک اپنی رہائی اور زندگی کے لئے جدوجہد کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے نجانے کتنی مرتبہ

موت کے منہ میں جا کر بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔لیکن یہ صورت حال انتہائی نازک اور پیچیدہ تھی۔ ہر سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔اس قدر بے دست و پا تھا کہ ڈوب مرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

ریوالور شنکر کے پاس کمرے میں کہیں نہ دکھائی دیتا تھا اور وہ غیر مسلح تھا۔اس کے پاس صرف ایک چاقو تھا جس نے ٹائیگر کے ہاتھ کی رسیاں کاٹی تھیں۔تاہم اس نے نگاہیں دوڑائیں شاید کہیں ریوالور ہو اور اس کی نالی نظر آ جائے۔وہ کم از کم خود کو گھسیٹتا ہوا اس تک پہنچ سکتا تھا۔اصلی کیا نقلی کا بھی کوئی وجود نہیں نظر آیا۔

اس نے شنکر کو اس کے انجام سے ڈرا کر اپنی موت پر جو اظہار اطمینان کیا تھا وہ بہادر اور دلیر نظر آنے کی ایک فضول سی کوشش تھی۔ اس نے ایک نفسیاتی حربہ آزمایا تھا......

حقیقت یہ تھی کہ اسے اتنی بے بسی اور بے کسی کی موت کا بہت دکھ اور افسوس تھا۔مقابلے میں مرنے کا دکھ نہیں تھا۔ یہ موت تو ایک چوہے کی موت تھی۔موت، موت میں فرق ہوتا ہے......اسے بار بار شیر میسور ٹیپو سلطان کا کہنا یاد آ رہا تھا کہ......"گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے......"اس نے شنکر سے بھی یہ قول کہا تھا......

وہ اس بات کا قائل تھا کہ مرنا ہے تو بہادری سے اور مقابلہ کر کے مرا جائے۔اس کے کتنے ہی دوست اور بہی خواہ تھے۔ایک سیون اسٹار ہوٹل کا مالک اور حسین و جمیل اور نوجوان روزی......اس علاقے کے وہ تمام لوگ جن کے ساتھ اس نے نیکی کی تھی۔ چھوٹی سی نیکی......بہر حال نیکی، نیکی ہی ہوتی ہے......اس کے ہم پیشہ اور جاننے والے پولیس افسران......یہ سب مل کر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔کیوں کہ ان میں سے کسی کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے......اور اسے کہاں لایا گیا ہے......ان کے خیال میں وہ شاید کسی جشن یا رنگین تفریح پر نکلا ہوا ہے۔

"شنکر......! اس میں کوئی شک نہیں کہ......تم نے خاصا کامیاب، شان دار اور بے عیب پروگرام بنایا تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔"لیکن گورکن کو میرے دفتر میں پولیس کے حوالے کرنے کا ڈرامہ کیا ضروری تھا......؟"

شنکر بڑے زور سے ہنسا۔"دراصل گورکن راجن کا دوست تھا......لیکن راجن پیسے کے سوا کسی کا دوست نہیں......میں نے اسے اتنا پیسہ دے دیا کہ اس نے دوستی کو قربان

کر دیا......میری خواہش تھی کہ گورکن آلۂ قتل کے ساتھ پکڑا جائے۔میں نے راجن کو سمجھا دیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔اس لئے اس نے گورکن سے کہا وہ دہلی والوں کا ساتھ چھوڑ کر ممبئی سنڈیکیٹ کا ممبر بن جائے۔کیوں کہ بڑے گروہ کے ساتھ کام کرنے میں فائدہ ہے......اگر گورکن رابطہ کرنا چاہتا ہے تو دیوکمار کی معرفت کر سکتا ہے جو ایک ماہر سراغ رساں ہے اور ایک دفتر کھولے بیٹھا ہے۔وہ بتا دے گا کہ شنکر کہاں ہے اور راجن کہاں ہے۔میں جانتا تھا کہ گورکن اپنے دوست راجن کو غداری کی سزا دینے ضرور آئے گا اور اس سے رابطہ قائم کرنے کی غرض سے تمہارے آفس پہنچے گا۔تم اس کو دو تھپڑ رسید کر کے بڑی آسانی سے اس کا ریوالور چھین لو گے۔"

"لیکن تمہارا یہ اندازہ کچھ غلط ہو گیا۔" ٹائیگر نے کہا۔"گورکن نے ایک جھوٹی کہانی سنا کر لمبا چکر چلا لیا اور اس طرح تمہاری پریشانی کا سامان پیدا ہو گیا۔ناکامی بہر حال تمہیں نہیں ہوئی لیکن راجن کو مارنے کا کیا فائدہ ہوا۔"

"کشن لال نے مجھے ایک عملی سبق یہ دیا تھا کہ کسی کو راز مت بتاؤ اور بتاؤ تو ضرورت پوری ہو جانے کے بعد اس کی زبان ہمیشہ کے لئے خاموش کر دو جس سے افشائے راز کا ڈر ہو۔" شنکر نے کہا۔"راجن کا مرنا اس لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اصل بات جانتا تھا۔ اور کل کو مزید رقم مانگنے آ جاتا تو میں کیسے انکار کرتا......خود تم نے اپنی ذہانت کے باعث صحیح سمت میں جو قیاس آرائی کی وہ تمہاری مصیبت کا سبب بنی۔"

"اگر میں زندہ رہتا تو تب تم بھی نہیں بچتے۔" ٹائیگر نے کہا۔"میں مرنے کے بعد بھی تمہارے سر پر پھانسی کا پھندا بن کے جھولتا رہوں گا۔اور تم بھی بہت جلد وہاں پہنچو گے جہاں میرے جیسے گنہگار ہوں گے......یعنی نرک میں......شاید طبقے کا فرق ہو۔وہاں بھی مجرموں اور گنہگاروں کو طبقاتی لحاظ سے رکھا جاتا ہے۔"

اس سے بات کرتے وقت اس کی آنکھیں غیر محسوس انداز سے مسلسل کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں......اس کے ہاتھ آزاد تھے مگر اس کی دسترس میں کچھ نہ تھا......سپاٹ دیواروں کے بدوضع تختے......جو بہت مضبوط تھے۔فرش ٹوٹا ہوا تھا اور جگہ جگہ ریت نظر آ رہی تھی۔لیکن پتھر کوئی نہ تھا جسے وہ شنکر کے سر پر دے مارتا۔کوئی ڈنڈا......سریا......ٹیبل لیمپ......گل دان......ایش ٹرے اور برتن کچھ نہ تھا......شراب کی بوتلیں بھی اس سے دور تھیں۔

اچانک اس کی نگاہیں ناہموار اور شکستہ فرش پر ایک جگہ ٹھہر گئیں۔

اس کا دل تیزی سے دھڑکا اور اس نے ایک بار آنکھیں بند کرنے کے بعد کھولیں۔

کہیں یہ سپنا تو نہیں......؟ اس نے سوچا۔ نہیں یہ سپنا نہیں ہے۔ اس نے دل میں کہا۔ وہ ننھا منا سا مائیکروفون تھا۔ جو فرش سے جھانک رہا تھا۔ ایک ایسی جگہ سے جہاں شنکر کی نظر دیکھ نہیں سکتی تھی...... یہ محاورہ سچ ہو گیا تھا کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ یہ الیکٹرونک کمان سب کچھ سن رہا تھا اور سنا رہا تھا...... مگر کسے...... اس نے خود کو قابو میں رکھنے کی جدوجہد رکھی۔ اس نے خود کو نارمل رکھ لیا۔

اس علاقے میں عمارت کے ڈھانچے ستونوں پر یوں کھڑے تھے کہ ہر عمارت کے نیچے پانچ چھ فٹ کی جگہ خالی تھی۔ جب پانی چڑھتا تھا تو نیچے کے ستونوں تک رہتا تھا اور کسی رکاوٹ کے بغیر گزر جاتا تھا۔ شاید ایسی ہی جگہ کوئی موجود تھی جس نے لکڑی کے درمیانی خلا سے باریک سا تار اندر ڈال دیا تھا اور اس تار کے ساتھ چھوٹا سا مائیکروفون بھی تھا جو فرش اور دیوار کے سنگم پر طلوع ہو گیا تھا۔ اسے دیکھ کر اس کا حوصلہ یک لخت بلند ہو گیا تھا۔ امید کے ٹوٹنے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑی۔ لیکن بفرض محال یہ امید غلط نہ تھی تو شاید وہ اپنے نادیدہ معاون کی مدد سے بچ جائے۔

''تم نے مجھ سے آخری خواہش پوچھی تھی۔'' اس نے کہا۔ ''میری خواہش ہے کہ مجھے پلا پلا کر ہوش سے بیگانہ کر دو۔ تاکہ موت آئے تو راجن کی طرح مجھے بھی احساس نہ ہو...... جب تم نے اسے درندگی سے ہلاک کیا تو اسے کوئی تکلیف نہ ہوئی تھی نا......؟''

شنکر مسکرایا...... اس نے وہسکی کا ایک گلاس بھر کر اسے تھما دیا۔

''پیو...... مرنے والوں کی طرح اپنے گزرے ہوئے وقت کو یاد کرو...... یہ سوچو کہ تمہیں ابھی کیا کچھ کرنا تھا جو تم نہ کر سکے...... آدمی سو برس پورے کر کے مرتا ہے جب بھی سوچتا ہے کہ وہ زندہ رہتا تو جو تمام عمر نہ کر سکا وہ کر لیتا...... یہ سب کشن لال کہا کرتا تھا۔''

''تم ہر طرح سے کشن لال بننے کی کوشش کر رہے ہو......؟ تمہاری اپنی شخصیت کچھ نہیں...... یہ احساس کمتری کی علامت ہے شنکر......؟'' اس نے کہا۔

''وہ اصل تھا اور تم نقلی......؟''

خاموشی کا ایک مختصر وقفہ آیا۔ جس کا ہر لمحہ اذیت ناک انتظار کی کیفیت سے دوچار

تھا...... انتظار ان کا جو فرشتہ اجل کے نامہ بر تھے...... کس کا ہاتھ نہ زبردست تھا...... مارنے والے کا یا بچانے والا کا......؟ بالآخر اس کے اعصاب جواب دینے لگے۔

''شنکر......! بھگوان کے لئے یہ کھیل ختم کرو...... موت نہیں...... موت کا انتظار زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے...... فوراً ہی مجھے گولی مارو اور میرا کام تمام کر دو......''

''میں تمہیں گولی مار کر سکون و اطمینان کی سانس لیتا۔'' شنکر نے سادگی سے کہا۔

''میرے پاس تو ریوالور بھی نہیں ہے۔''

''سن لیا ہے تم نے......؟'' اس نے کہا۔ ''اب انتظار کیوں کر رہے ہو دوست......!''

اس نے اپنے نادیدہ مددگار کو مخاطب کیا تھا۔ چنانچہ شنکر نے اس بے معنی بات پر اسے حیرت سے دیکھا۔

''میں اپنے زور بازو پر انحصار کرتا ہوں۔'' شنکر نے کہا۔ ''تمہارے لئے میرا خنجر کافی ہوگا......''

''خنجر......؟'' وہ دہشت زدہ ہو کر چلایا۔ ''نہیں شنکر نہیں...... مجھے خنجر سے بہت ڈر لگتا ہے۔ کیوں کہ اس طرح موت بہت دیر سے آتی ہے...... خون بھی پانی کی طرح بہہ جاتا ہے...... مجھے گولی مار دو...... پلیز!''

☆......☆......☆

''اچھا...... اچھا...... چنتا نہ کرو۔'' شنکر نے اسے جیسے دلاسا دینے کے انداز میں کہا۔

''فکر نہ کرو میں ان سے کہوں گا کہ تم بغیر درد اور تکلیف کے شانتی سے مرنا چاہتے ہو...... آسان موت اور آسان طریقے سے...... وہ تمہیں باہر لے جا کر گولی مار دیں گے...... ان کے پاس جو ریوالور ہے اس کی گولی بڑی خطرناک ہے۔ آدمی کو سانس لینے کی مہلت بھی نہیں دیتی ہے...... اس جگہ میں نے کشن لال کو دو ماہ قید رکھا تھا...... اور اس پر خوب تشدد کیا۔ ایذائیں دیں...... میں اسے بھی خنجر سے ختم کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس سے مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی آخری خواہش تھی کہ گولی مار کر ختم کر دیا جائے۔ میں نے اس کی آخری خواہش کا احترام کیا۔ پھر اسے گولی مار کر دریا برد کر دیا۔ اس کا ڈھانچا کہیں نہ کہیں پڑا ہوگا۔ کیوں کہ گوشت تو مچھلیوں نے کھا لیا ہوگا...... یہ جگہ ایسی ہے کہ یہاں کوئی نہیں آتا ہے۔ اس لئے میں نے لاکھوں کے نوٹ لا کے یہاں ڈال دیئے ہیں۔''

"ایک گلاس اور......" ٹائیگر نے کہا۔"اس سے مجھ پر نشہ طاری نہیں ہو رہا ہے۔"

شنکر نے اس کے خالی گلاس میں بیئر بھر دیا اور پھر اسے تھما دیا۔"یہ تم پر نشہ طاری کر دے گا اور تم......؟"

ابھی اس کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ باہر سے فائر کی آواز آئی۔"شنکر نے چونک کر حیرت سے دروازے کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ نشانے کی مشق کر رہے ہو......؟" وہ تیز لہجے میں بولا۔"ان سالوں کو اس کی ضرورت تھی؟"

اس کے ماتھے پر ناگواری کی شکن نمودار ہو گئی تھی۔اس نے بھی دروازے کی طرف دیکھا اور شراب شنکر کے منہ پر اچھال دی۔کیوں کہ اس نے شعبہ قتل کے انسپکٹر رام دیال کا لمبا سایہ دیکھ لیا تھا۔وہ اسے ہزاروں میں دور سے ہی پہچان سکتا تھا۔

شنکر وقتی طور پر اندھا ہو گیا تھا۔اس نے ٹائیگر کو گالی دی۔یوں بھی ٹائیگر نے اپنی حفاظت کا بندوبست کیا ہوا تھا۔گو کہ اس کے ہاتھ آزاد تھے۔اس کے قریب ہی ریت سے بھری پھٹی ہوئی بوری رکھی تھی۔جب اسے گولی مارنے لے جانے کے لئے بدمعاش آتے تو وہ ان کی آنکھوں میں اور شنکر کی آنکھوں میں بھی جھونک دیتا......وہ ابھی قدم اٹھاتے ہوئے اس لئے رک گیا تھا کہ اس نے مائیکروفون دیکھ لیا تھا اور پھر ادھر رام دیال بھی آ گیا تھا۔اس لئے نوبت نہیں آئی تھی۔اس وقت انسپکٹر اندر آ گیا تھا۔ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا۔شنکر آنکھیں کھولتے ہی منجمد سا ہو گیا تھا۔

"بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے......؟" ٹائیگر نے شوخی سے کہا۔

"یہ تم نے کی......ذرا پہلے بتا دیتے کہ شنکر کے پاس ریوالور نہیں ہے۔" انسپکٹر رام دیال نے کہا۔

"میں صرف تمہاری جان کے خیال سے رکا رہا......میرا خیال تھا کہ مائیکروفون دیکھ لو گے۔" انسپکٹر رام دیال نے توقف کے بعد پھر کہا۔

"مائیکروفون......؟" شنکر نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔"میں سمجھا نہیں۔کہاں ہے؟"

"ہاں......میں دیو کے سوالات کی داد دیتا ہوں۔" انسپکٹر دیال نے کہا۔"اس نے تم

سے اول تا آخر سب کچھ پوچھ لیا......اب تمہارا اقبال جرم تمہاری اپنی آواز میں ہمارے پاس ٹیپ کی صورت میں موجود ہے۔" وہ ہتھکڑی لے کر آگے بڑھا۔"شنکر نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیئے۔

چند لمحوں کے بعد انسپکٹر رام دیال نے شنکر کے خنجر سے ٹائیگر کی رسیاں کاٹ دیں۔

پھر اس نے آزاد ہو کر ہاتھ اٹھا کے کسی حسینہ کے انداز میں توبہ شکن سی انگڑائی لی......

پھر اس نے انسپکٹر سے بولا۔"میں جانتا ہوں کہ تم یہاں میری مدد کے لئے نہیں پہنچے ہو۔"

انسپکٹر رام دیال نے اثباتی انداز میں سر ہلایا اور ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"یہ کیبن کوئی دو سال سے زیر نگرانی تھا......جب کشن لال مارا گیا تو ہم نے دن رات باہر آنے جانے والوں پر نگاہ رکھی اور کشن لال کے دست راست یہاں آتے دیکھ کر ہم چوکس ہو گئے......خفیہ پولیس کے شعبے سے بھی ہمارا واسطہ رہا جو جعلی نوٹوں کی تفتیش کر رہا تھا......تمہاری مدد سے جرم بے نقاب ہوئے اور ہمارے سامنے حالات کی مکمل تصویر سامنے آ گئی......تمہیں کیا معلوم کہ ہم چوبیس گھنٹے تم پر بھی نظر رکھتے تھے......ہر جگہ تمہارے پیچھے ہوتے تھے کیوں کہ تم مجرموں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے......مجرم خود تمہارے پاس آتے تھے......جال تم پھیلا رہے تھے اور ہم دور سے تماشا دیکھ رہے تھے۔"

"ایسی صورت میں تم نے ان مجرموں کو گرفتار کرنے میں قدم کیوں نہیں اٹھایا......؟" ٹائیگر نے کہا۔

"اس لئے کہ ہم بنے بنائے کھیل کو بگاڑنا نہیں چاہتے تھے۔"

"اس کے تین آدمی باہر تھے۔" ٹائیگر نے کہا۔"ان کا کیا بنا......؟"

"ایک مارا گیا......دوسرا جو دبلا پتلا تھا اور پہلوان ٹائپ پکڑا گیا۔" انسپکٹر رام دیال نے جواب دیا۔

"گدھ مارا گیا......اور گوریلا پکڑا گیا۔" اس نے کہا۔"روزی سنے گی تو خوش ہو جائے گی۔"

"خوش تو تمہیں ہونا چاہئے۔" رام دیال مسکرا دیا۔"زندہ بچ جانے پر بھی اور اس انعام پر بھی جو تمہیں ملے گا......خفیہ پولیس کی خدمات اسٹیٹ بینک نے جعلی نوٹوں کا سراغ

لگانے کے لئے حاصل کی تھیں اور انعام کا اعلان بھی کیا تھا......؟ پچیس ہزار روپے کا انعام......اور ہم نے متفقہ طور پر طے کیا ہے اس کے لئے تمہارا نام بھیجا جائے اور ہم کا مطلب......میں نے اور تمہارے ہی خفیہ پولیس کے درست انسپکٹر وشوا ناتھ نے......تم نے جو بہادری کی وہ ہمارا انعام ہے......کشن لال کے قاتل کو میں نے پکڑا......جعلی نوٹ چھاپنے والے کو تمہارے دوست نے......حقیقت یہ ہے کہ تمہاری مدد کے بغیر یہ کامیابی ناممکن تھی۔

☆......☆......☆

جب ٹائیگر مے خانے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ روزی اور مے خانے کا مالک بہت پریشان ہیں۔ دونوں کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔ ان کے علم میں شاید یہ بات آ چکی تھی کہ ٹائیگر شام سے ہی گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہے......شاید اسے اغوا کر لیا گیا ہے اور پھر اس کے دفتر سے ایک زخمی و بے ہوش حالت میں ایک شخص ملا ہے جسے پولیس لے گئی۔

سب سے پہلے اس پر مے خانے کے مالک چندر گپت کی نظر پڑی۔ وہ کاؤنٹر سے نکل کر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"دیوکمار......!" وہ محبت بھرے لہجے میں بولا۔ "تم کیسے ہو......؟ خیریت تو ہے نا......رات بھر کہاں رہے......؟"

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں......" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں صبح تک بے ہوش رہا تھا۔ کیوں کہ مجھے بے ہوش کر دیا گیا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد مجھے جان سے مارنے کی کوشش کی گئی تھی۔"

"لیکن تم صحیح سلامت ہو......" وہ خوش ہو کر بولا۔ "وہ ناکام رہے نا......؟ کیا وہ غارت ہو گئے؟"

"میں اس لئے ان کے ہاتھوں سے مر نہیں سکا کہ......مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہوتا ہے......" اس نے جواب دیا۔ "پولیس انسپکٹر رام دیال نے میرا کھوج لگا کر مجھے بچا لیا......اب وہ بدمعاش قانون کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ اسے پھانسی کی سزا ہو جائے گی۔"

"کس نے تمہیں اغوا کیا تھا......؟" چندر گپت نے پوچھا۔ "اور کس لئے......؟"

"شنکر نے......اس لئے کہ میرے علم میں آ چکا تھا کہ اس نے کشن لال اور راجن کو قتل کیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "انسپکٹر رام دیال نے اسے گرفتار کرنے کے لئے جال بچھایا ہوا تھا۔ اس میں وہ پھنس گیا۔"

"دیوکمار......! تم کاؤنٹر پر آؤ......مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"جب ٹائیگر اس کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف بڑھا تو اس وقت روزی کی نظر ٹائیگر پر پڑی تو وہ گلاب کی طرح کھل اٹھی۔ اس کا چہرہ دمک گیا اور اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ان گنت برقی قمقمے روشن ہو گئے۔ اس سے وہ اتنی پیاری لگی کہ وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

روزی نے ٹائیگر پاس آ کر پوچھا۔ "دیو......! تم کیسے ہو......؟ میں نے سنا تھا کہ تمہیں گدھ اور گوریلا اٹھا کر لے گئے......؟"

"ہاں......!" اس نے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔ "گدھ پولیس کے ہاتھوں مارا گیا......گوریلا کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ اب ان دونوں سے نجات مل گئی ہے۔ کشن لال کا قاتل بھی گرفتار ہو گیا ہے۔"

پھر اس نے چندر گپت اور روزی کو انعام کے بارے میں بھی بتایا۔

"دیوکمار......!" چندر گپت کہنے لگا۔ "رات میں نے بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ یہ شراب خانہ بند کر دوں اور اس کی جگہ ہوٹل کھول لوں۔ اس کے لئے کچھ سرمائے کی ضرورت ہے۔ میں کہیں سے قرض لے لوں گا۔ میں شراب خانے سے سخت بیزار ہو گیا ہوں۔ نفرت ہو گئی ہے۔ کیوں کہ نئی نسل خراب ہو رہی ہے۔ میں نے روزی سے بات کی تھی وہ خود بھی یہی چاہتی ہے......میں چاہتا ہوں کہ تم سراغ رسائی کا دھندا چھوڑ دو۔ ہوٹل سنبھال لو......اور ہاں تم کیا کہتے ہو......؟" وہ گلوگیر آواز میں بولا۔

"ہوٹل روزی سنبھال لے گی......سراغ رسانی میرا شوق اور جنون ہے۔ آپ کو شراب خانے کو ہوٹل میں تبدیل کرنے کے لئے کتنی رقم کی ضرورت پڑے گی......؟" اس کا اندازہ اور حساب کتاب ہے؟"

"دو لاکھ روپے......" چندر گپت نے کہا۔ "میں سوچ بچار کر رہا ہوں کہ اپنا فلیٹ بیچ دوں اور ہوٹل میں ایک کمرہ بنا لوں۔"

"نہیں......آپ کو فلیٹ بیچنے کی ضرورت نہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "دو لاکھ روپے میں

دوں گا۔'' یہ قرض نہیں ہوگا۔''

''دو لاکھ روپے......؟ تم دو گے......؟'' چندر گپت نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''تم بن پئے بہک رہے ہو...... نشے میں ہو......''

''میں نشے میں نہیں ہوں......'' اس نے کہا۔ ''میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں یہ ہال خرید سکتا ہوں...... میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میرے پاس کتنی دولت ہے...... میں اصل میں کون ہوں......؟ کیا ہوں......؟''

☆......☆......☆

روزی جس وقت اپنی ڈیوٹی ختم کر کے مے خانے سے نکلی اس وقت ٹائیگر عمدہ قسم کے سوٹ میں تھا۔ اس کی نئی گاڑی جس کے بارے میں روزی نہیں جانتی تھی۔ وہ کار کے پاس کھڑا ہوا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

روزی نے اسے اوپر سے نیچے دیکھا۔ وہ بگڑ کر بولی۔

''ابھی انعام نہیں ملا......اور تم نے قرض لے کر اڑانا شروع کر دیا؟''

''پیسہ خرچ کرنے کے لئے ہوتا ہے اس پر ناگ بن کر بیٹھنے کے لئے......'' ٹائیگر مسکرایا۔ ''سنو...... ان فاتحانہ باتوں کو چھوڑو...... میں تمہیں پر تکلف ڈنر پر شیرٹن لے جانا چاہتا ہوں...... مہارانی......! کیا چلنا پسند کرو گی......''

''کیوں نہیں......'' روزی نے اپنا خوش نما سر ہلایا۔ ''تم نے پہلی بار اتنے خلوص سے دعوت دی ہے۔ میں کیسے انکار کر سکتی ہوں۔''

''تم نے خلوص کے ساتھ محبت کا لفظ شامل کیوں نہیں کیا......؟''

''اس لئے کہ خلوص میں محبت شامل ہوتی ہے۔ محبت نہ ہو تو خلوص بھی نہیں ہوتا ہے۔''

جب اس نے ہوٹل شیرٹن کے بجائے مالا بار ہل کے سپریم ہائٹس اپارٹمنٹ کے سامنے گاڑی روکی تو روزی نے کہا۔

''یہ تم کہاں لے آئے......؟ کیا نشے میں ہو...... یہ ہوٹل شیرٹن تو نہیں ہے......؟''

''یہاں میرے ایک دوست میاں بیوی رہتے ہیں......'' اس نے کہا۔ ''چلو...... انہیں بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔''

اس عمارت میں جو فلیٹس تھے ان میں شہر کے دولت مند اور اداکارائیں رہتی تھیں۔ اس میں اس کا اپنا ذاتی لگژری فلیٹ تھا۔ وہ سحر زدہ سی اس نہایت آراستہ فلیٹ کو دیکھنے لگی۔ چند لمحوں کے بعد وہ دوست میاں بیوی کو نہ دیکھ کر بولی۔

''یہ تمہارا اپنا ہے...... لیکن دیو کمار......؟''

جب ٹائیگر نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو وہ تحیر زدہ لہجے میں بولی۔ ''او بھگوان......! کیا تم دہری زندگی گزار رہے تھے...... وہ کس لئے؟''

''صرف تمہارے لئے......'' اس نے جواب دیا۔ ''تمہارا مستقبل تابناک بنانے کے لئے......''

''لیکن......! دیو کمار......!'' وہ حیران سی ہو کر بولی۔ ''میں ایک معمولی عورت ہوں...... شراب خانے کی ویٹرس...... اور تم......''

''اس لئے کہ تم ایک بہت اچھی لڑکی ہو...... جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تو میں تم سے بے حد متاثر ہوا...... اس غلاظت کے ماحول میں بھی تم کنول ہو۔ تم نے کبھی بھی اپنے آپ کو سستا نہیں کیا...... گرایا نہیں...... کسی کی جھولی میں گری نہیں...... تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی تو اپنے آپ کو میلا کرتیں اس لئے میں تمہیں ایک بڑے انعام سے نوازنا چاہتا ہوں...... تمہارا وہ گھر بسانا چاہتا ہوں جس کے لئے تم نے یہ ملازمت کی...... میں تمہارا ہاتھ آنند شرما کے ہاتھ میں دینا چاہتا ہوں......''

''آنند شرما......؟'' وہ اچھل سی پڑی۔ ''تم...... تم آنند شرما کے بارے میں کیسے جانتے ہو......؟'' وہ سرخ ہو گئی۔

''بے وقوف......! تم یہ بھول گئیں کہ میں ایک سراغ رساں ہوں...... میں کیا کچھ نہیں جانتا ہوں۔ وہ تم سے بغیر جہیز اور لین دین کے شادی کرنا چاہتا ہے...... لیکن تمہاری اس کے لئے تیاری نہیں ہے کہ تم سسرال جا کر ساس، نندوں اور دیوروں کے طعنے سنو...... میں تمہاری شادی آئندہ ہفتے کروں گا۔ اتنا جہیز اور لین دین دوں گا کہ ان کا منہ بند رہے...... شادی کے بعد ہنی مون منا کر آؤ گی تو چندر گپت کے ہوٹل کو سنبھالو گی...... اور آنند شرما کو اس کی ملازمت کرنے دو گی...... وہ بہت پیارا اور تمہارا جوڑ ہے۔''

''دیو کمار......!'' روزی سسک کر اس کے سینے میں آ گئی۔ ''تم کتنے عظیم دوست،

بھائی......باپ کی طرح ہو......''اس کی آنکھیں بھرائیں۔

''لیکن بھول رہی ہو کہ میں ٹائیگر سراغ رساں بھی ہوں......'' ٹائیگر نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

روزی......روتے روتے ہنس پڑی۔

ٹائیگر نے روزی کی شادی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس نے روزی سے کہا تھا کہ وہ کسی کو نہ بتائے کہ وہ دہری زندگی گزار رہا ہے...... وہ دیو کمار ہے...... ٹائیگر نہیں ہے......اس نے روزی کی ماں کے ہاتھ پر چار لاکھ کی رقم رکھتے وقت کہا تھا کہ......وہ اس رقم کے بارے میں اور اس کے متعلق کسی کو نہ بتائے......کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ جب روزی پیدا ہوئی تھی اس روز سے اس کے نام بینک میں پس انداز کی ہوئی رقم جمع کرتی آئی تھی...... یہ اس کی محنت کی کمائی ہے جو سلائی کے کارخانے میں ایک ورکر تھی یہ اس کا محنتانہ ہے۔ وہ پس پردہ ہی رہا تھا۔ اس نے البتہ روزی کی شادی میں شرکت کی تھی۔ آشیرباد بھی دیا تھی۔

☆......☆......☆

ٹائیگر آج جب اپنے لگژری فلیٹ میں بستر پر دراز تھا اسے اپنا ماضی یاد آ گیا۔ اس وقت وہ ٹائیگر نہ تھا۔ اس کی مجرمانہ زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ اس واقعہ اور حالات نے اسے جیل پہنچایا تھا۔ اس وقت وہ صرف وسیم احمد تھا۔

وسیم سات برس کے ایک لمبے اذیت ناک اور جان لیوا عرصے کے بعد کل رہا ہونے والا تھا۔

اس نے سات برسوں کو سات صدیوں کی طرح کاٹا تھا یہ اس کا دل ہی جانتا تھا کہ اس پر اس عرصے میں کیا بیتی......وہ ماہئی بے آب کی طرح تڑپتا رہا تھا۔

اگر اس کے سینے میں انتقام کی آگ نہ بھری ہوتی تو یہ سات برس کی ستر برس بھی جیل میں سکون واطمینان سے کاٹ لیتا اور اپنی رہائی کا کبھی بھی نہ سوچتا۔ اسے اپنی رہائی کی کوئی خواہش ہوتی اور نہ تمنا...... یہ انتقام کی آرزو تھی جس نے ایک دن کو ایک صدی بنا دیا تھا۔

سات برس پہلے جب اس نے جیل میں قدم رکھا تھا تو اس دن فیصلہ کرلیا تھا وہ عاصم کو ہر صورت میں قتل کر کے رہے گا...... ہر قیمت پر اس سے انتقام لے گا......اسے اس رقم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جو عاصم نے بغیر ڈکار لئے ہضم کرلی تھی......اسے صرف اور صرف عاصم

کی جان کی ضرورت تھی......وہ اسے ایک پل بھی زندہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا......اس شخص کے لئے کسی کی زندگی کو ختم کر دینا مشکل نہیں تھا جو جیل واپس جانے اور ہر سزا بھگتنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو۔ اب اسے جیل سے باہر کی دنیا......اس کی رنگینیاں اور رونقوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اسے یہ دنیا زہر لگتی تھی۔ جس میں مکر وفریب، خودغرضی اور بے ضمیری کے سوا کچھ نہ تھا......اس دنیا میں جتنی ریاکاری اور منافقت تھی اس کا آدمی پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا......اس نے جیل میں جرائم پیشہ لوگوں سے دوستی کرلی تھی۔ وہ ان سے تربیت حاصل کرنے لگا۔ ان کا دوست بن گیا کیوں کہ اسے اپنے دشمن کو قتل کرنے کے لئے ہر فن میں طاق ہونا ضروری تھا۔

جب وہ جیل سے باہر آیا تو اسے ذرہ برابر بھی کوئی خوشی نہیں ہوئی......خوشی کیا ہوتی ہے......؟ خوشی کسے کہتے ہیں......؟ وہ یہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ اس کے لئے یہ سب کچھ بے معنی ہو چکا تھا۔

اس نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ان سات برسوں میں یہ دنیا اتنی بدل گئی تھی جیسے سات صدیاں بیت گئی ہوں۔ اس سے یہ دنیا پہچانی نہیں جاتی۔ اجنبی اور غدار بن گئی تھی۔ ہر شخص اپنی غرض میں اندھا ہو کر ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا......انسان بڑی تیزی سے واپس اپنی پرانی تہذیب کی طرف لوٹ رہا تھا جب اخلاق نے اسے چھوا تک نہیں تھا...... یہ ایک جنگل تھا انسانی حیوان اور ہر انسان خون آشام بھیڑیا بنا ہوا تھا۔ درندہ صفت......کوئی قانون نہیں تھا......فرق صرف اتنا تھا کہ وہ آج یہ سب کچھ انسانیت کی آڑ میں کر رہا تھا۔

اس کا اپنا گھر تھا جس میں دو کمرے اور ایک بہت بڑا صحن تھا جس میں سپاری اور ناریل کے درخت تھے۔ یہ مکان اسے ورثے میں ملا تھا۔ اس گھر کی چابی وہ صابرہ خالہ کو بطور امانت دے آیا تھا جو اس کی پڑوسن تھیں اور اس کی ماں کی سہیلی بھی......انہوں نے اسے گودوں پالا بھی تھا......اس کا خیال تھا کہ صابرہ خالہ کے کسی بیٹے نے اس مکان کو ہڑپ کرلیا ہوگا۔ ان کے دو جوان بیٹے تھے۔ اسے ان پر اعتماد نہیں تھا۔ یہ مکان اس کے نام پر تھا۔ لیکن اس بددیانتی سے اس پر کیا فرق پڑتا۔ مکان کے کاغذات بھی گھر میں ہی رکھے تھے۔ جعلی کاغذات بنتے کیا دیر لگتی۔ پیسہ ہر کام کرا سکتا تھا۔ کرتا تھا۔ پھر بھی وہ نہ جانے کیوں

وہ دل میں ایک مدہوم سی امید لئے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا تھا۔

اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر اس کے مکان کو ان لوگوں نے اپنے نام کرالیا ہوگا...... یا بیچ دیا ہوگا تو وہ خاموشی سے واپس چلا آئے گا۔ کیوں کہ قانونی چارہ جوئی کرنے کے لئے اس کے پاس اتنی بڑی رقم اور وقت کہاں تھا اور پھر اسے شہر میں رہنا کہاں تھا۔ اگر وہ مکان کے حصول کے چکر میں پڑا تو برسوں لگ جائیں گے۔ کیوں کہ مقدمہ برسوں چلے گا۔ عدالتی نظام آج بھی بڑا ناقص فرسودہ تھا۔

وہ بس میں بیٹھا سارے راستے شہر کی رونق اور گہما گہمی دیکھتا رہا تھا۔ پھر وہ بس اسٹاپ پر اتر کر اپنے محلے کی طرف بڑھا۔ محلہ بھی پہچانا نہیں جارہا تھا...... پرانے مکانوں کی جگہ نئے اور بلند و بالا گھروں نے لے لی تھی۔ ایک بہت بڑا اور بارونق شاپنگ سینٹر بھی بن گیا تھا۔ کچھ مکانوں کے سامنے مختلف ماڈل کی گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ البتہ اس کی گلی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ صرف دو ایک نئے مکان دکھائی دیئے تھے۔ یہ ویسی ہی تھی جب کہ اس کے محلے میں کسی کے پاس گاڑی نہ تھی۔ سات برسوں میں بھی اس گلی کی وہی حالت زار تھی جو پہلے تھی۔ کچھ مکان جو بہت پرانے تھے ان کی حالت مزید خستہ ہورہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ طوفان آندھی یا موسلا دھار بارش سہہ نہ سکیں گے۔

جب اس کی اپنی گلی کے ایک مکان پر نظریں پڑیں تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ پر جو مکان تھا وہ نیلو کا تھا۔ اس کا اصل اور پورا نام نیلوفر تھا۔ لیکن اسے نہ صرف گھر والے بلکہ باہر کے لوگ بھی نیلوفر کے نام سے ہی پکارتے تھے۔ نیلو جو اس کے سپنوں کی شہزادی...... ملکہ اور مہارانی تھی۔ وہ نیلو سے محبت کرتا تھا۔ نیلو بھی تو اسے ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ وہ اس کی محبت میں پاگل تھی۔ وہ اسے بنگالی ساحرہ کہتا تھا۔

جس روز عدالت میں فیصلہ سنایا جانا تھا نیلو بھی فیصلہ سننے آئی تھی...... اسے صابرہ بیگم اپنے ساتھ لے کر آئی تھیں۔ وہ فیصلہ سن کر رونے لگی تھی...... اور اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اس نے نیلو کے صاف شفاف موتیوں جیسے آنسوؤں کو رومال میں جذب کرتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"نیلو......! سات برس کا عرصہ کسی بھی جوان لڑکی کے لئے بہت طویل ہوتا ہے...... تم میرا انتظار نہ کرنا۔ اور بیاہ کر کے اپنا گھر بسا لینا...... اگر تم نے انتظار کیا تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا...... کیوں کہ کوئی بھی باپ برے آدمی کو اپنا داماد نہیں بناتا...... میں آج سے برا آدمی بن چکا ہوں...... قانون نے مجھے مجرم بنا دیا ہے۔"

نیلو نے اس کی بات کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ بس وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی اور اپنی آنکھوں پر ساڑھی کا پلو رکھ لیا تھا۔ پھر وہ سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو چھلک پڑے تھے۔ اس لئے کہ اس نے کبھی نیلو کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے بلکہ خوشیاں دیکھتا آیا تھا۔ اس کا دل بھر آیا تھا۔ اگر نیلو نے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کو دیکھ لیا ہوتا تو اس کے دل پر خدا جانے کیا گزرتی......؟ وہ یہ سوچ کر رہ گیا تھا۔

اس نے جیل میں نیلو کو بھولنے کی بڑی کوشش کی اور اپنے آپ کو اس قدر مصروف کرلیا اور استاد اور دوست پیدا کرلئے تھے کہ جس کے کارن وہ کسی حد تک نیلو کو بھول بھی گیا...... اور وہ یہ بات جانتا تھا کہ نیلو کی شادی جلد ہو جائے گی...... کیوں کہ وہ جتنی حسین اتنی ہی نازک بھی...... شاخ گل جیسی لچک اور ایک عجیب گداز اس کے پرشباب بدن میں موجود ہے...... اس میں جو جاذبیت...... دلکشی اور رعنائی ہے وہ بہت کم نوجوان لڑکیوں میں ہوتی ہے، جوانی کے خمار نے اس کی حشر سامانیوں میں اضافہ کردیا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ وہ شخص دنیا کا سب سے زیادہ خوش نصیب ہوگا جسے نیلو کی رفاقت ملے۔

آج نیلو کے مکان کے سامنے پہنچ کر ماضی اس کی نظروں میں گھوم گیا تھا...... ماضی حال بن کر یادوں کو تازہ کرنے لگا...... اس کے ذہن کے بند دریچے ایک ایک کر کے کھلتے گئے تھے...... اس نے سوچا۔ نیلو کی شادی ہوگئی ہوگی۔ وہ دو تین پیارے پیارے بچوں کی ماں ہوگی...... اور شاید اسے بھی یاد تو کرتی ہوگی...... وہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک خوش گوار اور پرمسرت زندگی گزار رہی ہوگی...... معلوم نہیں اس کی شادی کس سے ہوئی ہوگی...... محلے میں کئی جوان اس سے شادی کرنے کے خواہش مند تھے...... کئی گھرانے اسے اپنی بہو بنانا چاہتے تھے...... شاید اس کے باپ نے کسی اور بستی اور محلے میں بیاہ دیا ہو......؟

جب وہ نیلوفر کے بارے میں سوچتا صابرہ خالہ کے ہاں پہنچا تو وہ اسے اچانک اور غیر

متوقع دیکھ کر اتنی حیران اور خوش ہوئیں کہ اس کی والدہ بھی زندہ ہوتیں تو شاید اتنی خوش نہ ہوتیں...... انہوں نے اسے سینے سے لگا کر خوب پیار کیا...... بلائیں لیں اور اس پر اپنی ممتا اس طرح نچھاور کی جیسے وہ ان کا سگا بیٹا ہو...... برسوں کے بعد گھر آیا ہو۔ ان کے گھر میں بڑی تبدیلی اور رونق تھی...... مکان خاصا خوب صورت اور نیا نیا سا لگ رہا تھا۔ اس میں دو کمروں کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ آرائش و زیبائش اور آسائش کے لوازمات بھی دکھائی دیتے تھے۔ جو بڑی رقم ہاتھ لگنے پر خرچ کی گئی تھی۔ ان کے دونوں بیٹوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔

اسے خوب پیار کرنے کے بعد وہ ساتھ کھڑی دونوں اپنی بہوؤں سے بولیں۔

''یہ تم دونوں کھڑی کھڑی منہ کیا تک رہی ہو......؟ جلدی سے جاؤ...... میرے بیٹے کے لئے عمدہ اور شاندار کھانا بناؤ...... سات برس کے انتظار کے بعد تو اپنے بیٹے کو دیکھ رہی ہوں...... اس نے جیل میں بھلا ایک دن بھی اچھا کھانا نہ کھایا ہوگا؟''

اس کے دل کے کسی کونے میں ایک خیال سانپ کی طرح لہرایا...... صابرہ خالہ نے اتنی محبت اور خوشی کا اظہار کیا اس کی آمد پر کیا ہے اس لئے تو نہیں کہ اس کا مکان ہڑپ کر لیا ہے...... یہ خوشامد اور چاپلوسی اور پذیرائی کہیں اس وجہ سے تو نہیں......؟ اگر یہ جذبہ کارفرما ہے تو وہ کیا کر سکتا ہے......؟ کیا بول سکتا ہے......؟

اس نے اپنے مکان پر جو تالا لگا ہوا دیکھا تھا وہ زنگ آلود نہ تھا بلکہ صاف ستھرا بھی تھا۔

صابرہ بیگم نے اسے دسترخوان پر بڑی محبت اور اصرار سے بہت کچھ کھلایا۔ اس خاطر مدارات سے وہ سمجھ گیا کہ اس کی اتنی خاطر مدارات ہو رہی ہے کہ انہوں نے اس کا مکان ہتھیا لیا ہے۔ کھانے کے بعد وہ اس مکان پر قبضے کے بارے میں کوئی جواز پیش کریں گی۔

جس وقت وہ کھانے سے فراغت پا کر چائے پی رہا تھا۔ صابرہ خالہ نے اس کے مکان کی چابی رکھ دی۔

''لو بیٹا...... اب تم اپنی امانت سنبھالو۔''

وہ اپنی منفی سوچ پر دل میں بہت شرمندہ ہوا۔ اس دنیا سے ابھی محبت اور خلوص کے جذبے رخصت نہیں ہوئے تھے...... بے لوث، بے غرض اور پرخلوص عظیم لوگ بھی موجود تھے۔ صابرہ خالہ جیسی ہستیوں سے ہی تو یہ دنیا قائم تھی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ آپ نے......'' جذبات سے مغلوب ہو کر فقرہ مکمل نہ کر سکا۔

''بیٹے......! شکریہ تو میں تمہارا ادا کرنا چاہتی ہوں۔'' صابرہ خالہ نے ایک لمبی پرسکون سانس لے کر کہا۔

''میرا شکریہ......؟'' اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ وہ متعجب لہجے میں بولا۔ ''کس بات کا شکریہ خالہ......!''

''اس بات کا شکریہ کہ تم نے مجھے ایک بہت بڑی اذیت سے نجات دلائی۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''میں ایک رات بھی سکون کی نیند سو نہ سکی ہوں۔''

اس نے حیران ہو کر صابرہ خالہ کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر بلا کی طمانیت تھی۔

''کیسی اذیت......؟'' اس نے پوچھا۔

''بیٹا......!'' ایک اذیت ہو تو بتاؤں۔'' وہ کہنے لگیں۔ ''تمہیں سزا کیا ہوئی۔ محلے والوں نے میری زندگی عذاب کر دی...... تمہارے اس مکان پر ہر ایک کی نظر تھی جیسے لوٹ کا مال ہو...... راستے کا مال ہو...... جسے دیکھو چلا آ رہا ہے...... پچاس ہزار لے لو...... ایک لاکھ لے لو...... اس مکان کی چابی دے دو...... صرف دس ہزار میں...... ہم وسیم سے نمٹ لیں گے...... جب وہ رہا ہو کر آئے گا تب دیکھا جائے گا...... اور تو اور میرے دونوں بیٹوں کے منہ میں پانی بھر آیا تھا...... ان کی نیت میں فتور آ گیا تھا...... میں نے کس طرح اس مکان کی حفاظت کی بس میرا دل ہی جانتا ہے۔ میرا چین و سکون حرام ہو کر رہ گیا تھا۔''

''اگر آپ یہ مکان اپنے نام کروا لیتیں تو یقین جانیے مجھے ذرہ برابر بھی ملال نہیں ہوتا صابرہ خالہ!'' اس نے بڑے جذبے سے کہا۔

''تمہیں کیوں دکھ نہیں ہوتا بیٹے......؟'' صابرہ بیگم نے حیرت سے اس کی شکل دیکھی۔ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ اس نے رسمی بات نہیں کی ہے۔ دل سے یہ بات کہی ہے۔

''اس لئے کہ آپ میری ماں کی جگہ ہیں۔'' اس نے ان کے ہاتھوں کو لے کر چوما۔ آنکھوں سے لگایا۔ ''میں نے ہمیشہ آپ کو ماں کی جگہ سمجھا ہے۔''

''ارے بیٹا......! مجھے تمہارا مکان لے کر کرنا کیا تھا؟'' وہ پیار سے اس کا گال تھپ

تھپاتے ہوئے بولیں۔ ''کیا یہ میرا مکان...... ہم لوگوں کے لئے کافی نہیں ہے......اور پھر کس چیز کی کمی ہے جو تمہارے مکان پر نظر رکھتی...... اللہ تمہیں ایسے دس مکان نصیب کرے......آمین۔'' انہوں نے دعا دی۔ ''تمہارا دل کتنا بڑا اور خوب صورت بھی ہے۔''

پھر اسے اچانک نیلو کا خیال آیا تو وہ چند لمحوں تک تذبذب میں رہا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا تو اس نے پوچھ ہی لیا۔

''خالہ......! کیا نیلو کی شادی ہو گئی......؟ وہ آج کل کہاں ہے......؟''

''ہاں بیٹے......! اس کی شادی کو پورے پانچ برس ہو رہے ہیں۔'' صابرہ بیگم نے جواب دیا۔ ''اس کے دو بچے بھی ہیں۔ بہت پیارے اور خوب صورت ہیں......اسے شوہر بھی بہت اچھا اور نیک ملا ہے...... بے چارے کے نصیب اچھے نہیں ہیں۔''

''کیوں کیا ہوا خالہ......!'' اس نے گھبرا کر تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا ان کی خوشیوں کو کسی کی نظر لگ گئی؟''

''ہاں بیٹے......!'' صابرہ بیگم نے ایک لمبی سانس لے کر افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ ''یہی سمجھو......وہ غریب آج کل بڑی مصیبت اور...... پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے۔''

اسے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی تھی کہ نیلو کے دو بہت ہی پیارے پیارے بچے ہیں اور اسے شوہر بھی بہت اچھا ملا ہے اور نیک آدمی بھی ہے......لیکن ان کے آخری جملے کو سن کر اس کے دل پر ایک چوٹ لگی اور گہرے صدمے کا احساس ہوا۔ وہ نیلو کو دکھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن قسمت اسے کس بات کی سزا دے رہی تھی۔

''لیکن مصیبت......؟ کیسی پریشانیاں......؟'' اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''آپ مجھے کچھ بتائیں تو سہی......؟''

''کوئی سات آٹھ مہینے پہلے کی بات ہے اس کے شوہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔'' صابرہ بیگم نے اسے بتانے لگیں۔ ''اس کا شوہر شوکت اس روز سائیکل پر دفتر سے گھر آ رہا تھا کہ ایک تیز رفتار کار نے ٹکر مار دی......کار والا اسے اسپتال پہنچانے کے بجائے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ایک انسان دوست شخص نے اسے سرکاری اسپتال پہنچایا۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ نہ صرف ہاتھ بلکہ ایک ٹانگ کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی ہے...... وہ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا اور کسی معذور کی طرح پلنگ پر پڑا رہتا ہے......اگر اس غریب کے

پاس پیسہ ہوتا تو ہڈی جوڑ کے اسپتال میں علاج کروا کر ٹھیک ہو گیا ہوتا......اس پرائیویٹ اسپتال میں خرچ بہت آتا ہے......اس کے پاس جو شادی کے زیورات تھے اس نے فروخت کر دیئے۔ کیوں کہ سرکاری اسپتال میں بھی بڑا خرچ آیا۔

''نیلو کا گھر کس طرح چلتا ہے......'' اس نے فکرمندی سے دریافت کیا۔ ''کیا شوکت کے والدین اور بھائی بہن بھی ساتھ ہیں۔''

''نیلو کے ساس سسر تو نہیں ہیں البتہ اس کے شوہر کے جو بڑے بھائی ہیں وہ الگ رہتے ہیں۔'' صابرہ بیگم کہنے لگیں۔ ''لیکن اس مصیبت میں بھی دونوں بھائی اپنے چھوٹے بھائی کے کام نہیں آئے...... جیسے ان کا خون سفید ہو گیا ہے۔''

''پھر گھر کیسے چل رہا ہے......؟'' اس نے اداسی سے پوچھا۔ ''شوہر بستر پر پڑ گیا ہے۔ دو بچے بھی ہیں اور کوئی پرسان حال بھی نہیں۔''

''غریب نیلو ایک زچہ خانہ میں نرس کا کام کر کے گھر چلا رہی ہے۔'' صابرہ بیگم نے جواب دیا۔ ''وہ اپنے شوہر کی خدمت بھی کر رہی ہے اور اس کے ماتھے پر بل تک نہیں آتا اور نہ ہی بیدار ہوتی ہے...... بڑی عظیم عورت ہے بے چاری......!''

پھر وہ اپنا گھر دیکھنے چلا گیا۔

اس کا گھر نہ صرف صاف ستھرا اور آئینے کی طرح چمک رہا تھا بلکہ اس گھر کی ہر چیز اپنی جگہ جوں کی توں تھی جس طرح وہ چھوڑ گیا تھا صابرہ خالہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ ہفتے میں دو مرتبہ خود ہی گھر صاف کرتی تھیں۔ کبھی انہوں نے بہوؤں کو گھر میں گھسنے اور صفائی کرنے نہیں دیا......کیوں کہ انہیں اس بات کا خوف اور اندیشہ تھا کہ ان کی بہو کوئی چیز اٹھا کر اپنے میکے نہ لے جائے۔''

وہ شام تک بستر پر دراز رہا۔ صرف نیلو کے بارے میں سوچتا رہا۔ نیلو جب اس گھر میں کسی نہ کسی کام سے آتی تھی تو یہ گھر اس کے وجود سے مہک اٹھتا تھا۔ اس گھر سے ان کی محبت کی بہت ساری یادیں وابستہ تھیں۔ انہوں نے کبھی اپنی محبت کو میلا نہیں کیا تھا۔ ایک پاکیزگی تھی......وہ چاہتا تو من مانیاں کرتا......لیکن اس نے ہمیشہ اس بات سے گریز کیا۔ نیلو بھی تعرض نہیں کرتی۔ محبت کے اس رشتے نے ہمیشہ انہیں قلب کی طمانیت اور ایک عجیب سی جذبہ محبت کو سرشار کیا تھا......لیکن آج یہ گھر اس کے بغیر کسی کھنڈر کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

جب وہ رات کے کھانے پر صابرہ بیگم کے ہاں گیا تو ان کے دونوں بیٹے بھی موجود تھے۔ وہ بھی بڑی محبت اور خلوص سے ملے تھے۔ اس نے رات کا کھانا کھاتے ہوئے ان کے بیٹوں سے کہا۔

’’میں اپنا مکان فوری طور پر فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی اچھا خریدار ہو تو بتائیں۔‘‘

’’کیوں بیٹا......! تم اپنا مکان کیوں بیچ رہے ہو......؟‘‘ صابرہ بیگم نے چونک کر تعجب سے پوچھا۔ ’’یہ تمہارے ماں باپ کی نشانی اور یادگار ہے۔‘‘

’’اسلئے کہ اب میں کسی اور شہر میں جا کر اپنی نئی زندگی شروع کرنا چاہتا ہوں۔‘‘ اس نے جواب دیا۔

’’تم نئی زندگی یہاں بھی شروع کر سکتے ہو۔‘‘ صابرہ بیگم بولیں۔ ’’تم یہاں پیدا ہوئے، آنکھیں کھولیں۔ اب شادی کر کے یہ گھر بسالو۔ میں تمہارے لئے چاند سی دلہن ڈھونڈ کر لاؤں گی...... دو ایک لڑکیاں میری نظر میں ہیں۔‘‘

’’اگر میں یہاں رہا تو مجھ پر انگلیاں اٹھتی رہیں گی۔ لوگ طعنے دیتے رہیں گے۔‘‘ اس نے کہا۔ ’’مجھ پر جو داغ لگ چکا ہے وہ کبھی مٹ نہیں سکے گا۔ ایک برے آدمی کو اپنی بیٹی کون دے گا......؟‘‘

صابرہ خالہ کے بڑے بیٹے نے اس سے پوچھا۔ ’’تم یہ مکان کتنے میں بیچنا چاہتے ہو؟‘‘

’’میں آج ہی تو جیل سے رہا ہو کر آ رہا ہوں۔‘‘ اس نے جواب دیا۔ ’’مجھے کیا معلوم کہ مکان کی آج کل کیا قیمت چل رہی ہے۔ آپ ہی بتا سکتے ہیں یہ مکان کتنے میں بک جائے گا......؟ کوئی اندازہ ہوگا آپ کو......؟‘‘

’’دس لاکھ ٹکا تو کوئی بھی آنکھ بند کر کے دے دے گا......‘‘ حمید نے کہا۔ ’’ان سات برسوں میں مکان کی قیمتوں میں تین چار گنا اضافہ ہو چکا ہے۔‘‘

’’کاش......! ہمارے پاس اتنی رقم ہوتی تو ہم یہ مکان خرید لیتے۔‘‘ صابرہ بیگم نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔ ’’ہمیں اب یہ مکان چھوٹا پڑنے لگا ہے۔ اور مستقبل میں تو یہ اور بھی چھوٹا پڑے گا......‘‘

’’آپ لوگوں کے پاس کتنی رقم ہے......؟‘‘ اس نے حمید کی طرف دیکھا۔ ’’میں اس

مکان کو کم قیمت پر آپ کے ہاتھ بیچنے کے لئے تیار ہوں۔‘‘

’’سات لاکھ ٹکا ہیں بیٹے......!‘‘ حمید سے پہلے صابرہ بیگم بول اٹھیں۔

’’ٹھیک ہے...... سات لاکھ ٹکا دے دیجئے اور یہ مکان لے لیجئے......‘‘ وہ بولا۔

’’مجھے رقم کی اشد ضرورت ہے...... بس میں اتنا چاہتا ہوں کہ دو ایک روز میں رقم مل جائے تو اچھا ہے تاکہ میں جتنا جلد ہو سکے اس شہر کو خیرباد کہہ دوں۔‘‘

’’کل صبح دس بجے سات لاکھ ٹکا لے لیجئے۔‘‘ حمید نے کہا۔ ’’ہم آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولیں گے۔‘‘

’’پورے سات برسوں تک اس مکان کی حفاظت کر کے جو احسان آپ لوگوں نے مجھ پر کیا ہے وہ میں کیسے بھول سکتا ہوں۔‘‘ اس نے کہا۔ ’’اگر مجھے رقم کی ضرورت نہ ہوتی...... میں تہی دست نہ ہوتا میں یہ مکان اپنی ماں کے نام کر دیتا...... آپ کی ماں میری ماں جیسی ہیں...... مجھے بڑی ندامت ہو رہی ہے کہ...... شرم آ رہی ہے کہ ایک بیٹا...... ماں کو مکان بیچ رہا ہے......‘‘

’’اگر تم مفت میں بھی مکان دیتے تو میں نہیں لیتی۔‘‘ صابرہ بیگم نے جواب دیا۔

دوسرے روز حمید نے سات لاکھ ٹکا بڑے اور کچھ چھوٹے نوٹوں کی صورت میں لا کر دے دیئے۔ دو دن قانونی اور کاغذی کارروائیوں میں لگ گئے۔ تیسرے دن اس نے ایک چھوٹے سے اٹیچی کیس میں اپنے چند جوڑے اور ضرورت کی چیزیں رکھیں۔ اس نے صبح یہ شہر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا......

اس نے دو تین دن یہاں اس لئے بسر کئے تھے کہ عاصم کا پتا چلا سکے...... اس نے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اس کا پتا چلا لیا تھا۔ وہ اس شہر میں موجود نہ تھا...... اس نے سات برس پہلے ہی یہ شہر چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ کسی مفرور قاتل کی طرح روپوش تھا۔ اس نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ ہر قیمت پر اسے تلاش کر کے رہے گا۔ چاہے وہ دنیا کے کسی کونے میں کیوں نہ ہو۔ اس کے سینے میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی انتقام لینے پر ہی بجھ سکتی تھی۔ جیل سے رہا ہوتے ہی انتقام کا آتش فشاں اندر ہی اندر بھڑکنے لگا اور وہ یک لخت جیسے پھٹا تھا۔

شام کے وقت اس نے ایک کوارٹر نما مکان کے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں

کے بعد دروازہ کھلا تو وقت کی نبض جیسے رک گئی تھی۔اس کی نظروں کے سامنے نیلو کھڑی تھی۔

سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز میں...... ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ ابھی ابھی ڈیوٹی دے کر آئی ہو...... یہ وہی نیلو تھی جو کبھی اس کی محبت تھی...... اس کا سندر سا سپنا تھی...... اس کی زندگی تھی جو آج کسی اور کی زندگی بن گئی تھی...... وقت اور حالات نے ان کے درمیان بڑے فاصلے پیدا کر دیئے تھے...... اب وہ کسی کی بیوی اور بچوں کی ماں تھی۔اپنے گھر کی عزت تھی۔

نیلو نے اسے پہچان لیا تھا...... وہ اسے کیسے نہیں پہچانتی...... بچپن سے لے کر جوانی تک وہ دونوں جنم جنم کے ساتھی کی طرح رہے تھے۔

نیلو کا دل دھڑک اٹھا تھا...... اس لمحے اس کی آنکھوں میں ہزاروں برقی قمقمے جیسے جل اٹھے تھے...... دوسرے لمحے نہ جانے کہاں سے احساس کی لہر آئی کہ اس کی آنکھوں میں آئی روشنی بجھا دی۔

چند لمحوں کے بعد نیلو نے اسے ساکت نظروں سے دیکھتے ہوئے دل گرفتہ لہجے میں آہستگی سے پوچھا۔''آپ رہا ہو کر کب آئے......؟''

''تین دن پہلے......''اس نے جواب دیا۔''صابرہ خالہ نے تمہارا پتا دیا تھا۔''

اس نے جواب دے کر گہری نظروں سے نیلو کو دیکھا...... ان سات برسوں میں گردش ایام نے اس کا رنگ روپ چھین لیا تھا...... پھر بھی اس کے چہرے پر کسی قدر جاذبیت اور دلکشی موجود تھی۔اس کے جسم میں ایک گداز پن آ گیا تھا...... لیکن وہ اب سات برسوں پہلے کی نیلو نہیں تھی...... حسن ماند پڑ گیا تھا۔وقت کتنا بدل گیا ہے...... اس نے سوچا۔

نیلو نے ایک دم سے چونک کر اس سے پوچھا۔''آپ اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں......؟''

''اپنا ماضی دیکھ رہا ہوں جو حال بن گیا ہے......''اس نے جواب دیا۔''کیا اندر آنے کو نہیں کہو گی؟''

''تم یہ سمجھ کر اندر آنا کہ یہ میرے ابو کا نہیں بلکہ میرے شوہر کا گھر ہے۔''وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔''اور میں اس شخص کی بیوی اور اس کے بچوں کی ماں ہوں۔''

''میں یہی جان اور سوچ کر آیا ہوں۔''وہ دھیرے سے مسکرایا۔''مجھے یہ جان کر بہت

خوشی ہوئی کہ تمہیں ایک اچھا، نیک اور پیارا سا شوہر ملا ہے...... میں اس سے ملنے آیا ہوں......''

''مگر وسیم......!''اس کی آواز بھرا سی گئی۔اس کے سینے میں سانسوں کا تموج اٹھا...... اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''میں بڑی بدنصیب اور منحوس ہوں......''آواز اس کے سینے میں دم توڑ گئی۔

''اس دھرتی پر صرف تم ہی ایک دکھی اور بدنصیب عورت نہیں ہو نیلو......؟''اس نے کہا۔''درد کی کشتی میں جانے کتنے مسافر سوار ہیں...... چلو...... آنسو پونچھ لو...... میں تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنے نہیں آیا ہوں۔''

پھر نیلو اسے اپنے ساتھ لے کر اس کمرے میں پہنچی جہاں اس کا شوہر ایک چوکی پر بچھے بستر پر معذوروں کی طرح پڑا ہوا تھا۔نیلو کے بچے بستر پر باپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے،ان کی معصومانہ باتیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

شوکت نے چونک کر اس کی طرف حیرت اور سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولا۔

''میں آپ کی سسرال کے محلے کا ہوں...... آپ کی شادی سے دو برس قبل اپنا یہ دیش چھوڑ کر ذریعہ معاش کے لئے پڑوسی ملک چلا گیا تھا۔نیلو میری پڑوسن تھی۔اب میں دو تین دن کے لئے آخری بار آیا ہوں...... اس لئے سوچا کہ آپ سے اور نیلو سے ملتا چلوں۔''

''آپ نے مجھ پر بڑا کرم کیا......''اس نے بکھرے ہوئے لہجے میں کہا۔''نفسا نفسی کا دور ہے...... ہر شخص خود غرض اور مطلب پرست ہے اس مصیبت کی گھڑی میں کون کسی کو پوچھتا ہے۔''

''کرم تو اوپر والا کرتا ہے۔''اس نے کہا۔''اللہ نے چاہا تو مصیبت کی گھڑی بھی جلد ٹل جائے گی۔''

پھر وہ بڑی دیر تک بیٹھا نیلو اور اس کے شوہر سے باتیں کرتا رہا تھا...... نیلو چائے بنا کر لائی تھی...... ان تینوں نے ایک ساتھ چائے پی تھی...... چائے پینے کے بعد وہ بچوں سے کھیلتا رہا...... باتیں کرتا رہا...... ان کے لئے وہ کھلونے بسکٹ اور ٹافیاں بھی لے کر آیا تھا۔اس کے پیارے پیارے بچوں نے اس کا دل موہ لیا تھا۔وہ نیلو کا ہو بہو عکس تھے...... نیلو نے اسے بتایا تھا کہ اسے اسپتال والے بارہ سو روپے ماہانہ دیتے ہیں۔چھ سو ٹاکا تو شوکت کی

دواؤں پر خرچ ہو جاتے ہیں...... اس کے شوہر کو پوری طرح تندرست ہونے میں ایک برس سے زیادہ عرصہ لگے گا۔

وسیم نے رخصت ہوتے وقت اپنے اٹیچی کیس سے ایک چھوٹا سا بریف کیس نکال کر شوکت کی طرف بڑھایا۔

''یہ ایک حقیر سا نذرانہ ہے...... آپ کے ٹھیک ہونے اور ملازمت تلاش کرنے تک نیلو کو کسی ملازمت کرنے کی ضرورت نہیں......''

شوکت نے بریف کیس لے کر اسے کھولا تو لمحے بھر کے لئے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے دھندسی چھا گئی۔ دوسرے لمحے دھند چھٹی تو شوکت نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''یہ تو لاکھوں کی رقم ہے...... اتنی بڑی رقم کس لئے بھیا......؟'' وہ بھونچکا سا ہو کر بولا۔

شوکت کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔ نیلو...... شوکت کے ہاتھ سے بریف کیس لے کر دیکھنے لگی۔

''یہ چھ لاکھ ٹاکا ہیں......'' اس نے جلدی سے کہا کہ کہیں نیلو مشکوک نہ ہو جائے۔'' میں نے اپنا مکان صابرہ خالہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔ چوں کہ میں بنگلہ دیش سے باہر اتنی بڑی رقم لے جا نہیں سکتا...... اس لئے سوچا کہ آپ کو دے دوں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے...... نہ ماں باپ اور نہ بہن بھائی...... جو رشتہ دار ہیں اس لئے مجھ سے ملتے نہیں اور کتراتے ہیں کہ میرے پاس دولت نہیں ہے۔ دولت ہوتی تو میرے تمام عیب چھپ جاتے...... نیلو کے ناطے آپ کا مجھ پر کچھ حق بنتا ہے کہ اس مشکل گھڑی میں آپ کے کام آؤں...... نیلو میرے محلے کی ہے...... محلے کے لوگ، اڑوس پڑوس ایک خاندان کے فرد کی طرح ہوتے ہیں...... ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں...... خدارا آپ انکار نہ کیجئے...... ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔''

چھ لاکھ ٹاکا......!'' نیلو پر جیسے لمحہ بھر کے لئے سکتہ سا چھا گیا۔'' یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔ ان کے بھائیوں نے کبھی چھ سو ٹاکا تو کیا چھ روپے بھی نہیں دیئے۔''

''ایک طرح سے یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ دونوں ان کے کسی بھی احسان کے زیر بار

نہیں ہوئے۔'' اس نے کہا۔

''نیلو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

چند لمحوں کے بعد اس نے بریف کیس اپنے شوہر کے پاس رکھ دیا۔

''اچھا...... اجازت دیجئے...... اب میں چلتا ہوں۔'' وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے بڑی گرم جوشی سے شوکت سے ہاتھ ملایا۔

''آپ مجھے دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔''

شوکت اس کے جذبہ خلوص سے بہت متاثر ہوا۔ وہ بھی رو رہا تھا...... اسے یہ سب کچھ کسی خواب کی طرح لگ رہا تھا۔

اس نے نیلو کے بچوں کو خوب پیار کیا...... کچھ دیر بعد نیلو اسے دروازے تک رخصت کرنے کے لئے کمرے سے نکلی...... صحن میں پہنچ کر اس سے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی تو وہ اسے تسلی دے کر چلا آیا۔

نیلو کی مدد کر کے اس کے دل کو جو طمانیت اور مسرت ملی تھی اس نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں پائی تھی۔ اس نے سوچا کہ اس کے پاس اور دولت ہوتی تو وہ بھی نیلو کو دے دیتا...... اس نے نیلو سے شادی کرنے اور اس کو سکھ سے رکھنے کے لئے تو قتل کیا تھا...... عاصم نے اسے سات لاکھ کی رقم کا لالچ دے کر قتل کرایا تھا۔ اسے سات لاکھ کی رقم کیا ملتی سات برس کی قید بامشقت ہوگئی...... اور نیلو کسی اور کی ہوگئی تھی۔ ایک لاکھ کی رقم اس نے اس لئے اپنے پاس رکھ لی تھی کہ اسے عاصم کو تلاش کرنا تھا۔ عاصم کو تلاش کرنے میں سات دن بھی لگ سکتے تھے اور سات مہینے بھی......

اسے شوکت سے مل کر بہت خوشی ہوئی تھی...... وہ نہ صرف بہت خوب صورت اور وجیہہ بلکہ سیدھا سادا شخص بھی تھا۔ مزاج میں بھی بڑی نرمی تھی...... وہ ہر لحاظ سے ایک اچھا شوہر تھا۔ اسے نیلو کے گھر کا سکھ اور خوشیاں عزیز تھیں۔ وہ اسے دکھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا...... اور وہ اس خیال سے مسرور ہو رہا تھا کہ اب نیلو کو کہیں ملازمت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ شوکت کا علاج اب کسی اچھے اسپتال میں ہوگا۔ وہ جلد ہی چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا اس کے بچے بھی آسودہ زندگی گزاریں گے۔

☆......☆......☆

عاصم کی تلاش میں اسے کئی شہروں کی خاک چھاننا پڑی تھی۔ وہ کومیلا...... چاند پور......لکشام، باری سال اور کھلنا بھی گیا تھا۔ اسے کھلنا میں اتفاق سے ایک ایسا شخص مل گیا تھا جو عاصم کو بہت قریب سے جانتا تھا۔ اس نے ایک برس قبل عاصم کو چٹا گانگ میں دیکھا تھا۔ اسے عاصم ایک بازار میں خریداری کرتا نظر آیا تھا۔

وسیم چٹا گانگ جا رہا تھا۔ اس کے دل میں چٹا گانگ دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔ جب وہ سترہ برس کا تھا اپنے والد کے ساتھ اس شہر میں گیا تھا۔ اس نے نا صرف کاکس بازار بلکہ رنگا ماٹی کی بھی سیر کی تھی۔ وہاں ہر برس میلہ لگتا تھا...... اس نے کئی برسوں کے بعد نیلو سے شادی کرنے کے بعد رنگا ماٹی میں ہنی مون منانے کا سوچا اور خواب دیکھا تھا...... اسے رنگا ماٹی بہت پسند آیا تھا...... یہ نہ صرف خوب صورت تھا بلکہ پرفضا تھا اور ایک طرح سے وادی بھی تھا...... اس کے بعد وہ دوبارہ وہاں کی سیر کو نہ جا سکا تھا۔ اور پھر نیلو سے شادی اور ہنی مون کے خواب بھی ادھورے رہ گئے تھے...... آج اسے انتقام کی آگ چٹا گانگ لے جا رہی تھی...... اس کا دشمن اس شہر میں تھا۔ وہ اپنے دشمن کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اسے اس بات کی بہت خوشی ہوئی تھی کہ عاصم کا بالآخر پتا چل گیا تھا...... اب وہ اس کی دسترس سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتا تھا...... اب وہ اسے قتل کئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔

وہ کوئی تیرہ چودہ برس کے بعد چٹا گانگ شہر پہنچا تھا...... اب یہ شہر پہلے کے مقابلے میں بہت خوب صورت ہو گیا تھا۔ اب کسی بین الاقوامی شہر سے کم نہیں تھا۔ اس نے بہت سارے غیر ملکی سیاحوں کو بھی یہاں دیکھا تھا جو رنگا ماٹی اور کاکس کی سیاحت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اس شہر کی آب و ہوا اسے بہت پسند آئی تھی۔ لوگ بھی بڑے ملنسار اور خوش اخلاق تھے۔

اس نے چٹا گانگ پہنچ کر مسکہ ہوٹل میں کمرا لے لیا تھا...... اس نے یہاں پہنچنے کے دوسرے ہی دن سے عاصم کی تلاش شروع کر دی تھی۔ اس شخص نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ عاصم کسی کمپنی میں ایم ڈی کے عہدے پر فائز ہے...... سات روز تک اس شہر کی خاک چھاننے کے بعد ایک روز اس نے عاصم کو ایک شان دار گاڑی میں جاتے ہوئے دیکھ لیا...... اس نے فوراً ہی ایک ٹیکسی اور ڈرائیور کو تاکید کہ وہ غیر محسوس انداز سے اس گاڑی کا تعاقب کرے...... جب اس نے اس ٹیکسی ڈرائیور کو سو ٹکا کا نوٹ دیا تو وہ خوش ہو گیا۔ صبح کا وقت

تھا۔ عاصم اپنے دفتر جا رہا تھا...... اس عمارت میں اور بھی دفاتر تھے۔ لیکن عاصم کی کمپنی کا دفتر بڑا تھا۔ اس میں سب سے زیادہ افراد ملازمت کرتے تھے۔

اس عمارت کے دربان نے اسے بتایا تھا کہ عاصم نیشنل کاسمیٹکس کمپنی میں منیجر ہے اور وہ اس فرم میں پانچ برس سے ملازمت کر رہا ہے...... دربان نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ عاصم بہت مغرور اور خود پسند شخص ہے...... اور پھر اچھے کردار کا مالک بھی نہیں ہے اس لئے لڑکیاں اور عورتیں ملازمت کچھ عرصہ بعد چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔"

دربان کے دل میں عاصم کی طرف سے جو نفرت بھری ہوئی تھی وہ اس کی زبان پر آ گئی تھی...... اس نے عاصم کے بارے میں اور بھی کئی باتیں اگل دی تھیں۔ وسیم خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ یہ انکشافات اس کے لئے نئے نہیں تھے کیوں کہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ عاصم کس قسم کا شخص ہے۔ جتنا وہ اسے جانتا تھا کوئی اور نہیں جانتا تھا۔

اگر وہ چاہتا تو اس وقت عاصم کے دفتر میں گھس کر اسے بڑی آسانی سے قتل کر سکتا تھا۔ اور اسے خون میں نہلانا مشکل نہ تھا۔ اس کی جیب میں بھرا ہوا پستول موجود تھا...... اس پستول میں چھ گولیاں تھیں جب کہ عاصم کے لئے صرف ایک ہی گولی کافی تھی۔

مگر وہ عاصم کو قتل کرنے میں عجلت سے کام لینا نہیں چاہتا تھا...... اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی وجہ سے عاصم بچ جائے یا پھر خطرے کی بو سونگھ کر فرار ہو جائے...... وہ عاصم کو اس طرح اور ایسی جگہ گھیر کر قتل کرنا چاہتا تھا جہاں اس کے فرار کی ہر راہ مسدود ہو۔ گو کہ عاصم کو دفتر یا باہر قتل کرنا آسان تھا لیکن اس بات کا بھی امکان تھا کہ وہ صرف شدید زخمی ہو جائے اور بروقت طبی امداد سے بچ جائے۔ تب اس کی حسرت دل میں رہ جائے گی۔

عاصم کو قتل کرنے کے لئے منصوبہ بنانا تھا...... عاصم کو قتل کرنے سے پہلے اسے کچھ مہلت دینا چاہتا تھا تا کہ اس سے کچھ باتیں کر سکے۔ پھر اس نے دربان سے دفتر کی چھٹی کا وقت دریافت کیا اور وہاں سے چلا آیا۔

پھر وہ وہاں سے بازار کی طرف بڑھ گیا۔ جو اس کے ہوٹل کے قریب ہی تھا۔ اسے وہاں سے کچھ چیزیں خریدنی تھی۔ کوئی دس منٹ اس نے خریداری میں وقت صرف کیا۔ پھر وہ اپنے ہوٹل آ کر اپنے منصوبے پر غور کرنے لگا۔

وہ شام کے وقت دفتر کی چھٹی سے تھوڑی دیر پہلے اس عمارت کے قریب کھڑا ہو گیا۔

اس نے اپنے حلیے میں ایسی تبدیلی کر لی تھی کہ عاصم اسے پہچان نہ سکے...... وہ جانتا تھا کہ عاصم اس کی رہائی سے بے خبر ہوگا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ وہ جیل سے رہا ہو چکا ہے۔ وہ کوئی بڑا یا سیاسی آدمی نہیں تھا جس کی رہائی کی خبر اخبار میں تصویر کے ساتھ شائع ہو...... اس جیسے مجرم روز دو ایک دو ایک اپنی سزا بھگت کر رہا ہوتے تھے۔ وہ بڑے سکون اور اطمینان سے زندگی گزار رہا تھا نہ کبھی وسیم یہاں اس سے انتقام لینے آ بھی سکتا ہے۔ اس کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ فرشتہ اجل اس سے انتقام لینے آ پہنچا ہے۔

ٹھیک پانچ بجے اس بلڈنگ سے دفاتر تھے ان کی چھٹی ہوئی تو لڑکے، مرد، نوجوان لڑکیاں اور عورتیں باہر آ رہی تھیں، وہ پارکنگ لاٹ کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے عاصم کو دیکھا...... عاصم اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک حسین وجمیل پرکشش عورت تھی۔ جو عاصم کے ساتھ بڑی لگاوٹ سے باتیں کرتی ہوئی اس کی گاڑی کی طرف جا رہی تھی...... اس عورت کے انداز اور حرکات وسکنات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ عاصم کی محبوبہ ہے وہ اس عورت کے حسن اور دل کش سراپا کو سراہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

دربان نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ عاصم جس عورت اور لڑکی کو بستر کی زینت بنانا چاہتا تھا وہ اسے ہراساں کر کے فائدہ اٹھاتا تھا...... جو اس کی بات سے انکار کر دیتی تھی اسے چھٹی دے دیتا تھا، ویسے وہ شادی شدہ عورتوں کا زیادہ رسیا تھا...... وہ شادی شدہ عورت ہی لگ رہی تھی۔

جبھی وہ جوان لڑکیاں اس کے سامنے سے باتیں کرتی ہوئی گزریں۔ ان میں سے ایک لڑکی اپنی وضع قطع سے ہندو دکھائی دیتی تھی جب کہ دوسری عیسائی تھی۔ اس نے اسکرٹ پہن رکھی تھی...... عیسائی لڑکی...... ہندو لڑکی کے مقابلے میں زیادہ پرکشش تھی۔

عیسائی لڑکی نے اپنی ساتھی ہندو لڑکی کو مخاطب کر کے کہا۔

''شانتی......! اس حرافہ نے عاصم کو پھانس کر ہی دم لیا......''

''یہ کوئی بات تو نہیں ہے......'' ساڑھی والی لڑکی نے کہا۔ ''اس میں حیرت کی کیا بات ہے بھلا...... ارے منیجر صاحب بڑے رنگین مزاج واقع ہوئے ہیں...... دفتر کی کتنی ہی غیر شادی شدہ لڑکیوں...... شادی شدہ اور بچوں والی عورتوں کے ساتھ محبت کا کھیل...... کھیل چکے ہیں۔ بلکہ کھیلتے ہی رہتے ہیں۔''

ان دونوں کی باتیں سن کر وہ ان کے پیچھے پیچھے غیر محسوس انداز سے چل پڑا۔ اسکرٹ والی لڑکی نے کہا۔

''اگر یہ کمینی بیچ میں نہ پڑتی تو میں نے عاصم صاحب کو پھانس لیا ہوتا۔'' پھر اس نے ایک سرد آہ بھری۔

''وہ نہ صرف پرائیویٹ سیکریٹری ہے بلکہ دو برس پہلے...... چٹاگانگ سروسز کلب کے مقابلہ حسن میں مس چٹاگانگ بھی منتخب ہو چکی ہے...... قیامت کی حسین ہے...... اس لئے عاصم صاحب اس کے جال میں پھنس گئے۔

''تم ایک اسٹینو گرافر ہو لیکن تم بھی کم قیامت کی نہیں ہو......'' ساڑی والی بولی۔ ''میرا خیال ہے کہ کسی دن شاید منیجر صاحب کو پھر سے تمہارا خیال آ جائے...... تم یوں بھی ان کے ساتھ دو دن کے لئے رنگا ماٹی بھی تو جا چکی ہو...... پھر تمہارا سحر کیسے ماند پڑ گیا؟''

''ایسے کہ میں بھی انہیں ہر طرح سے خوش نہیں کر سکی۔'' عیسائی لڑکی ہوں۔'' وہ چار دن رکھنے کے لئے کہہ رہا تھا لیکن میں اس کے لئے تیار نہ ہوئی۔''

پھر وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرتی ہوئی ایک چوراہے کے قریب پہنچ کر رک گئیں۔ ساڑی والی لڑکی نے اسے دلاسا دیا۔

''تم مایوس نہ ہو...... اس عورت کا کوئی بھروسا نہیں...... وہ شاید اور اونچا ہاتھ مارنے کے لئے کسی اور اونچے آدمی کو پھانس لے...... ایسی عورتیں کسی تگڑے شکار کی تلاش میں رہتی ہیں...... ان کے خواب دیکھتی ہیں...... چارہ ڈالتی رہتی ہیں...... کچھ دن صبر سے کام لو...... تمہارا نصیب جاگ اٹھے گا...... میں نے اس کے بارے میں سنا ہے کہ اس نے کبھی کسی ایک مرد پر اکتفا نہیں کیا ہے...... وہ ایک زہریلی ناگن ہے جو ڈستی رہتی ہے۔''

ساڑی والی لڑکی...... اس اسکرٹ والی لڑکی سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھ گئی۔ اس کا رخ بھی اسٹاپ کی طرف تھا۔ جو قدرے فاصلے پر دکھائی دیا۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی کہ بس آئے تو چھوٹ نہ جائے۔

کرسچن لڑکی زنانہ ملبوسات کی ایک دکان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ اس دکان کے شوکیس میں لگے ملبوسات کو بڑے غور سے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اس کے پاس جا کر لاتعلق سا کھڑا ہو گیا۔ اس لڑکی نے وسیم کی موجودگی کو اس کی طرف گردن گھما کر دیکھا۔

وسیم نے بڑے مہذب اور شائستہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا آپ نیشنل کاسمی ٹیکس کمپنی میں ملازمت کرتی ہیں۔''

اسکرٹ والی لڑکی نے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی خوب صورت گردن اثبات میں ہلا دی۔

''جی ہاں......! لیکن آپ یہ بات کیسے جانتے ہیں......؟ میں نے کبھی دفتر میں آپ کو نہیں دیکھا۔''

''کچھ دیر پہلے میں نے دفتر کی عمارت سے آپ کو ایک لڑکی کے ساتھ باہر آتے ہوئے دیکھا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ دونوں کی گفتگو سے لگا آپ اس دفتر میں ملازمت کرتی ہیں۔''

''آپ نے صحیح کہا۔'' وہ بولی۔ ''میں اور میری سہیلی اس دفتر میں سروس کرتی ہیں۔''

''اگر آپ کچھ خیال نہ کریں تو میں آپ کا کچھ قیمتی وقت لینا چاہتا ہوں۔'' اس نے چند قدم پر جو ریسٹورنٹ تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا خیال ہے۔ اس ریسٹونٹ میں کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کر لی جائیں۔ میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ آپ سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

وسیم نے جس ریسٹورنٹ کی طرف اشارہ کیا وہ اس شہر کا سب سے بہترین اور اعلیٰ درجے کا ریسٹورنٹ تھا۔ اس علاقے میں بڑی بڑی فرموں کے دفاتر تھے۔ اس ریسٹورنٹ میں ایک عام آدمی قدم رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا......وہ ایک دم سے خوش ہو گئی۔ اسے کسی مرغے کی ضرورت تھی تاکہ آج کی شام پر لطف اور اچھی گزرے۔

''چلئے......'' وہ خوش دلی سے بولی۔ ''میرے پاس وقت تو ہے لیکن بہت زیادہ وقت نہ دے سکوں گی۔''

وہ اس لڑکی کے ساتھ ریسٹورنٹ میں اندر داخل ہوا۔ وسیع وعریض ہال کا ماحول بڑا خواب ناک تھا۔ ایک بے حد جوان اور خوبصورت عورت جو منی اسکرٹ میں ملبوس تھی......انہیں لے کر ایک گوشے میں پہنچی۔ وہاں ایک میز خالی تھی۔

اس لڑکی نے اپنے لئے اسپیشل کلب سینڈوچز اور کریم کافی کا آرڈر دیا۔ اس نے اپنے لئے بھی یہی منگوایا۔ جب ویٹریس چلی گئی تو اس نے سوچا کہ اب تعارف ہو جانا چاہئے۔

پھر اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''میرا نام وسیم احمد ہے۔ میں ڈھاکا سے تیرہ چودہ برس کے بعد رنگا ماٹی اور کاکس بازار کی سیاحت کے لئے آیا ہوں۔''

''میرا نام مس جولی ہے۔'' اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''میں اس فرم میں اسٹینوگرافر ہوں۔ پہاڑتلی میں رہتی ہوں۔''

جولی نے تعارفی رسم ادا کرنے کے بعد اس سے مصافحہ کرنے کے لئے اپنا مرمریں، خوب صورت اور سڈول ہاتھ بڑھایا۔ اس کے ہاتھ کے لمس نے اس کے سارے بدن میں سنسنی دوڑا دی تھی۔ وہ ڈھاکا سے عاصم کی تلاش میں نکلا تو اس کے پاس ایک لاکھ کی رقم تھی۔ وہ ہر شہر کے اعلیٰ ہوٹلوں میں ٹھہرا تھا......عیاشی کے لئے لڑکیوں اور جواں سال عورتوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ مگر اس نے کبھی کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ کیوں کہ اسے عورت کی نہیں عاصم کی ضرورت تھی۔ مگر اس لڑکی کے ہاتھ کے لمس نے اس کے اندر سویا ہوا مرد ہڑ بڑا کے اٹھ بیٹھا تھا۔ جولی کس قسم کی لڑکی تھی۔ یہ اس نے جولی اور ہندو لڑکی کے درمیان ہونے والی گفتگو سے اندازہ کر لیا تھا......وہ انجانی راہوں پر چلنے والی اور جیب سے مشروط ہونے والی لڑکی تھی۔

تاہم اس نے خود پر قابو پا کر محسوس انداز سے عاصم کے بارے میں پوچھنا شروع کیا تو وہ جیسے عاصم کے خلاف بھری بیٹھی تھی۔ اس نے عاصم کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ وہ جلتی پر تیل گراتا رہا تھا۔

وسیم نے دن ڈوبنے کے بعد ایک ٹیکسی کی اور جولی کو اس کے گھر ڈراپ کر کے ہوٹل پہنچا۔ وہ کپڑے تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گیا......اس کے دل و دماغ پر عاصم چھایا ہوا تھا......وہ عاصم کے بارے میں سوچنے لگا......جولی نے اسے بتایا تھا کہ عاصم کی بیوی فرخندہ ایک خوب صورت اور پیاری سی عورت ہے......ایک مثالی اور شوہر پرست عورت ہے......آج کے دور میں ایسی عورت دکھائی نہیں دیتی ہے۔ اس کے باوجود عاصم کی کمزوری حسین اور نوجوان لڑکیاں ہیں۔ وہ رنگین تتلیوں کا دیوانہ ہے۔ آج کل اپنی پرائیویٹ سیکریٹری چمپا کے ساتھ خوب رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ چمپا نے اسے جس طرح اپنی مٹھی میں کیا ہوا ہے اس سے اس بات کا امکان ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تاکہ اس سے شادی

کر لے...... قرائن و حالات بھی بتا رہے ہیں کہ اس کی تین برس کی بیٹی ہے...... اسے اپنی پیاری بیوی اور بیٹی کی بھی کوئی فکر نہیں ہے۔ بڑا ظالم اور کٹھور دل شخص ہے۔

فرخندہ غریب اس طوفان سے بے خبر ہے۔ جو اس کی زندگی میں کسی وقت آ کر اس کے لئے بسے بسائے گھر کو تباہ کرنے والا ہے...... گو کہ چمپا بے حد حسین ہے لیکن فرخندہ تو اس سے بھی کہیں حسین ہے...... ایک بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ چمپا پر کیوں مرمٹا ہے...... نندہ پورہ جو عالی شان مکان ہے وہ عاصم کا اپنا نہیں ہے بلکہ فرخندہ کا ہے۔

وہ دوسرے دن صبح دس بجے نندہ پورہ جا کر عاصم کا مکان دیکھ آیا جو اس علاقے کی خوب صورت اور شان دار مکانوں میں سے ایک تھا۔ پھر وہ وہاں سے بپانی بتن مارکیٹ آ گیا تاکہ کچھ چیزوں کی خریداری کر سکے۔ وہ ایک دکان کی طرف بڑھ رہا تھا اسے سامنے سے جولی آتی دکھائی دی۔ اسے یہاں اس وقت دیکھ کر تعجب ہوا اور خوشی بھی ہوئی...... جولی اسے دیکھ کر کھل اٹھی تھی۔ وہ اسے اس مارکیٹ کی دوسری منزل پر بنے ہوئے ریسٹورنٹ میں لے آیا۔ جولی نے اسے کل بتایا تھا کہ عمدہ اور اعلیٰ ریسٹورنٹ اس کی کمزوری ہیں۔

''اس وقت تم یہاں کیا شاپنگ کر رہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔ ''کیا آج تم نے دفتر سے چھٹی لی ہوئی ہے؟''

''میں یہاں انشورنس کمپنی میں مسٹر اینڈ مسز عاصم کے لائف انشورنس کا پریمیئم جمع کرانے آئی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اس کے علاوہ کوچز کے ٹکٹ کی بکنگ کرانے بھی آئی تھی...... عاصم صاحب اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ پندرہ دن کے لئے کاکس بازار جا رہے ہیں۔''

''لائف انشورنس......؟'' وہ جولی کی بات سن کر بڑے زور سے چونکا۔ ''اس نے اپنا اور اپنی بیوی کا کتنا انشورنس کرایا ہوا ہے؟''

''سات لاکھ ٹاکا......'' جولی نے جواب دیا۔ ''یہ پالیسی کوئی سات ماہ پہلے لی ہوئی ہے۔''

''اچھا......'' اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ وہ تہہ میں پہنچ گیا تھا...... عاصم اپنی دوسری بیوی کے ساتھ بھی وہی کھیل کھیل رہا تھا۔ ایک گھاگ شکاری اپنا جال بچھا رہا تھا۔

اس نے چند لمحوں تک کچھ سوچا اور پھر موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''اتنا تو میں جانتا ہوں کہ کاکس بازار دنیا کا سب سے بڑا ساحل سمندر ہے...... اتفاق سے مجھے وہاں ابھی تک جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن کاکس بازار اتنا خوب صورت مقام ہے کہ وہ وہاں پندرہ دن قیام کرے گا؟''

''کاکس بازار نہ صرف پر فضا مقام ہے بلکہ بہت ہی خوب صورت ساحل سمندر بھی ہے۔ وہاں جانے کے بعد واپس آنے کو دل نہیں چاہتا ہے۔'' جولی نے کہا۔ ''میں ایک دو مرتبہ وہاں اپنے گھر والوں کے ساتھ جا چکی ہوں۔ پھر جانے کی بڑی خواہش ہے۔ اگر آپ جانا چاہیں تو میں آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں...... لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کو میرے اخراجات برداشت کرنے ہوں گے۔''

وسیم کے سارے بدن میں ایک ہیجانی سنسنی دوڑ گئی۔ چشم تصور میں ان جانے مناظر گھومنے لگے۔ پھر اس نے کہا۔

''تمہاری شرط منظور ہے...... لیکن ابھی نہیں...... جب موقع ہوگا بتا دوں گا۔''

''ابھی کیوں نہیں......؟'' جولی نے متعجب لہجے میں پوچھا۔ ''آج کل وہاں بہت ہی خوش گوار موسم ہے۔''

اسے سمجھتے دیر نہیں لگی کہ جولی وہاں گھر والوں کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے شکاروں کے ساتھ جا چکی ہے۔ تاہم اس نے سنبھل کر جواب دیا۔

''اس لئے کہ تمہارا باس مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر تمہارے بارے میں کیا سوچے...... جب وہ اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ واپس آ جائے گا پھر ہم چلیں گے...... کیوں کیا خیال ہے...... اس طرح تمہارے باس کی نظروں میں نہیں آئیں گے۔ پھر سکون واطمینان سے کسی ہوٹل میں دو ایک دن نہیں بلکہ پورے سات دن رہیں گے...... پھر ہم وہاں ہر قسم کی آزادی ہی آزادی ہوگی...... ہم ہنی مون منائیں گے۔''

جولی سرخ ہو گئی۔ کسی نئی نویلی دلہن کی طرح...... اس نے جولی سے جو کچھ کہا وہ سن کر خوش ہو گئی۔ کوئی آبرو والی لڑکی ہوتی تو اسے یہ بات پسند نہ آتی۔ وہ اٹھ کر چلی جاتی...... جولی کا اصل چہرہ بے نقاب ہو گیا تھا۔

پھر اس نے جولی کے ساتھ شام کے وقت ایک پارک میں ملنے کا پروگرام بنایا۔ شام

سات بجے جولی آئی تو اپنے جلو میں حشر سامانیاں لے کر آئی...... اس کی حسین اور بڑی بڑی آنکھوں میں انجانا پیغام تھے اور ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ جو دل پر بجلی گرا رہی تھی۔ جس لباس میں تھی وہ مردوں کو متوجہ کرنے والا تھا۔ بے نیام تلوار سی لگ رہی تھی۔

وہ جولی کو اپنے ساتھ لے کر جونا ریسٹورنٹ پہنچا۔ کیوں کہ جولی کی خواہش تھی کہ وہی ڈنر کیا جائے...... یہاں کے کھانے نہ صرف اس شہر میں بلکہ پورے بنگلہ دیش میں مشہور ہیں...... ایسے مزے دار اور لذیذ کھانے کسی ہوٹل میں نہیں ہوتے تھے۔ دور دراز سے لوگ یہاں کھانا کھانے آتے تھے۔

وہ اس ہوٹل کے سبزہ زار میں ایک پر سکون گوشے میں بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے عاصم کو دیکھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ وہ اپنی پرائیویٹ سیکریٹری محبوبہ دل نواز...... اور ایک شخص کے ساتھ تھا۔ وہ چمپا اور اس شخص کو لے کر ایک ایسی میز پر جا بیٹھا جو اس کی اور دوسری میزوں سے قدرے دور تھی۔ ان تینوں میں سے کسی نے ان کی طرف دیکھا نہیں۔ ہر میز پر ایک موم بتی روشن تھی۔ مدھم سی روشنی تھی۔ اس روشنی میں دور بیٹھے لوگوں کے خدوخال واضح نہیں ہوتے تھے...... اسے اس بات کا خطرہ نہیں تھا کہ عاصم اسے اتنے فاصلے سے پہچان لے گا۔ یوں بھی عاصم کی پشت اس کی جانب تھی۔

جولی نے ان تینوں سے نگاہ ہٹا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''آپ نے اس شخص کو پہچانا......؟''

''نہیں تو......'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں یہاں تمہارے سوا کسی کو بھی نہیں جانتا...... تم اس شخص کو دیکھ کر خوف زدہ اور ہراساں کیوں ہو رہی ہو......؟ یہ شخص ضرور عاصم کا دوست ہوگا......''

''اس شخص کا نام جانو ہے......'' جولی سرگوشی میں کہنے لگی۔ ''یہ شخص یہاں کا خطرناک ترین بدمعاش مانا جاتا ہے...... اس سے نہ صرف شہر کے بڑے بڑے جرائم پیشہ کانپتے ہیں بلکہ پولیس بھی اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کانپتی ہے...... کیوں کہ اس کی پشت پر ایک بہت بڑا خفیہ ہاتھ ہے...... لیکن اس شخص کا عاصم سے کیا کام ہو سکتا ہے...... حیرت کی بات یہ ہے کہ چمپا بھی ساتھ ہے...... کیوں اور کس لئے......؟''

''ان باتوں کو تم نہیں سمجھو گی......'' وسیم نے اپنے شانے اچکاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ ''کاش......! اس وقت میرے پاس کیمرہ ہوتا۔''

''کیا آپ عاصم کے ساتھ اس شخص کی تصویر اتارنا چاہتے تھے......؟'' جولی نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

''اس شخص کے ساتھ نہیں بلکہ چمپا کے ساتھ......'' اس نے کہا۔ ''میں ان تصویروں کی مدد سے ان کے تعلقات ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا آپ بلیک میل کریں گے عاصم صاحب کو......؟'' جولی مسکرادی۔ ''پھر اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔''

''حاصل کیوں نہیں ہوگا......؟'' وسیم نے سوالیہ نظروں سے جولی کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اس لئے کہ عاصم صاحب کی بیوی اپنے شوہر کو حد سے زیادہ چاہتی ہے...... وہ یہ تصویریں پھاڑ کر پھینک دے گی۔'' جولی مسکرائی۔

''نہیں...... بلیک میل کرنے کے لئے......'' وہ بھی جواباً مسکرادیا۔ ''اس لئے کہ میرے ذہن میں ایک اور تدبیر ہے...... میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں...... میں ان دونوں کی اکٹھے تصویر بنانا چاہتا ہوں۔''

''اگر ایسی بات ہے تو میں ان دونوں کی تصویریں فراہم کر سکتی ہوں۔'' جولی کہنے لگی۔

''میرے پاس ان دونوں کی دس بارہ تصویریں موجود ہیں...... رومانی اور جذباتی مناظر...... تصویریں ساحل سمندر پر اتاری گئی ہیں...... اگر آپ ان تصویروں سے کام لینا چاہتے ہیں تو میں آج رات ہی ہوٹل میں تصویریں لا کر دے دوں گی۔''

''نہیں...... تمہیں تکلیف ہوگی۔'' وہ جلدی سے بول اٹھا۔ ''کیوں نہ یہاں سے اٹھ کر تمہارے گھر جا کر تصویریں لے لوں۔''

''میرے گھر والے رات کے وقت آپ کو دیکھ کر کچھ خیال کریں۔'' وہ بولی۔ ''میں خود تصویریں پہنچا دوں گی۔''

''وہ رات نو بجے وہاں سے پر تکلف ڈنر کر کے اٹھے تھے۔ واقعی اس ریسٹورنٹ کے کھانے بہت مزے دار تھے۔ اسے بہت پسند آئے تھے...... پھر جولی نے عاصم کی طرف

دیکھا......اس میز پر ان تینوں کی میٹنگ ابھی تک جاری تھی۔ وہ سر جوڑے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

جولی ہوٹل سے باہر آ کر ایک ٹیکسی میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ وسیم بھی اپنے ہوٹل میں آ گیا۔

رات گیارہ بجے جولی تصویریں لے کر اس کے ہوٹل پہنچ گئی۔

تصویریں تو ایک بہانہ تھیں...... وسیم...... جولی کا تمنائی نہیں تھا...... حالاں کہ وہ غیر معمولی پر کشش تھی......شعلہ مجسم جس کے انگ انگ سے مستی ابلی پڑتی تھی......اس میں ایک پکے پھل جیسا رسیلا پن تھا......کون ایسا تھا جو اسے دیکھتا تو خواہش نہیں کرتا تھا کہ یہ پکا پھل اس کی جھولی میں آ گرے......اب اسے دنیا تو کیا عورت سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی......اس کا دل ان دونوں سے اچاٹ ہو چکا تھا......اس کے کہنے کے باوجود وہ واپس نہیں گئی......صبح تک ٹھہری رہی......اسے کفران نعمت نہیں ہو سکا۔

جونا ہوٹل کے سبزہ زار پر جب اس نے چمپا اور عاصم کو ایک بدمعاش کے ساتھ دیکھا تھا تو اس نے سوچا تھا کہ کیوں نہ وہ ان تینوں کو موت کی نیند سلا دے......خس کم جہاں پاک......اس کا جیب میں بھرا ہوا پستول موجود تھا......ان تینوں کو قتل کر کے وہ اس دنیا اور انسانیت کو غلاظت سے محفوظ کر سکتا تھا۔ ان کی موت پر کسی کو افسوس نہ ہوتا...... بلکہ خوش ہوتے......کہتے ہیں خس کم جہاں پاک اور اسے پھانسی چڑھتے وقت اسے غم کے بجائے بے پناہ خوشی ہوتی کہ وہ دنیا سے ایک نیک کام کر کے جا رہا ہے۔

لیکن اس دنیا میں ایک ہستی ایسی بھی تھی جو عاصم کا قتل پسند نہیں کرتی......وہ عاصم کی بیوی فرخندہ تھی۔ فرخندہ کبھی اسے معاف نہیں کرتی......ساری زندگی اسے کوستی......روتی اور بد دعائیں دیتی......اس لئے وہ چاہتا تھا کہ عاصم کو فرخندہ کے سامنے قتل کرے تاکہ فرخندہ اسے معاف کر دے......لیکن کیا ایسا ممکن ہو گا......؟ جولی نے اسے بتایا تھا کہ فرخندہ ایک شوہر پرست عورت ہے۔

وسیم دوسرے دن بھیس بدل کر عاصم کے دفتر کی عمارت کے باہر کھڑا رہا......پانچ بجے چھٹی ہوئی تو جولی اس ہندو لڑکی کے ساتھ باہر آئی جو اس کی گہری سہیلی تھی۔ وہ اس کے ہوٹل سے سیدھا دفتر آ گئی تھی۔ وہ اس کے قریب سے گزری تھی اور ان کی نگاہیں چار بھی ہوئی

تھیں۔ جولی اسے پہچان نہ سکی تھی۔ اس لئے کہ اس نے کنٹیکٹ لینس پہنا ہوا تھا۔ وہ اپنی سہیلی سے کہہ رہی تھی کہ......"شانتی! چل کر کسی ریسٹورنٹ میں اسٹرانگ کافی پیتے ہیں۔" رات بھر کی کہانی تجھے سناتی ہوں۔ بڑے زور کی نیند بھی آ رہی ہے اور جوڑ جوڑ درد کر رہا ہے۔

اب وہ جولی کے ساتھ وقت گزارنا نہیں چاہتا تھا......اس لئے اس نے ہوٹل بدل لیا تھا کہ کہیں جولی نہ آ جائے۔ اس نے جس ہوٹل میں کمرا لیا وہ فرضی نام سے......کیوں کہ جولی بہت تیز اور ہوشیار تھی۔ وہ اس کا پتا چلا لیتی۔ اس نے جولی کے رخصت ہوتے وقت ایک ہزار کی رقم دی تھی۔ وہ رقم کے لالچ میں پھر آ سکتی تھی۔ جب عاصم اور چمپا کافی دیر تک دفتر سے باہر نہ آئے تو دربان سے پوچھا......دربان نے بتایا کہ وہ دونوں آج دفتر نہیں آئے۔

وسیم تیسرے دن صبح دس بجے سے آدھا گھنٹہ پہلے بس ٹرمینل پر پہنچ گیا......جولی نے اسے بتایا تھا کہ عاصم آٹھ بجے کی کوچ سے اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ کاکس بازار جا رہا ہے۔ اس نے اپنے لئے کاکس بازار میں جو ہٹ بک کروائی ہے اس کا نمبر ایک سو پانچ ہے۔ جو نہ صرف پوری طرح آراستہ و پیراستہ بلکہ مہنگا ترین بھی تھا۔

وہ کاکس بازار جانے کے لئے جس کوچ میں سوار ہوا تھا اس کی روانگی دس بجے تھی۔ عاصم اس سے دو گھنٹے پہلے روانہ ہوا تھا۔ لیکن اسے کوئی ایسی جلدی نہیں تھی۔ وہ دو دن کے بعد بھی جاتا تو اس کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیوں کہ شکار اس کے جال میں خود ہی آ گیا تھا۔ اب اسے شکار گھیرنے کے لئے کچھ نہ کرنا پڑا تھا۔

اس کی اگلی سیٹ پر ایک نو بیاہتا جوڑا ہنی مون منانے جا رہا تھا......دلہن کی عمر بمشکل سترہ برس کی ہوگی۔ بہت حسین تھی۔ بڑی موہنی تھی۔ اس کے چہرے پر حیا اور ان جانے جذبوں کی سرخی تھی۔ جس نے اس کے حسن کو نکھار دیا تھا۔ وہ بہت بھولی اور معصوم سی دکھائی دیتی تھی۔ اس کے بھرے بھرے ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم رقصاں تھا۔

دلہا کی عمر پچیس برس کی ہوگی۔ وہ بہت وجیہہ تھا۔ یہ جوڑا بہت اچھا اور پیارا تھا......جب بس نے خاصی مسافت طے کر لی تو وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔ لیکن وہ ان کے جملے صاف سن رہا تھا۔

دلہن نے اس لڑکے سے جو اس کا شوہر تھا رسیلی آواز میں پوچھا تھا۔

''تم نے کتنے دنوں کے لئے ہوٹل میں کمرا لیا ہے......؟ بتایا نہیں......''

''صرف سات دن کے لئے......'' لڑکے نے جواب دیا۔ ''میں نے جس ہوٹل میں کمرا بک کرایا ہے اس کا نام چاندنی ہے۔''

''چاندنی......؟'' لڑکی چونک کر بولی۔ ''لیکن وہ بہت سستا اور عام قسم کا ہوٹل ہے...... جب ایک برس پہلے کالج کی لڑکیاں یہاں سیر اور تفریح کے لئے آئی تھیں تو ہم وہاں ٹھہری تھیں۔ ہم تین دن کے لئے آئی تھیں۔ لیکن ہم دوسرے دن ہی دوسرے ہوٹل میں چلی گئی تھیں۔''

''وہ کس لئے......؟'' لڑکے نے حیرت سے سوال کیا۔ ''اس میں کیا خرابی تھی......'' اس کا لہجہ شوخ ہو گیا...... ''کیا اس میں بھوت بھوتنی ہنی مون منانے آئے تھے......؟ جو تم لڑکیاں وہاں سے خوف زدہ ہو کر بھاگ گئیں......؟''

''نہیں...... یہ بات نہیں تھی۔'' دلہن بے اختیار ہنس پڑی تھی...... اس کی ہنسی بھی اس کی طرح دل کش تھی۔ ''معلوم نہیں کیوں اس ہوٹل کا نام چاندنی ہے...... اس کا نام تو گندگی ہونا چاہئے۔ کیوں کہ اس کے کمرے نہ تو صاف ستھرے اور نہ ہی بستر...... یہی حال اس کے غسل خانوں اور فرنیچر کا تھا...... اس کے علاوہ کھانے بھی اچھے نہ تھے...... کیا تمہیں کسی نے یہ باتیں نہیں بتائیں......؟''

''نہیں......'' لڑکے نے سر ہلا کر جواب دیا۔ ''اگر مجھے معلوم ہوتا تو پھر میں تمہیں رنگا ماٹی لے جاتا۔ لیکن وہاں بھی ہوٹل بہت مہنگے ہیں۔''

''میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم وہاں کسی موٹل میں کمرا کرائے پر لے لیتے ہیں۔'' دلہن بولی۔ ''موٹل میں سنا ہے ہوٹل سے سستا پڑتا ہے۔''

''ہاں......'' لڑکے نے سر ہلا دیا۔ ''اس وقت جب سیزن نہ ہو...... یہ سیزن کا وقت ہے...... ہٹس، کاٹیج، ہوٹلوں اور موٹلوں کے تمام کمرے پندرہ پندرہ...... بیس بیس دنوں کے لئے بک ہو جاتے ہیں...... میرے پاس صرف پانچ ہزار ٹاکا ہیں جو میں نے ہنی مون منانے کی غرض سے دفتر سے قرض لیا...... شادی پر بھی میری خاصی رقم خرچ ہو چکی ہے۔ میں مزید رقم کہاں سے لاؤں......؟ کسی اچھے ہوٹل اور موٹل میں کمرا لے کر سات دن بھی ٹھہرتے

ہیں تو دس بارہ ہزار ٹاکا بھی کم ہوں گے...... ہم آف سیزن میں شادی کر کے ہنی مون منانے آتے تو نہیں آ سکتے تھے۔ کیوں کہ مون سون شروع ہو جاتا ہے۔ سمندر میں بڑی طغیانی ہوتی ہے۔ کنارے کی ریت دلدل بن جاتی ہے۔''

''تم نے شادی سے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ ہنی مون منانے کے لئے تم دفتر سے قرض لو گے......؟'' لڑکی نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''یہ باتیں بتانے کی تھوڑی ہوتی ہیں۔'' لڑکے نے کہا۔ ''میں نے اپنی مجبوری بیان کی ہے...... چلو سات دن کی تو بات ہے۔ سات برس تو نہیں...... یہ سات دن پلک جھپکتے گزر جائیں گے۔ کٹ جائیں گے۔''

''تم سات دن کی بات کہہ رہے ہو وہاں سات گھنٹے بھی رہ نہیں پاؤ گے۔'' دلہن نے کہا۔ ''تم چوں کہ وہاں رہے نہیں ہو جو اس لئے یہ بات کہہ رہے ہو۔''

''اب کیا کریں......؟'' لڑکے نے بے بسی سے کہا۔ ''میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے...... کاش! میں نے یہ سب کچھ کسی سے معلوم کرا لیا ہوتا۔''

''اب یہی ہو سکتا ہے کہ ہم یہاں شام تک رہ کر واپس چلے جائیں۔'' لڑکی پریشان ہو کر بولی۔

''واپس چلے جائیں......؟'' لڑکا بھی پریشان ہو کر بولا۔ ''تم جانتی ہو کہ واپس جانے کا مطلب کیا ہوگا......؟ لوگ کیا کہیں گے......؟'' ''کیا ہوگا......؟'' لڑکی کے چہرے پر تحیر سا چھا گیا۔ اس نے ساکت پلکوں سے دیکھا۔

''ہمارے واپس جانے سے چہ میگوئیاں ہوں گی......'' لڑکا کہنے لگا۔ ''میرے اور تمہارے گھر والے بھی حیران اور پریشان ہوں گے...... شاید وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم دونوں نے چوں کہ محبت کی شادی ہمارے منع کرنے کے باوجود کی ہے اس لئے کسی بات پر ناچاقی ہو گئی ہے اور ہم واپس آ گئے ہیں...... تمہاری سہیلیاں اور میرے دوست معنی خیز باتیں کریں گے...... ہم دونوں کس کس کو اصل بات بتاتے اور سمجھاتے پھریں گے......؟ یہ بھی سوچا تم نے......؟''

''اچھا......'' دلہن مسکرا دی۔ ''میرے ذہن میں ایک بات آ رہی ہے جس سے سانپ بھی مر جائے گا لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی......؟''

''وہ کیا......؟'' لڑکے نے تجسس بھری نظروں سے اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکا۔

''ہم کہیں گے سیزن کی وجہ سے کمرا نہیں ملا...... ہم نے جس ہوٹل میں کمرا بک کرایا تھا وہ ایک دن کی تاخیر کی وجہ سے کسی اور کو دے دیا گیا۔'' دلہن نے کہا۔ ''یہ ایسا جواز ہے جسے ہر کوئی سن کر مطمئن ہو جائے گا...... میری سہیلیاں اور تمہارے دوستوں کے پیٹ میں درد اٹھے گا...... وہ ختم ہو جائے گا...... کیوں کیسی ہے یہ تدبیر......؟''

''تدبیر تو بہت اچھی ہے...... اور شان دار ہے...... اس طرح سب کے منہ بند ہو جائیں گے...... کاش! ہم تنہائی میں ہوتے تو میرے ہونٹ تمہارا منہ بند کر دیتے...... کتنی مٹھاس ہے......''

''شش......!'' لڑکی نے سرخ ہو کر اس کو کہنی ماری...... اسے پیار بھری خفگی سے گھورا۔ ''ہم گھر میں نہیں بس میں ہیں۔''

''لیکن گلنار......؟'' لڑکے نے تفکر لہجے میں کہا۔

''یہ ارمان...... حسرتیں اور خواب بھی کیا چیز ہیں......'' لڑکے نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''محرومیاں آدمی کو زہریلے سانپ کی طرح ڈستی ہیں...... ہم نے کیا سوچا تھا......؟ کیا کیا خواب دیکھے تھے......؟ کیسی کیسی حسرتیں اور ارمان دل میں تھے...... ہم سات دنوں تک ساحل سمندر پر رہیں گے...... ہوٹل میں کمرا لیں گے...... سمندر میں آزادی سے نہائیں گے...... شرارتیں کریں گے...... چاندنی راتوں کا نظارہ کریں گے...... ایک ایک لمحہ ایک دوسرے کی معیت میں گزاریں گے...... یہ سات دن ہماری زندگی کے یادگار اور ناقابل فراموش ہوں گے...... آگے چل کر جانے کیسے حالات اور مسائل ہوں...... جانے ہم پھر یہاں آ سکیں یا نہ آ سکیں۔''

''ہاں...... تم ٹھیک کہتے ہو......؟'' لڑکی بھی قدرے سنجیدہ اور جذباتی ہوگئی۔ ''لڑکی...... مرد کے مقابلے میں ہنی مون منانے کے بارے میں زیادہ سنجیدہ اور جذباتی ہوتی ہے...... پر اب کیا کیا جائے...... مجبوری ہے...... کوئی بات نہیں...... کیا یہی مسرت اور خوشی کی بات نہیں ہے کہ ہماری شادی ہوگئی...... شریک سفر بن گئے...... دو محبت بھرے دل مل گئے...... جو سپنا دیکھا وہ پورا ہو گیا جس کی کوئی امید دور دور تک دکھائی نہیں دیتی تھی...... ورنہ

دنیا نے ہماری محبت کی شدی میں کیسی کیسی دیواریں کھڑی نہیں کیں...... آخر محبت کی جیت ہوئی...... ہم واپس چلتے ہیں شام کے وقت...... تم نے دفتر سے جو رقم قرض لی ہے وہ واپس کر دو...... خوابوں کا کیا ہے انور...... یہ بڑے دغاباز اور فریبی ہوتے ہیں......''

پھر ان کے درمیان خاموشی طاری ہوگئی...... دونوں افسردہ...... دل گرفتہ اور غم زدہ ہو گئے تھے...... دلہن کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔ وہ باہر جھانک نہیں رہی تھی...... بلکہ اپنے آنسوؤں کو چھپا رہی تھی۔ وہ اپنے آنسو اپنے جیون ساتھی کو دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

وسیم نے دلہن کی خوب صورت اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں آنسوؤں کو بھرے ہوئے دیکھا تو اس کے دل پر چوٹ لگی۔

اس نے ایسے ہی آنسو نیلو کی آنکھوں میں بھی دیکھے تھے...... اسے نیلو یاد آ گئی تھی...... اسے نیلو کے آنسو یاد آ گئے تھے...... ایک نوجوان دلہن رو رہی تھی...... جذباتی ہو رہی تھی...... اس کے آنسوؤں نے ساری فضا...... ساری دنیا کو اداس کر دیا تھا...... لڑکا بھی بہت افسردہ ہو گیا تھا...... وہ آنکھیں بند کر کے جانے کیا سوچنے لگا تھا...... اس کے چہرے پر کرب ابھر آیا تھا۔

اس نے بھی سوچا تھا کہ نیلو سے شادی کرنے کے بعد وہ ہنی مون منانے پہلے رنگا ماٹی جائے گا...... پھر کاکس بازار جائیں گے...... وہاں کسی ہوٹل میں کمرا لیں گے...... اس کمرے کو حجلہ عروسی کی طرح سجائیں گے...... رجنی گندھا کے پھولوں کی لڑیاں مسہری کے چاروں کناروں پر ہوں گی...... لیکن نیلو کے بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک ان پھولوں میں کہاں ہوگی...... وہ اس خوشبو کو چرا لے گا...... اس کے ہونٹ ساری رات نیلو کے ہونٹوں کو بولنے نہیں دیں گے...... ان ہونٹوں کی مٹھاس اس کے ہونٹوں میں جذب ہوتی رہے گی...... وہ مٹھاس سے بندھ جائیں گے...... لیکن اس کے خواب ادھورے رہ گئے...... وہ پورے نہ ہو سکے تھے۔

وہ دل کی اداسی دور کرنے کے لئے چمپا اور جانو کو دیکھنے لگا...... وہ دونوں اس کوچ میں اس وقت سوار ہوئے تھے جب کوچ کی روانگی میں دس منٹ باقی تھے...... لیکن وہ دونوں ان کی کوچ میں الگ الگ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ایک دوسرے سے لاتعلق اور بیگانے سے تھے جیسے ایک دوسرے کو جانتے نہیں...... پہچانتے نہیں...... وہ غیر محسوس انداز سے ایک

دوسرے کی طرف دیکھ لیتے تھے۔

عاصم کا سارا کھیل اس کو سمجھ میں آیا تھا۔ دوایک دن کے بعد عاصم کی بیوی سمندر کی لہروں کی آغوش میں موت کی نیند سونے والی تھی۔ پولیس کو ذرہ بھر بھی شک وشبہ نہیں ہوتا کہ یہ قتل تھا۔ وہ اسے حادثاتی موت قرار دیتی...... اسے موت کی نیند سلانے کے لئے خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ عاصم نے اپنی بیوی کی موت کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ اس طرح کا تھا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے......

تین گھنٹے کی مسافت کے بعد کاکس بازار آ گیا۔ جب وہ کوچ سے اترا تھا وہ نو بیاہتا جوڑا بھی اترا تھا۔ ان کے پاس صرف ایک اٹیچی کیس اور دستی بیگ تھا...... وہ دونوں اب بھی دل گرفتہ دکھائی دیتے تھے اور لڑکی کی آنکھوں میں غم کے گہرے بادل تھے۔

وسیم ان کے پاس گیا۔ اس نے لڑکے سے کہا۔

''آپ دونوں کی شادی نئی نئی ہوئی ہے...... آپ دونوں کیا ہنی مون منانے آئے ہیں؟''

دلہن کا چہرہ لمحے کے لئے حیا آلود ہو گیا۔ لڑکا گڑبڑا سا گیا اور سنبھل کر بولا۔

''یہ آپ کو کیسے اندازہ ہوگا......؟ کیا کسی نے آپ کو بتایا......؟''

''میں کوچ میں آپ کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''میں نے آپ دونوں کی باتیں سن لی تھیں جو اگرچہ سرگوشیوں میں ہو رہی تھیں۔ اس سے اندازہ ہو گیا کہ آپ دونوں ہنی مون پر آئے ہیں...... اور آپ دونوں کی شادی حال ہی میں ہوئی ہے۔''

''کیا...... کیا...... آپ نے ہماری ساری گفتگو سن لی......؟'' دلہن نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ اس کے چہرے پر کرب نمودار ہوا۔

''نہ صرف گفتگو سن لی...... بلکہ میں نے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھی دیکھے جنہیں چھپانے کے لئے آپ باہر جھانک رہی تھیں۔'' وسیم نے کہا۔

لڑکے نے اپنی دلہن کی طرف حیرت سے دیکھا۔ اسے جیسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

''گلنار......! تم سارا راستہ روتی رہی تھیں......؟ کیوں......؟ مگر مجھے دلاسا دیتی رہی تھیں۔''

گلنار نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے مڑ کر اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پھر آنسو امڈ آئے تھے۔

''میں آپ دونوں کو شادی کی خوشی میں لنچ کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ لنچ کا وقت بھی ہو گیا ہے۔'' وسیم نے لڑکے سے کہا۔ ''آپ دونوں میری دعوت قبول کر لیں گے تو مجھے کتنی خوشی ہوگی میں بتا نہیں سکتا...... پلیز! انکار نہ کریں...... ورنہ مجھے بہت دکھ ہوگا۔ میں دکھ سہہ نہیں سکتا۔''

''لیکن ہم آپ کو نہیں جانتے ہیں اور پھر آپ کی دعوت سمجھ سے بالاتر ہے۔'' انور مشکوک ہو رہا تھا۔

''خلوص کے علاوہ کوئی اور جذبہ کارفرما نہیں ہے......'' وسیم نے کہا۔ ''آپ مشکوک نہ ہوں۔ آپ چل کر لنچ کر لیں...... میں کھانے کی میز پر بتاؤں گا کہ میں نے آپ کو کیوں دعوت دی...... آپ کی تسلی کے لئے بتائے دیتا ہوں کہ...... میں جب کبھی بھی آتا ہوں یہاں جو جوڑے ہنی مون منانے آتے ہیں میں انہیں لنچ یا ڈنر ضرور دیتا ہوں۔ جوان جوڑوں کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔''

وسیم کے لہجے میں ایسا خلوص، سچائی اور جذبہ تھا کہ وہ انکار نہ کر سکے۔ وہ اس کے ساتھ ہو لئے۔ جب وہ انہیں لے کر ڈریم لینڈ ہوٹل کے سامنے پہنچے تو دلہا دلہن کو یقین نہ آیا...... اس ہوٹل کے بارے میں اسے جولی نے بتایا تھا...... اس نے باتوں باتوں میں کاکس بازار کے ہوٹلوں کے بارے میں معلوم کر لیا تھا۔ اور پھر گلنار بھی جانتی تھی۔ اس ہوٹل کی عمارت بتا رہی تھی کہ وہ کس درجے کا ہوٹل ہے۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے۔ ہال کے خوابناک ماحول نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان دونوں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسے ہوٹل میں قدم نہیں رکھا تھا۔ وہ سحرزدہ سے تھے۔

وسیم انہیں لے کر ایک پرسکون گوشے کی طرف بڑھ گیا۔ جب وہ میز پر بیٹھے تو ویٹریس آرڈر لینے آ گئی...... یہ بڑی جواں سال عورت تھی۔ بہت ہی خوب صورت اور طرح دار تھی...... کاکس بازار سے پہلے راموگاؤں آتا تھا اس راموگاؤں میں بنگال کم۔ بری اونگ قبیلے کی آبادی زیادہ تھی۔ یہاں کی لڑکیاں اور عورتیں ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں میں ملازمت

کر رہی تھیں۔ سیاحوں کی دل بستگی سے بھی ان کی آمدنی ہوتی تھی اور بخشش بھی اچھی خاصی مل جاتی تھی...... جب ویٹریس کھانے کا آرڈر لے کر چلی گئی تو وسیم...... ''ابھی آیا'' کہہ کر استقبالیہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا...... دلہا دلہن ہال کا جائزہ لینے لگے۔ بہت ساری میزیں بھری ہوئی تھیں۔

''انور......!'' گلنار نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''جانے کیوں مجھے ایک انجانا سا خوف آرہا ہے...... کہیں یہ شخص فراڈ تو نہیں ہے......؟ وہ ہمیں لنچ کے بہانے یہاں لے آیا...... کہیں وہ کوئی چکر تو نہیں چلا رہا......؟''

''نہیں......!'' انور نے اسے دلاسا دیا۔ ''وہ چکر باز معلوم نہیں ہوتا...... بالفرض محال ایسا ہوا تو تم پریشان اور ہراساں نہ ہو...... میں جو ساتھ ہوں...... اگر اس نے کوئی چکر چلایا تو میں نمٹ لوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد وسیم واپس آگیا۔ اتنے میں ویٹرس نے میز پر کھانا چن دیا۔ کھانا بہت پر تکلف تھا۔ خاصی مقدار میں تھا۔ ان تینوں نے کھانا شروع کیا۔ دلہا دلہن تکلف کرنے لگے تو وہ انہیں بڑے اصرار سے کھلاتا رہا تھا۔ جب وہ کھانے سے فراغت پا چکے تو وسیم نے اپنی جیب سے چابی نکال کر انور کی طرف بڑھا دی۔

''یہ کیا؟'' انور نے حیرت سے چابی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ کس چیز کی چابی ہے؟''

''یہ کمرا نمبر ایک سو ایک کی ہے......'' اس نے جواب دیا۔ ''میں نے اسے سات دنوں کے لئے بک کرایا ہے۔ اس کا سات یوم کا کرایہ اور تینوں وقت کے کھانے کی ادائیگی کردی ہے...... اب آپ دونوں آرام وسکون سے ہنی مون منائیں...... کسی بات کی فکر نہ کریں...... اس سنہرے موقع سے پوری طرح لطف اندوز ہوں۔''

انور اور گلنار نے حیران ہو کر اس کی شکل دیکھی۔ انہیں اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔

وسیم نے جیب سے ایک رسید نکالی اس کی طرف بڑھائی۔ ''ہوٹل والوں کو جو میں نے ادائیگی کی ہے یہ اس کی رسید ہے۔''

''تیس ہزار ٹاکا......؟'' انور نے رسید پر درج رقم دیکھ کر کہا۔ ''آپ نے اتنی بڑی رقم ادا کردی...... کیوں......! کس لئے......؟''

''بات یہ ہے کہ میرے پاس کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''اللہ نے بہت کچھ دیا ہے...... میں ایسے لوگوں کی مدد کرتا ہوں جو خوشیوں سے محروم اور دور ہوتے ہیں۔ مجھے کسی کے کام آکر بہت خوشی ہوتی ہے۔''

''اللہ نے آپ کو دولت بھی دی تو ساتھ ساتھ بڑا دل بھی دیا ہے۔'' گلنار انور جذبات سے مغلوب ہو کر بولی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ ''نہ جانے کیوں یقین نہیں آرہا ہے...... ایسا لگتا ہے کہ ہم کوئی سندر سپنا دیکھ رہے ہیں۔''

''آپ کا یہ احسان شاید ہی کبھی بھلا سکیں۔''

انوار کی آواز بھرا گئی۔ ''کاش! ہم اس کا صلہ دے سکتے......؟''

''صلہ......؟'' ہاں...... آپ اس کا صلہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''نہ دینا چاہیں تو کوئی بات نہیں ویسے میں نے کسی صلے کی غرض سے آپ کی مدد نہیں کی ہے......''

ان دونوں نے متوحش ہو کر اسے دیکھا...... انہیں ایک ان جانا سا خیال آیا تھا...... گلنار نے سوچا کہ...... ایک طرف تو یہ کہہ رہا ہے کہ اس کا صلہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں...... دوسری طرف بے غرض کی بات کر رہا ہے۔ اتنی بڑی رقم خرچ کی ہے تو وہ اس کا کوئی نہ کوئی صلہ چاہے گا...... اگر ایسا ہوا تو وہ انکار کردے گی۔

''آپ......! آپ کیا صلہ چاہتے ہیں......؟'' گلنار نے پوچھا۔ اسے اپنی آواز گلے میں گولے کی طرح اٹکتی محسوس ہو رہی تھی۔

''دعا......!'' اس نے سنجیدہ ہو کر جواب دیا۔ ''آپ دونوں کی دعاؤں سے بڑھ کر کیا صلہ ہو سکتا ہے؟''

ان دونوں نے سکون واطمینان کا سانس لیا۔ گلنار کو ایسا لگا جیسے اس کے اعصاب پھول کی طرح ہلکے ہو گئے ہیں۔

''اگر آپ نہ بھی کہتے تو ہم ساری زندگی آپ کو دعاؤں میں یاد کرتے رہتے۔'' گلنار نے کہا۔

''ویسے کیا آپ ہمیں اپنے بارے میں بتانا پسند کریں گے......؟ ہم لوگ ایک دوسرے سے متعارف نہیں ہوئے ہیں۔''

"میرا تعارف اتنا ہی کافی ہے کہ میرا نام وسیم ہے۔" اس نے بتایا۔ "مزید تعارف بعد میں ہو جائے گا...... اب آپ لوگ چل کر آرام کر لیں۔ سفر نے تھکا دیا ہوگا...... میں نے بھی اس ہوٹل میں کمرا لیا ہوا ہے۔ کمرا نمبر دو سو تین ہے۔ جب کبھی میری ضرورت اور کسی قسم کی بھی خدمت درکار ہو بغیر کسی جھجک اور تکلف کے یاد کر لیں۔"

جانو اور چمپا کس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں اسے کچھ پتا نہیں تھا...... اس نے آج کا دن آرام کرنے اور شام کا وقت انوار اور گلنار کے ساتھ گزارا تھا۔ اس نے شاپنگ بھی کرائی تھی اور پھر ڈنر کے لئے دوسرے ہوٹل میں لے گیا تھا۔ جہاں باربی کیو تھا۔ اس نے اپنے پاس اتنی رقم رکھ لی تھی کہ دو تین دن تک کام دے سکے۔ کیوں کہ وہ اپنے منصوبے کو طول دینا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے دوسرے دن یہ بات معلوم کر لی تھی کہ جانو اور چمپا الگ الگ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس نے وہ ہٹ بھی دیکھ لی تھی جس میں عاصم اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کی ہٹ سب سے آخر میں تھی۔ یہاں سیاح نہیں آتے تھے۔ پھر اس نے رات دس بجے عاصم کو ہٹ سے نکلتے دیکھا تو اس نے عاصم کا تعاقب کیا...... عاصم اس ہوٹل میں گیا جہاں چمپا ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ عاصم کے انتظار میں باہر بیٹھا رہا۔ پھر اس نے جانو کو بھی جاتے ہوئے دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد پہلے جانو باہر آیا۔ پھر عاصم...... جانو عاصم کے انتظار میں قدرے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ ان دونوں نے آپس میں کچھ دیر کھسر پھسر کی۔ پھر دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔

تیسرے دن صبح وسیم نے اوورکوٹ پہننے کے بعد سر پر اونی ٹوپ چڑھا لیا۔ اس لئے کہ آج موسم بے حد خنک تھا۔ رات کے آخری پہر خاصی تیز بارش ہوئی تھی۔ دسمبر کا سرد مہینہ تھا۔ صبح سورج طلوع ہوا تو آسمان صاف تھا۔ بادل کا ایک ٹکڑا تک نہ تھا۔ اس کے پاس آٹومیٹک پستول بھی تھا۔ اس نے اٹیچی کیس سے پستول نکال کر جیب میں رکھ لیا اور دوسری جیب میں ساتھ اٹھ گولیاں بھی رکھ لیں تاکہ جانو سے سامنا ہو تو کام آئیں۔

جب وہ اپنے کمرے سے نکل کر پہلی منزل کے زینے پر آیا تو اس نے انور اور گلنار کو دیکھا جو اپنے کمرے سے نکل کر ناشتا کرنے نیچے ڈائننگ ہال میں جا رہے تھے۔ ان دونوں کے چہروں پر شب بیداری کا فسانہ لکھا ہوا تھا۔ گلنار کی آنکھیں مخمور تھیں اور ان میں نیند کا

خمار بھرا ہوا تھا۔

وہ ہوٹل سے نکل کر بازار کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں ایک بہت بڑا اسٹور تھا اس نے وہاں سے خریداری کی۔ اس نے ٹافیاں، چاکلیٹ اور بسکٹ خریدے، پھر وہ عاصم کے ہٹ کی طرف تیزی سے بڑھ گیا۔ اسے امید تھی کہ عاصم گھر پر نہیں ہوگا۔

اس نے چھ سات منٹ میں مسافت طے کر لی۔ وہ شارٹ کٹ سے گیا تھا۔ اس نے ہٹ کے دروازے پر دو مرتبہ وقفے وقفے سے دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ بے آواز کھل گیا۔

اس کی نظروں کے سامنے ایک تیس برس کی بھرپور، طرح دار اور بلند قامت عورت کھڑی تھی۔ اس میں بڑی دلکشی اور جاذبیت تھی۔ جولی نے غلط نہیں کہا تھا کہ عاصم کی بیوی فرخندہ نہایت حسین و جمیل عورت ہے۔ وہ آسمانی حور دکھائی دیتی تھی...... اس نے سوچا کہ اس عورت کے چہرے پر جو تقدس ہے وہ شاید جنت کی حوروں پر بھی ایسا ہی ہوتا ہوگا...... وہ ایک سیدھی سادی عورت لگ رہی تھی۔ اسے اس لمحے ایسا لگا کہ جیسے اس کے سامنے نیلو کھڑی ہوئی ہے...... اس میں اور نیلو میں کسی قدر مماثلت تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ اسے نیلو ہی سمجھ بیٹھا تھا۔ اس عورت کے چہرے پر دل آویز مسکراہٹ ابھر کر ہونٹوں کے گوشوں میں پھیل گئی۔ اس نے بڑی شائستگی اور نفیس لب و لہجے میں پوچھا۔ اس کی آواز بڑی رسیلی اور کھنکتی ہوئی تھی۔

"فرمائیے...... آپ کو کس سے ملنا ہے......؟"

"مسٹر عاصم سے......" اس نے جواب دیا۔ "کیا وہ تشریف رکھتے ہیں۔ ان سے کہیے کہ......"

"تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے وہ اپنے کسی دوست سے ملنے ریڈ کارپٹ ہوٹل گئے ہیں۔" فرخندہ نے درمیان میں کہا۔ "وہ کہہ گئے تھے کہ ان کی واپسی میں آدھا گھنٹہ لگ جائے گا۔"

"کیا میں اندر بیٹھ کر ان کا انتظار کر سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "مجھے ان سے ایک نہایت ضروری کام ہے۔"

"ضرور...... ضرور...... کیوں نہیں......" فرخندہ نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر کا راستہ دیا۔

جب وہ اندر داخل ہو گیا تو فرخندہ دروازہ بھیڑ کر اسے لے کر نشست گاہ کی طرف بڑھی۔ نشست گاہ میں اس کی تین برس کی لڑکی کھلونوں سے کھیل رہی تھی...... اس نے وسیم کو دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آئی اور بڑے دل کش اور مودبانہ طریقے سے آداب کیا۔

وسیم نے صوفے پر بیٹھ کر اسے اپنی گود میں بٹھالیا۔ پھر اس کے پھول سے رخسار پر بوسہ دے کر پوچھا۔

''ماشاءاللہ...... آپ بہت پیاری ہیں۔ گڑیا جیسی ہیں...... آپ کا نام کیا ہے؟''

''میرا نام شیریں ہے۔'' بچی نے جواب دیا۔ ''ممی اور ڈیڈی مجھے گڑیا کہہ کر بلاتے ہیں۔''

''واقعی آپ گڑیا جیسی ہیں اس لئے گڑیا کہتے ہیں...... میں بھی آپ کو گڑیا کہوں گا۔'' اس نے مسکرا کر اس کے ننھے اور خوب صورت ہاتھوں کو چوم لیا۔ اس کا رخسار تھپتھپایا۔

پھر اس نے بچی کو گود سے اتار دیا اور جیب سے ایک پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''ہم اپنی گڑیا کے لئے چاکلیٹ اور ٹافیاں لائے ہیں...... یہ باہر کی ہیں۔ آپ کو بہت پسند آئیں گی۔''

''تھینک یو انکل......!''

بچی نے اس کے ہاتھ سے پیکٹ لینے کے بعد اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اسے تپائی پر رکھ دیا۔ پھر انہیں کھول کر چاکلیٹ اور ٹافیاں نکال کر کھانے لگی۔ پھر وہ کھلونوں سے کھیلنے لگی۔

''آپ نے بڑی زحمت کی...... بہت بہت شکریہ۔'' فرخندہ نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں آپ کو پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ چٹاگانگ ہمارے گھر نہیں آئے...... آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا؟''

''میرا تعارف......؟'' وہ مسکرایا۔ ''میرا نام وسیم ہے...... عاصم میرے بہت ہی عزیز اور قریبی دوستوں میں سے ہے...... کیا آپ کے سرتاج نے میرا تذکرہ نہیں کیا......؟''

''جی نہیں......'' فرخندہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''اگر آپ ان کے قریبی دوستوں میں

سے ہیں تو بڑے عرصے کے بعد ان سے ملنے آئے ہیں۔''

''دراصل میں ملک سے باہر تھا۔'' وہ بتانے لگا۔ ''کل میں آپ کے ہاں عاصم سے ملنے پہنچا تو ملازمہ نے بتایا کہ آپ لوگ پندرہ بیس دن کے لئے کاکس بازار گئے ہوئے ہیں۔ پھر اس نے بتایا کہ آپ لوگ کس نمبر کے ہٹ میں ٹھہریں گے۔''

''ایک منٹ......!'' اس نے اپنے پرس میں سے موبائل فون نکالا۔ ''میں عاصم سے رابطہ کرتی ہوں تاکہ وہ جلد پہنچ جائیں۔''

''آپ انہیں میرا نام نہیں بتائیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''تاکہ سرپرائز رہے۔ صرف اتنا کہیں کہ ایک پرانا دوست تلاش کرتا ہوا آپہنچا ہے۔''

فرخندہ مسکرا دی۔ اس نے عاصم کے موبائل کا نمبر ملایا اور پھر کان سے لگا لیا پھر چند لمحوں تک سنتی رہی پھر بولی۔

''معلوم نہیں...... انہوں نے اپنا موبائل فون بند کر رکھا ہے۔''

''آدھے گھنٹے کی تو بات ہے وہ آجائیں گے......'' اس نے کہا۔ ''بھابی!...... آپ پریشان نہ ہوں۔ میں انتظار کرلوں گا۔''

''آپ کیا پینا پسند فرمائیں گے؟'' فرخندہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میرے خیال میں موسم کے لحاظ سے کافی زیادہ مناسب رہے گی۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا تو فرخندہ کافی بنانے چلی گئی...... فرخندہ کے کافی تیار کر کے لانے تک وہ اس بچی کے ساتھ کھیلتا اور باتیں کرتا رہا...... وہ بڑی پیاری بچی تھی بڑی تہذیب یافتہ اور اچھی عادت و اطوار کی تھی...... اس نے دل میں سوچا کہ ''یہ کیسا ظالم شخص ہے جو دولت اور ایک عورت کے حصول کے لئے اتنی پیاری بچی کو اس کی ماں سے محروم کرنے والا ہے...... ایسا تو شاید ہی کوئی شقی القلب کر سکے...... اسے کیا اس بات کا احساس ہے کہ ماں کی موت سے بچی پر کیا گزرے گی؟''

☆......☆......☆

فرخندہ ایک ٹرالی دھکیلتی ہوئی آئی۔ وہ نہ صرف کافی بنا کر لائی تھی بلکہ ابلے ہوئے انڈے، کاجو اور سینڈوچز بھی بنا کر لائی تھی، اس سے اندازہ ہوا کہ فرخندہ بڑی سلیقہ مند اور سگھڑ ہے، اس کے علاوہ مہمان نواز بھی ہے۔

وہ کافی پی رہا تھا کہ عاصم اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی وسیم پیالی تپائی پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ہیلو عاصم......!'' اس نے رسمی انداز سے کہا۔

''وسیم کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اگلے لمحے اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

''تم......؟'' عاصم کی آواز مرتعش ہو رہی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے کہ تم نے مجھے فوراً ہی پہچان لیا میرے پیارے دوست......؟'' وسیم اس کی طرف دیوانہ وار بڑھا۔ ''ہم پورے سات برس...... سات دن...... اور سات گھنٹے کے بعد مل رہے ہیں...... یہ حساب تو تمہیں بھی یاد ہوگا؟''

''تم یہاں کیوں آئے ہو...... کس لئے آئے ہو......؟'' عاصم خود پر قابو پا کر ہذیانی لہجے میں چیخا۔

''اس لئے آیا ہوں کہ ہم دیرینہ دوست ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کیا دوستوں سے ملنا نہیں چاہئے...... جب کہ لوگ دشمنوں سے بھی مل لیتے ہیں۔ دشمنی بھلا کر......''

''تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں......؟'' وہ وسیم کو قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ ''تم نے کیسے پتا چلا لیا؟''

''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔'' وسیم نے بڑے پرسکون انداز میں جواب دیا۔ ''جب کہ تم انسان ہو۔ تمہیں تلاش کرنا کون سا مشکل ہے؟''

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ یہاں کس لئے آئے ہو؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''میں یہاں تمہاری تلاش میں آیا تھا...... یہ تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔'' وسیم نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''میں اپنے حصے کی رقم سود در سود وصول کرنے آیا ہوں...... پورے سات برسوں کا۔''

''کوئی حصہ نہیں ہے...... کوئی رقم نہیں ہے...... میرے پاس......'' وہ بہت زور سے دھاڑا۔ ''تمہاری بہتری اس میں ہے کہ جس طرح آئے ہو اسی طرح واپس چلے جاؤ...... ورنہ......'' اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ورنہ کیا......؟'' وسیم نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''اپنا جملہ پورا کرو تا کہ میں بھی

جان لوں کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''تم بدمعاشی پر اتر آئے ہو......؟ میں تمہاری ساری بدمعاشی نکال دوں گا۔'' عاصم نے فضا میں مکا لہرایا۔

''تم نے اپنی پہلی بیوی فردوس کا سات لاکھ کا بیمہ کرایا تھا۔'' وسیم کہنے لگا۔ ''تم نے مجھے اس بات پر تیار کیا کہ میں فردوس کو قتل کر دوں تو بیمے کی رقم چودہ لاکھ ٹکا ملے گی۔ اس میں سے دونوں ففٹی ففٹی کر لیں گے...... فردوس کی جو ڈیڑھ کروڑ ٹکا کی جائیداد ہے اس میں سے پچیس فیصد دوں گا...... جب میں نے تمہارے کہنے پر فردوس کو قتل کر دیا تو تم نے مخبری کر کے میرے خلاف شواہد پیش کر کے مجھے پھنسا دیا۔ پھر اپنی مرحومہ بیوی کی ساری دولت سمیٹ کر چٹا گانگ آ گئے اور ایک معصوم اور نیک سیرت عورت سے شادی کر لی اور......''

''بکواس بند کرو۔'' عاصم کرخت لہجے میں بولا۔ ''تم مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو؟ تمہاری یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔''

''میرے شوہر ایسے نہیں ہیں......'' فرخندہ اپنے شوہر کے پاس جا کر کھڑی ہوئی...... اس کا چہرہ ہلدی کی طرح ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔ ''آپ ان پر بہتان نہ لگائیں۔''

''کاش......! آپ کے شوہر نامدار ایسے نہ ہوتے......'' وسیم نے فرخندہ کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔ ''آپ کے سرتاج نہ صرف ایک خبیث شخص ہیں بلکہ درندہ صفت بھی ہیں...... آپ درمیان میں نہ بولیں...... بس خاموشی سے ہماری باتیں سنتی جائیں تا کہ اس کا اصلی اور گھناؤنا چہرہ آپ کو نظر آ سکے...... اس ذلیل شخص نے اپنے مستقبل کے لئے مجھے بھینٹ چڑھا دیا...... اس نے میری زندگی تاریک کر دی...... بلکہ میں نہ صرف نیلوفر بلکہ ایک اچھی زندگی سے بھی محروم ہو گیا۔ ایک برا آدمی بن گیا...... ایک قاتل...... اس عورت کا چہرہ میری نظروں میں جب بھی گھومتا ہے تو میرا ضمیر ملامت کرتا ہے کہ میں نے اپنا مستقبل بنانے کے لئے ایک عورت کو قتل کر دیا۔ صرف دولت کی خاطر...... بہرکیف آج میں اپنے دولت مند دوست سے حساب بے باق کرنے آیا ہوں...... آج اس کمینے شخص کو حساب دینا ہوگا۔''

''میں کہتی ہوں آپ یہاں سے چلے جائیں......'' فرخندہ نفرت اور غصے سے کانپنے لگی۔ پھر وہ ہیجان زدہ لہجے میں بولی۔ ''اگر آپ نہیں گئے تو پھر میں پولیس کو فون کر کے بلالوں گی۔''

''آپ مجھے پولیس کی دھمکی نہ دیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا...... میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ البتہ آپ کے شوہر بہت بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔''

''میں کہتا ہوں کہ تم یہاں سے جاتے ہو کہ نہیں......؟'' عاصم نے اپنا مکا فضا میں لہرایا۔ ''تم نے ذرا بھی بکواس کی تو تمہارا منہ توڑ دوں گا...... تمہارے سارے دانت باہر آجائیں گے۔''

وسیم کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے کچھ تصویریں نکالیں۔ ان پر ایک نظر ڈالی۔ پھر اس نے وہ تصویریں فرخندہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ کل سات عدد تصویریں ہیں...... یہ آئینہ ہیں...... اس میں آپ کو آپ کے شوہر کا اصل چہرہ صاف نظر آجائے گا......''

فرخندہ نے اس کے ہاتھ سے تصویریں لے لیں...... وہ ایک ایک تصویر کو بہ غور دیکھنے لگی۔ عاصم بھی دیکھنے لگا۔ فرخندہ کے چہرے پر ایسی حیرت تھی جیسے اسے یقین نہ آیا ہو...... ادھر عاصم کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ پھر وہ سنبھل کر بڑے زور سے چیخا۔ ''تم نے کمپیوٹر پر جعل سازی کر کے یہ تصویریں بنائی ہیں تا کہ مجھے بلیک میل کر سکو۔ تم ایک جعل ساز شخص ہو۔''

''اس میں کوئی جعل سازی نہیں ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ان تصویروں کو دیکھ کر تمہارا چہرہ فق کیوں ہو رہا ہے......؟ یہ تصویریں جعلی ہیں تو......؟ تم کسی تصویر کو بھی جھٹلا نہیں سکتے......؟''

''کمپیوٹر کے دور میں ایسی تصویریں بنانا کچھ مشکل نہیں ہے۔'' عاصم نے کہا۔ ''ہر قسم کی بے ہودہ تصویریں بنائی جاسکتی ہیں۔''

''یہ تم اپنے دل اور ضمیر سے پوچھو کہ یہ جعل سازی ہے یا حقیقت......؟'' وسیم نے کہا۔ ''تم مجھے اور اپنی بیوی کو ان باتوں سے دھوکا دے سکتے ہو۔ لیکن اپنے ضمیر کو نہیں...... ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا ان تصویروں کے مناظر تمہاری نظروں میں نہیں گھوم رہے ہیں؟''

''ہاں...... میرے شوہر سچ کہہ رہے ہیں کہ یہ جعل سازی ہے۔'' فرخندہ نے اپنے شوہر کی تائید کرتے ہوئے تصویریں پھاڑ کے فرش پر پھینک دیں۔ ''میرے شوہر ایسے نہیں ہیں۔ اگر یہ ایسے شخص ہوتے تو کیا مجھے ان چھ سات برسوں میں پتا نہیں چل جاتا؟''

''آپ کے یہ مجازی خدا کیا ہیں...... میں بتاتا ہوں۔'' وہ کہنے لگا۔ ''آپ کے سرتاج نے پھر وہی منصوبہ بنایا ہے جو میرے ساتھ مل کر سات برس پہلے بنایا تھا...... وہ منصوبہ ان کی پہلی بیوی کے خلاف تھا۔ اب یہ انہوں نے آپ کے خلاف بنایا ہے...... چمپا کے حسن و شباب کے اسیر ہو کر آپ کو راستے سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ جب کہ آپ اس بدچلن عورت سے کہیں حسین ہیں۔ آپ کی سات لاکھ کی زندگی کی بیمہ پالیسی ہے۔ زیادہ مالیت کی پالیسی نہیں لی کہ کہیں پولیس اور بیمہ کمپنی کو شک نہ ہو جائے۔ آپ کو موت کی نیند سلانے کی صورت میں نہ صرف چودہ لاکھ کی رقم بیمہ پالیسی سے ملے گی اور ساتھ ہی آپ کی سات کروڑ کی کوٹھی بھی مل جائے گی، اس منصوبے کے تحت آپ کو یہاں لایا گیا ہے۔''

عاصم بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ وہ دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ اس منصوبے کی وسیم کو ہوا کیسے لگی...... یہ تو جیل میں تھا۔ ابھی رہا ہو کر آیا ہے۔ یہ شیطان غیر متوقع طور پر کہاں سے آٹپکا...... فرخندہ کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔

''یہ سچ ہے کہ میری زندگی کا بیمہ کیا گیا ہے تا کہ میری بیٹی کی شادی کے وقت کام آسکے۔'' فرخندہ پھنسی آواز میں بولی۔

''تم یہاں سے جاتے ہو کہ نہیں......؟'' عاصم نے طیش میں آکر کرسی اٹھالی تا کہ اس کے سر پر دے مارے۔

وسیم نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ عاصم کی طرف کیا تو اس نے خوف زدہ ہو کر کرسی واپس رکھ دی۔ وسیم نے فرخندہ سے کہا۔

''نیک بی بی......! چمپا بھی یہاں ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے اور ساتھ ہی جانو بدمعاش بھی ہے جسے فرشتہ اجل بنا کر لایا گیا ہے۔ تا کہ آپ کو موت کی نیند سلا سکے۔''

''کیا یہ سچ ہے عاصم......؟'' فرخندہ نے گھوم کر کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہ سب کچھ جھوٹ ہے......!'' عاصم نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے ڈھال بنالیا۔ اس کی آواز بے جان تھی۔ ''یہ ڈھاکا کا خطرناک ترین بدمعاش ہے...... پیشہ ور قاتل

ہے۔ دولت مندوں کو خوف زدہ کر کے دولت حاصل کرنا اس کا پیشہ ہے...... یہ بلیک میلر بھی ہے۔‘‘

’’میں تم سے رقم وصول کرنے نہیں آیا ہوں۔‘‘ وہ بولا۔ ’’میں اس خود غرض دنیا میں رہنا نہیں چاہتا...... واپس جیل جانا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ جیل کی دنیا اس سے لاکھ درجے اچھی ہے...... میں وہاں قیدیوں کو پڑھاتا تھا۔ استاد بن گیا تھا۔ وہاں میرے بہت سارے شاگرد ہیں۔ انہیں اب پھر جا کر پڑھاؤں گا۔‘‘

’’آخر تم چاہتے کیا ہو......؟‘‘ عاصم کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

’’تمہاری دولت......! میں تمہیں قتل کرنے کے ارادے سے آیا ہوں عاصم......!‘‘ وہ سفاک لہجے میں بولا۔ ’’میرے لئے تمہاری موت اب سب سے بڑی دولت ہے۔‘‘

’’نہیں...... نہیں......‘‘ فرخندہ پوری طرح اپنے شوہر کی ڈھال بن گئی۔ ’’یہ میرا سہاگ ہے...... میری معصوم بچی کا باپ ہے۔‘‘ اس نے گھبرا کر بچی کی طرف دیکھا۔ وہ کمرے میں نہیں تھی۔ ’’کہاں ہے میری بچی......؟‘‘ وہ بدحواس ہو گئی۔

’’بچی...... آپ کے شوہر کے آنے سے پہلے کھلونے لے کر باہر چلی گئی تھی اور اب وہ ہٹ کے باہر بیٹھ کر کھیل رہی ہے۔‘‘ اس نے بتایا۔ ’’یہ ایک لحاظ سے بہت ہی اچھا ہوا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ایک معصوم اور ننھی سی جان...... ذلیل ترین اور بے رحم باپ کو اپنی نظروں کے سامنے مرتا دیکھے۔ تڑپ تڑپ کر......‘‘

فرخندہ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ اس کی حالت ایک مردے سے بھی بدتر ہو رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگی۔

’’خدا کے لئے جتنی دولت چاہئے لے لو اور یہاں سے چلے جاؤ۔‘‘

’’میں یہاں دولت کے لئے نہیں آیا۔‘‘ وسیم کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی۔

’’میں یہاں انتقام لینے کے لئے آیا ہوں...... میں قسم کھا چکا ہوں...... انتقام کی یہ آگ سات دن سے نہیں...... سات مہینے سے نہیں...... پورے سات برس سے میرے وجود میں بھڑک رہی ہے...... آج میں اس موقع کو کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہیں دوں گا...... بہتر ہے کہ آپ ابھی اسی وقت بچی کو لے کر چٹا گانگ چلی جائیں...... اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں۔‘‘

’’میں نہیں جاؤں گی۔‘‘ وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔ ’’آپ نہیں جانتے کہ ایک عورت کے لئے اس کا سہاگ کتنا عزیز ہوتا ہے؟‘‘

’’میں جانتا ہوں اس لئے کہ میں انسان ہوں...... مگر اس سہاگ سے آپ کا بیوہ ہو جانا بہتر ہے...... اس لئے کہ یہ کمینہ مجھ سے زیادہ سنگ دل شخص ہے...... یہ دولت اور ایک عورت کے لئے آپ کو قتل کر دینا چاہتا ہے۔ اس لئے میں اس ناگ کو زندہ رہنے دینا نہیں چاہتا...... اس کا سر کچل دینا چاہتا ہوں۔‘‘

’’پھر ایسا کرو مجھے گولی مار دو اور میرے شوہر کو زندہ رہنے دو...... مجھے اپنے شوہر کی جان سب سے زیادہ عزیز ہے۔‘‘ وہ بے خوف لہجے میں بولی۔

وسیم نے حیران ہو کر فرخندہ کی صورت دیکھی۔ پھر اس نے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ’’عاصم......! کیا میں تمہاری بیوی کی درخواست قبول کر لوں......؟ تمہیں اعتراض تو نہیں؟‘‘

’’ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں......؟‘‘ وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں......‘‘

’’آپ نے دیکھ لیا اپنے شوہر کی خود غرضی...... آخر بلی تھیلے سے باہر آ گئی نا...... کیا یہ شخص اس قابل ہے کہ زندہ رہے؟‘‘

’’چھوڑو ان باتوں کو...... مجھے قتل کر دو اور چلے جاؤ...... مجھے قتل کرنے کے بعد تم میرے شوہر کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچاؤ گے...... اور انتقام کا خیال دل سے نکال دو گے۔‘‘

’’چلیے...... میں آپ کی بات مان لیتا ہوں...... لیکن میری ایک شرط ہے۔‘‘

’’کیسی شرط......؟‘‘ فرخندہ نے حیرت سے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

’’آپ کو ایک خط لکھنا ہو گا جو پولیس کے نام ہو گا...... خودکشی کرنے کی وجہ شوہر کا ہرجائی پن بتانا ہو گا اور وصیت کریں گی کہ موت کے بعد میرا مکان کسی یتیم خانے کو دے دیا جائے۔‘‘ اتنا کہہ کر وسیم نے معنی خیز نظروں سے عاصم کی طرف دیکھا۔

’’اس خط سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا......؟‘‘

’’ایک تو میں قتل کی سزا سے بچ جاؤں گا...... دوسرا پرسکون اور آزادی کی زندگی گزار سکوں گا۔‘‘

"نہیں......نہیں......تم ایسا خط ہرگز مت لکھنا...... یہ تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔"

عاصم نے فوراً کہا۔

"اس خط کی وجہ سے تم چودہ لاکھ کی رقم سے محروم ہو جاؤ گے...... یہ رقم بیمہ کمپنی سے اس لئے تمہیں نہیں ملے گی تمہاری بیوی نے خودکشی کی ہے۔"

"میرا مطلب یہ نہیں ہے۔" عاصم کی آواز لڑکھڑانے لگی۔

"پھر کیا بات ہے......؟" وسیم مسکرایا۔

عاصم بغلیں جھانکنے لگا۔ فرخندہ کاغذ اور قلم لے کر بیڈ روم میں چلی گئی تو عاصم نے آہستگی سے کہا۔

"اگر تم فرخندہ کو قتل کر کے فرار ہو جاؤ اور وہ خط پولیس کو نہ دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ......!"

فرخندہ کو بیڈ روم سے باہر آتے دیکھ کر عاصم نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ فرخندہ نے کھانے کی میز پر بیٹھ کر خط لکھا۔ پھر وہ خط لے کر وسیم کے پاس آئی تو اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ اس نے وسیم کی طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں......خط میں نے ٹھیک لکھا ہے نا......؟"

وسیم اس کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھنے لگا۔ اس لمحے وہ ذرا غافل ہو گیا تھا۔ فرخندہ نے ایک دم سے اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔ پھر ایک قدم تیزی سے پیچھے ہٹ کر اسے ریوالور کی زد میں لے لیا۔

"خبردار......اپنی جگہ سے ہلنا نہیں......" وہ خشونت سے بولی۔

وسیم ایک لمحے کے لئے بھونچکا سا رہ گیا۔ عاصم نے اپنے حق میں بازی پلٹتے دیکھی تو وہ تیزی سے فرخندہ کی طرف بڑھا۔

"شاباش......شاباش فرخندہ......! تم نے کمال کر دیا۔"

"تم بھی اپنی جگہ کھڑے رہو۔" فرخندہ نے اس کی طرف ریوالور کا رخ کرتے ہوئے تیز و تند لہجے میں کہا۔

"میری بات تو سنو......!" عاصم رکا نہیں...... وہ فرخندہ کی طرف بڑھا۔ "یہ ریوالور مجھے دے دو۔" "کہیں یہ بدمعاش......"

عاصم کا جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ریوالور کی نال نے ایک شعلہ اگل دیا۔

عاصم اپنا سینہ پکڑ کے لڑکھڑانے لگا۔ گولی ٹھیک اس کے سینے پر دل کی جگہ لگی تھی۔ اس کا ہاتھ خون میں تر بتر ہو گیا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ لڑکھڑا کر فرش پر گرا اور دوسرے ہی لمحے اس نے دم توڑ دیا۔ اس کے فرش پر ڈھیر ہوتے ہی فرخندہ نے ریوالور فرش پر پھینک دیا۔ پھر صوفے پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وسیم لمحے کے لئے دم بخود سا رہ گیا۔ یہ سب اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا۔ اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا تھا۔ اسے یہ سب کسی ڈراؤنے خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے آگے بڑھ کر فرش پر سے ریوالور اٹھا لیا اور پھر اسے جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ فرخندہ کے پاس جا کر متحیر زدہ لہجے میں بولا۔

"یہ کیا کیا آپ نے......؟ ایک برے آدمی کو قتل کرنے کے بجائے آپ نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا۔ اپنا سہاگ اپنے ہی ہاتھوں سے اجاڑ دیا......؟"

"میں نے وہی کچھ کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا......" فرخندہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

"میں جانتی تھی کہ آپ مجھے قتل نہیں کریں گے...... میرے شوہر کو بھی نہیں...... مگر میرا شوہر ہم دونوں کو یقیناً قتل کر دیتا۔"

"مگر آپ تو تھوڑی دیر پہلے اپنے شوہر کی زندگی بچانے کے لئے اپنی جان دینے پر تیار ہو گئی تھیں......؟" وسیم کی حیرانی ابھی پوری طرح دور نہیں ہوئی تھی۔ "آپ نے اپنی زندگی قربان کرنے کے بجائے اپنے ہی ہاتھوں سے نہ صرف اپنا سہاگ بلکہ اس بچی کا سر کا سایہ بھی اجاڑ دیا؟"

"میں نے آخری وقت تک ایک پرانی اور لگی بندھی ڈگر پر چلنے والی عورت کی طرح اپنے شوہر کو شریف آدمی سمجھا تھا۔" وہ اپنی ساڑی کے پلو میں اپنے آنسوؤں کو جذب کرتے ہوئے بولی۔ "آپ میرے نزدیک بلیک میلر اور پیشہ ور قاتل تھے...... بیڈ روم سے نکلتے وقت میں نے اپنے شوہر کی گفتگو سنی تو مجھ پر انکشاف ہوا کہ میرا شوہر ایک خود غرض...... کینہ پرور اور درندہ صفت انسان ہے...... تب میں نے اپنے شوہر کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"آپ نے مجھے اپنا ارمان پورا کرنے نہیں دیا......" اس نے گہری سانس لی۔ "کتنا اچھا ہوتا ایک برا آدمی...... ایک برے آدمی کے ہاتھوں کیفر کردار تک پہنچتا۔"
فرخندہ نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

"البتہ ساری زندگی اس بات کا دکھ رہے گا کہ میرا شوہر جسے میں نے ساری زندگی اپنا مجازی خدا...... سائبان اور اپنی ذات کا جزو سمجھا تھا کتنا بڑا ریاکار اور منافق تھا۔" اس نے رک کر گہرا سانس لیا۔ "آپ پولیس کو فون کر کے بلا لیں...... میں اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنا چاہتی ہوں۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں...... وہ کہنے لگا۔ "قانون کے حوالے اپنے آپ کو میں کروں گا۔ آپ قاتل نہیں...... قاتل میں ہوں۔"

"کیا......؟" فرخندہ حیرت زدہ رہ گئی۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ دوسرے لمحے وہ چونک کر بولی۔ "قتل کا الزام آپ اپنے سر لے رہے ہیں......؟ وہ کس لئے......؟"

"اس لئے کہ آپ کی معصوم بچی کو ماں کی سخت ضرورت ہے۔" وسیم نے جواب دیا۔

"یہ بچی اتنی بڑی دنیا میں اپنی ماں اور اس کی مامتا کے بغیر کیسے رہے گی......؟ کہاں جائے گی......؟ کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ آپ کی بچی کسی یتیم خانے میں پرورش پائے اور آپ ساری زندگی جیل کاٹیں اور آپ کی مامتا تڑپتی رہے؟"

"مگر وسیم صاحب......؟" فرخندہ پر سکتہ سا چھا گیا۔ وہ ساکت پلکوں اور منجمد آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ "قتل ایک سنگین نوعیت کا جرم ہے...... اس جرم کا ارتکاب میں نے کیا۔ آپ بے گناہ ہیں۔ مجرم میں ہوں جس کی سزا مجھے ملنا ہے...... آپ کو کیوں ناکردہ گناہوں کی سزا ملے؟"

"ہمارے ہاں عام طور پر بے گناہوں ہی کو سزا ملتی ہے...... یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور پھر اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے...... میرے لئے جیل سے باہر اور جیل کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے...... یوں بھی میں سات برس کی جیل کاٹ کر رہا ہوا ہوں۔ اس لئے میں جیل واپس جانا چاہتا ہوں۔ وہاں کی زندگی سے مانوس بھی ہو چکا ہوں۔"

پھر وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھا کر اس میں پولیس اسٹیشن کا نمبر تلاش کرنے لگا۔

فرخندہ بڑی حیرت سے سوچ رہی تھی کہ آدمی کو بدلنے میں دیر نہیں لگتی...... ایک اچھا آدمی کتنا برا آدمی بن گیا...... ایک برا آدمی کتنا اچھا اور عظیم بن گیا...... ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب خود اس کے پاس نہیں تھا۔

☆......☆......☆

اسے جیل دوبارہ آ کر کوئی غم، صدمہ اور افسوس نہیں ہوا تھا، بلکہ اسے خوشی ہوئی تھی کہ اس کا دشمن اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ اسے اور بھی زیادہ خوشی اس وقت ہوتی جب وہ اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیتا اور ساری گولیاں ایک ایک کر کے اس کے جسم میں اتار دیتا۔ لیکن اسے قتل کرنے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی کیونکہ عاصم کی بیوی نے اپنے ہاتھوں سے بدکردار، ذلیل اور درندہ صفت شوہر کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ وہ ایک عجیب سا کیف و سرور اور سرشاری محسوس کر رہا تھا جو اس نے اس سے پہلے شاید ہی محسوس کی تھی۔

عجیب سی بات اور اتفاق تھا کہ اسے اس مرتبہ پھر سات برس کی قید کی سزا ہوئی تھی۔ اس نے عدالت میں بیان دیا تھا کہ اس نے نفرت اور غصے اور انتقام میں آ کر خون کیا تھا۔ اب اگر اسے سزائے موت بھی دے دی جائے تو وہ خوشی سے قبول کر لے گا۔

سات مہینے گزر رہے تھے کہ ایک دن جیل میں بچوں کے وارڈ میں شارٹ سرکٹ سے آگ بھڑک اٹھی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ وہ جاگ رہا تھا۔ اس نے پہرہ دار سے کہا تھا کہ وہ کوٹھری کا دروازہ کھول دے تاکہ بچوں کو آگ میں جلنے سے بچا سکے۔ پھر وہ کوٹھری کا دروازہ کھلتے ہی کڑی کمان سے نکلے تیر کی مانند نکلا...... اس نے اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے آگ سے ہوتا ہوا کوٹھری میں گھس گیا۔ اس نے چشم زدن میں پہلے چھ سات لڑکیوں کو...... پھر سات آٹھ لڑکوں کو...... جن کی عمریں بارہ سے پندرہ برس کی تھیں جلنے سے بچا لیا۔ وہ صرف معمولی طور پر جھلسے تھے۔ جب کہ وہ خاصا جھلس گیا تھا۔ اسپتال میں بیس دن زیر علاج رہا۔ حکومت نے نہ صرف تیس ہزار کا انعام دیا اور اس کے ایثار، جذبے اور خلوص سے متاثر ہو کر اس کی سزا معاف کر کے اسے رہا کر دیا۔ میڈیا نے اس کے کارنامے کو سراہا۔ اسے رقم ایک تقریب میں دی گئی۔

اس کا آبائی گاؤں فرید نگر ضلع چٹا گانگ میں سمندر کے شمال میں واقع تھا۔ جو اسے بے حد پسند تھا۔ پھر اس نے وہاں ایک مکان کرائے پر لے لیا۔ اس گاؤں میں اس کے بچپن

کے دوست بھی تھے۔ وہاں کچھ دن رہ کر گزارنا چاہتا تھا۔ اس کے پاس تیس ہزار کی رقم کے علاوہ سات ہزار کی رقم بھی تھی جو گرفتاری کے وقت اس نے جمع کرائی تھی۔ وہ ایک برس کے اخراجات کے لئے کافی تھی۔ اس گاؤں میں جھیل بھی تھی...... تالاب بھی تھے۔ فضا بڑی رومان پرور تھی اور ماحول بھی خواب ناک تھا۔

☆......☆......☆

رشید نہ چاہتے ہوئے بھی آج چوری چھپے ترنم کو دیکھنے چلا آیا تھا۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اپنی اس خواہش کو رد نہ کر سکا تھا۔ دل جو بڑا ضدی، سرکشی اور بے لگام ہوتا ہے۔ اس سے جیتنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی ہار مان لی۔ یہ دل جس پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

جب کہ اسے اس کی ایسی کوئی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ اس کے سامنے آ کر نہ صرف دیکھ سکتا بلکہ نظروں میں جذب کر کے اس سے باتیں بھی کر سکتا تھا۔ جتنی دیر چاہے جب تک من کرے۔ اس کا چہرہ اور نشیب و فراز دل سے آنکھوں میں سے گزار کر من کے نہاں خانوں میں نقش کر لے۔ اسے روکنے اور ٹوکنے سے وہ رہی تھی۔

رات کا وقت اور وہ گھر میں اکیلی تھی...... اس کی آپا...... ابو کے ساتھ کسی شادی میں گئی ہوئی تھی...... اس طرح کسی عورت کو دیکھنا مذموم سی حرکت تھی۔ لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آتا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ کسی عورت کو اس طرح سے دیکھنا ایک عجیب سی لذت محسوس ہوتی تھی اور سارے جسم میں سنسنی بجلی کی لہروں کی طرح پھیل جاتی تھی۔ وہ ترنم کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتا تھا۔ وہ دوپہر کے سناٹے میں تالاب پر روز ہی نہانے جاتی تھی...... اس کے سوا یا اس کی کوئی دو ایک سہیلیوں کے سوا کوئی نہ ہوتا تھا۔ یہ تالاب گھر کے پیچھے تھا۔ وہاں مردوں کو اجازت نہیں ہوتی تھی۔ وہ اکیلی ہو یا سہیلیوں کے ساتھ تالاب پر ہوتی تھی یہ سب مل کر آزادی سے نہاتی اور تیرتی تھیں، چھیڑ چھاڑ ہوتی تھی، تفریح بھی کرتی تھیں اور خاصا وقت گزارتی تھیں۔

اس کے مکان کے عقبی کمرے میں ایک کھڑکی تھی۔ وہ اس کی ایک جھری سے انہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت تک دیکھتا تھا جب تک وہ نہا کر بال اور تن خشک کر کے کپڑے پہن کر چلی نہیں جاتی تھیں۔ اس کا جی نہیں بھرتا بلکہ اس کی جو پیاس بھڑکتی تھی وہ اور تیز ہو جاتی۔

اسے ایسا لگتا کہ وہ کوئی جیسے سنسنی خیز فلم دیکھ رہا ہو۔

اسے اس بات کا کوئی ڈر اور خوف نہیں ہوتا تھا کہ ترنم نے اس کی چوری پکڑ لی تو کیا ہوگا......؟ وہ تالاب پر جو نہاتے دیکھتا تھا اس کی چوری پکڑنا ناممکن نہیں تھا...... لیکن وہ جو کمرے کی کھڑکی سے اسے سوتا اور گہری نیند میں غرق دیکھتا تھا اس کے پکڑے جانے کا احتمال ہوتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ترنم کچھ نہیں کہے گی...... بالکل بھی برا نہیں منائے گی۔ کیوں کہ وہ جس حالت میں سوتی ہوتی تھی اسے نہ تو اپنا ہوش ہوتا اور نہ ہی لباس کا خیال کرتی تھی۔ وہ بے ترتیب ہو جاتا تھا...... کیوں کہ وہ خود جو بے ترتیبی کی حالت میں پڑی ہوتی۔ وہ سوچتا کہ ترنم چادر سے اپنا تن کیوں نہیں ڈھانپ لیتی......؟ کیا اسے بیدار ہونے پر اپنی یہ حالت دیکھ کر شرمندگی کا احساس نہیں ہوگا۔ کیا وہ یہ نہیں سوچتی کہ وہ ایک نوجوان لڑکی ہے......؟ شاید کوئی اسے اس حالت میں دیکھ بھی سکتا ہے۔

وہ ایک مہینے پہلے تک ترنم کا پڑوسی تھا۔ اسے اس وجہ سے مکان خالی کرنا پڑا تھا کہ مالک مکان نے نہ صرف کرایہ بلکہ ایڈوانس بھی دگنا کر دیا تھا۔ یہ ایک طرح سے زیادتی تھی۔ ابھی تک اس مکان میں کوئی نیا کرایہ دار نہیں آیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ مطلوبہ کرایہ اور پیشگی رقم کوئی دینے سے رہا۔ گو کہ مکان خوب صورت تھا اور کارنر پر ہونے سے بڑا بھی لگتا تھا اور تھا بھی...... لوگ مکان دیکھنے تو آتے تھے اور مول تول کر کے چلے جاتے تھے۔ وہ جن چنبیلیوں کی کلیاں توڑ کر ترنم کے سرہانے رکھتا تھا اور اس کے ریشم جیسے بالوں میں سجایا کرتا تھا اب وہ ٹہنیوں پر ہی مرجھا رہی تھیں۔ وہ مکان خالی کرنے کے بعد راتوں کو اسی طرح چھپ کر دیکھنے آتا تھا۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ دیوار پھلانگ کر اندر چلا جائے اور ڈھیر ساری کلیاں توڑ کر لائے اور ترنم پر نچھاور کر دے تا کہ ترنم کا وجود مہک اٹھے۔ لیکن ترنم میں جو مہک ہے وہ ان کلیوں میں کہاں۔

ترنم...... اپنی بڑی بہن اور والد کے انتظار میں جاگ رہی تھی جو ابھی تک نہیں لوٹے تھے...... وہ ایک ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے وہ ترنم اور اس کی حرکات و سکنات اور اس کے چہرے اور جسمانی نشیب و فراز کو دیکھ سکتا تھا لیکن ترنم اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ وہ بہت دیر بستر پر دراز اور سینے پر کتاب رکھے پڑھتی رہی۔ پھر وہ بستر سے نکلی اور کتاب میز پر رکھ دی۔ اس

نے کمرے کی دو تین بتیاں بھی جلالیں۔ سنگار میز کے بڑے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر ناقدانہ نظروں سے اپنا چہرہ اور ہر زاویے سے اپنا سراپا دیکھتی رہی۔ پھر اس نے تمام بتیاں گل کر دیں پھر بستر پر دراز ہو گئی۔

پونم کی رات تھی وہ کہتی تھی کہ پونم کی رات بڑی شریر ہوتی ہے۔ جو ہر ماہ اپنی تمام تر لطافتیں اور فرمائشیں لے آتی ہے۔ وہ اس کی...... بات سن کر کہتا...... تمہارا نام ترنم نہیں پونم ہونا چاہئے...... اس نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ اگر اس کی شادی ترنم سے ہو جائے گی تو وہ اس کا نام بدل کر پونم رکھ دے گا...... کیوں کہ ترنم...... کسی پونم سے کم نہیں ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ حسین و جمیل ہے۔

پورا چاند...... ترنم کے کمرے کی کھڑکیوں کی سلاخوں سے جھانک رہا تھا...... اس کا انگ انگ اس ڈھلے ہوئے چاند کے دریا میں نہانے لگا...... اس کے تکیے پر بکھرے ریشمی سیاہ بالوں سے جیسے چاندنی برس رہی تھی۔ اس کے سارے جسم میں ایک ٹھنڈک سما گئی تھی۔ جو دھیرے دھیرے اس کی آتما میں رچنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بستر سے نکل کر ساڑی کا پلو سینے اور شانے پر درست کیا اور کمرے سے نکلی پھر سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آ گئی پھر اس نے چھت پر کھڑے ہو کر اپنے لمبے سیاہ بال ایک دم سے لہرا دیئے...... ترنم کا یہ انداز بڑا سہانا تھا۔ اسے ایسا لگا کہ جیسے چاندنی کا بہتا دریا ایک دم سے منجمد ہو گیا ہو۔

اس نے جو مکان کرایہ پر لیا پڑوس میں زیتون خالہ رہتی تھی۔ وہ انہیں ماں کی طرح سمجھتا...... عزت کرتا اور خدمت کرتا تھا۔ وہ بھی اسے اپنے سگے بیٹے کی طرح سمجھتی تھیں۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ انہیں ترنم کے رشتے کے لئے بھیج دے۔ ترنم اسے بے حد پسند تو کرتی ہے...... لیکن پسند محبت میں بڑا فرق ہوتا ہے...... پسند کو محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس طرح وہ وسیم کو بھی پسند کرتی ہے۔ اگر ترنم نے یہ کہہ کر رشتے سے انکار کر دیا کہ وہ نہ صرف وسیم کو پسند کرتی ہے بلکہ اس سے محبت بھی کرتی ہے تو وہ پھر کیا کرے گا؟ محبت کا اظہار کرنے میں کوئی اڑچن نہیں تھی لیکن وہ سوچتا ہی رہا۔ اس نے اظہار محبت نہیں کیا...... محبت کا اظہار کرنے کے لئے جس ہمت اور جرأت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں نہیں تھی...... رعب حسن اور تمکنت ایسی تھی کہ حسن کے دریا میں اس کی زبان گنگ ہو جاتی تھی...... جب کہ وہ بڑے سے بڑے اور خطرناک دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹ جاتا تھا......

اس کے جو دو ایک بے حد قریبی دوست تھے وہ جانتے تھے کہ ترنم کی محبت کی آگ میں جل رہا ہے لیکن وہ اظہار محبت نہیں کر پا رہا ہے۔ للہذا اسے طعنے دیئے جاتے مگر وہ سوچتا ہی رہتا تھا، دن گزر رہے تھے، اس نے محسوس کیا کہ ترنم اور اس کے درمیان فاصلے بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور اس کا وجود بے معنی ہو کر رہ گیا...... آخر کب تک......؟ ترنم نہایت حسین اور پر شباب اور بے حد دل کش خدو خال کی لڑکی ہے...... ساری زندگی تو کنواری نہیں رہے گی۔ ابھی اس کے لئے بڑے بڑے گھرانوں کے رشتے آ رہے ہیں۔ اس کے باپ نے ان لڑکوں کے متعلق معلومات کی تھی۔ ان لڑکوں کا کردار اچھا نہیں تھا۔ وہ صرف دولت کوٹھی اور کار دیکھ کر شادی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیوں کہ یہ آوارہ، بدقماش اور اوباش لڑکے شادی کے دو ایک برس بعد انجانے راستوں پر چل پڑتے تھے۔

البتہ ایک بات ترنم کی سہیلیاں اور وسیم ہی نہیں سبھی جانتے تھے کہ ترنم شادی اگر کرے گی تو صرف وسیم یا رشید سے۔ کسی تیسرے شخص سے نہیں...... ترنم کے والدین ان دونوں کو پسند کرتے اور عزت بھی...... ان کی نظروں میں یہ دونوں ہونہار نوجوان بھی تھے۔

اس نے سوچا کہ اگر زیتون خالہ اس کا رشتہ لے کر ترنم کے باپ کے پاس جاتی ہے اور ترنم کی طرف سے انکار ہو جاتا ہے تو پھر یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ترنم...... وسیم سے محبت کرتی ہے...... اس سے نہیں...... پھر اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں رہے گی کہ وسیم اور ترنم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

اس نے سوچا کہ ترنم سے اس کی شادی اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ راستے کا پتھر ہٹا دے...... وسیم کو قتل کرنا آسان ہے۔ اس لئے کہ وہ یہاں اکیلا رہتا ہے۔ وہ بادی سال جا چکے ہیں۔ وہ صرف ترنم کے لئے یہاں اکیلا رہ گیا۔ ترنم جو اس کا سپنا ہے۔ وہ اسے جیون ساتھی بنا کر باڑی سال لے جانا چاہتا ہے کیوں کہ بادی سال میں باپ کی زمین اور جائیداد بھی ہے...... لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں ہونے دے گا۔ صرف ایک گولی موت کے ساتھ وسیم کے سپنے کو بھی لے جائے گی۔ پھر اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو جائے گی۔ پھر ترنم اس کی سدا کے لئے ہو جائے گی۔ ترنم کو اسے اپنانے کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہوگا......؟

اس نے وسیم کے قتل کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کا جائزہ لیا جو اچانک اس کے ذہن میں آیا

تھا۔ وہ گھر واپس جاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ وسیم گھر میں اکیلا رہتا ہے۔ وہ رات کے وقت پستول میں سائی لینسر نصب کر کے کھڑکی کے راستے وسیم کو ایک نہیں ساری گولیاں مار سکتا ہے۔ قانون اس پر اس وقت ہاتھ ڈالے گا جب کوئی ثبوت...... عینی گواہ کی صورت میں ملے گا یا آلہ قتل جس پر اس کی انگلیوں کے نشانات ثبت ہوں۔ وہ پستول وسیم کو قتل کرنے کے بعد کسی بھی تالاب میں پھینک دے گا۔ پولیس کو کوئی سراغ نہیں مل سکے گا...... ترنم جب اس کی جیون ساتھی بن جائے گی وہ کبھی بھی بھولے سے بھی نہیں بتائے گا کہ...... ترنم میں نے تمہارے حصول کی خاطر وسیم کو قتل کر دیا...... اگر میں ایسا نہ کرتا تو پھر تم وسیم کی ہو جاتیں جو میرے اور میری روح کے لئے کس قدر کرب ناک اور اذیت ناک ہوتا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں...... میں یہ جرم کرنے کے لئے مجبور تھا...... اس لئے کہ محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہوتی ہے۔ محبت کا جنون بھی ایسا ہوتا ہے......

اگر بالفرض اس نے اپنا جرم ترنم پر ظاہر کر دیا تو ترنم کے من میں وسیم بسا ہونے کی صورت میں اس کی محبت نفرت میں بدل جائے گی...... اور وہ اس کے اس عظیم جذبے اور اقدام کی قدر نہیں کرے گی۔

ترنم کے نزدیک یہ بزدلی...... ذلالت، کمینگی اور نامردی ہو گی۔

پھر اسے ایک اور خیال آیا۔ وسیم کو قتل کرنے کی صورت میں ساری دنیا یہی کہے گی کہ وہ وسیم کا قاتل ہے۔ کیوں کہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ وہ بھی ترنم سے محبت کرتا ہے...... یہ قتل اس کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا......؟ سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ وہ اس پر عمل کرنے کے لئے ایک دن کی بھی تاخیر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ اب اس کے لئے ترنم سے دور رہنا سوہان روح تھا۔ ایک دن کی جدائی بھی اس کے لئے سوہان روح تھا۔ ترنم کا سراپا، تناسب اور بجلیاں اسے ماہی بے آب کی طرح تڑپاتی تھیں۔ اور پھر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ وسیم اس پر سبقت لے جائے اور وہ منہ دیکھتا رہ جائے۔ اس تدبیر پر عمل کر کے کامیابی کی صورت میں ترنم اس کی ہو جائے گی۔ اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ ترنم سدا کے لئے اس کی ہو جائے گی۔ وہ جلد بازی اس لئے بھی کر رہا تھا کہ ایک دن کی بھی تاخیر صدی سے کم نہ تھی۔

وسیم کا گھر راستے میں آتا تھا۔ وہ اپنے گھر جانے کے بجائے وسیم کے گھر پہنچ گیا۔

کیوں کہ جو تدبیر اس کے ذہن میں آئی تھی وہ اس پر عمل کرنے کے لئے ایک دن کی بھی تاخیر کیا ایک لمحہ بھی ضائع کر کے پیروں پر کلہاڑی مارنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ خیال بار بار اس کے ذہن میں آ کر کسی سانپ کی طرح ڈس رہا تھا۔ اس لئے اس نے وسیم کے مکان کے دروازے پر بڑے زور کی دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ وسیم اس کے سامنے آنکھیں ملتا ہوا کھڑا تھا۔ وہ ناوقت رشید کو دیکھ کر چونک پڑا۔

''تم......؟ خیریت تو ہے......؟ اس وقت کیسے آنا ہوا......؟ زیتون خالہ تو ٹھیک ہیں نا؟''

وہ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے گھر میں تیزی سے گھس گیا۔

''ہاں...... یہ میں ہوں...... میری روح نہیں ہے۔'' رشید نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں...... چلو...... اندر چل کر باتیں کرتے ہیں۔''

وسیم اسے اندر لے کر گیا۔ کمرے میں بٹھانے کے بعد پوچھا۔

''کیا یہ باتیں صبح نہیں ہو سکتیں......؟ رات کا ایک بج رہا ہے یہ آرام کا وقت ہے۔''

''نہیں......'' رشید نے جواب دیا۔ ''یہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ وقت بڑا قیمتی ہے۔ میں اسے ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ میرے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے۔''

''کس کی زندگی اور موت کا سوال......؟'' وسیم نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

''کیا کوئی تمہارا جانی دشمن بن گیا ہے......؟ کون ہے وہ......؟''

''ہاں...... یہ میری زندگی اور موت کا سوال......'' رشید کا لہجہ جارحانہ تھا۔ ''تم میری خوشیوں کے قاتل ہو۔''

''میں کیوں اور کس لئے خوشیوں کا قاتل ہو سکتا ہوں؟'' وسیم نے حیرت سے کہا۔

''ہم بچپن کے دوست بھی رہے ہیں۔ میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا...... تم مجھ پر اتنا بڑا اور سنگین الزام لگا رہے ہو...... یہ تم کس بنیاد پر الزام لگا رہے ہو۔ مجھے تمہاری اس بات کا یقین نہیں آیا...... کہیں تم خواب کی حالت میں تو نہیں ہو......؟''

''میں نے سنا ہے کہ کچھ دنوں میں تم ترنم کے لئے اپنا رشتہ بھیجنے والے ہو......؟'' رشید نے تیز لہجے میں کہا۔ اس کا لہجہ اور زہریلا ہو گیا۔ ''کیا یہ سچ ہے؟''

''ہاں......! یہ سچ ہے......؟'' وسیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''اس میں کیا برائی

ہے......؟ حرج ہے......؟ آخر مجھے اپنا گھر بسانا ہے۔ مرد کی زندگی عورت کے بغیر ادھوری ہوتی ہے۔ اس میں ایک خلا ہوتا ہے جسے عورت ہی پر کر سکتی ہے۔ چوں کہ مجھے ترنم بہت پسند ہے۔ اس پسند کو محبت کا نام دے سکتے ہو۔ میرے خیال میں وہ میری ایک اچھی شریک حیات ہو سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اسے اپنانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"لیکن میں ترنم سے کتنی محبت کرتا ہوں یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتے ہو؟ اس کے باوجود تم نے اپنا رشتہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ کیا یہ بد دیانتی اور بد معاشی نہیں ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ہم دونوں ہی اس سے محبت کرتے ہیں۔" وسیم نے کہا۔ "آج سے نہیں اس وقت سے جب ترنم نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا...... لیکن وہ ہم سے محبت کرتی ہے یا نہیں...... اتنا ضرور احساس ہے کہ ہم دونوں کو بے حد پسند کرتی ہے۔ ہم دونوں ہی اس کے دوست ہیں۔ ہم سے کھلے دل سے ملتی ہے...... ہم دونوں کے لئے اس میں پندار حسن نہیں ہے۔ ہم خوش فہمی اور خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس نے دو ایک مرتبہ اشاروں میں کہا تھا کہ اگر وہ شادی کرے گی تو ہم دونوں میں سے کسی ایک سے...... کسی تیسرے شخص سے نہیں...... اب چوں کہ میں یہ محسوس کر رہا ہوں اب مجھے اپنا گھر بسا لینا چاہئے تا کہ ویرانے میں چپکے سے کوئی بہار آ جائے۔ یہ فیصلہ میں نے کچھ دنوں پہلے ہی کیا ہے۔"

"کیا ترنم تم سے اقرار محبت اور شادی کا وعدہ کر چکی ہے جو تم اپنا رشتہ بھیجنے والے ہو......؟" رشید نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔ یہ بات تھی تو تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں......؟"

"نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔" وسیم نے کہا۔ "رشتہ بھیجنے سے انکار سے یہ بات سامنے آ جائے گی کہ وہ مجھ سے نہیں تم سے محبت کرتی ہے۔ ایک واضح فیصلہ سامنے آ جائے گا۔"

"بالفرض وہ تم سے شادی کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو کیا کرو گے......؟" رشید نے سوال کیا۔ "تمہارا رد عمل کیا ہوگا؟"

"میں مایوس اور دل شکستہ ہو کر اپنے دیش ہی میں رہوں گا لیکن ڈھاکا چلا جاؤں گا۔"

وسیم نے جواب دیا۔ "وہاں ایک نئی زندگی کا آغاز کروں گا اور میری یہ کوشش ہو گی کہ کبھی بھولے سے بھی واپس یہاں نہ آؤں تا کہ زخم ہرا نہ ہو جائے۔ میں کوشش کروں گا کہ زندگی تجرد کی گزار دوں یا پھر کسی اچھی لڑکی جس کا حسین ہونا شرط نہیں...... بلکہ سیدھی سادھی، سلیقہ شعار اور محبت کرنے والی اور وفا شعار ہو شادی کر کے گھر بسا لوں...... اسے اتنی محبت دوں گا کہ وہ میری محبت کی اسیر بنے رہے۔ اس طرح بے پناہ مسرتیں اس کی جھولی میں ڈال دوں گا۔"

"یہ شاعرانہ اور فلسفیانہ باتیں رہنے دو......" رشید چڑ کر بولا۔ "اب میری سنو۔ اگر اس نے تم سے شادی کرنا منظور کر لیا تو جانتے ہو کیا ہو گا۔ میرا رد عمل مختلف ہو گا؟" اس کا آخری جملہ ہذیانی ہو گیا۔

"تم ایک اچھے دوست کی طرح ترنم کے اس فیصلے کو قبول کر لو۔" وسیم نے کہا۔ "اس لئے کہ یہ فیصلہ ترنم کا ہو گا۔ ترنم جو بھی فیصلہ کرے ہم پر لازم ہے کہ اس کا پاس کریں۔"

"اگر ترنم نے تم سے شادی کر لی تو جانتے ہو کہ میں یہ شادی کسی قیمت پر نہیں ہونے دوں گا۔" رشید نے سخت لہجے میں کہا۔

"وہ کس لئے......؟" وسیم نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس لئے کہ یہ شادی میری موت ہو گی......" رشید کا لہجہ زہر آلود تھا۔

"وہ کیوں......؟" وسیم کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔ "تم کیا کرو گے؟"

"کیوں کہ میں ترنم کے علاوہ کسی اور لڑکی کو جیون ساتھی بنانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" رشید خشونت سے کہنے لگا۔ "پہلے میں نے سوچا تھا کہ ترنم سے تمہارا رشتہ طے ہونے سے پہلے ہی تمہیں راستے سے ہٹا دوں...... لیکن اب کچھ اور سوچا ہے۔"

"کیا سوچا ہے......؟ کیا ترنم سے جا کر کہو گے تم وسیم سے شادی نہیں کرنا کیوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟"

"نہیں......! میں ایسی حماقت ہرگز نہیں کروں گا۔" رشید نے تکرار کے انداز میں کہا۔

"کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟ اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا...... اگر ترنم کے دل میں تمہارے لئے محبت ہے اس کی جڑیں اتنی گہری ہوں گی کہ اس کی جگہ میری محبت نہیں لے سکتی مجھے اس بات کا اندازہ ہے۔"

شاید ایسا نہ ہو...... تمہیں اس بات کا یقین کیوں نہیں کہ تم اس کے دل میں جگہ بنا سکتے ہو...... شاید اظہار محبت کر کے دیکھو...... میری محبت کی جگہ تمہاری محبت لے لے؟"

"اس لئے کہ عورت جس سے پہلی بار محبت کرتی ہے وہی اس کے من اور سپنوں میں بس جاتا ہے...... ترنم کو سدا کے لئے حاصل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ جس کا مجھے برسوں سے انتظار تھا۔"

"وقت......! کیسا وقت......؟ کس وقت کی بات کر رہے ہو تم......؟" وسیم نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"وہ وقت جسے میں آخری سانس تک نہیں بھول سکتا...... جتنے چرکے اور زخم ملے ہیں۔" رشید نفرت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ ان کی جلن اور سوزش آج بھی محسوس ہو رہی ہے...... زخم اتنے ہیں کہ میں گن نہیں سکتا...... وقت کا مرہم بھی اسے بھر نہ سکا...... یہ سب کچھ تمہارا کیا دھرا ہے...... تم نے میرے وجود کو چھلنی کر دیا ہے جس میں سے لہو ٹپک رہا ہے۔ میں اسے پیتا آ رہا ہوں۔"

"رشید......" اس نے منجمد نظروں سے دیکھا۔ "یہ سراسر بہتان ہے۔ میں بچپن ہی سے تمہارا دوست رہا ہوں...... دشمن نہیں...... معلوم نہیں کیوں ایسی نفرت انگیز باتیں کر رہے ہو......؟"

"اچھا......! تم وہ تشدد اور ظلم و ستم بھول گئے جو مجھ پر روا رکھتے تھے......؟" رشید بگڑ گیا۔ "لیکن میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں...... تم بچپن سے مجھ سے جلتے تھے اور خار بھی کھاتے رہے تھے...... تم بچپن میں ذرا ذرا سی بات پر مجھے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتے تھے اور میں ادھ موا اور بے بس سا ہو جاتا تھا...... جب میں پٹتا تھا تب دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ بڑا ہو کر گن گن کر بدلہ لوں گا...... اس ظلم کا بدلہ ہر قیمت پر لوں گا...... تم سے ایسا خوف ناک لوں گا کہ تمہاری روح بھی کانپ اٹھے گی...... ہرگز ہرگز معاف نہیں کروں گا...... مجھے اس بات پر یقین تھا کہ وہ دن ضرور آئے گا...... کسی نہ کسی دن اور لمحہ ایسا آئے گا کہ اس کا موقع ملے گا...... جو آگ میرے سینے میں بچپن ہی سے آتش فشاں کی طرح دہک رہی ہے اب اسے سرد کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ وسیم......! میں نے تمہارے ہاتھوں جو مار کھائی ہے آج بھی ان زخموں میں ایسی ٹیسیں اٹھتی ہیں کہ میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہوں......

میں یہاں اس وقت اس لئے آیا ہوں کہ ہم دونوں میدان جنگ میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسوں کی طرح کھڑے ہوں...... تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آج ہماری آخری ملاقات ہے۔"

وسیم پر کوئی بجلی سی آ گری تھی۔ وہ سناٹے میں آ گیا۔ ساکت و جامد سا ہو کر اس کی باتیں سن رہا تھا۔ جو اس نے کبھی بھی اپنے کسی دوست کی زبانی نہیں سنی تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور بدمعاش یا دوست نما دشمن ہوتا تو اس کے دانت کھٹے کر دیتا۔ رشید کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ جیل میں سات برسوں تک جو سزا بھگتی تھی وہ ایک سے ایک خطرناک بدمعاشوں سے بہت کچھ سیکھا اور اس نے ان سے تربیت حاصل کر کے بلیک ٹائیگر کا خطاب حاصل کر چکا ہے۔ اس کے سامنے رشید کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ وہ اب تک دو قتل کر چکا تھا۔ لیکن یہاں آ کر اس نے اپنا ماضی فراموش کر دیا تھا۔ لیکن رشید کی باتوں نے ماضی کو حال بنا دیا تھا۔

رشید اس سے عمر میں صرف ایک برس بڑا تھا۔ سولہ برس کی عمر تک اس میں اور رشید کی جو عمر تھی اس نے جسمانی حالت میں بڑا فرق کیا ہوا تھا۔ رشید چوں کہ بیمار رہتا تھا۔ اس لئے اس کی جسمانی نشوونما ٹھیک سے نہیں ہو پائی تھی...... جب کہ وہ اس کے مقابلے میں بڑا صحت مند، توانا اور طاقت ور رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ورزش کرتا اور کھیلوں میں حصہ لیتا رہتا تھا۔ لیکن اس کے بعد حالات نے بڑی تیزی سے پلٹا کھانا شروع کیا۔ جب جوانی آئی تو ٹوٹ کر برسنے لگی۔ چوں کہ وہ دراز قد اور مضبوط جسم اور چوڑے چکلے سینے کا مالک تھا۔ اس لئے لڑکیوں کے دل اسے دیکھ کر دھڑکتے تھے۔ وہ ان کا سپنا بنا ہوا تھا۔

لیکن آج صورت حال کچھ اور ہی تھی۔ رشید اس کے سامنے کسی پہلوان کی طرح خم ٹھونک کر کھڑا ہوا تھا۔ اس کا قد اور رشید کا قد اب برابر تھا۔ رشید کا قد اس سے بھی نکل گیا تھا۔ اس لئے وہ آج رشید کے سامنے اپنے آپ کو ایک بچے کی طرح محسوس کر رہا تھا۔ آج رشید چھ فٹ چار انچ کا مضبوط کسرتی بازو کا خوب رو جوان تھا جو امریکی فلموں کے ہیرو کی طرح نظر آتا تھا۔ وہ اپنے آپ ایک بچے کی طرح محسوس کر رہا تھا۔ جیسے وہ بونا ہو۔ اس کے باوجود وہ نہ تو رشید سے مرعوب ہوا تھا اور نہ ہی احساس کمتری کا شکار......

"رشید......!" وسیم نے پہلی بار اسے تنقیدی نظروں سے اوپر سے نیچے تک دیکھا جو

اس کے سامنے پہاڑ کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ ''صاف صاف کہو تم کیا چاہتے ہو......؟ مجھے بڑے زور کی نیند آ رہی ہے اور میں آج بے حد تھکا ہوا بھی ہوں۔''

اسے رشید کو موت کے بجائے دشمن کی حیثیت سے اپنے مدمقابل دیکھ کر دل کو دھچکا سا لگا تھا۔ گہرا صدمہ...... وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا وقت بھی اس کی زندگی میں آ سکتا ہے۔

''وسیم......! میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم میرے اور ترنم کے درمیان دیوار بنے کھڑے ہو......؟'' وہ حقارت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔ ''میں اپنے اور ترنم کے درمیان تمہارے وجود کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا...... اس وقت میں دو تجویز لے کر آیا ہوں جو تمہارے سامنے رکھتا ہوں...... تمہیں ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں تمہیں سوچنے کے لئے ایک دن کی مہلت تو دور کی بات ہے ایک گھنٹے کی مہلت دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں...... تمہیں ان دونوں میں سے ایک تجویز کا انتخاب کرنا ہے...... پہلی تجویز گو کہ بڑی ذلت آمیز اور ایک طرح سے ناقابل قبول ہے...... لیکن اسے ماننے کے سوا چارہ بھی نہیں، تم سدا کے لئے یہ شہر اور اس ضلع کو چھوڑ دو...... سری لنکا جاؤ...... دنیا کے کسی بھی گاؤں میں جاؤ لیکن یہاں نہیں آؤ گے...... مجھے تمہاری منحوس صورت یہاں نظر نہ آئے...... اگر تم نظر آئے تو تمہارا ایسا حشر کروں گا کہ تم اس عبرتناک انجام کا سوچ بھی نہ سکو گے۔ تمہیں کتے کی موت ماروں گا...... دوسری تجویز آبرومندانہ اور مردانہ ہے...... تم مردوں کی طرح مجھ سے مقابلہ کرو گے...... جو فاتح ہوگا وہ ترنم کا مالک ہوگا...... اس کی روح اور اس کا دل کش جسم فاتح کی ملکیت ہوگا...... وہ صدا کے لئے اس صورت میں اس کی ہو جائے گی۔ جو اس مقابلے میں زندہ بچ جائے گا۔''

وسیم کوئی بے غیرت یا عام قسم کا شخص نہ تھا...... وہ ایک غیرت مند اور پرجوش قسم کا جوان تھا۔ اب یہاں جب پہلے اور آج بھی عزت کی زندگی گزار رہا تھا...... وہ بچپن میں رشید کی جو پٹائی کرتا تھا اس کی بے ہودہ شرارتوں، حرکتوں اور گندی گندی گالیاں بکنے کی وجہ سے...... نوعمری میں بھی چوری چکاری کرتا تھا...... اس کے منہ سے ایسی ذلت آمیز تجویز سن کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور رگوں میں لہو ابلنے لگا۔

کیا تم مجھے اتنا حقیر سمجھتے ہو کہ جو ذلیل حرکت کرنے پر تلے ہوئے ہو؟'' وسیم نے

ہذیانی لہجے میں کہا۔ ''کیا میں اتنا بے غیرت اور بزدل ہوں جو تم نے شہر چھوڑ دینے کی تجویز پیش کی...... تم ہرگز ہرگز اس خوش فہمی میں مت رہنا کہ میں یہ شہر اور ترنم کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ البتہ مجھے تمہاری دوسری شرط منظور ہے۔''

رشید کا چہرہ ان جانے خیال سے دمک اٹھا اور اس کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک کوند گئی۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ اس نیک کام میں دیر نہ کی جائے...... پرسوں صبح سورج طلوع ہونے سے قبل تمہیں رستم...... رضا جزیرہ پر اتار دے گا...... تم اپنے ساتھ صرف ایک چاقو لا سکتے ہو۔ اس کے علاوہ کوئی ہتھیار لے کر نہیں آؤ گے۔ رستم تمہیں اس جزیرے کے مغربی ساحل پر اتار دے گا۔ تم اپنے ساتھ کسی بااعتماد دوست کو لے کر آنا...... میں بھی اپنے ساتھ کسی دوست کو لاؤں گا۔ میں نے رضا جزیرے کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ یہ ویران ہے...... اس لئے بھی کہ یہ ہمیشہ سمندر کے ساحل کے طوفان کی زد میں رہتا ہے اور سیلاب تباہی و بربادی مچا دیتے ہیں۔ اس لئے یہاں انسانی آبادی نہیں ہے اور اس پر جنگل کا دھوکا ہوتا۔ یہاں کوئی آتا بھی نہیں ہے۔ اس کے دوسرے دن وہ دونوں جزیرے پر آ کر زندہ بچ جانے والے کو ساتھ لے جائیں گے...... یہ ہے وہ منصوبہ جو میں نے بنایا ہے۔''

وسیم نے اس منصوبے کے ہر پہلو پر چند لمحوں تک غور کیا اور جائزہ لیا۔ اسے یہ منصوبہ سرے سے ہی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ رشید کو بچپن سے جانتا تھا۔ اس کے علم میں یہ بات تھی کہ رشید اس کے مقابلے میں کہیں ماہر اور بہتر شکاری ہے اور پھر اسے چٹا گانگ اور کھلنا کے تمام جنگلات جو سندر بن کے نام سے مشہور ہے اسے ان کے بارے میں بہتر معلومات حاصل ہیں...... اور اب وہ جسمانی طور پر اس سے کہیں طاقت ور ہے اور اس وقت انتقام کے جنون نے اسے اندھا کر دیا ہے۔ وسیم کو رشید پر صرف ایک فوقیت حاصل تھی...... وہ ذہنی جسمانی طور پر رشید سے زیادہ پھرتیلا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ رشید اس وقت زیادہ بے رحم اور سفاک بن جاتا تھا جب اس کے مقابلے میں اس کا حریف کمزور ہو۔

''کیا تم نے اس کی اطلاع ترنم کو دی ہے......؟'' وسیم نے تیز اور سرد لہجے میں کہا۔

اسے یہ محسوس کر کے خوشی ہوئی کہ اس کے لہجے میں ذرہ برابر بھی ارتعاش نہیں ہے بلکہ

ایک طرح سے اعتماد جھلک رہا ہے۔

''نہیں......'' رشید نے نفی میں سر ہلایا اور اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔''میں اس سے صبح سویرے بات کروں گا...... وہ اس بات پر راضی ہو جائے گی کیوں کہ اس کا باپ اس کی شادی کے لئے فکر مند ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جتنا جلد ہو سکے بیٹی کے ہاتھ پیلے ہو جائیں۔ ہم دونوں اس کی یکساں پسند ہیں...... لیکن یہ بات اس کے علم میں نہیں لانا ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک صرف زندہ بچا ہے...... اس بات کا علم صرف چار آدمیوں کو ہوگا...... تم اور میں...... اور ہم دونوں کے دو دوست...... وہ اس بات کے پابند ہوں گے کہ یہ بات کسی کے بھی علم میں نہیں لائیں گے۔''

''رشید......!'' وسیم نے سنجیدگی سے کہا۔''تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ایسی لڑائیاں خلاف قانون ہیں...... اگر پولیس کے علم میں آ گیا تو اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جائے...... اس ملک کے قوانین کس قدر سخت ہیں کیا تم نہیں جانتے......؟''

''ہاں......! میں یہ بات بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ کیا قوانین نافذ ہیں؟'' رشید نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔''لیکن اس کے بارے میں کسی کو بھی کچھ معلوم نہ ہو سکے گا...... کیوں کہ محبت کی یہ جنگ ہارنے والا اس دنیا سے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو جائے گا۔ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ گاؤں چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔ جانے والے نے کسی وجہ سے کسی کو بتایا نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے......؟''

''سوائے ترنم کے......؟'' وسیم نے کہا۔''اسے یہ احساس کسی خنجر کی طرح اس کے دل میں پیوست ہو جائے گا کہ وہ ایک قاتل کی بیوی ہے اور پھر ترنم کی ساری زندگی کو جہنم بنا دے گی بشرطیکہ وہ جنگ کے فاتح سے شادی کر کے گھر بسا لے...... کیا یہ زندگی ان دونوں کے لئے اذیت ناک نہیں ہوگی؟''

'''جیتنے والا ترنم کو مارنے والے کی موت کی خبر نہیں دے گا بلکہ اسے یہ بتلائے گا کہ ہارنے والا یہ گاؤں چھوڑ کر چلا گیا۔'' رشید اسے بے خیال نظروں سے دیکھنے لگا۔''یہ بات جیتنے والے کے حق میں سدا بہتر ہوگی...... اس طرح ازدواجی زندگی پر مسرت اور خوش گوار ہوگی...... اسے مرتے دم تک یہ راز سینے میں دفن کر کے رکھنا ہوگا......''

''اور اس طرح اپنی ازدواجی زندگی کی بنیاد ایک جھوٹ پر رکھے...... اور اپنی گھریلو

زندگی کا آغاز بھی جھوٹ سے کرے۔'' وسیم نے تاسف سے کہا۔''نہیں رشید......! یہ جھوٹ زیادہ دن نہیں چل سکے گا......؟ میں جتنا تمہارے منصوبے پر غور کر رہا ہوں وہ میری ناگواری میں اضافہ کر رہا ہے۔ یہ منصوبہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے...... کیا تمہارے سامنے اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے......؟ تم اس سے ہٹ کر کیوں نہیں سوچتے......؟ شاید اس سے اور بھی بہتر کوئی راستہ نکل آئے۔'' وسیم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں اس کے علاوہ کچھ اور سوچنا نہیں چاہتا۔'' رشید نے سرد اور تیز لہجے میں کہا۔''تم بزدلوں کی طرح باتیں کر رہے ہو؟ میری یہ بات کان کھول کر سن لو...... اگر تم نے مجھ سے مردوں کی طرح مقابلہ نہیں کیا تو پھر میں تمہیں چھپ کر قتل کر دوں گا۔ جو میرے لئے کچھ مشکل نہ ہوگا۔ میں نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''اور تم اس معاملے میں اس حد تک سنجیدہ اور جذباتی ہو گئے ہو۔'' وسیم نے کہا۔''آخر میں کس طرح تمہاری اس بات پر یقین کر لوں کہ رضا جزیرے پر کوئی مہلک ہتھیار پہلے ہی سے چھپا کر رکھا نہیں گیا ہے...... مثلاً کوئی ریوالور، بندوق یا خنجر...... اس طرح جنگ میں تمہیں مجھ پر آسانی سے فتح حاصل ہو جائے گی۔ میں جانتا ہوں کہ ترنم کے حصول کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہو......؟''

رشید کا منہ بن گیا۔ جیسے اس کے منہ میں کڑوا بادام آ گیا ہو...... وسیم نے اس کی ذات پر بھروسا نہ کر کے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ دوسرے معنوں میں اس کی تذلیل اور توہین کی تھی۔

''میں نے یہ جزیرہ اس لئے تجویز کیا تھا کہ...... ایک تو قریب ہے اور وہاں پہنچنا آسان بھی ہے۔'' رشید بولا۔''اگر تمہیں یہ جزیرہ پسند نہیں ہے اور تمہیں وہاں کسی بات کا خوف و خدشہ ہے تو دس میل کے اندر اندر بہت سارے جزیرے موجود ہیں تم ان میں سے کوئی سا بھی جزیرہ پسند کر لو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔''

''نہیں...... جزیرہ رضا ہی بہتر رہے گا۔'' وسیم نے سر ہلا دیا۔''میں وہاں تم سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''وسیم......! مجھے خوشی ہے کہ تم نے مردوں کی طرح مقابلہ کرنے پر ترجیح دی...... تمہیں گھات لگا کر چوہوں کی طرح مارنے میں مجھے ذرا بھی لطف نہیں آتا...... مردوں کی

شان یہ ہے کہ جواں مردی دکھائیں...... ورنہ عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھ جائیں۔"

رشید یہ کہہ کر پلٹ کر گھر سے نکل گیا۔ وسیم دروازے پر آ کر اسے دور تک جاتا دیکھتا رہا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں نہایت تکبرانہ چال چل رہا تھا جو اس نے موجود قامت حاصل کرنے کے بعد اختیار کی تھی جس میں نہ تو تیزی تھی اور نہ ہی سست روی۔

وسیم کی عمر اٹھائیس برس کی تھی جب رشید اس سے عمر میں ایک برس چھوٹا تھا۔ اس شہر کی ایک کالونی جو پہلے گاؤں تھا اور آج بھی لوگ اسے گاؤں ہی کہتے تھے جس میں مغربی بنگال، مدراس، نیپال اور سری لنکا کے باشندے بھی کوئی پچاس ساٹھ برس سے آباد تھے۔ وہ سب آپس میں ایک قوم اور ایک خاندان کے فرد جیسے بن گئے تھے۔ ان میں قومیت اور ذات پات کی کوئی تفریق نہ رہی تھی...... وہ ترنم...... کے ایک بہت دور کے رشتے کی کزن تھی...... درمیانہ قد، سڈول اور بھرے بھرے جسم کی...... بے حد ہنس مکھ اور بہت ہی حسین و جمیل...... جاگتے میں سپنے دیکھنے والی ترنم جس کی بڑی بڑی خوب صورت اور سیاہ اور جادو بھری آنکھیں تھیں جو دل میں اتر جاتی تھیں۔ وہ واقعی ایک سحر انگیز ترنم تھی۔

وہ دونوں ہی تبسم سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے...... وسیم کو یقین تھا کہ ترنم اس سے محبت کرتی ہے، رشید کی محبت یکطرفہ ہے، وسیم...... رشید کی رگ رگ سے واقف تھا۔ وہ اسے بچپن سے ہی جانتا تھا۔ جب دبلا پتلا سوکھا، رشید اس کے ہاتھوں مار کھا کر روتا ہوا گھر جاتا تھا۔ سولہ برس کی عمر کے بعد رشید نے حیرت انگیز طور پر قد نکالا تھا جس طرح اس کا قد بے تحاشا بڑھا تھا اس طرح اس کا ڈیل ڈول بھی بڑھتا گیا۔ لیکن وہ فطرتاً وحشی تھا۔ وہ وحشیوں کی طرح اپنی فتوحات کا جشن مناتا تھا اور وحشیوں ہی کی طرح اپنی ناکامیوں کو کامیابی میں تبدیلی کرنے کے لئے کمینے پن کی تمام حدود کو پھلانگ جایا کرتا تھا۔ اس کے والدین بے حد غریب تھے۔ اس لئے وہ شہر سے قدرے دور ایک غیر معروف گاؤں میں رہتے تھے۔ جہاں وہ بھیڑ، بکریاں اور مرغیاں پال کر اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔ سبزیاں بھی اگایا کرتے تھے۔ اس گاؤں میں رشید ایک لوہار کی دکان پر کام سیکھ رہا تھا۔ اس لوہار کی دکان پر کام ملتے ہی اپنے والدین کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا اور ان کی کوئی خبر نہیں لیتا تھا۔ اور خود مزے سے رہ رہا تھا۔ اس لئے اس پر کوئی بوجھ نہیں رہا تھا۔

وہ ترنم کا پڑوسی تھا۔ لیکن اب اس لئے نہ رہا تھا کہ وہ مکان کا کرایہ دیتا نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے مالک مکان نے پولیس کے ذریعے سے مکان خالی کروالیا تھا۔ اس لئے وہ اچھی نظروں سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ اس نے لوگوں کو مکان خالی کرنے کی کوئی اور وجہ بتائی تھی۔ لیکن کوئی بھی اس کی بات کا یقین نہ کرتا تھا۔

رشید...... وسیم کے مقابلے میں گاؤں میں زیادہ مقبول تھا اور پسند بھی کیا جاتا تھا...... لیکن جو لوگ رشید سے زیادہ قریب تھے اور اس سے اچھی طرح واقف تھے وہ اسے بالکل پسند نہیں کرتے تھے اور کوئی بھی ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا جو دوسروں سے نظریں ملا کر بات نہ کرتا ہو...... دوسرے کو یہ احساس ہمیشہ ہوتا جیسے وہ اس سے کچھ چھپا رہا ہو۔

رضا جزیرے کا شمالی اور جنوبی حصہ نہ صرف خوب صورت بلکہ زرخیز بھی تھا...... اس سے قدرے فاصلے پر ایک جزیرہ ہنومان تھا لیکن لوگ اسے رضا ہی کہتے تھے۔ جو سمندر سے گھرا ہوا تھا۔ یہ بحیرہ بنگال میں واقع تھا...... وہاں کبھی کبھی لوگ ہرن اور خرگوش کے شکار کھیلنے کے لئے چلے جاتے تھے۔ یہ غیر آباد اور بہت کم رقبے پر پھیلا ہوا تھا...... وہ چھوٹا سا جزیرہ جھاڑیوں اور درختوں سے لدا ہوا تھا...... پہلے اسے ہنومان جزیرہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ درختوں کے بیچ ایک دیوتا کا قدیم مجسمہ تھا اور پھر اس کا محل وقوع بھی کچھ اس قسم کا تھا کہ اکثر طوفانوں کی زد میں رہتا تھا۔ رشید اور وسیم بھی اس جزیرے سے اچھی طرح واقف تھے جیسے انہوں نے اس پر جنم لیا ہو اور وہ نوجوانی ہی سے ہرن کا شکار کرنے کے لئے چوری چھپے کشتی میں بیٹھ کر اس جزیرے پر آ جاتے تھے۔ پولیس کی گشتی بوٹ ہرن کا شکار کرنے والوں کو حوالات میں بند کر دیتی تھی اور عدالت بھی سخت سزا دیتی تھی۔ چوں کہ وہ دونوں اس کے چپے چپے سے واقف تھے اس لئے پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ ہرن کا گوشت فائیو اسٹارز والے منہ مانگی قیمت پر خرید لیتے تھے۔ غیر ملکی سیاح ہرن کی کھال کی قیمت ڈالر میں دیتے تھے جس کے بدلے مقامی کرنسی کے ہزاروں ٹاکا ملتے تھے۔

وسیم گھر آ کر گہری نیند سویا تھا کہ وہ سہ پہر کے وقت ہی بیدار ہوا تھا۔ پھر وہ سو گیا تھا۔ آج اسے خوب نیند آ رہی تھی جو اس کے لئے حیرت کا باعث تھی۔ جب وہ دوبارہ بیدار ہوتو سورج کے غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی اور وسیم کو دوسری صبح کے کچھ انتظامات بھی

کرنے تھے اور اسے ایک قابل اعتماد دوست سے مل کر گفتگو کرنی بھی تھی۔ وہ ہر کسی دوست پر اعتماد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جسے رشید کو اس جزیرے پر لے جانا تھا۔

وہ جس دوست سے بات کرنا اور اعتماد میں لینا چاہتا تھا وہ ایک ملبوسات کی دکان پر سیلز مین تھا۔ اس نے دکان کے مالک سے اچانک طبیعت خراب ہو جانے کا بہانہ کر کے چھٹی لی اور سیدھا وسیم کے ہاں پہنچا۔ مجید ان چند لوگوں میں سے ایک تھا جو رشید سے اچھی طرح واقف تھے لیکن اسے سخت ناپسند کرتے تھے۔ وسیم نے اسے رشید سے ملاقات کی پوری کہانی سنائی۔ وہ فوراً ہی رشید کو دوسری صبح جزیرے کے ساحل پر چھوڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ جہاں ان دونوں کو ملنا تھا......اور اس کے بعد شرما کو اسے رضا جزیرے پر لے جانا جہاں رشید منتظر ہو گا۔ شرما بھی ایک معتبر اور ذمے دار شخص تھا۔

وسیم نے اس روز رات کا کھانا جلد ہی کھا لیا۔ پھر وہ اپنا خاندانی ہتھیار تلاش کرنے لگا جو بہت مہلک، تیز اور لمبا تھا جس کا دستہ بے حد مضبوط، عمدہ اور لمبا تھا کہ اسے پھینک کر مارنے میں ذرا سی بھی دشواری نہیں ہوتی تھی۔ وسیم نے اس خنجر کو تلاش کرنے کے بعد اسے پہاڑی پتھر پر خوب رگڑ کر تیز کیا۔ اس کی دھار پر تیل لگا کر رکھ دیا۔ پھر اس نے بازار سے پتلون پر باندھنے والی ایک نئی مضبوط چرمی بیلٹ خرید لی جو دیکھنے میں تو معمولی تھی۔ لیکن پتلی اور بے حد مضبوط تھی۔

اس نے اس لئے یہ بیلٹ خریدی تھی کہ وقت ضرورت کام دے سکتی تھی۔ وسیم کو اس بات کا احساس تھا کہ یہ جنگ اس کی زندگی کی جنگ ہے اور اس میں دشمن سے شکست کھانے کا مطلب صرف اور صرف موت ہے......اسے رشید کی طرف سے ذرا بھی رحم، نرمی اور رعایت کی کوئی توقع نہیں تھی......وہ جانتا تھا کہ رشید نے یہ تجویز ہی اس لئے کی کہ وہ اسے جان سے مار سکے اور ایسا کرتے ہوئے لطف اندوز ہو سکے۔

پھر اس نے گھر آ کر ایک نئی پتلون نکالی اور صبح پہننے کے لئے رکھ دی۔ اس نے اس نئی پتلون کا انتخاب کیا تھا کہ گرد و غبار سے محفوظ رکھ سکے۔ پھر وہ ان تمام تیاریوں سے فارغ ہو کر ترنم کے گھر کی طرف دھڑکتے دل سے چل دیا تھا کہ وہ جو اس کی زندگی اور سندر سپنا تھی۔

وسیم......ترنم کے گھر کے سامنے رک کر کھڑا ہو گیا۔ ترنم اس وقت اپنی حشر سامانیوں

کے ساتھ دروازے پر کھڑی تھی، اس کی سادگی اور حسن......اور شباب کے طلسم نے اسے جیسے محبوس کر دیا تھا اور وہ جیسے لمحوں کے لئے دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر خوابوں کی وادی میں پہنچ گیا۔

''وسیم......! اندر آ جاؤ......'' ترنم نے قدرے ہٹ کر اور سمٹ کے اپنی مترنم آواز میں اندر آنے کی دعوت دی۔ پھر وہ اپنی لانبی سرمگیں پلکیں جھپکا کر بولی۔ ''یہ آپ اجنبیوں کی طرح باہر کیوں کھڑے ہیں......؟ کیا کسی نے آپ کو اندر آنے سے روکا ہوا ہے؟'' پھر وہ ہنس پڑی۔

ترنم کی ماں اس دنیا میں نہیں رہی تھی۔ اس نے اور اس کی بڑی بہن نے اپنا گھر سنبھالا ہوا تھا......لیکن اس کے والد حیات تھے۔ لیکن گھریلو معاملات میں کوئی دخل نہیں دیتے تھے۔ وسیم نے انہیں بڑے ادب سے سلام کیا اور ان کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر تک ان سے رسمی باتیں کرتا رہا۔ وہ کھلے دل اور ذہن کے مالک تھے۔ وہ لڑکیوں کو کسی بات اور آزادی پر ٹوکتے نہیں تھے۔ ترنم اپنی بڑی بہن کے ساتھ مل کر گھر کا کام کر رہی تھی۔ جب ترنم کی بڑی بہن کام کاج سے فارغ ہو کر خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلی گئی تا کہ وہ دونوں اطمینان سے باتیں کر سکیں۔

''کیوں نہ باغ میں چل کر کچھ دیر بیٹھیں......؟'' وسیم نے تجویز پیش کی۔ ''باہر بڑی خوش گوار ہوا چل رہی ہے جس سے موسم بڑا سہانا ہو گیا ہے۔ بلکہ ہوا جسم میں فرحت بن کر اتر رہی ہے......''

دونوں باغ کے ایک گوشے میں بیٹھے گھنٹوں باتیں کرتے رہتے تھے۔ پونم کی رات میں وسیم نے ترنم کی دل ہی دل میں اس کی جیسے پرستش کی تھی اور مستقبل کے سندر سپنے دیکھے تھے۔ ترنم راتوں میں ترنم کا حسن اور نکھر جاتا تھا۔ وہ اسے آنکھوں کے راستے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں جذب کر لیتا تھا......ترنم کی موہنی صورت تو وہاں پہلے ہی سے نقش تھی۔ یہ نقش اور گہرا ہو جاتا تھا......آج پھر پونم کی رات تھی۔

''کیوں نہیں......؟'' ترنم نے اس کی تجویز سن کر اسے تیکھی تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''چلو......کیا میں نے کبھی انکار کیا ہے جو تم مجھ سے کہہ رہے ہو......؟''

پھر وہ دونوں باغ کے اس گوشے میں آ بیٹھے جو انہیں پسند تھا اور بڑا پرسکون تھا۔ یہاں

سے چاندنی رات اور باغ کا نظارہ بڑا دلکش نظر آتا تھا۔ فضا رومانی بن جاتی تھی...... آج اتفاق سے چاند کی پندرہویں شب تھی اور آسمان کے چوڑے چکلے سینے پر روشن ستارے جگمگ کر رہے تھے...... اس کی نظروں کے سامنے زمین کا جو چاند تھا۔ وہ آسمان کے چاند سے کہیں حسین تھا...... جس کی چاندنی وسیم کی روح کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر کے ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔

ترنم نیچی تراش کے بغیر آستینوں کے اور کھلے گریبان کے سفید بلاؤز میں تھی اور گھاگرا بھی اس نے سفید ہی پہن رکھا تھا جس میں جسمانی تناسب بھڑک رہے تھے۔ ایسا لباس اس گاؤں میں لڑکیاں اور عورتیں بھی پہنتی تھیں جو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ علاقائی لباس تھا...... دودھیا چاندنی میں اس کا انگ انگ دھل رہا تھا۔ وسیم نے اپنے جذبات پر قابو پایا ہوا تھا۔ ترنم کا سراپا اسے بہکا رہا تھا۔ وہ بہکنے نہیں آیا تھا۔ بہکنے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ لیکن وہ کسی کے بھی اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا اور نہ کبھی اس نے ایسا سوچا تھا۔

"ترنم......!" وہ دل کی بات زبان پر لے آیا جو تنہائی میں اس سے کہنا چاہتا تھا اس نے یہ بات بڑے دھیمے لہجے میں کہی۔ "کل میں اور رشید رضا جزیرے پر ایک مہم پر جا رہے ہیں۔ کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ وہ مہم کیا ہے......؟ تمہیں اس کی خبر ہو چکی ہوگی......؟ کیوں......؟"

وسیم نے سرگوشی میں یہ بات آہستگی سے اس لئے کہی تھی کہ ترنم کی بڑی بہن ان کی باتیں نہ سن لے۔ اس لئے اسے بے حد محتاط رہنے کی سخت ضرورت تھی۔ یہ راز رکھنا تھا۔

"ہاں...... میں جانتی ہوں وسیم......!" ترنم نے قدرے افسردہ لہجے میں کہا۔ "سچ پوچھو تو مجھے حالات کے اس رخ پر بہت ہی دکھ اور افسوس بھی ہو رہا ہے...... نجانے کیا بات ہے کہ تم رشید کی نظروں میں اس دھرتی پر ناسور ہو...... بدنما داغ ہو...... جس کا صاف ہو جانا ہی بہتر ہے...... وہ تمہاری ایسی درگت بنانا چاہتا ہے کہ تم ساری زندگی کے لئے معذور اور اپاہج ہو جاؤ...... بھیک مانگنے کے قابل نہ رہو...... میرا مخلصانہ مشورہ تو یہ ہے کہ تم چند برسوں کے لئے اس گاؤں کو چھوڑ دو...... کہیں ایسی جگہ روپوش ہو جاؤ کہ اس کی دسترس میں نہ آسکو...... میرے خیال میں نہ صرف تمہارے بلکہ ہم سب کے حق میں بھی بہتر ہوگا......"

ترنم کی زبان سے یہ الفاظ... الفاظ نہیں تھے بلکہ زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے جو ایک

ایک کر کے اس کے دل میں کسی خلش کے خنجر کی طرح پیوست ہو گئے تھے...... اگر وہ اس کے سینے میں چاقو یا خنجر گھونپ دیتی تو شاید اسے اتنی تکلیف اور صدمہ نہ ہوتا۔

ترنم کے نزدیک یہ فیصلہ کن بات تھی کہ رشید اسے شکست فاش دے دے گا۔ ترنم نے جس غیر جذباتی انداز میں اس کا اظہار کیا تھا...... اس نے وسیم کی روح کو گھائل کر دیا...... اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کا دل لہولہو ہو گیا۔ ترنم کی اس بات سے اس نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس کی یہ خواہش ہے کہ رشید یہ مقابلہ جیت جائے۔ وہ رشید کو فاتح دیکھنا چاہتی ہے۔

ترنم اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی اور کتنی آسانی سے اس خواہش کا اظہار کر رہی تھی جیسے اس کا ہار جانا کوئی بات نہ ہو۔ ترنم کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ اس مقابلے میں ہار جانے کا مطلب کیا تھا؟

کیا اتنے برسوں سے ترنم اسے اتنی خوب صورتی سے بے وقوف بنا رہی تھی......؟ اس کے جذبات سے اس طرح کھیل رہی تھی جیسے ایک بچہ کھلونے سے کھیلتا ہے...... کیا لطیف جذبات کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جب دل چاہے انہیں کسی فالتو چیز کی طرح پیروں سے روند دیا جائے......؟ وہ تو برسوں سے یہ سمجھتا چلا آ رہا تھا کہ ترنم بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتی ہے۔ جتنی وہ کرتا ہے...... اور وہ فطری شرم وحیا کی وجہ سے خاموش ہے...... اس لئے اس سے کھل کر اظہار محبت نہیں کیا۔ اس نے سنا تھا کہ عورت محبت کے اظہار میں پہل نہیں کرتی......

وسیم کو اس لمحے ایک شدید ذہنی دھچکا لگا تھا جیسے بجلی کا سنسنا دینے والا جھٹکا ہو...... اور اس کی رگوں میں لہو ابلنے لگا...... اس کے جی میں آیا کہ وہ ترنم کو چیونٹی کی طرح مسل دے...... اس کے پرکشش بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے جس نے اسے اور رشید کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ جو مرد بھی دیکھتا ہے دل تھام لیتا ہے......

لیکن اس میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ترنم اس کی ذات میں گھلی اور رچی ہوئی تھی...... اس کی روح بنی ہوئی تھی...... ترنم کو کوئی تکلیف اور صدمہ پہنچے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے من کے نہاں خانے میں بسی ہوئی اس شہزادی کی وہ پوجا کرتا آ رہا تھا۔ اسے کیسے بدنما کر سکتا تھا۔

اگراس کی نیت ترنم کو فتح کرنا اور داغ دار بنانا ہوتا تو وہ کب کا کر چکا ہوتا......اس کے علم میں یہ بات تھی کہ رشید راتوں کو چھپ چھپ کر ترنم کے پاس جاتا تھا......اس نے تعاقب کیا تھا۔ رشید کو دیکھا تھا کہ وہ ترنم کے کمرے کی اس کھڑکی کے باہر کھڑے ہو کر ترنم کو گہری نیند کی حالت میں دیکھتا تھا۔ نہ صرف ترنم کا جسم بلکہ اس کا لباس بھی بستر پر بے ترتیبی لئے ہوتا تھا جو ایک ہیجان خیز نظارہ بن جاتا...... جس سے جذبات تند ہو جاتے......

ایک مرتبہ ترنم کے والد اور بڑی بہن بھی گھر پر نہیں تھے، وہ اکیلی تھی۔ ان کا دوسرے دن آنے کا پروگرام تھا۔ ترنم کا گھر میں رات کے وقت اکیلی ہونا سنسنی خیز تھا۔ لیکن اس نے چاہتے ہوئے بھی فائدہ نہیں اٹھایا......ترنم کو قابو میں کر کے بے بس کرنا چنداں مشکل نہ ہوتا......اور پھر اس نے بھی رشید کی طرح چھپ کر دن اور چاندنی راتوں میں تالاب پر اکیلی تیرتی اور سہیلیوں کے ساتھ بھی آزادی سے نہاتے دیکھا تھا......ایک عجیب سی بات یہ تھی کہ رشید کا وحشی پن جاگا نہیں تھا اور اس کی فتوحات کا سلسلہ دراز تھا وہ ترنم تک محدود نہ رہا تھا......اس کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ ترنم کو داغ دار کر دے۔

یہ رشید کی فطرت کا عجیب و غریب پہلو تھا کہ اس نے ترنم کو فتح نہیں کیا تھا جب کہ وہ دن اور راتوں کو ترنم کو چھپ کر دیکھے بغیر نہیں رہتا تھا۔ ایک ناقابل یقین سی بات تھی۔

''ترنم......! تم رشید سے شادی کرنا چاہتی ہو تو......میرا رشید سے مقابلہ کرنے سے کوئی فائدہ اور کچھ حاصل نہیں......تم اس سے شادی کر لو۔ میں تم دونوں کے راستے سے ہٹ جاتا ہوں......میری دعا ہے کہ اوپر والا تم دونوں کو سدا سکھی اور خوش رکھے۔ تمہاری ازدواجی زندگی میں محبت کا ترنم گیت بن کر گونجتا رہے۔''

وسیم نے بہ دقت تمام اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے حلق میں گولہ سا اٹک گیا تھا۔

''نہیں......نہیں......وسیم......! تم میری بات کا مطلب نہیں سمجھے......'' ترنم فوراً ہی بول اٹھی۔ پھر وہ سپاٹ سے لہجے میں بولی۔ ''یہ مقابلہ ضرور ہونا چاہئے......تمہیں یہ جنگ لڑنی ہوگی۔''

''میں جب کہ تمہارے اور رشید کے حق میں اس مقابلے سے دستبردار ہوں تو پھر یہ

جنگ ضروری کیوں ہے......؟'' وسیم نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''اور پھر اس خون خرابے سے کیا حاصل......؟ کیا یہ لاحاصل نہیں......؟ وقت کا ضیاع نہیں......؟ ذرا سوچو تو سہی......؟''

''اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ تم یہ جنگ جیت نہیں سکو گے......؟ یہ جنگ اس لئے بھی ضرور ہونا چاہئے تاکہ رشید کو ہمیشہ یہ احساس رہے کہ اس نے لڑ کر مجھے حاصل کیا ہے۔'' ترنم کہنے لگے۔ ''اس نے میرے حصول کے لئے سخت جدوجہد کی اور میں کسی پکے پھل کی طرح اس کی جھولی میں نہیں آ گری۔''

''لیکن تمہارا یہ فلسفہ میری سمجھ میں قطعی نہیں آیا......؟'' وسیم بولا۔ ''میں نے ایک طرح سے اس سے مقابلے سے پہلے ہی اپنی شکست تسلیم کر لی کہ وہ اس بات سے ساری زندگی خوش رہے گا کہ اس نے محبت کی بازی اس لئے جیت لی کہ تم اس سے محبت کرتی ہو۔ یہ فاتح بن گیا......کیوں......یہی بات ہے نا......؟''

''اصل بات یہ ہے کہ مقابلے میں حاصل کئے ہوئے انعام کی مرد ہمیشہ قدر کرتا ہے۔'' ترنم کہنے لگی۔ ''جو چیز بغیر محنت کے مل جاتی ہے مردوں کی نظروں میں اس کی وقعت نہیں رہتی وسیم......! اب تم میری بات کا مطلب سمجھ گئے ہو گے کہ میں مقابلہ کیوں اور کس لئے تم دونوں کے درمیان چاہتی ہوں۔''

ترنم کے ایک ایک لفظ میں زہریلے ڈنک چھپے ہوئے تھے۔ اس کا زہر وسیم کے وجود میں سرایت کرتا چلا گیا اور اس کی جلن اسے محسوس ہونے لگی۔

''اگر میں جیت گیا اور رشید کو شکست ہوئی تو کیا تم مجھ سے شادی کر لو گی ترنم......؟''

وسیم نے سوالیہ نظروں سے ترنم کو دیکھا......ترنم اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کئے اس کی دلی کیفیات کو جیسے بھانپنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم وسیم......! تم رشید سے جیت جاؤ گے......؟ نہیں تم اس سے کسی صورت میں جیت نہیں سکتے......؟ یہ ناممکن ہے......'' ترنم نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''رشید سے جیتنے کا خیال دل کے ہر کونے سے نکال دو......دیکھو حقیقت پسند بنو......میری بات مانو......اپنے آپ کو خود فریبی میں مبتلا مت کرو۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پھر میں تمہارے لئے رشید سے نہیں لڑوں گا......'' وسیم نے

زہر خند کہا اور پھر وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ سینے میں سانس پھولنے لگی۔

''وہ کس لئے......؟'' ترنم کے حسین چہرے پر ایک گہرا استعجاب چھا گیا۔

''اس لئے کہ تم پہلے ہی اس کی ہو چکی ہو......اور وہ تمہارے من کی گہرائیوں میں اور خوابوں میں بسا ہوا ہے۔'' وسیم بولا۔ تو اس کے لہجے میں سارے جہاں کی تلخی بھری ہوئی تھی۔ ''اس سے مقابلہ کر کے مجھے کیا حاصل ہو گا......رشید مجھ سے شدید نفرت کرتا ہے...... اور برسوں سے عداوت رکھتا ہے......اس لئے اس نے مجھ سے انتقام لینے کے لئے یہ طریقہ اپنایا ہے...... مجھے اس بات کی کیا ضرورت پڑی کہ میں اس کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھاؤں......تم بخوشی رشید سے شادی کر کے وہ گھر بسا لو جس کا خواب نہ جانے تم کب سے دیکھتی آ رہی ہو...... میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ راستے کا پتھر نہیں بنوں گا۔ اور نہ ہی تم دونوں کی ازدواجی زندگی میں زہر گھولوں گا۔''

''تم......! تم......! مجھے غلط سمجھ رہے ہو وسیم......!'' ترنم بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے اپنا بلاؤز اور گھاگھرا درست کیا اور ہذیانی لہجے میں کہنے لگی۔

''یہ تم نے کیسے تصور کر لیا کہ تمہارے جیت جانے پر میں تم سے شادی نہیں کروں گی......؟ اس شرط اور مقابلے کے نتیجے میں...... میں فاتح سے شادی کرنے کی پابند ہوں...... یہ مقابلہ ہر صورت میں تم دونوں کے درمیان ہونا چاہئے اور رشید کو یہ مقابلہ جیت کر مجھے حاصل کرنا چاہئے......کیوں کہ میں جانتی ہوں کہ تم ہرگز ہرگز یہ مقابلہ جیت نہیں سکتے...... میں ایک بار پھر تم سے کہتی ہوں جو بھی تھوڑی دیر پہلے کہا تھا کہ......تم اس جیت کا خیال دل کے ہر کونے سے نکال کر اس طرح پھینک دو جس طرح جسم پر رینگتے ہوئے زہریلے کیڑے کو جھٹک کر پھینک دیا جاتا ہے۔ جس کا ڈنک بڑا زہریلا ہوتا ہے۔

''ترنم......!'' وسیم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''ذرا یہ تو بتاؤ کہ آخر تم اتنی بضد کیوں ہو......؟ تم نے اسے اپنی انا کا مسئلہ کیوں بنا لیا ہے؟''

''تم جس طرح رشید کے مزاج......اس کی سوچ اور فطرت سے واقف ہو......میں اسے اتنا جانتی ہوں کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتا ہو گا۔'' ترنم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''اس کی نظروں میں ایسی کسی بھی چیز کی کوئی اہمیت نہیں جو اسے بغیر کسی کوشش اور محنت کے مل جائے......اسے نہیں معلوم اور نہ ہی میں نے اپنی کسی بات سے اسے احساس

ہونے دیا کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں...... میں اس کے علاوہ کسی اور سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی......وہ میرے حصول کے لئے تم سے مقابلہ کرے گا اور تمہیں ہرا دے گا اور بچپن میں جو تم اسے مارا کرتے تھے وہ اس سے کہیں بری طرح مار کر تم سے انتقام لے گا تا کہ جیتنے اور انعام کی شکل میں مجھے حاصل کر لے......اس طرح وہ مجھے گوہر نایاب سمجھ کر میری قدر کر سکے گا......تم مجھ سے محبت کرتے ہو وسیم......! کاش......! تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا......لیکن میں بے وقوف نہیں ہوں اور لوگ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں...... میں نے بھولے سے بھی رشید پر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا...... جب کہ صرف ایک بار چند لمحوں کے لئے میں تمہارے سامنے جذباتی ہو گئی......من مانی کرنے دی۔ آج بھی حیران ہوتی ہوں کہ اس وقت مجھے کیا ہو گیا تھا جو میں خود سپردگی اور بڑے والہانہ انداز اور وارفتگی سے پیش آئی تھی...... اور تم نے پھر کبھی اس کا اعادہ نہیں کیا نا......شاید تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو خود کو قابو میں نہیں رکھتا...... تم کہتے ہو کہ تمہیں مجھ سے بے پناہ محبت ہے۔ محبت ایثار اور قربانی مانگتی ہے......اگر تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہے تو تم اس محبت اور میری خوشیوں کے لئے اتنی قربانی نہیں دے سکتے وسیم......؟''

''تم رشید سے محبت کرتی ہو...... اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں...... عام ہی نہیں بلکہ دیوانگی کی حد تک...... اس دیوانگی کی کوئی حد نہیں ترنم......؟''

''تمہاری محبت میں دیوانگی......؟'' ترنم نے تکرار کی۔ ''میں اس بات کو نہیں مانتی۔''

وسیم اس کی بات سن کر اور سنجیدہ ہو گیا پھر اس نے رک رک کر کہنا شروع کیا۔

''میں برسات کی وہ رات بھولا ہوں اور نہ بھول سکتا ہوں......اس روز میں اور رشید تمہارے ہاں آئے ہوئے تھے۔ مغرب کے بعد اچانک طوفان آ گیا اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ گھپ اندھیرا چھا گیا۔ بجلی کا سارا نظام مفلوج ہو گیا......اتفاق کی بات تھی کہ گھر میں نہ تو موم بتی تھی نہ لال ٹین......لال ٹین کہیں رکھی ہوئی تھی تو تلاش اس لئے نہیں کی جا سکتی تھی اس گھپ اندھیرے میں اس کا ملنا ناممکن تھا۔

تمہارے کمرے میں بھی جذبات کا ایک طوفان جس کی زد میں آ کر ہم دونوں بہکے اور دور تک ایک تنکے کی طرح چلے گئے۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھ پر اس فیاضی سے مہربان ہو جاؤ گی...... اس کے باوجود بھی تم رشید سے محبت کرتی ہو...... جب ایک عورت کسی پکے پھل کی طرح مرد کی جھولی میں گر جاتی ہے تو وہ اسے اپنا سب کچھ سمجھ لیتی ہے...... میں آج اور اب تک یہ سمجھتا رہا کہ چوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اسی لئے تم نے سارے فاصلے مٹا دیئے اور ہر دیوار گرا دی......

ترنم......! تمہارے حصول کے لئے نہیں بلکہ برسوں سے اس کے سینے میں نفرت اور انتقام کی جو آگ بھڑک رہی ہے اسے بجھانے کے لئے وہ مجھ سے لڑ رہا ہے...... ہم دونوں کے درمیان جو جنگ ہوگی وہ زندگی اور موت کی ہوگی...... یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کوئی ایک جیت نہیں جاتا...... اس جنگ میں صرف ایک آدمی بچے گا...... وہ یا میں...... اس نے مقابلہ کرنے کے لئے شرائط پیش کی تھیں جو میں نے منظور کر لی ہیں...... اب یہی ہوگا میں اسے موت سے ہمکنار کرنے کے بعد اس کا سر کاٹ کر لاؤں گا۔ اور سہاگ کی پہلی رات تمہیں منہ دکھائی تحفے کے طور پر پیش کروں گا۔ آج تک کسی شوہر نے اپنی بیوی کو ایسا شاندار اور نایاب تحفہ منہ دکھائی میں پیش نہیں کیا ہوگا...... اس طرح ہماری پرمسرت اور خوشگوار زندگی کا آغاز ہوگا...... اور پو پھٹنے سے پہلے اس سر کو اپنے گھر کی دہلیز میں قبر چبوترے کی شکل میں بناؤں گا...... تا کہ گھر میں جاتے اور باہر نکلتے وقت اس کی قبر کو روندتا ہوا آیا جا سکے...... یہ قبر اس بات کی ضمانت اور یادگار ہوگی میں نے اس محبت کی جنگ کو جیتا ہے۔"

وسیم اپنی بات ختم کر کے رکا نہیں...... وہ تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے زور سے بولا۔

"ترنم......! تم سے پیر کو ملاقات ہوگی...... تم میرے لئے پھولوں کا ہار تیار رکھنا...... کیوں کہ میں ہر صورت فاتح بن کر لوٹوں گا۔

☆......☆......☆

وسیم رات سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ بستر پر کروٹیں بدلتے ترنم اور بارش کی رات کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے باوجود ترنم کا رشید سے محبت کرنا ناقابل یقین تھا۔ کیوں کہ وہ اس کی ہو چکی تھی۔ یہ بھی ایک معمہ تھا۔ یہ

سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔ لیکن وہ صرف ایک گھڑی سو سکا۔

پھر صبح چھ بجے جب وہ جزیرے پر پہنچے تو سورج کی کرنیں ہر سو پھوٹ رہی تھیں۔ کشتی روکنے کے بعد اتا پتو نے صرف اتنا کہا۔ "میں تمہارے لئے بہترین تمناؤں کی خواہش نہیں کر سکتا......؟" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا...... "لیکن میری بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ رشید اپنا ارادہ بدل دے اور تمہاری زندگی کو ختم نہ کرے...... اس لئے کہ زندگی بڑی قیمتی ہوتی ہے...... یہ انسانی زندگی ہے۔ جانوروں کی نہیں۔"

وسیم کنارے کھڑے اسے اس وقت تک جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ وہ دل میں مسکراتا رہا۔ وہ اتا پتو سے کہنا چاہتا تھا کہ...... رشید مجھے جان سے مار دے مجھے اس کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں۔ کیوں کہ اصل فاتح تو میں ہوں...... ترنم کو میں نے پا لیا تھا...... تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی...... ایک لمحے سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔ اب وہ ایک داغ دار پھل ہے...... جب کبھی یہ بات رشید کے علم میں آئے گی کہ ترنم اس رات اپنی عزت کی حفاظت نہیں کر سکی اور ارادی طور پر اس نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا تھا۔ اس میں کسی کا دوش نہیں تھا۔ یہ حادثہ تو نوجوان، جذبات، موسم اور تاریکی کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ اس وقت رشید کی حالت ہوگی یہ میری روح دیکھے گی۔

کشتی پر سوار ہونے سے پہلے اتا پتو نے معذرت خواہانہ انداز سے جلدی جلدی اس کی تلاشی لی تھی...... اور اسے قمیض اور جوتے اتارنے کے لئے بھی کہا۔ اس نے اتا پتو کی ہدایت پر عمل کیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا دوست حمید بھی رشید کے ساتھ یہی کچھ کر رہا ہوگا۔ کیوں کہ ان کے درمیان یہی شرائط طے پائی تھیں۔ پھر وہ دونوں کشتی چلانے لگے۔

رضا جزیرہ ایک مورتی کی شکل میں تھا اس لئے اس کا پہلے نام ہنومان رکھا گیا اور جانے کب تک ہنومان کہا جاتا رہا تھا۔ اس کے آخری سرے پر ہنومان کا مجسمہ بھی تھا۔ فضائی نظارے سے لگتا تھا کہ جیسے دیوتا کا مجسمہ لیٹا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً دو میل تھی۔ لیکن وہ کہیں سے بھی دو فرلانگ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا اور یہ چوڑائی بھی درمیانی حصے میں تھی۔

یہ مختصر سا جزیرہ درختوں اور خاردار جھاڑیوں سے اٹا پڑا تھا۔ وہاں خرگوش اور چھوٹے موٹے جان دار کثیر تعداد میں تھے۔ گرمیوں کے زمانے میں وسیم اپنے دوستوں کے ہمراہ

اس جزیرے پر آتا رہتا تھا...... جہاں وہ شکار کرتے اور دن بھر اچھل کود اور فٹ بال کھیلتے رہتے......وسیم اس جزیرے سے اچھی طرح واقف تھا اور رشید بھی......اس قسم کی جنگ کے لئے یہ جزیرہ ہر طرح سے مناسب تھا۔

جب وہ جزیرے کے مغربی کنارے پر موجود تھے اس کے دل میں یہی آرزو تھی کہ رشید کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ اس کے دل میں ترنم کے پچھلی رات کے الفاظ کی تلخی اب تک موجود تھی۔ اس کے زہریلے الفاظ نے اس کے دل میں ترنم کا جو مقام تھا وہ ختم کر دیا تھا۔ لیکن اس کی حدت اب تک اس کے وجود کو گرم کئے ہوئے تھی۔

اس کے ذہن کے کسی گوشے میں ایک نامعلوم سی حیرت انگیز تلخ خواہش کروٹیں لے رہی تھی کہ وہ ترنم کو اس کا رشید دے دے جس طرح وہ چاہتی ہے جب کہ وہ سرفراز ہو چکا ہے...... وہ ایک بات چھپا گیا تھا کہ اس برسات کی رات گھپ اندھیرے میں ترنم نے اسے رشید کہہ کر مخاطب کیا تھا اور پیش قدمی کی اور مہربان ہوگئی تھی۔ اگر وہ اسے رشید کہہ کر مخاطب نہ کرتی تو شاید اس انجانے راستے پر وہ ترنم کو چلنے نہ دیتا......رشید کہہ کر مخاطب کرنا ہی قیامت ڈھا گیا تھا......اس نے ترنم کی سرگوشی میں چپ سادھ لی تھی...... پھر اس نے ترنم کی کسی بات سے انکار اور تعرض نہیں کیا تھا۔ ورنہ وہ ترنم کے وجود پر داغ لگانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے بڑا دکھ اور افسوس ہوا تھا کہ ترنم نے رشید کو اپنے من میں بسا رکھا ہے......اسے نہیں......

وسیم کو اس بات کا یقین تھا کہ چند برسوں کے بعد ترنم جیسی معصوم لڑکی کی زندگی رشید جیسے بھیڑیے اور انسان کے ساتھ جہنم بن جائے گی۔ ترنم کو رات جو اس نے باتیں بتائی تھیں وہی رشید کی نیندیں حرام کرنے کے لئے کافی تھیں......اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں رشید کی گردن مروڑنے اور فاتح کی حیثیت سے ترنم کے پاس جانے کی خواہش بھی کروٹیں لے رہی تھی......ترنم نے جس طرح اس کے دل کو اس کی محبت کو اور اس کے جذبات کو پیروں تلے روندا تھا اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ رشید کے خون آلود ہاتھوں سے ترنم کا ہاتھ تھام لے......ترنم نے اسے جو مار ماری تھی وہ بھی ایسی ہی مار ترنم کے وجود پر مارے۔

وسیم کے نزدیک یہ صورت حال بڑی نازک اور عجیب وغریب تھی اور الجھی ہوئی اور پیچیدہ اور سنگین نوعیت کی ہوگئی تھی۔ کیوں کہ اگر وہ جنگ جیت بھی جاتا ہے تب بھی

ترنم کا دل جیت نہیں سکے گا......کسی عورت کا جسم جیت لینا اور ملکیت بنا لینا اصل بات نہیں تھی۔ کیوں کہ ترنم کے دل میں بدستور رشید کی محبت کا اثر قائم رہے گا......یوں وہ محبت کی بازی تو ہار چکا تھا......ممکن ہے شادی کے بعد ترنم کے دل سے آہستہ آہستہ رشید کی محبت دم توڑنے لگے۔ اور ایک دن رشید کی محبت کی حدت دافع ہو جائے......لیکن اس دہکتی آگ کو راکھ بننے میں کافی عرصہ لگے گا......وسیم کو اس بات کا یقین تھا کہ ترنم اپنے وعدے کے مطابق بھی اس سے شادی کر لے گی۔ بشرطیکہ وہ جنگ جیت جائے......لیکن یہ شادی ترنم کی روح سے نہیں اس کے بدن کی دل کشی اور خوب صورتی سے ہوگی۔ وہ اس جرنیل کی طرح ہوگا جو مفتوحہ علاقے پر قابض ہو جاتا ہے اور اسے تاخت وتاراج کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا ہے۔

☆......☆......☆

وسیم ان خیالوں میں ایسا گم تھا کہ اسے رشید کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔

پھر اسے یک لخت یہ احساس ہوا کہ رشید بھی جزیرے کے مشرقی کنارے پر اتر چکا ہوگا اور اب وہ سیدھا اس کی طرف چلا آرہا ہوگا۔ رشید اپنے بارے میں پر اعتماد ہوگا وہ اسے خنجر آزمائی میں مات دے دے گا۔ خنجر آزمائی کے لئے مدمقابل کا قریب آنا لازمی شرط ہے۔ اگر حریف قریب نہ آئے تو خنجر زنی کا ماہر کچھ نہیں کر سکتا۔

اگر اس کے پاس ایک خنجر ہو تو وہ اسے پھینک کر مار بھی نہیں سکتا۔ اسے ہمیشہ یہ خوف رہے گا کہ......اگر وار خالی گیا تو وہ تنہا اور غیر مسلح رہ جائے گا......رشید کے حق میں یہی نکتہ بہترین رہے گا کہ وہ یہ جنگ ایک خنجر سے لڑے تاکہ اسے وسیم پر جسمانی طور پر اور برتری حاصل رہے۔ اسی طرح وہ باآسانی وسیم کو زیر کر سکتا تھا۔

وسیم کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ رشید مشرقی ساحل سے سیدھا جزیرے کے مرکز کی جانب رخ کرے گا۔ جزیرے کا مرکز اس کی یعنی وسیم سے بہت قریب تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کے پہنچنے میں زائد وقت لگے گا......وہ رشید سے جسمانی زور آزمائی اور خنجر آزمائی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دونوں نکتے اس کے نظریات اور منصوبے کے مطابق نہیں تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ لاٹھی بھی ٹوٹ جائے اور سانپ بھی مر جائے اس کے ذہن میں تو کوئی اور ہی تدبیر آئی تھی۔ وہ رشید کے لئے ایک چوہے دان بنانا چاہتا تھا۔ جس میں مقابلہ کرنے

سے پہلے ہی رشید اس میں پھنس جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مکڑی کے جالے میں مکھی پھنس جاتی ہے۔

وسیم کے ذہن میں اچانک یہ خیال بجلی کی طرح آیا تھا۔ اس کے ذہن میں اس چوہے دان کا خیال ایک خاکہ کی صورت میں پیدا ہوا تھا...... اسے یاد تھا کہ آخری مرتبہ وہ اس جزیرے پر آیا تھا۔ اس نے جزیرے کے مرکز میں گرے۔ درخت پر انگور کی بیل لپٹی ہوئی دیکھی تھی...... اب اس میں نئی شاخیں بھی پھوٹ آئی تھیں۔ پھر اس نے بڑی تیزی اور تندی سے...... اپنا کام شروع کر دیا۔

وہ درخت جس کے گرد انگور کی بیل لپٹی ہوئی تھی۔ وسیم نے اس کو صاف کئے اور تقریباً ایک ایک چالیس فٹ لمبی رسی تیار کی جو اطمینان بخش حد تک مضبوط اور پائیدار تھی...... وسیم کو معلوم تھا کہ وہ چوہے دان اس جگہ بنا نہیں سکتا جہاں اس نے رسی تیار کی تھی۔ کیوں کہ رشید پہلی ہی نظر میں تاڑ لیتا کہ وسیم نے اس کے خلاف کیا منصوبہ بنایا ہے۔ اسے ایک پتلے سے لچک دار درخت کی تلاش تھی جو پگڈنڈی سے ہٹ کر ہو اور درختوں کے درمیان پوشیدہ ہو۔ مشرق کی سمت کوئی سو قدم چلنے کے بعد اسے مطلوبہ درخت نظر آ گیا۔ اس جگہ جزیرہ کوئی سو قدم چوڑا تھا اور وہاں ایک پگڈنڈی بھی تھی جو تنگ تھی اور جس کے دونوں طرف درخت اور جھاڑیاں تھیں اس کا مطلوبہ لچک دار درخت پگڈنڈی سے بیس فٹ ہٹ کر دوسرے درختوں کے درمیان پوشیدہ تھا۔ وہ درخت تقریباً پندرہ فٹ اونچا تھا۔ اس کا تنا بے حد لچک دار تھا۔

وسیم پھرتی سے اس درخت پر وہاں تک چڑھ گیا جہاں تک وہ اس کا وزن سہار سکتا تھا۔ پھر اس نے پتلون سے بیلٹ کھول کر اس جگہ اسے تنے سے باندھ دیا اور خود بیلٹ کا دوسرا سرا پکڑ کے پگڈنڈی کی سمت جھک گیا اور اسے پوری قوت سے پگڈنڈی کی جانب کھینچنے لگا۔ جب اسے پورا یقین ہو گیا کہ اب اس درخت کو مزید جھکانا ممکن نہیں رہا تو اس نے اپنے بیلٹ کے دوسرے سرے کی مدد سے ایک مضبوط تنے سے باندھ دیا۔ پھر اس نے چار فٹ کے دائرے میں قدم رکھا اور اپنی بیلٹ کو ڈھیلی کر کے چھوڑ دیا...... بیلٹ کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی ایک پھندا بنایا اور پگڈنڈی پر بچھا دیا۔ اس کا چوہے دان مکمل تھا۔ جیسے ہی رشید اس کے چار فٹ والے دائرے میں قدم رکھتا وہ اپنی بیلٹ کو ڈھیلی کر کے چھوڑ دیتا۔ بیلٹ کی گرفت سے آزاد ہوتے جھکا ہوا لچک دار درخت بڑی تیزی اور قوت سے دیکھا ہوتا

ہوا اور رسی کا پھندا فوراً اوپر اٹھ کر رشید سے لپٹ جاتا اور رشید غلیل میں سے نکلے ہوئے پتھر کی طرح فضا میں بلند ہو جاتا...... اسے ڈر تھا کہ وہ جھٹکا رشید کے لئے اتنا شدید ثابت نہ ہو کہ رشید کی گردن ہی ٹوٹ نہ جائے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس کا پھندے کے قریب موجود ہونا ضروری ہے کہ رشید کو دیکھ سکے اور رشید جیسے ہی اس کے لگائے پھندے میں آئے وہ فوراً اپنی بیلٹ ڈھیلی کر کے لچک دار درخت کی بیلٹ کی گرفت سے آزاد کر کے چھوڑ دے۔

اس نے پگڈنڈی کے قریب جھاڑیوں کے درمیان ایک ایسی جگہ تلاش کر لی اور اپنی بیلٹ کو پہلے درخت کے تنے سے کھول کر نئے درخت کے ساتھ باندھ دیا جہاں وہ پگڈنڈی پر بخوبی نظر رکھ سکتا تھا۔ پھر اس طرح اس نے بڑی خوب صورتی سے اپنے پھندے کو پتوں اور لکڑی کے ٹکڑے سے چھپا دیا اور خود بیلٹ کا ایک سرا پکڑ کر جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر رشید کا انتظار کرنے لگا۔

کافی دیر ہو گئی تھی اور اب تک رشید کو یہاں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ اس نے سوچا۔

پھر دوسرے ہی لمحے اسے رشید کی آواز سنائی دی۔

پھر اس نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔ وہ بڑی بے فکری سے سیٹی بجاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ گویا وہ اپنی آمد کی پیشگی اطلاع بڑی بے خوفی اور دیدہ دلیری سے دے رہا تھا۔

رشید کے دل میں وسیم کے خلاف شدید نفرت موجود تھی۔

نفرت کا یہ آتش فشاں جو برسوں سے لاوے کی طرح پک رہا تھا۔ یک لخت پھٹ پڑا تھا۔ وہ وسیم کو چیونٹی کی طرح مسل دینا چاہتا تھا۔ یہ خیال اس کے لئے اتنا مسرت انگیز تھا کہ خوشی سے سیٹی بجاتا اور جھومتا ہوا سا آ رہا تھا۔ انتقام لینے کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ اس کے اندھے جنون میں مبتلا ہو کر اپنی جان اور دشمنی سے بے پروا ہو کر اس طرح آ رہا تھا۔ جیسے تفریح کرنے آیا ہو۔ اسے اپنی طاقت پر اس قدر زعم اور گھمنڈ تھا کہ وہ یہ بھول گیا تھا کہ دشمن آخر دشمن ہوتا ہے...... ممکن ہے اس نے اس کے خلاف کوئی منصوبہ بنایا ہو اور اس کی گھات میں ہو۔

وسیم سیٹی کی آواز سن کر محتاط ہو گیا تھا۔ اب وہ رشید کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ رشید اس سے قریب ہونے کی کوشش کرے گا تا کہ وہ اپنی بے پناہ جسمانی قوت سے کام لے کر اسے زیر کر لے۔

اچانک سیٹی کی آواز سنائی دینا بند ہوگئی جس سے اس کا دل دھڑک اٹھا اور اس نے یہ قیاس کیا کہ کہیں رشید کی نگاہ معاً اس پر تو نہیں پڑ گئی جس سے وہ خاموش اور محتاط ہو کر خاموش ہو گیا ہو۔

وسیم نے تھوڑی دیر کے بعد جھاڑیوں کی اوٹ سے سر اٹھا کر دیکھا۔ رشید اس سے کوئی پچاس ساٹھ قدم پر کان لگائے غور سے کچھ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ رشید میں کوئی غیر معمولی بات ہے۔ جب رشید ذرا آگے بڑھا تو اس جزیرے پر قدم رکھنے کے بعد دیکھ کر خوف سے اس کے بدن کا لہو خشک ہوگیا۔ رشید ایک دیو کی طرح سیدھا کھڑا ہوا تھا۔ اس کا قوی الجثہ اور کسرتی جسم اسے پہاڑ کی طرح نظر آیا تھا۔ ایک ایسا درندہ جو اپنے شکار کی بو سونگھتا پھر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بڑی کمان اور اس کی کمر پر تیروں کا ایک ترکش تھا۔

رشید کے پاس تیر کمان دیکھ کر وسیم کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اسے اپنی موت کا یقین ہوگیا۔ تیر کمان کی موجودگی ظاہر کرتی تھی کہ رشید نے تیر چلانے کی کافی مشق کی ہوگی۔ وہ برہنہ پا اور بغیر قمیض کے ایک ایسا دیو قامت اور وحشی انسان نظر آیا تھا جو صرف طاقت کے قانون سے آشنا ہوتے ہیں۔ وسیم کو یقین ہوگیا کہ ایک خنجر کے ساتھ کبھی رشید سے مقابلہ نہیں کر سکے گا اور رشید ایسا دشمن ہے کہ وہ اپنے دشمن کو اپنے قریب آنے دینے کی حماقت بھولے سے بھی نہیں کرے گا اور اپنے ڈھیر سارے تیروں کی مدد سے اس کے سارے جسم کو چھید کر کے رکھ دے گا۔

ایک ایک تیر سے بچپن کا ایک ایک بدلہ لیتا رہے گا وہ شکار کا باقاعدہ منصوبہ بنا کر لطف اٹھائے گا...... انسانی شکار نئے حالات کے پیش نظر وسیم کے پاس نیا نقشہ بنانے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے جو نقشہ بنایا تھا گو کہ وہ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ مجبوری اور بے بسی تھی اسے دشمن سے مقابلہ کرنا تھا۔ وہ خوف کی حالت میں رشید کو دیکھتا رہا۔ اسے خوف موت کا نہیں بلکہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جانے کا تھا۔ اگر رشید اسے ایک ہی وار میں ختم کر دے وہ ایسی موت کو سہہ لے گا...... لیکن تیروں کی موت...... ایک ایک تیر جو تکلیف، درد اور جسمانی عذاب دے گا وہ ناقابل برداشت تھا۔ کتے کی موت سے بھی کہیں دردناک اور روح فرسا تھا۔ بدترین موت تھی۔ وہ رشید کو دیکھتا رہا۔ جو غور سے اسے چاروں طرف

تلاش کر رہا تھا۔ شاید اسے وسیم کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔

وہ تھوڑا سا آگے بڑھا اور پگڈنڈی کے دونوں جانب وسیم کو دیکھنے کی کوشش کرتا رہا...... وسیم دھڑکتے دل سے رشید کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے بچھائے اس پھندے میں...... اور پھر رشید اس کے بنائے ہوئے پھندے سے پانچ فٹ کے فاصلے پر آ کر رک گیا۔ وہ غور سے دونوں سمتوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر اس کی نظر پگڈنڈی پر آ کر رک گئی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ غیر اختیاری طور پر ابھر آئی...... ایک وحشیانہ سی...... فاتحانہ سی مسکراہٹ جیسے اس نے وسیم کے بچھائے ہوئے جال کو دیکھ لیا تھا۔

وسیم کا دل بیٹھ گیا۔ اب اسے یہ معلوم ہوگیا تھا کلہ وسیم اس جگہ موجود ہے۔ وسیم نے سوچا...... وہ میرے بچھائے ہوئے اس پھندے کو دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ میں یہیں کہیں چھپا ہوا ہوں۔ رشید دو قدم آگے بڑھا اور غور سے اس کے پھندے کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے نظریں اٹھا کر اس جگہ کو دیکھا جہاں وسیم چھپا بیٹھا تھا۔ وسیم نے آنکھیں بند کر لیں اور جب دوبارہ آنکھیں کھولیں تو رشید کو قریب کھڑا جھاڑیوں کو گھورتا پایا۔

”وسیم......! انتہائی بچکانہ اور احمقانہ ترکیب ہے۔“ رشید نے بلند آواز میں کہا۔ وہ گھنی جھاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ ”مجھے تم پر شرم آتی ہے......! کوئی بھی اچھا شکاری ایسے چالوں کو فوراً ہی تاڑ لیتا ہے...... کیا تم نے مجھے اندھا سمجھ رکھا ہے تم بے وقوف آدمی ہو......!“

وسیم نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ یہ زیادہ بہتر اور مناسب تھا...... رشید کا تمسخرانہ انداز بھی اسے بولنے پر مجبور نہ کر سکا۔ شاید اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ یہ طنز برداشت نہ کر پاتا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ رشید نے اس کی موجودگی کا پتہ چلانے کے لئے اندھیرے میں ایک تیر چلایا ہے...... وسیم کا خیال تھا کہ وہ طنز کر کے اسے طیش دلا رہا ہے تا کہ وہ اس کے سامنے آ جائے اور تیروں کا نشانہ بن جائے...... پھر ادھر رشید نے ایک تیر کمان میں چڑھایا اور مخالف سمت جھاڑیوں میں گھس گیا۔ اس طرح وسیم کو ایک سنہرا موقع ہاتھ لگا جس سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ ایسا احمق نہ تھا جیسا کہ رشید نے اسے سمجھ لیا تھا۔ نہ ہی وہ رشید کو احمق سمجھتا تھا...... جو دشمن کو احمق سمجھتا ہے وہ خود سب سے بڑا احمق ہوتا ہے، رشید کو احمقانہ حرکت اسے اس کی توقع نہ تھی۔

”اب اس کے لئے رشید سے بچنے کا واحد راستہ یہی تھا کہ وہ رشید کی عقابی نگاہوں

سے اوجھل رہے اور ان دونوں کے درمیان فاصلہ جتنا زیادہ رہے۔ یہ اس کے حق میں بہتر ہی ہوگا۔

وہ پھرتی سے جھاڑیوں کے عقب سے نکلا اور پوری قوت اور انتہائی تیز رفتاری سے رشید کی مخالفانہ سمت دوڑا...... اسے احساس ہوا کہ رشید نے اس کا تعاقب بند کر دیا ہے...... اس نے سر گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا تو رشید کو اپنے سو قدم کے فاصلے پر بڑے ہی پرسکون انداز سے کھڑے پایا۔ اس نے ایک تیر کمان میں چڑھایا ہوا تھا اور بے حد اطمینان کے تھ وسیم کا نشانہ لے رہا تھا۔ اب وسیم کو اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ اب رشید یقیناً اسے اطمینان سے نشانہ بنائے گا۔

وسیم کے پاس اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ پھر اسے سامنے جھاڑیاں نظر آئیں تو اسے اندھیرے میں امید کی کرن نظر آئی۔

وہ اس صورت میں رشید سے اپنے آپ کو بچا سکتا تھا کہ وہ جھاڑیوں تک پہنچ جائے...... لیکن مسئلہ ان جھاڑیوں تک پہنچنے کا تھا۔ جیسے ہی ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی اس نے ایک لحظہ بھی دیر نہیں کی۔ پھر وہ جھاڑیوں کی طرف کوندا بن کر لپکا۔ پھر چند قدموں کی دوڑ لگانے کے بعد وہ دانستہ ریت پر گر گیا جہاں وہ چند لمحے کھڑا ہوا تھا۔ وہ پھر سرعت سے ریت پر کھڑے ہو کر تیزی سے دوبارہ بھاگا۔ لیکن اس مرتبہ وہ زگ زیگ انداز میں بھاگ رہا تھا۔

اب وہ جھاڑیوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ انتہائی تیزی سے دائیں جانب مڑا...... اور پھر جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر ان کی طرف ایک لمبی جست لگائی جیسے ہی وہ ان جھاڑیوں میں گھسا ایک تیر اس کے کولہے میں پیوست ہو گیا۔ چوں کہ وہ کھڑی کمان سے نکلا ہوا تیر تھا اس لئے وسیم اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ اوندھے منہ گر گیا۔ اس کے پاس کچھ محسوس کرنے کے لئے وقت نہیں تھا۔ خاردار جھاڑیوں میں گرنے سے اس کے جگہ جگہ خراشیں آ گئی تھیں۔

وہ زمین سے اٹھا اور اندھا دھند جھاڑیوں میں گھس گیا اور پھر گھستا چلا گیا۔ تیر بدستور اس کے کولہے میں پیوست تھا۔ تھوڑی دیر بھاگنے کے بعد وسیم نے مڑ کر دیکھا کہیں خون کے قطرے اس کے بھاگنے سے راستے کی نشاندہی تو نہیں کر رہے ہیں......؟ لیکن خون اتنی کم تعداد میں نکل رہا تھا کہ وہ سارے کے سارا اس کی پتلون میں جذب ہو رہا تھا۔ درد کی پہلی

ٹیس کے ساتھ ہی اس کا ذہن کام کر رہا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اب شاید مقابلہ ختم ہو چکا ہے۔ رشید نے خنجر کی جگہ تیر کا استعمال کر کے لڑائی کی شرائط کی خلاف ورزی کی تھی۔ اب اس پر مقابلے کو جاری رکھنے کا کوئی اخلاقی فرض باقی نہیں رہتا۔ اب اس کا حل یہ ہے کہ وہ کسی طرح جزیرے سے فرار ہو کر شہر پہنچے اور شہر جا کر پولیس میں یہ رپورٹ درج کرا دے کہ رشید نے اس پر یہ حملہ قتل کرنے کے ارادے سے کیا ہے اور یہ زخم کی موجودگی اس کے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لئے کافی تھی۔ اس طرح رشید کو قاتلانہ حملے کے الزام میں دس بارہ برس کی قید ہو جائے گی...... اور اس کے مستقبل کے تمام خواب ریت کے گھروندے کی طرح مسمار ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں ترنم اس کی ہو جائے گی۔ کیوں کہ وہ بارہ پندرہ برس رشید کا انتظار کرنے سے رہی۔

یک لخت وسیم کو احساس ہوا کہ وہ غلط سمت جا رہا ہے۔ جزیرے کا مغربی کنارا ایک پتلی اور لمبی پٹی کی شکل میں سمندر کے اندر دور تک چلا گیا تھا۔ وہاں سے تقریباً پانچ سو فٹ کے فاصلے پر وہ چٹانی سلسلہ تھا جو سیدھا خشکی سے جا ملتا تھا۔ وہ چٹانی سلسلہ ایک پتلی سی پٹی کی شکل میں تھا جو جوار بھاٹا کے وقت پانی کے اندر روپوش ہو جاتا تھا اور جب پانی اتر جاتا تھا وہ پانی سے باہر نظر آتا تھا۔ اس کے لئے بہترین ترکیب یہ تھی کہ وہ جزیرے کے مغربی کنارے پر جا کر پانچ سو فٹ کا فاصلہ تیر کر پار کرے اور چٹانی سلسلے پر پہنچ جائے۔

وہ وہاں آسانی سے شہر جا سکتا تھا۔ اسے صرف یہ کرنا تھا کہ وہ کسی محفوظ جگہ چھپ کر بیٹھ جائے اور رشید جب اسے تلاش کرتا ہوا آگے بڑھ جائے تو وہ خاموشی سے جزیرے کے مغربی ساحل کی طرف بڑھ جائے۔ ایسی صورت میں جب کہ رشید تیر کمان سے لیس تھا اور خود زخمی حالت میں تھا...... اسے رشید سے مقابلہ کرنے کا خیال اچھا محسوس نہ ہوا اور اب پوزیشن ایسی تھی کہ وہ اپنے خنجر سے رشید کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا تھا۔

رشید جزیرے کی مشرقی سمت سے وسیم کو تلاش کرتا ہوا اور بو سونگھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے اپنے شکار کے اس طرح آسانی سے بچ کر نکل جانے پر سخت افسوس تھا۔ اس نے وہ جگہ جہاں وسیم چھپا بیٹھا تھا۔ وہاں اسے خون کے قطرے زمین پر پڑے دکھائی دیئے تھے جس سے اس کے علم میں یہ بات آ گئی تھی۔ وسیم زخمی ہے اور پھر شرائط کے مطابق وسیم کے پاس صرف ایک خنجر ہے۔ لہٰذا وسیم اس سے بھڑنے کی غلطی بھولے سے بھی نہیں کرے گا۔

وسیم کے اس طرح جنگل میں روپوش ہو جانے سے اسے بے حد تشویش تھی۔ اس کا سارا مزا کرکرا ہو کر رہ گیا تھا۔ اب اس کے لئے صورت حال سنگین ہو کر رہ گئی تھی۔ رشید نے خود کو وسیم کی جگہ رکھ کر سوچا کہ اس صورت حال میں وہ کیا کرے گا......؟ اس کا سیدھا سادا سا جواب یہ تھا کہ وسیم جزیرے سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا...... کیوں کہ اب وہ اس سے مقابلہ کرے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے چوں کہ شرائط کی خلاف ورزی کی تھی اس لئے وہ جزیرے سے فرار ہو کر شہر جائے گا اور وہاں پولیس اسٹیشن پہنچے گا اور اس کے خلاف قاتلانہ حملے کی رپورٹ درج کرا دے گا تا کہ اس کے تمام منصوبے خاک میں مل جائیں گے...... وہ کسی بھی قیمت پر وسیم کو جزیرے سے فرار ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا...... اب تو وسیم کا جلد از جلد مر جانا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ یہ خود اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ وسیم کے بچ جانے پر وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اب وسیم کی موت ہی خود اس کی آزادی، نیک نامی اور ترنم سے شادی کرنے کی ضمانت تھی۔

رشید کو ذرا سے غور و فکر کے بعد یہ احساس ہو گیا کہ وسیم فرار ہونے کے لئے کس راستے کو اختیار کرے گا تا کہ وہاں سے پانچ سو فٹ کا فاصلہ تیر کر طے کر سکے اور پھر پانی میں ڈوبے ہوئے چٹانی سلسلے کے ذریعے شہر تک پہنچ جائے۔ رشید نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے یہ کرنا ہو گا کہ شکار کسی بھی قیمت پر اس کے جال سے نکل کر جانے نہ پائے۔ لیکن شکار کو تلاش کرنے میں وقت لگے گا۔ اس لئے کہ شکار نہ صرف بہت تیز اور ہوشیار ہے بلکہ بے حد خطرناک ہو گیا ہے۔

وسیم نے اپنے فرار ہونے کی سمت تبدیل کر دی تھی اور وہ گھوم پھر کر دوبارہ جزیرے کے مرکز کی طرف آ گیا۔ اس نے چھپنے کی ایک محفوظ جگہ ڈھونڈی اور زمین پر بیٹھ کر اپنے کولہے میں پیوست تیر نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس میں اسے بہت دقت پیش آئی۔ کیوں کہ وہ اس جگہ کو دیکھ نہیں سکتا تھا جہاں تیر پیوست تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ انگلیوں سے تیر کی گہرائی اور زاویے کا اندازہ لگا کر تیر نکال لیا۔ ایسا کرنے میں اسے بہت تکلیف ہوئی۔ لیکن اس نے اپنے دانت مضبوطی سے بھینچ لئے تا کہ اس کے منہ سے کوئی آواز اور کراہ نہ نکل سکے۔ تیر کے باہر نکلتے ہی خون اس کے زخم سے ابل پڑا۔ اس کے خنجر کی مدد سے اپنی پتلون کا وہ پائنچا پھاڑ لیا جو خون میں تر نہیں تھا اور اسے پھاڑ کر زخم پر پٹی باندھ لی۔ گو پٹی میں

خاصا خون لگ گیا لیکن اس کی وجہ سے خون بڑی حد تک نکلنا بند ہو گیا۔

وسیم کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ یہ وقت ستانے اور آرام کرنے کا نہیں ہے کیوں کہ وہ موت کے حصار میں ہے۔ رشید اسے تلاش کرتا ہوا یقیناً اس کی طرف آ رہا ہو گا...... جو غلطی اس نے غلط سمت دوڑ کر کی تھی اور جس کا اسے احساس ہوا تھا اس طرح رشید کو اپنے مرکز کی طرف آئے بغیر جزیرے کے مغربی کنارے تک پہنچنا بے حد دشوار تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔ وہ غور سے اس خون آلود تیر کو دیکھ رہا تھا۔ اپنے سرخ سرخ خون کو تیر کی نوک پر دیکھ کر وسیم کے جسم میں نفرت اور غصے کی لہر دوڑنے لگی۔

رشید کو اس پر جو فوقیت تھی وہ تیر اور کمان کی تھی۔ وسیم کھڑا ہو گیا۔ جہاں وہ بیٹھا تھا وہاں اب خون کا ایک ننھا سا تالاب بن گیا تھا۔ جو تیر سے نکلتے ہی اچانک اس کے زخم سے بہنے لگا تھا۔ وسیم کچھ دیر تک سکتے کی سی حالت میں اس خون کے تالاب کو دیکھتا رہا۔ جزیرے سے فرار ہونے کا خیال اس کے دل سے بالکل نکل چکا تھا اور رشید سے اس خون کی پوری قیمت وصول کرنے کا خیال اس کے دل کے ہر کونے میں تیزی سے جڑ پکڑ رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر اس کا سامنا رشید سے ہو گا اور وہ پورے جزیرے کو اس کی تلاش میں چھان مارے گا۔ اور اس کا چپہ چپہ تک نہیں دیکھ لے گا وہ چین و سکون سے نہیں بیٹھے گا۔ کیوں کہ اب وہ رشید کو قانون کے حوالے کر کے ہی دم لے گا۔ اس لئے وہ رشید سے غافل رہنے کا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ رشید اسے روکنے کے لئے ناکہ بندی کی کوشش کرے گا۔ لیکن اب وسیم نے فرار کا خیال دل سے نکال پھینکا تھا۔ کیوں کہ اب یہ جنگ ایک لڑکی کو حاصل کرنے کے لئے نہیں رہی تھی بلکہ دو جانی دشمنوں کے درمیان زندگی اور موت کی جنگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔

اس نے ترنم سے یہ بات کہی تھی کہ وہ سہاگ کی پہلی رات رشید کا سر منہ دکھائی میں دے گا...... وہ ایسا کوئی درندہ صفت، سفاک اور ظالم نہیں تھا۔ البتہ رشید ضرور ایسا کر سکتا تھا...... وسیم لڑائی سے پہلے بہت پر امید تھا...... پر اعتماد تھا...... مگر اس نے رشید کے بارے میں جو اندازے لگائے تھے وہ غلط ثابت ہوئے تھے جن کی قیمت اسے خون سے ادا کرنی پڑی تھی۔ اس کے دشمن کو اس پر بڑی فوقیت تیر کمان کی تھی...... لیکن اب اس کے پاس ایک

تیر آ گیا تھا اور اسے ایک کمان کی ضرورت تھی۔ دوسرا تیر جو اس کے سر پر سے گزرا تھا وہ کہاں تھا اور اسے تلاش کرنا چاہتا تھا۔

وسیم اس جگہ گیا جہاں اس نے اپنی بیلٹ کے ذریعے سے لچک دار تنے کے درخت کو جھکا کر دوسرے درخت سے باندھا ہوا تھا وہ اس درخت کو آزاد کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کیوں کہ اس کی اس طرح کی آواز پیدا ہوئی تھی کہ اسے سن کر رشید اس کی پوزیشن کا باآسانی اندازہ لگالیتا۔ اس نے اس کی مدد سے اس درخت کو اس طرح باندھ دیا اور اپنی بیلٹ پھندے سے آزاد کرالی۔" پھر وہ ایک ایسی خم دار ٹہنی کو تلاش کرنے لگا جو کمان کا کام دے سکے۔ وہ آہستہ آہستہ جزیرے کے مغربی ساحل کی طرف بڑھتے ہوئے ایسی ٹہنی تلاش کرنے لگا۔ اسے جلد ہی اپنے مطلب کی ایسی پٹیاں اور ایک چوڑی...... چوڑی پٹی سے اس نے کمان کے دونوں سروں کو مضبوطی سے باندھ لئے۔ اس طرح جو تیر کمان وہ رشید کی تیر کمان کے مقابلے میں کم تر تھی لیکن استعمال کے قابل ضرور تھی اور کام دے سکتی تھی۔

اس نے رشید کے تیر کو کمان پر چڑھا کر پچاس فٹ کے فاصلے پر ایک چیز کو نشانہ بنایا۔ تیر نشانے سے دس فٹ کے فاصلے پر سنسناتا ہوا گزر گیا۔ دوسری مرتبہ اس نے اپنے ٹارگٹ کا فاصلہ کم رکھا اور مشقیں شروع کر دیں۔ جلد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ اگر ٹارگٹ پر رشید جیسا لمبا تڑنگا آدمی ہو تو وہ تیس فٹ کے فاصلے سے صحیح نشانہ لے سکے گا...... لیکن ایک تیر اس مقصد کے لئے ناکافی تھا۔ اس نے چند مضبوط لکڑیاں چنیں اور انہیں جلدی جلدی چھیل کر تیر کی شکل کا بنالیا اور اس کے منہ آگے سے چوڑا کیا۔ اب مسئلہ ان کا تھا۔ اس کے لئے اسے جزیرے کے ساحل تک جانا۔ وہاں اس نے چند سیپیاں ڈھونڈیں۔ ان کے دو ٹکڑے کئے اور ان تین تیروں میں اپنی بیلٹ میں بچی ہوئی تپلی پٹیوں سے باندھ دیا۔ بڑی مضبوطی سے خوب کس کر...... اگر قسمت نے ساتھ دیا تو شاید اسے بنائے ہوئے تیروں کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

اسے اپنے بنائے ہوئے تیروں اور کمان پر زیادہ بھروسا نہیں تھا۔ اسے شبہ تھا کہ اس کے بنائے تیر بیس فٹ کے فاصلے سے بھی صحیح نشانہ پر لگ نہ سکیں گے...... لیکن کچھ نہ ہونے پر کچھ ہونے سے انسان کو بڑی تقویت ملتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی تمام تیاریاں مکمل کر کے رشید کا انتظار کرنے لگا۔

رشید اس مرتبہ بڑی خاموشی سے آیا۔ وہ پہلے کی طرح پگڈنڈی پر آرہا تھا اور رک کر دائیں بائیں جانب اور جہاں بھی وسیم کے چھپنے کا شبہ ہوتا وہ اندر گھس کر ایک خون خوار شکاری کتے کی طرح اس کا جائزہ لیتا اور پھر اسے نہ پاکر پگڈنڈی پر آجاتا۔ اس مرتبہ وہ ایک پگڈنڈی کو گھور رہا تھا۔ وہ وسیم کے بچھائے ہوئے کسی بھی جال میں پھنسنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کے دشمن کے پاس صرف ایک خنجر تھا...... تو کیا ہوا......؟ آخر وہ اس کا دشمن تھا...... وہ دشمن کو کمزور سمجھنے کا قائل تھا اور نہ ہی اسے کوئی ذرا سا بھی موقع دینا چاہتا تھا۔ کیوں کہ ذرا سی رعایت اور بے پروائی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھی۔

وسیم...... رشید کی ایک ایک حرکت کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک برق سرعت سے ایک منصوبہ آیا۔ ان جھاڑیوں سے نکل کر جہاں وہ چھپا ہوا تھا کھلی جگہ میں جلدی جلدی ریت کھودنے لگا۔ رشید اب بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ جلد ہی اسے ایک گھونگا مل گیا۔ اسے مٹھی میں دبا کر واپس اپنی جگہ آیا۔

رشید جب اپنی تدبیر کے مطابق پگڈنڈی پر اس کے قریب آیا اور پہلے دائیں طرف جھاڑیوں کے جھنڈ کی طرف بڑھا تو وسیم نے اس پر نظریں جمادیں۔ اس نے رشید کے بدن کو جھٹکا لیتے ہوئے دیکھا۔ غالباً اسے احساس ہو گیا تھا کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہے اور وہ اس کی نظروں کی گرفت میں ہے۔ وہ جھاڑیوں کے جھنڈ سے تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا خیال تھا وسیم اس جھنڈ میں کہیں چھپا بیٹھا ہے۔ وہ وسیم کے قریب جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جب کہ وسیم پگڈنڈی کی دوسری جانب چھپا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔

رشید نے تیر کمان میں چڑھایا ہوا تھا اور بڑی محویت کے عالم میں اسے اپنے تمام حواسوں کی مدد سے وسیم کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا...... وسیم نے گیند پھینکنے کے انداز میں نشانہ باندھ کر گھونگے جھاڑیوں کے جھنڈ کی طرف اچھال دیا۔ گھونگھا فضا میں اوپر بلند ہو کر سیدھا جھاڑیوں کے جھنڈ میں گرا۔ اس کے گرنے کی آواز سن کر رشید کو یقین ہو گیا کہ وسیم اس جھنڈ میں چھپا ہوا ہے۔ وہ حملہ کرنے کے انداز میں تیر کمان پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور تیز قدموں سے اس جھنڈ کو دیکھنے لگا اور اس کے ساتھ ہی اس کے قریب ہوتا جارہا تھا لیکن بے حد محتاط تھا۔ وہ اپنے دشمن کو اوپر حاوی ہونے دینا نہیں چاہتا تھا۔

وسیم سرعت سے اپنی جگہ سے نکلا اور بلی کی طرح دبے پاؤں تیزی سے پگڈنڈی کے

دوسری طرف بڑھا...... رشید محویت کے عالم میں بدستور جھاڑیوں کے اس جھنڈ کا معائنہ کر رہا تھا۔ جب وسیم اس سے تیس فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تو وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے رشید والا تیر کمان پر چڑھایا اور چلا کھینچا۔

”رشید......! میں یہاں ہوں۔“ وسیم نے اسے انتہائی سرد لہجے میں مخاطب کیا۔ ”ادھر دیکھو......“

پھر جو کچھ ہوا وہ وسیم کی توقعات کے خلاف تھا۔ رشید اپنی جگہ سے اتنی تیزی سے اچھلا جیسے بندوق کی نالی سے گولی نکلتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وسیم کی طرف مڑتے مڑتے جیسے ہی اس کی نظر وسیم پر پڑی اس نے کھینچی ہوئی کمان سے تیر چھوڑ دیا۔ وسیم نے رشید کے سینے کا نشانہ لے رکھا تھا۔ جیسے ہی رشید کا جسم چند لمحوں کے لئے ساکت ہوا اس نے پوری قوت سے تیر چلایا۔

یہ وہی لمحہ تھا جب رشید نے اپنا تیر چھوڑا تھا۔ جو رشید نے بغیر نشانے کے چلایا تھا۔ وہ ایک زناٹے کے ساتھ وسیم کے کان کے پاس سے نکل گیا...... وسیم نے نشانہ لے کر تیر چلایا تھا لیکن اس کے باوجود وہ نشانے پر نہیں لگا۔ جبکہ سینے کے بجائے پسلیوں میں گھس گیا تھا۔

رشید آدھا زمین پر تھا اور آدھا فضا میں...... اس نے جلدی سے دوسرا تیر نکالا لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے تیر ایک طرف پھینک دیا اور پھر اس نے خنجر نکال لیا۔ یہ دیکھ کر وسیم نے اپنے تیر کمان پھینک دیئے اور رشید کی طرف لپکا۔ اپنے ناکارہ تیروں اور کمان پر ترجیح دیتا تھا۔ خنجر سے مقابلہ کرنے میں اسے زیادہ اطمینان تھا اور بے جگری سے لڑ سکتا تھا۔ اس کی ہمت اور طاقت عود آئی تھی۔ وہ رشید سے پانچ قدم پر رک گیا۔

اب دونوں دشمن ایک دوسرے کے مقابل کھڑے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے غضبناک نظروں سے دیکھ رہے تھے اور رشید وحشی لگ رہا تھا۔ رشید گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ اندرونی جوش سے سرخ ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے حقارت...... نفرت اور درندگی جھانک رہی تھی۔

بجلی کی سی سرعت سے رشید کا خنجر والا ہاتھ ایک دم سے پیچھے ہوا۔ وہ حرکت اتنی تیز تھی کہ جس کا آنکھوں سے دیکھا جانا ناممکن تھا اور پھر تیر کی طرح خنجر رشید کے ہاتھوں سے نکل کر وسیم کی طرف لپکا...... یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ وسیم اس کے جواب میں

بے بس تھا۔ اسٹیل کا خنجر بجلی کی طرح اس کی طرف آ رہا تھا...... بے اختیار وسیم نے باکسنگ کے انداز میں اپنا ہاتھ خنجر روکنے کے لئے آگے بڑھایا۔ شاید وسیم کی قسمت اچھی تھی۔ اگر وہ خنجر ہاتھ کی کہنی کے قریب نہ لگتا تو وہ سیدھا سینے میں اتر جاتا...... خنجر اتنی قوت سے پھینکا گیا تھا کہ وسیم کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کی کہنی کو توڑتا ہوا اندر گھس گیا ہو۔ کیوں کہ اب وسیم کے زندہ رہنے کے امکانات زیادہ روشن تھے۔ وسیم نے رشید کا خنجر کہنی سے کھینچ کر بغیر دیکھے پیچھے کی طرف اچھال دیا۔ فوراً ہی اس کی کہنی سے خون بہنے لگا۔ لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ سیدھے ہاتھ میں وہ خنجر دبائے رشید کی طرف بڑھا۔ اسے صرف ایک ڈر تھا کہ نہتا ہونے کے بعد رشید کہیں بھاگ نہ جائے۔ وہ رشید کا پیچھا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس کے کولہے کا زخم سوج رہا تھا۔ اگر رشید بھاگ کر کھڑا ہوتا تو وہ اس کا پیچھا کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ وہ رشید سے اچھی طرح واقف تھا...... اسے معلوم تھا کہ رشید فطری طور پر بزدل تھا۔ رشید شاید تنہا ہونے کے بعد واقعی بھاگ جاتا۔ لیکن وہ ایک طویل عرصے وسیم کو حقارت بھری نظروں سے دیکھنے کا عادی تھا...... کبھی اس کے ذہن میں یہ خیال ہی نہیں آیا کہ وسیم اسے جسمانی طور پر نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی نفرت اتنی شدید تھی کہ وہ اپنی دوسری ناکامی پر غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس کا چہرہ دیوانگی کے عالم میں اس بری طرح مسخ ہو گیا کہ وہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے وحشیانہ پن صاف جھلک رہا تھا۔

وسیم کو قریب پا کر وہ اس طرح سے پیچھے ہٹا جیسے کوئی شیر اس پر حملہ آور ہونے والا ہو۔

پھر رشید تیزی سے زمین پر پڑی خشک ٹہنی اٹھانے لگا۔ جیسے اس کے نزدیک کوئی ہتھیار ہو۔

وسیم بہت محتاط اور چوکنا تھا اور اس کی بدلتی ہوئی کیفیات کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

اس وقت اسے رشید دیوانے درندے کی طرح نظر آیا جو غصے اور دیوانگی سے اندھا ہو رہا تھا۔ رشید نے بڑی ٹہنی کو اٹھا کر ہوا میں اس طرح لہرایا جیسے وہ ہلکی سی چھڑی ہو اور وسیم پر عقاب کی طرح جھپٹا۔ وسیم پھرتی سے اسے جھونک دے کر ایک طرف ہٹا اور اس کے ساتھ اس نے اپنا خنجر والا ہاتھ پوری قوت سے رشید کی طرف بڑھایا۔ خنجر رشید کی پسلیوں میں گھس گیا۔ رشید ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا۔ خنجر اس کی پسلیوں سے باہر نکل گیا۔ وہ بدستور وسیم کے ہاتھ میں اس سے پہلے کہ وسیم سنبھل کر اپنا دوسرا وار کرنے کی سوچتا اس نے رشید کو دونوں ہاتھوں

میں بھاری بھر کم ٹہنی لاش کی طرح پکڑے خود پر حملہ آور ہوتے دیکھا۔ اس لمحے وسیم سب کچھ بھول گیا۔ اس پر رشید کے جسم میں خنجر اتارنے کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس نے لکڑی کے وار سے بچنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر رشید سے بھڑ گیا۔ اس کے خنجر والا ہاتھ دستے تک رشید کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس نے خنجر باہر کھینچا اور دوبارہ رشید کے سینے میں پوری قوت سے گھمایا۔ خنجر گوشت کو پھاڑتا ہوا اور پسلیوں کو توڑتا ہوا رشید کے سینے میں دھنستا ہوا چلا گیا۔ وہ عمل اس قدر پرسکون تھا کہ وسیم نے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اس کی آنکھوں میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور دوسرے ہی لمحے وہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

وسیم کو جب ہوش آیا تو دوسری صبح کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ وسیم بہت دیر تک آنکھیں کھولے اپنی یادداشت کو ذہن کے تاریک گوشوں میں ڈھونڈتا اور جھانکتا رہا تھا...... پھر اسے رشید کا مردہ جسم اپنی ٹانگوں پر پڑا ہوا نظر آیا۔ وہ اس لمحے بہت کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ کولہے اور کہنی کے زخم سے کافی خون بہا تھا لیکن ہوش میں آنے پر اس نے اپنے زخموں کو بہتر حالت میں پایا۔ خون نکلنا بند ہو چکا تھا اور زخموں کے منہ پر خنک ہوا سے کھرنڈ سا جم گیا تھا۔ پھر اس نے دھکا دے کر رشید کو اپنی ٹانگوں سے ہٹایا اور لاش کے بے لہو چہرے کو دیکھنے لگا۔

جب ان دونوں کے دوست جزیرے پر دوسری صبح فاتح کو لینے پہنچے تو انہیں وسیم رشید کے مردہ جسم کے پاس لیٹا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان اور فلاسک میں گرم گرم کافی لائے تھے۔ فرسٹ ایڈ کا سامان بھی تھا۔ وسیم کا دوست ایک بڑا سا بریف کیس لایا تھا جسے لانے کے لئے وسیم نے کہا تھا۔ وسیم چوبیس گھنٹے سے بھوکا تھا۔ وسیم نے ان دونوں سے کہا کہ رشید کی لاش کو کہیں دور لے جا کر کسی گہرے گڑھے میں دفن کر دو۔ کسی قریبی گڑھے میں دفن کرنا مناسب نہیں۔ اگر اتفاق سے کسی نیوی کی موبائل لانچ آ گئی جیسا کہ کسی بھی وقت آ سکتی ہے اس نے دیکھ لیا کہ لاش کی تدفین کی جا رہی ہے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اس کی بات مان کر وہ رشید کی لاش کو اٹھا کر جنوب کی جانب چل دیئے۔ جہاں بارش سے چھوٹے بڑے گڑھے پڑ گئے تھے۔ وسیم نے دیکھا کہ ٹفن میں پراٹھے، ابلے

ہوئے انڈے، مکھن ملائی اور انڈوں کا آملیٹ تھے۔ وہ ان سے پیٹ کی آگ بجھانے لگا۔ پھر اس نے فرسٹ ایڈ بکس دیکھا۔ اس میں درد کے کیپسول، زخم کا مرہم اور مسکن گولیاں بھی تھیں۔ اس نے پانی کی مدد سے انہیں ایک ایک کر کے نگل لیا۔ وہ پانی بھی دو بوتلوں میں بھر کر لائے تھے۔ پھر وہ گرم گرم کافی پینے لگا تو اسے بڑا آرام، فرحت اور سکون کا احساس ہوا۔ اس نے رشید کو دفن کرنے میں ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ اس لئے کہ اس کی حالت اس وقت اس قابل نہیں تھی کہ چند قدم بھی چل سکے اور پھر رشید کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا تھا اور نہ اس قابل تھا وہ درندہ صفت تھا۔

چند قدم پر جو تالاب تھا وہاں وسیم نے کپڑے اتار کر ایک کپڑے سے سارا جسم صاف کیا۔ منہ دھویا۔ پھر اس نے بریف کیس میں سے ایک جوڑا نکال کر پہن لیا اور خون آلود کپڑے ساتھیوں کو دیئے کہ کسی قریبی گڑھے میں دفن کر دیں۔ اس بریف کیس میں جو اور چیزیں موجود تھیں وہ اس نے کیوں اور کس لئے رکھی تھیں وہ خود ہی جانتا تھا۔

وسیم نے اپنے دوست مجید سے درخواست کی کہ اسے واپس شہر لے جانے کے بجائے اس مسافر جہاز پر سوار کرا دے جو سندیپ باریسال اور ایک اور شہر ہوتا ہوا ڈھاکا جاتا تھا۔ پھر دونوں اسے لے کر دریا کی حدود کی طرف بڑھے۔ اتفاق سے دور سے ایک مسافر اسٹیمر آتا دکھائی دیا۔ کارگو بھی تھا اور مسافر اسٹیمر بھی۔ اس اسٹیمر کو ان کی سمت آتا دیکھ کر وسیم شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس کے دوستوں نے اس کی یہ بات سن کر شہر واپس نہیں جائے گا۔ عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

وسیم کو احساس تھا کہ اب اسے اس شہر کو چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ کیوں کہ اب اس کے راستے میں کوئی دیوار نہیں رہی اور نہ ہی پیروں میں کوئی زنجیر...... اب وہ ایک فاتح تھا...... اس دنیا میں رشید کے عبرتناک انجام سے واقف تھے۔ مجید اور اناتو...... وہ تینوں وفادار اور قابل اعتماد دوست تھے...... اسے معلوم تھا کہ کسی کی زبان سے بھی کبھی رشید کے انجام کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں نکلے گا...... وہ شہر جا سکتا تھا۔ بیماری کے بہانے مجید کے ہاں چند روز علاج کے لئے رہ سکتا تھا۔ وہاں اس کے زخموں کو چھپا سکتا تھا اور زخموں کے مندمل ہو جانے کے بعد وہ اپنی پرانی دوبارہ شروع کر سکتا تھا اور فاتح ہونے کی حیثیت سے ترنم کو حاصل کر سکتا تھا۔ اسے ترنم کے وعدے پر اعتبار تھا۔

وہ اس کی پابند بھی تھی اور اس نے یہ زہر پینا ہی پینا تھا۔

لیکن ترنم کو تو رشید کی فتح کا پورا یقین تھا......اب اگر وہ فاتح کی حیثیت سے ترنم کے سامنے جائے گا تو ترنم کبھی اس کے فاتح ہونے کا یقین نہیں کرے گی......وہ ہمیشہ یہی کہے گی کہ اس نے رشید کو دھوکے اور فریب سے شکست دے کر مردوں کی طرح مقابلہ کر کے نہیں......اور پھر وہ ایسے دھوکے باز فاتح سے نفرت کرنے لگے گی جو اس کے محبوب کو شکست دے کر اس کے جسم کا مالک بن گیا تھا اور پھر اس کا یہ خیال بھی ہوگا کہ وہ اسے کھلونا بنا کر خوب کھیلے گا......اور اس پھول کو دن رات روندتا مسلتا اور سفاکی بے رحمی اور درندگی سے کچلتا رہے گا۔ اس میں محبت نام کی ایک رمق تک نہیں رہے گی۔ اسے جوان ہی سمجھے گا......اسے مجبور کرے گا وہ اسے ہر طرح سے خوش کرے۔ اس کے پیر کی جوتی بن جائے......وہ اس نفرت کا بدلہ لے گا جو بات اس نے اس روز باغ میں کہی تھی۔

اگر رشید اسے شکست دے کر ترنم سے شادی کر لیتا تو کچھ رصے ترنم پر رشید کی حقیقت سامنے آ جاتی اور اس کا اصل چہرہ جو بے حد مکروہ اور گھناؤنا تھا اور جو چہرے کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ دیکھ لیتی اور وہ اسے بزدل، کمینے اور اس نیچ آدمی سے نفرت کرنے لگتی۔ پھر اسے معلوم ہو جاتا تھا کہ رشید وہ نہیں ہے جو اسے نظر آتا تھا......لیکن اب رشید اس کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا اور مرنے کے بعد ترنم کی نظروں میں رہتی دنیا تک ہیرو بن گیا تھا۔

اس کے دل کے کسی کونے میں ایک احمقانہ کوشش سر ابھار رہی تھی۔ وہ واپس شہر چلا جائے اور ترنم کو حاصل کرے جس کے حصول کی تمنا شدت اور جذبات کی رو میں پرورش پا رہی تھی اور اپنی باقی زندگی نفرتوں کی کڑی دھوپ میں گزارے۔ اب اس کے دل میں ترنم کی محبت کی رمق بھی باقی نہیں رہی تھی۔ وہ کہیں گہرائیوں میں دفن ہوگئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ترنم نہایت حسین...... جاذبیت سے بھرپور...... بجلی بھرے گداز اور پر شباب بدن کی...... پرکشش اور شہد کی طرح میٹھی تھی......

اس رات ترنم نے جس خود سپردگی اور والہانہ انداز سے رشید سمجھ کر اپنے آپ کو جس فیاضی اور مہربانی سے نوازا تھا وہ اسے کبھی بھول نہیں سکتا تھا...... وہ جوان تھا...... طاقت ور تھا...... اس کے دل میں جوانی کی امنگیں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ وہ اسے کھلونا اور کتیا سمجھ کر حقارت اور نفرت کا سلوک کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ وہ رشید نہیں تھا۔

ترنم نے اسے کیسی مار ماری تھی......مگر وہ جیت کر بھی ہار گئی تھی......اس نے نفرت کی......توہین و تذلیل مار ماری تھی اب ساری زندگی وہ خود اس کی آگ میں جلتی رہے گی......اب اس کی عزت داغ دار ہو چکی تھی......اور پھر اب خالی برتن تھی۔ ایسی ذلت جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

وسیم ڈھاکا جانے والے جہاز میں سوار ہو کر اس وقت اس کشتی کو دیکھتا رہا جس میں مجید اور اتا چو بیٹھے ہوئے تھے جب تک وہ ایک باریک نقطہ بن کر دریا کی سرکش اور پر جوش موجوں میں اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے۔

جب وہ ڈھاکا پہنچا تو اس نے ایک اسپتال میں بیس دن تک رہ کر اپنا علاج کرایا۔ علاج تو ایک بہانہ تھا۔ آرام کرنا اور سوچنا تھا کہ اب اسے اپنی زندگی کیسے اور کس طرح گزارنی ہے۔ جیل میں اس نے جو کچھ سیکھا تھا اس نے اسے مثبت زندگی اور دکھی اور مظلوم انسانیت کی خدمت کا بیڑا اٹھا لیا۔ اس نے بڑی بڑی مہم سر کیں اور کارنامے انجام دیئے۔ یوں اس کی آمد و رفت ہندوستان گاہے بگاہے ہوتی رہی تھی...... پھر وہ بلیک ٹائیگر بن گیا......اسے اپنا ماضی یاد آ جاتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی نیلوفر کی زندگی میں جھانکا نہیں۔ لیکن یہ اس کے لئے بڑی مسرت افزا خبر تھی کہ اس کا شوہر صحت یاب ہو کر ملازمت کر رہا تھا۔ وہ آسودہ حال زندگی گزار رہا تھا۔ ترنم کو بڑا شکی مزاج شوہر ملا تھا جس نے اس کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ اس کا سارا غرور، گھمنڈ، تکبر اور پندار حسن خاک میں مل چکا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر اسے دھنک کر رکھ دیتا تھا۔ اسے خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اسے جو سزا مل رہی تھی وہ اپنے کیئے کا بھگت رہی تھی۔

☆......☆......☆

اب وہ بلیک ٹائیگر عرف دیوکمار تھا۔ ممبئی شہر میں رہ کر دہری زندگی گزار رہا تھا۔ ایک روز وہ سہ پہر کے وقت شام کے اخبارات دیکھ رہا تھا کہ بھینی بھینی خوشبو کی مہک نے نہ صرف اسے معطر کر دیا بلکہ اس کے دفتر کو بھی...... یہ مہک کسی لڑکی یا جواں سال عورت کے لباس سے پھوٹتی ہوئی اس کے دفتر میں پھیل گئی تھی۔ راہ داری سے شاید کوئی صنف نازک مہکتی، تھرکتی اور لچکتی گزر رہی تھی...... یا ابھی اس کے دفتر کے سامنے سے نہیں گزری تھی اور بس گزرنے والی تھی۔

یہ کوئی نئی اور حیرت اور تعجب کی بات نہیں تھی۔ بازاروں میں، تقریبات اور بسوں میں صنف نازک خوشبوؤں میں بسی ہوتی تھی۔ جیسے پانی سے نہانے کے بجائے سینٹ یا عطر سے غسل کیا ہو...... شیشی انڈیلی ہو جیسے شیشی مفت میں ملی ہو...... عورت مردوں کو متوجہ کرنے کے لئے نامناسب، بھڑکیلے اور ایسے لباس میں ملبوس ہوتی ہے کہ وہ بے حجاب سی دکھائی دیتی ہے۔ یا پھر خوشبو سے متوجہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب کہ اس کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ تو خود خوشبو ہوتی ہے۔

ٹائیگر اس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ پھر خوشبو جیسے دروازے کے نیچے سے گھس آئی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ دستک خوشبو دے رہی ہے۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

ممکن تھا کہ وہ ہڑبڑا کے پیچھے ہٹ جاتا۔ لیکن شاید اس میں اتنی سکت ہی نہیں رہی تھی۔ وہ ماضی میں جس حیرت اور صدمے سے گزر چکا تھا اب اس کے نزدیک بڑی بڑی باتوں کی اہمیت نہیں تھی۔

سروجا اس کے دروازے پر کھڑی تھی۔

وہی مہتاب چہرہ...... وہی زلفوں کی سیاہ ریشمی گھٹائیں، وہی رخساروں کے کنول...... وہی ہونٹوں کے گلاب...... جھیل سی سیاہ آنکھوں میں وہی چمک جیسے کوئی جوشیلا بچہ دنیا کے سارے بھید جان لینے کے لئے گھر سے نکلا ہو...... ذرا بھی تو فرق نہیں آیا تھا۔ اس کی شگفتگی اور شادابی میں......

ساجن نے اسے ٹوٹ کر چاہا تھا مگر سروجا نے کیسی سنگ دلی سے اسے دھوکا دیا تھا...... اس کے بعد تو ٹائیگر کے خیال میں اس کے وجود سے تعفن اٹھنا چاہئے تھا...... مگر وہ مہک رہی تھی۔ رات کی رانی کی طرح...... اس کا گمان غلط تھا کہ سروجا نے اسے سڑک کے پار کھڑے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

''کیا اندر آنے کو بھی نہیں کہو گے......؟'' اس کے لہجے میں مان بھی تھا...... اور متانت بھی، التماس بھی تھی۔ تمکنت بھی۔

ٹائیگر خاموشی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ قامت میں ٹائیگر سے قدرے نکلتی ہوئی تھی۔ اس کے پاس سے گزر کر دفتر والے کمرے میں آ گئی۔ کرسی پر بیٹھنے سے پہلے چند لمحوں

کے لئے ادھر ادھر جائزہ لیتی رہی۔ پھر دیوار پر آویزاں تصویروں کو دیکھنے لگی۔ پورا دفتر مہک اٹھا تھا۔

ٹائیگر نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔ اس کے دفتر کی دیواروں پر جو تصویریں آویزاں تھیں ان میں ایک تصویر شہ زور گھوڑے کی تھی۔ دنیا کا انتہائی تیز رفتار عربی النسل گھوڑا جس نے اب تک اپنی تیز رفتاری کی مثال قائم کی ہوئی تھی۔

''تم ابھی تک اس گھوڑے کو عزیز رکھتے ہو...... آخر وہ کب تک ریس کے میدان میں بادشاہ بنا رہے گا...... نشیب و فراز...... ہار جیت مقدر کی ہوتی ہے...... کل اس کی جگہ کوئی اور گھوڑا لے لے گا۔''

ٹائیگر نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، وہ جس لباس میں تھی نامناسب اور بے حجاب سا کر رہا تھا۔ یہ تو فیشن تھا۔ عریانی غیر محسوس انداز سے ریہرسل کی طرح پھیلتی جا رہی تھی۔ ساجن نے اسے جو پرس لا کر دیا تھا۔ وہ فرانس کا تھا۔ ٹائیگر اسے دیکھتا رہا چند گھنٹے پہلے وہ اس کے متعلق کیسے محترم اور خوب خوب صورت احساسات رکھتا تھا کہ وہ سر بہ سر ساجن کے لئے۔ آخر دم تک میاں بیوی نے شریک سفر رہنے کا جو وچن ایک دوسرے کو دیا ہے۔ انہیں موت ہی ایک دوسرے سے جدا کر سکتی ہے۔

اب ٹائیگر کی دانست میں وہ کسی کے لئے بھی تھی۔ یہاں تک اس کے لئے بھی ہو سکتی تھی۔ وہ انسانوں کو پڑھنے میں اپنے آپ کو بہت ماہر سمجھتا تھا۔ لیکن پہلی بار اسے احساس ہوا کہ سروجا کو شاید وہ کبھی صحیح طور پر نہ پڑھ سکا اور اس وقت صحیح طور پر نہیں پڑھ رہا ہے۔ سروجا کے چہرے پر ندامت، خوف اور تاسف کی کوئی علامت نہیں تھی...... وہ کسی بھی بڑی اداکارہ سے کم نہیں تھی۔ اس لئے اس نے خود پر قابو پا کر اپنے تاثرات کو عیاں ہونے نہیں دیا تھا۔ اس کے دفتر میں وہ پہلی بار آئی تھی لیکن اس کے کسی انداز سے اجنبیت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

سروجا نے بغیر کسی تمہید کے دھیمی آواز میں کہا۔ ''معلوم نہیں تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔'' وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کی آنکھوں میں منجمد آنکھوں سے جھانک رہی تھی۔

ٹائیگر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''کل شام میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔'' سروجا نے مثبت لہجے میں کہا۔ ''اور مجھے معلوم ہے کہ تم نے مجھے دیکھ لیا تھا...... اسی لئے میں پہلی فرصت میں اپنی غرض سے آئی ہوں۔ میں نے تمہارے بشرے سے بھانپ لیا تھا کہ تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔''

''بس میں نے دیکھا اور خاموش رہا۔ اس لئے کہ میں کسی کے ذاتی معاملات میں بلاوجہ ٹانگ اڑانے کا عادی نہیں ہوں۔''

''میں یہ بات جانتی ہوں کہ ساجن نے مجھے چوں کہ اس کے ساتھ نہیں دیکھا اس لئے اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس انتشار اور اذیت سے دوچار نہیں ہے......''

سروجا کی زبان میں ذرا بھی ارتعاش نہیں تھا۔ آواز کا ترنم بھی برقرار تھا۔ وہ اس کی طرف جھک گئی۔ ''اگر اس معاملے کا تعلق ساجن سے نہ ہوتا تو تم بھی شاید اتنے پریشان اور دل گرفتہ نہ ہوتے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''لیکن چند لمحے کے لئے مجھے فرض کرو کہ تم ساجن کو بھی نہیں جانتے اور مجھے بھی نہیں...... فرض کرو کہ تمہاری عدالت میں ایک اجنبی جوڑے کا مقدمہ زیر سماعت ہے۔ اس ضمن میں تمہیں میرا موقف سننا ہے۔ ٹھنڈے دل سے میری بات سن کے تم جو کچھ بھی کرو گے۔ میں تمہیں حق بجانب سمجھوں گی۔ کیوں کہ تم میرے ماضی اور حال سے واقف نہیں ہو بلکہ اندھیرے میں ہو۔''

☆......☆......☆

حقیقت بھی یہی تھی۔ ٹائیگر کی اس سے اور اس کے شوہر سے تقریبات میں ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ پھر ان کے درمیان خاصی دوستی ہوگئی تھی۔ ساجن اس لئے بھی اس کا دوست اور مداح تھا کہ اس نے ساجن کے ایک دوست کو ایک کیس میں اذیت، ذلت اور پریشانی سے نجات دلائی تھی۔ ورنہ وہ پھانسی چڑھ چکا تھا۔ اس لئے بھی ساجن اس کی بڑی عزت کرتا تھا بلکہ محبت کرتا تھا۔ یہ اعزاز ساجن کے دوستوں میں سے شاید ہی کسی اور کو نصیب تھا۔

ایک خلش کا خنجر چھ برس تک ساجن کے دل میں پیوست رہا...... ایک راز کی خلش کا یہ راز اس کے سینے میں ناسور بن گیا تھا۔ ابتدا میں اس راز کا تعلق صرف ساجن تک ہی تھا۔ بعد میں ٹائیگر سے ہوگیا تھا۔ ساجن کے کرب میں اضافہ ہوتا گیا اور پھر اس کی برداشت سے باہر ہوگیا تھا۔ اس نے کسی کو راز دار نہیں بنایا تھا۔ یہ محض اتفاقاً صرف ٹائیگر کے علم میں

آ گیا تھا۔ اس سے التجا کی گئی تھی کہ یہ راز اپنی ذات تک مخفی رکھے۔ ٹائیگر نے بغیر کسی غرض کے ساجن کو غلاظت کے دلدل سے نکالا جس میں سے اسے گرادیا گیا تھا تا کہ اس کی عزت کو روندا جائے اور اسے بلیک میل کر کے لاکھوں ماہانہ وصول کیا جاسکے...... جب ٹائیگر نے اسے اذیت ناک عذاب سے نجات دی تو وہ اسے پوچھنے لگا۔ ٹائیگر نے بلینک چیک واپس کردیا۔ ساجن کو یقین نہ آیا کہ اس دنیا میں ابھی بے غرض، پرخلوص دوست لوگ موجود ہیں۔

ریاکاری اور منافقت کے اس دور میں اگر ایک مرد دوسرے مرد سے محبت کا دعویٰ کرے تو لوگ نہ جانے کیا مطلب اخذ کریں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ٹائیگر کا ساجن سے ایک ذریعہ خاص تھا اسے صرف لفظ محبت کے ذریعے سے بیان کیا جاسکتا تھا اور یہ محبت مثبت پہلو تھی...... ٹائیگر کو نہیں معلوم تھا کہ ساجن جتنا بڑا دولت مند ہے اتنا ہی عظیم الشان ہے۔ اسی لئے تو ساجن کو ذلت و رسوائی کے دلدل سے نکالا تھا۔ وہ ساجن کا وفادار بن گیا تھا۔

ساجن کوئی معمولی آدمی یا دولت مند نہیں تھا۔ ساجن لال کپور ہندوستان کے چوٹی کے دس بڑے سرمایہ داروں میں سب سے بڑا شمار کیا جاتا تھا۔ جنہیں درجن بھر آئی بی ایم کمپیوٹروں پر اپنی دولت کا شمار کرنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس کے پاس کیا کچھ نہیں تھا۔ ففتھ ایونیو عظیم الشان ایڈیشن کارخانے، رہائشی و دفتری عمارتیں، مرغ بانی اور گلہ بانی کے فارم، وسیع وعریض چراگاہیں، پرفضا مقامات پر بیس بیس کمروں اور ممبئی کی ساحلوں پر بنگلے ہٹس...... ذاتی طیارے...... نادر روزگار تصاویر کی گیلری...... ملبوسات کے کمرے کی دیواریں محفوظ جواہر کا ذخیرہ اور نہ جانے کیا کیا۔

ساجن لال کپور سے ملنے پہلے ٹائیگر کے ذہن میں کسی بڑے ہندوستانی سرمایہ دار کا تصور عجیب سا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بیشتر بڑے سرمایہ دار حلیہ یا عادات کے اعتبار سے سرمایہ دار نظر نہیں آتے...... وہ عموماً بوڑھے مجہول اور پائی پائی پر جان دینے والے ہوتے ہیں مگر ساجن اس تصور اور مشاہدے سے بہت مختلف تھا۔

ساجن جوان سال تو نہیں تھا لیکن بڑھاپے کی حدود میں داخل نہیں ہوا تھا۔ قلموں کے چند سفید بالوں سے اس کی وجاہت میں کچھ اضافہ ہی ہوا تھا۔ وہ فلموں کے کسی ہیرو سے زیادہ چاق و چوبند تھا۔ دولت اگلنے کی بیشتر کانیں اسے ورثے میں ملی تھیں۔ ان کی

افزائش اس کی غیر معمولی ذہانت کے بل پر ہوئی تھی۔قدرت نے جس حساب سے اسے نوازا تھا اس تناسب سے وہ خرچ بھی کرتا تھا۔صرف اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر ہی نہیں اس کی دولت کا ایک معقول حصہ سماجی خدمات پر بھی صرف ہوتا تھا۔کئی چھوٹے بڑے اور پس ماندہ شہروں میں اس کے باپ کے نام پر اوقاف قائم تھے۔ان کی آمدنی سے غریبوں اور ناداروں کو فائدہ پہنچ رہا تھا۔طبی تحقیق،فنون،لطیفہ کے فروغ اور تعلیمی خدمات کے لئے ساجن لال کپور فاؤنڈیشن کے تحت بڑے بڑے فنڈ قائم کئے گئے تھے۔تخلیقی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی اس کے ادارے کوئی نہ کوئی نمائشی پروگرام اسپانسر کرتی رہتی تھیں۔تعمیری فلمیں بنانے فلم سازوں کو اگر نقصان ہوتا تو اس کی تلافی کے لئے بھی ساجن نے ایک الگ فنڈ قائم کر رکھا تھا۔یوں اس کا بالی ووڈ کی مشہور زمانہ فلمی دنیا سے بھی رابطہ تھا۔کبھی کبھار وہ کوئی اچھا ناول اور کہانی پسند آنے پر اس پر فلم بنواتا تھا۔اس کی دو ایک فلمیں ہٹ بھی ہوئی تھیں۔لیکن فلمی دنیا کی تمام رنگینیوں اور بے پناہ آمدنی اس کی ذاتی توجہ کم ہی تھی۔

اس مثالی سماجی رتبے کے باوجود ٹائیگر جیسے سراغ رساں سے اس کا رویہ نہایت مربیانہ اور دوستانہ تھا......نہایت ذاتی......اس تعلق میں بے تکلفی کے ساتھ ساتھ شفقت بھی شامل تھی۔

یہ کوئی تین برس پہلے کی بات تھی جب ٹائیگر ممبئی آیا تھا اور اس دفتر میں ساجن قدرے بہروپ بھر کر آیا تھا۔ٹائیگر ان دنوں اس سے ذاتی طور پر ناواقف تھا۔البتہ اس نے ساجن کا نام اور اس کی شخصیت کے بارے میں سنا تھا۔کسی بھولے سے واسطہ بھی نہیں پڑا تھا۔اس نے کہا تھا۔

”میں نے آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ بنگال ٹائیگر ہیں۔میں آپ کی خدمات حاصل کرنے حاضر ہوا ہوں۔معاوضہ منہ مانگا پیش کروں گا۔“

”دس لاکھ روپے......؟“ ٹائیگر نے مذاق میں کہا۔

”دس لاکھ کیا......بیس لاکھ بھی دے سکتا ہوں۔“ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”بیس لاکھ......؟“ ٹائیگر جیسے اچھل پڑا۔اسے اپنی سماعت پر جیسے یقین نہ آیا۔

”آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔“

ساجن نے جواب میں وہ بریف کیس کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جو ساتھ لایا تھا۔اس میں بڑے بڑے نئے نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔

”یہ کل رقم چالیس لاکھ روپے ہے......اس میں سے پچیس لاکھ روپے لے لیں۔من چاہے تو پوری رقم رکھ لیں۔“

ٹائیگر کی حیرت دوچند ہوگئی۔اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ کہیں یہ شخص برسر اقتدار سیاسی پارٹی کی حریف پارٹی کا آدمی تو نہیں ہے جو صدر اور وزیراعظم کو قتل کرانا چاہتا ہو......اتنی بڑی رقم اس طرح پیش کر رہا ہے جیسے چار سو روپے ہوں۔

”اس قدر گراں قدر معاوضہ......؟“ ٹائیگر نے چکراتے ہوئے پوچھا۔”کیا کسی سیاسی رہنما یا حکومت کے کسی وزیر یا......“

”یہ خطیر رقم ایک بلیک میلر سے نجات دلانے کے عوض ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”اس شہر میں ایسے اجرتی قاتلوں کی کوئی کمی نہیں ہے جو دس روپے کے لئے بھی قتل کریں۔“ ٹائیگر نے کہا۔

”لیکن میں اس کی جان لینا نہیں چاہتا بلکہ اس کے قبضے میں میری جو غلاظت ہے میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ بولا۔

”اس کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنا چاہتے ہو......؟“ ٹائیگر نے کہا۔

”اس لئے دنیا میں عزت اور جان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے......مجھے عزت جان سے زیادہ پیاری ہے۔میں اس دنیا میں عزت سے اس وقت تک جینا چاہتا ہوں جب تک آخری سانس باقی ہے۔“ اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

”میرے خیال میں اس بلیک میلر سے نجات کے لئے آپ کسی بھی پرائیویٹ سراغ رساں کی خدمت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔“ ٹائیگر نے مشورہ دیا۔”چالیس پچاس ہزار میں آپ کی جان اور عزت چھوٹ جائے گی۔“

”ہاں......“ وہ متعجب لہجے میں بولا۔”آپ اتنی بڑی رقم ٹھکرا کر مجھے بڑے مخلصانہ مشورے دے رہے ہیں؟ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیوں اور کس لئے......جب تک آپ سے میری ملاقات ہے۔شناسائی بھی نہیں ہے۔یہ بے غرضی کیسی ہے؟“

”اس لئے مجھے دولت کی ہوس اور لالچ نہیں......“ ٹائیگر نے کہا۔”مجھے اس بات

سے بڑی خوشی ہوتی ہے کہ میں کسی مظلوم اور پریشان حال کے کام آؤں...... دولت آنی جانی چیز ہے۔ یہ بڑی ہرجائی ہوتی ہے۔''

''میں کسی بھی سراغ رساں کی خدمت اس لئے حاصل کرنا نہیں چاہتا کہ وہ ان ممنوعہ اور غلاظت سے بھری تصاویر حاصل کرنے کے بعد مجھے بلیک میل کرنے لگے گا۔ اس کی نیت میں فتور آ جائے گا...... پیسہ کسے برا لگتا ہے...... دولت جتنی اچھی ہے...... اس سے کہیں بری ہے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''میری شخصیت ہی ایسی ہے...... ان سراغ رسانوں کی نظر میں میں سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہوں۔''

''میں ایک عام سا آدمی ہوں...... میری بھی نیت میں فرق آ سکتا ہے......؟ میں آسمان سے اترا ہوا اوتار تو نہیں ہوں؟''

''آپ ہرگز ایسے آدمی نہیں...... آپ ایک فرشتہ صفت اور مخلص انسان ہیں، میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں؟''

''کیا میری پیشانی پر لکھا ہوا ہے۔ جو آپ اس قدر اعتماد سے کہہ رہے ہیں......؟''

''میں نے ویسے ہی ایک معتبر آدمی سے آپ کی بڑی تعریف سنی تو کشاں کشاں چلا آیا ہوں۔'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''اب آپ سے مل کر بات کر کے اندازہ ہو گیا کہ واقعی بہت نیک مخلص ہیں...... میں دو ایسے پرائیویٹ سراغ رسانوں کو جانتا ہوں جن کی خدمات دو نامور ہیروئنوں نے حاصل کی تھیں۔ دس دس لاکھ کے معاوضہ کے عوض...... یہ دونوں ہیروئنوں کو پہلی فلم ملی...... ان دونوں نے بولڈ مناظر سے راتوں رات شہرت، دولت اور مقام حاصل کر لیا۔ دولت کی ہوس نے انہیں راتیں کالی کرنے پر اکسایا۔ جب کوئی اداکارہ شہرت کے بام عروج پر پہنچتی ہے ان سے منہ کالا کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی ہے۔ ان کی کالی راتوں کو عکس بند کر کے بلیک میل کیا جانے لگا۔ پھر ان دونوں اداکاراؤں نے پرائیویٹ رسانوں کی خدمات حاصل کیں۔ لہٰذا وہ ایک ٹکٹ میں دو مزے کر رہے ہیں۔ انہیں ہر ماہ ایک لاکھ روپے اور انہیں خوش کرنا پڑتا ہے...... ان کی مجال نہیں کہ بلیک میلروں کی کوئی بات سے انکاری ہو جائیں......''

''آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا......؟'' ٹائیگر بولا۔ ''جو بدنامی اور رسوائی سے اس قدر دہشت زدہ ہیں۔''

''میرا نام ساجن لال کپور ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''میں ایک بزنس مین ہوں اور......''

''اوہ......'' ٹائیگر چونک کر بولا۔ ''اب میں جان گیا کہ آپ کو اپنی عزت اتنی کیوں پیاری ہے...... ہر عزت دار کو اپنی عزت اپنی جان سے پیاری ہوتی ہے...... ایسا کرتے ہیں کہ کسی بڑے ہوٹل میں چل کر بیٹھتے ہیں...... آپ مجھے بتائیں کہ آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا جو بلیک میلر آپ کی عزت کا دشمن بنا ہوا ہے۔

کسی بھی ہوٹل کے مقابلے میں آپ کا دفتر ہر لحاظ سے مناسب اور بہتر ہے۔'' وہ کہنے لگا۔ ''اس لئے کہ وہاں میرا کوئی بھی شناسا، دولت اور بزنس مین آ سکتا ہے جو مجھے آپ کے ساتھ دیکھ کر چونک جائے گا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ یہاں کسی کے آنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ کوئی آئے گا تو آپ اس سے معذرت کر کے کوئی اور دن مقرر کر سکتے ہیں۔'''

''جی جناب......!'' ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''تو آپ اپنی رام کہانی سنائیے۔''

''لیکن اس کا معاوضہ طے ہو جانا چاہئے تاکہ میں اپنے سر سے ایک بوجھ اتار دوں...... معاوضہ پیشگی دوں گا۔''

''بالفرض میں ناکام ہو جاتا ہوں تو اس صورت میں آپ کا معاوضہ پانی ہو جائے گا۔''

''مجھے امید تو نہیں کہ آپ ناکام ہو جائیں گے...... پھر ہم سوچیں گے کہ کرنا کیا ہے۔'' ساجن نے کہا۔ ''میں آپ کو پچیس لاکھ روپے پیشگی دوں گا...... کامیابی کی صورت میں مزید پندرہ لاکھ روپے......''

''اس کے علاوہ آپ کو ایک شبھ کام کرنا ہوگا۔'' ٹائیگر نے میز کی دراز سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ کل چار مریض ہیں جن کے علاج معالجے اور اسپتال میں داخل کرانے کے لئے ایک بڑی رقم درکار ہے...... اس کے علاوہ ایک غریب ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اس کی شادی کے لئے جہیز کی ضرورت ہے...... آپ ان کے بارے میں پڑھیں۔ میں اتنی دیر میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔ پھر چائے کے دوران آپ کی زبانی اور آپ کی کہانی سنوں گا۔'' پھر ٹائیگر باورچی خانے کی طرف بڑھ گیا۔

جس وقت ٹائیگر دو کپ چائے اور بسکٹ لے کر آیا ساجن اس کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھ رہا تھا۔اس نے کہا۔

”یہ تو آپ نے میرے ذمے بہت چھوٹا سا کام سونپا ہے...... میرا ایک ادارہ ہے جو روز ہی ایسے کام انجام دیتا رہتا ہے۔اس لڑکی کا جہیز اور شادی بیاہ کے دیگر اخراجات دو لاکھ کی رقم کل صبح پہنچا دی جائے گی......ان چاروں مریضوں کو یہاں سے جانے کے بعد کسی اچھے سے اسپتال میں علاج شروع ہو جائے گا۔ جب تک وہ مکمل طور پر صحت مند نہیں ہو جاتے وہ زیر علاج ہی رہیں گے۔“

پھر ساجن نے چائے کا ایک گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے اپنی کہانی سنانی شروع کی۔

مجھے کبھی عورت کی تمنا اور خواہش نہیں رہی اور میری کمزوری...... البتہ عورت کی رفاقت میری ضرورت رہی۔میری زندگی میں دو عورتیں آئیں۔ ہماری ازدواجی زندگی دو برس سے زیادہ کامیاب نہیں رہی۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میری پہلی پتنی جو تیس برس کی عورت تھی شادی سے پہلے اس کی دوستی اور تعلقات بیس برس کے ایک لڑکے سے تھے۔وہ یہ چاہتی تھی کہ مجھے قتل کر دے۔میں نے انہیں ایک دن ایک کمرے میں میرے خلاف منصوبہ بناتے سن اور دیکھ لیا۔میں نے پولیس کو فون کر کے بلایا۔وہ دونوں نا قابل حالت میں تھے۔ میں نے پولیس کو ایک موٹی رقم دے کر کہا کہ وہ اس واقعے کی تشہیر نہ کریں۔پھر میں نے بیوی کو طلاق دے دی......دو برس بعد میں نے دوسری عورت سے شادی کی۔وہ ماڈل گرل تھی مجھے ایک شریک حیات کی ضرورت تھی...... دو برس کے بعد ہم دونوں میں علیحدگی ہو گئی...... پھر تین برس کے بعد میری زندگی میں سروجا آ گئی۔ہم دونوں کی ازدواجی زندگی اب تک تو کامیاب جا رہی ہے۔

میری گاڑی کا ڈرائیور سری کانت ایک مرتبہ مجھے ایک بہانے سے اپنے ہاں لے گیا۔ اس کی جواں سال بیوی اور چودہ برس کی لڑکی نے میرا سواگت کیا۔ماں بیٹی نہایت حسین اور پرکشش تھیں۔سری کانت نے دھوکے سے مجھے رومال سونگھایا جو کلوروفارم میں بھیگا ہوا تھا۔جب مجھے ہوش آیا تو میں اپنے بیڈروم میں تھا۔میں کیسے اور کس وقت آیا مجھے کچھ خبر نہ ہو سکی...... کچھ دیر بعد ہوش آیا تو میری نظروں کے سامنے انتہائی شرمناک مناظر گھومنے

لگے...... ماں اور بیٹی کے ساتھ...... پھر دوسرے دن مجھے ایک لفافہ ملا جس میں بیس تصویریں بھی تھیں......دس عدد سری کانت کی بیوی کے ساتھ......دس عدد اس کی بیٹی کے ساتھ......ان تصویروں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ میں نے گن پوائنٹ پر انہیں درندگی سے نشانہ بنایا ہے۔

پہلے تو ہر ماہ پچاس ہزار کی رقم چھ ماہ تک دیتا رہا...... پھر ایک لاکھ...... اب تین لاکھ......گزشتہ ماہ مجھ سے کہا گیا کہ میں سروجا کو طلاق دے کر اس کی بیٹی پورینا سے شادی کر لوں ورنہ یہ تصویریں تیج ناتھ کے ہاتھوں دو کروڑ میں فروخت کر دی جائیں گی۔تیج ناتھ نہ صرف میرا کاروباری حریف ہے بلکہ جانی دشمن بھی ہے۔اس کے ہاتھ تصویریں لگنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نہ صرف سروجا سے محروم ہو جاؤں گا بلکہ بھکاری سے بھی بدتر بن جاؤں گا۔میں کسی کو منہ نہ دکھا سکوں گا۔“

اس کی کہانی سن کر ٹائیگر نے اسے دلاسا دیا۔”آپ کسی بات کی فکر نہ کریں۔یہ تو میرے ہاتھ کا کھیل ہے...... میں دو ایک دن میں تمام تصویریں ان کے نیگیٹوز سمیت آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔“

☆......☆......☆

اس نے جو کہا تھا وہ غلط نہ تھا۔وہ دوسرے دن سری کانت کے ہاں پہنچا۔سری کانت پہلے جب وہ ملازمت کر رہا تھا تب داروت کے علاقے میں ایک بوسیدہ فلیٹ میں رہتا تھا۔ اب تین کمروں کے لگژری فلیٹ میں کرائے پر بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہ رہا تھا۔اس نے سری کانت سے کہا۔”کیا آپ جانتے ہیں کہ ساجن لال کپور کس مہلک بیماری میں مبتلا ہے؟“

”نہیں تو......“سری کانت نے سر ہلایا۔

”وہ ایڈز کی بیماری میں مبتلا ہے اور اس کی زندگی صرف تین ماہ کی رہ گئی ہے۔“

”کیا......؟“وہ تینوں اس طرح اچھل پڑے جیسے کرنٹ لگا ہو۔

سب سے زیادہ صدمہ سری کانت کی بیٹی پورینا کو ہوا۔اس پر جیسے کوئی بجلی سی آ گری ہو۔اس کے تمام سپنے کرچیاں بن کر اس کے سینے میں چبھ گئے۔ان تینوں کو سکتے کی سی حالت میں دیکھ کر وہ کہنے لگا۔

"آئندہ ہفتے وہ سروجا کو طلاق دے کر اس کے دوسرے دن آپ سے شادی کر کے ہنی مون منانے لے جائے گا تاکہ وہ بیماری آپ کو منتقل کر دے۔ اس لئے کہ آپ نے اسے بلیک میل کر کے اس سے لاکھوں روپے اینٹھے ہیں......"

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ ایڈز کی بیماری میں مبتلا ہے۔" پورینا نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

ٹائیگر نے بریف کیس کھول کر اس میں سے ایک فائل نکال کر پورینا کے ہاتھ میں تھمادی۔

"آپ خود ہی دیکھ لیں...... جے جے اسپتال کے ڈاکٹر سرجن فزیشن ڈاکٹر نریندرا کی میڈیکل رپورٹ ہے۔ یہ خفیہ فائل ہے جو ایک نرس مالا سنہا کو دس ہزار روپے رشوت دے کر تین دن کے لئے حاصل کی ہے۔"

پورینا، ماضی میں اسی اسپتال میں نرس رہ چکی تھی اور اس کی ماں بھی...... اس اسپتال سے انہیں اس لئے نکال دیا تھا کہ دونوں بدچلن اور بدکردار تھیں۔ ان کے کئی ڈاکٹرز سے تعلقات تھے۔ اسپتال کا ماحول خراب کر دیا گیا تھا۔ پورینا کی ماں نے بیٹی کے ہاتھ سے فائل لے کر دیکھی۔ پھر اس نے کہا۔

"ساجن کے تعلقات نہ صرف ماڈل گرلز بلکہ ہیروئنوں اور بازاری عورتوں سے بھی تھے۔ ظاہر ہے یہ مرض اسے لاحق ہونا تھا......"

یہ بات کہتے کہتے اچانک اسے کچھ احساس ہوا۔ کیوں کہ وہ اور اس کی بیٹی بھی تو فاحشاؤں میں سے تھیں۔ اس لئے اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر موضوع بدلا۔

"آپ کون ہیں......؟ آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا......؟" پورینا کی ماں بولی۔

"آپ کس لئے یہاں آئے ہیں؟"

"میں ایک انشورنس کمپنی کا سراغ رساں ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "مسٹر ساجن نے جو بیمہ پالیسی لی ہوئی ہے وہ کروڑوں کی ہے۔ اس نے کمپنی کو دھوکہ دیا ہوا ہے۔ اس لئے کمپنی چاہتی ہے کہ اس کے کرتوت اس پر ظاہر کر کے اس کی بیمہ پالیسی کو کینسل کر دے اور پھر یہ طبی رپورٹ......"

"اس کے کرتوت...... میں سمجھی نہیں......؟" پورینا کی ماں کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

"آپ کے پاس اس کی کچھ نامناسب تصویریں ہیں۔ انشورنس کمپنی اسے آئینہ دکھا کر اس کی پالیسی ختم کر دینا چاہتی ہے۔"

"لیکن انشورنس کمپنی کو اس کے اخلاق و کردار سے کیا تعلق......؟ اس کی صرف طبی رپورٹ سے تعلق ہونا چاہئے۔"

"جب ہم اسے طبی رپورٹ دکھائیں گے تو وہ بڑا شور و شوغا کرے گا اس لئے کہ اس نے جب انشورنس کرایا تھا تب اسے یہ مرض لاحق نہیں تھا...... لیکن جب اسے اس کی نامناسب تصویریں دکھائیں گے تو وہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔" ٹائیگر نے اپنی بات جاری رکھی۔

"لہٰذا آپ وہ تصویریں ہمارے ہاتھ فروخت کر دیں۔ میں ایک لاکھ کی رقم لایا ہوں۔"

"وہ تصویریں چار لاکھ میں......؟" پورینا کی ماں تمسخر سے بولی۔ "آپ کو شاید علم نہیں کہ اس کے کاروباری حریف اور ملک کے دو صنعت کار اور ارب پتی سچ ناتھ ان تصاویر کے دو کروڑ دینے کو تیار ہیں...... اور پھر ساجن سروجا کو طلاق دے کر پورینا سے شادی کرنے پر آمادہ ہے۔"

"جب ڈاکٹروں نے مسٹر ساجن کو بتایا کہ ان کی زندگی صرف چار سے چھ ماہ کی ہے تو انہوں نے ایک حقیقت پسند آدمی کی طرح ایک وصیت نامہ تیار کیا ہے...... انہوں نے اپنی تمام دولت اور جائیداد فلاحی اور خیراتی اداروں کے نام لکھ دی ہے۔ ایک ٹرسٹ بنایا ہے جو کاروبار چلائے گا اس کی آمدنی فلاحی اور خیراتی اداروں کو ہر ماہ دی جائے گی...... سروجا کو اس کی زندگی تک ہر ماہ دس ہزار روپے ملتے رہیں گے۔ اس کی زندگی صرف ایک برس کی ہے۔ کیوں کہ ساجن کو جو مرض لاحق تھا وہ اسے بھی لگ چکا ہے۔ یہ مرض ہر اس عورت اور لڑکی کو تحفے میں مل چکا ہے جس سے ان کے تعلقات رہے...... آپ ماں بیٹی کو بھی یقیناً لاحق ہو چکا ہوگا۔ کیوں کہ ان سے ہر ماہ رقم وصول کرنے آپ اور بیٹی باری باری جاتی رہی ہیں۔ رات سے صبح تک رہ کر آتی رہی ہیں۔ پہلی فرصت میں آپ دونوں اپنا اپنا چیک اپ کرا لیں...... یہ مرض بڑا چور ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ جڑ پکڑتا ہے اور پھر ایک دم عود آتا ہے۔ آپ کے پتی کو بھی یہ مرض ہو سکتا ہے...... انہیں بھی چیک کرا لینا ہوگا۔ کیوں کہ آپ سے انہیں منتقل ہو چکا ہوگا...... اور ہاں ایک اور ضروری، اہم اور خطرناک بات جو اس وصیت میں درج ہے...... میرا ڈرائیور سری کانت جو دس برس سے میرا ذاتی ڈرائیور رہا۔ میں نے

ہمیشہ اس کا خیال رکھا اور فوقتاً فوقتاً اس کی مالی مدد کرتا رہا...... خلوص اور انسانی جذبے کے تحت...... میں نے کبھی اس کی بیوی اور بیٹی کو نہیں دیکھا تھا۔

ایک روز یہ نمک حرام اور ذلیل شخص مجھے ایک بہانے سے اپنے گھر لے گیا۔ وہاں مجھے کلوروفارم سونگھا کر بے ہوش کیا گیا۔ پھر انجکشن سے میرا دماغ معطل کر کے اس کمینہ نے میری تصویریں اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ بنوائیں۔ شاید ماں اور بہن بھی ہوتی ان کے ساتھ بھی بنواتا۔ میرے علم میں نہیں تھا کہ دنیا میں کوئی ایسا ذلیل، نیچ اور قبیح آدمی بھی ہوسکتا ہے۔ دولت کے پیچھے اندھا ہوتا ہے اور ساری اخلاقی قدریں پامال کردیتا ہے...... پھر وہ مجھے بلیک میل کرنے لگا۔ اس کی بیوی اور بیٹی باری باری ہر ماہ رقم وصول کرنے آتی رہیں...... ماں اور بیٹی نرسنگ کے پیشے سے وابستہ رہیں چوں کہ ماں بیٹی نے اسپتال کا ماحول آلودہ کردیا تھا انہیں نکال دیا گیا۔ پھر انہوں نے میرے خلاف منصوبہ بنا کر شرمناک تصاویر بنا کر بلیک میل کرتی رہیں۔ اس بات کی خبر پولیس کو دے دینا...... میرے پاس چوں کہ ان کے نیگیٹیوز نہیں ہیں۔ صرف تصویریں موجود ہیں وہ پولیس کو دے دیں۔''

ٹائیگر نے توقف کر کے اپنی تقریر کا ردعمل دیکھنے کے لئے ان کا چہرہ دیکھا...... ان پر جیسے کوئی بجلی سی آن گری تھی۔ ان پر سکتہ سا طاری ہوگیا تھا اور ان کے چہرے بے لہو ہوگئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ٹائیگر نے کہا۔ ''آپ لوگوں نے کیا سوچا......؟ کیا فیصلہ کیا......؟ کیا میرے ہاتھ تصویریں اور نیگیٹیوز فروخت کررہے ہیں؟''

پورینا کی ماں سرسوتی بڑی تیز اور گھاگ عورت تھی۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ کو عقل کل سمجھتی تھی۔ اس نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔ ''تیج ناتھ دو کروڑ کی رقم دے رہا ہے اور تم ایک لاکھ......؟ ہمیں بلیک میل کرنے آئے ہو...... کیا تم ہمیں بے وقوف اور احمق سمجھتے ہو......؟''

''اب تو تیج ناتھ دو کروڑ کیا دو روپے بھی نہیں دے گا۔'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''اس لئے کہ اب بساط الٹ چکی ہے۔''

''اس لئے کہ ساجن کی میڈیکل رپورٹ اور وصیت نامہ...... دیکھ کر......'' ٹائیگر نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر ان کی نظروں کے

سامنے لہرایا۔ ''یہ وصیت نامہ ہے۔''

''ان تصویروں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔'' سرسوتی غرائی۔ ''تم ہمارا بال تک بیکا نہیں کرسکتے......''

''کیا تم نے ان تصویروں کا ایک سیٹ ساجن کو نہیں دیا تھا......؟'' ٹائیگر نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ ''یہ بتانے کے لئے کہ تمہاری عزت، دولت اور شہرت ہماری مٹھی میں ہے۔ انہیں دیکھ کر کوئی فیصلہ کرو۔ ہر ماہ کتنی رقم دو گے...... میں اور پورینا ہر ماہ تم سے رقم لینے باری باری آتی رہیں گی۔''

''ہاں دیا تھا......'' پورنیا نے درمیان میں اعتراف کیا۔ ''میں نے خود لے جا کر تصویریں دی تھیں۔''

ٹائیگر کے علم میں ساجن نے یہ بات لائی تھی کہ اس نے ان تصویروں کو نذر آتش کردیا تا کہ کسی اور کے ہاتھ نہ لگ جائیں لیکن اس نے یہ بات ماں بیٹی کو نہیں بتائی تھی۔ ٹائیگر نے جو تیر چلایا تھا وہ نشانے پر لگا تھا۔

''دیکھو...... ہٹ دھرمی اور ضد نہ کرو۔ میں جو ایک لاکھ کی رقم پیش کررہا ہوں اسے بھاگتے بھوت کی لنگوٹی سمجھ کر قبول کرلو۔ ورنہ......''

''ورنہ کیا......؟'' سری کانت جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھا سن رہا تھا اس نے بھنا کر زبان کھولی۔

''میں وہ تصویریں لے کر سیدھا پولیس کے پاس جاؤں گا...... پولیس والوں کو کہوں گا کہ ایک لاکھ روپے دے کر ان تینوں کو لے جا کر حوالات میں بند کردو...... مسٹر ساجن کی موت تک یہ بات منظر عام پر نہ آنے دو...... یہ تصویریں اور نیگیٹیوز ان کے باپ بھی دے دیں گے...... صرف ان ماں بیٹی کے چہروں اور جسم پر تیزاب پھینکنے کی دیر ہے...... سری کانت کا چہرہ اور جسم جلتے سگریٹ سے داغ دینا۔''

ان کے چہرے فق ہوگئے۔ ماں نے بیٹی سے کہا۔ ''وہ تصویروں اور نیگیٹیوز والا لفافہ لا کر دے دو۔''

تھوڑی دیر بعد پورینا نے لفافہ لا کر ٹائیگر کو دیا۔ اس نے دیکھا۔ تمام تصویریں اور ان کے نیگیٹیوز موجود تھے۔ پھر اس نے ایک لاکھ سرسوتی کی طرف بڑھا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ

ساجن کے سامنے بیٹھا اور اس کے سامنے لفافہ رکھ دیا۔

''آپ اس سے غلاظت والا لفافہ لے آئے ......؟'' ساجن فرطِ مسرت سے بولا۔

''جی ہاں ......'' ٹائیگر نے اثباتی انداز میں سرہلا دیا۔''دیکھ لیں۔ پوری تصویریں ہیں نا؟''

ساجن نے لفافے میں سے تصویریں اور ان کے نیگیٹوز نکالے دیکھا ان کی گنتی کی۔ پھر اس نے انہیں لفافے میں رکھ کر حیرت سے بولا۔

''کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟''

''یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ پھر اس نے تفصیل سے من وعن ساری کہانی سنادی۔

''اوہ بھگوان ......!'' ساجن تحیر زدہ لہجے میں بولا۔''آپ نے جو کارنامہ انجام دیا وہ کروڑوں میں بھی ہونا ناممکن تھا۔ صرف ایک لاکھ کی رقم ......؟ اگر تصویریں سامنے نہ ہوتیں تو میں یقین نہیں کرتا ......''

''ایک لاکھ نہیں بلکہ صرف پندرہ ہزار میں ......'' ٹائیگر کہنے لگا۔''پانچ ہزار روپے تو آپ کی فوری جھوٹی میڈیکل رپورٹ بنانے کے لئے پانچ ہزار روپے خرچ ہوئے ...... دس ہزار روپے ایک لاکھ کے جعلی نوٹ خریدنے پر ......''

''کیا آپ نے انہیں ایک لاکھ کے جعلی نوٹ دیئے ......؟'' ساجن اچھل پڑا۔''وہ کس لئے ......؟''

''اس لئے کہ ان تینوں نے آپ کو برسوں اذیت اور دی اور دونوں ہاتھوں سے لوٹا ...... انہوں نے یہ جعلی نوٹ چلائے تو پکڑے جائیں گے۔ وہ میری نشان دہی نہیں کر سکتے ...... اس لئے کہ میں بہروپ بھر کر گیا تھا ...... دوسری اہم بات یہ ہے کہ میں نے ان پر واضح کر دیا کہ بلیک میل کرنا بہت بڑا جرم ہے جس کی سزا پانچ سے دس برس کی ہے ...... اگر تم لوگ اس سزا اور جرم سے بچنا چاہتے ہو تو کل پہلی فرصت میں جنرل پاور آف اٹارنی اس مکان کی مسٹر ساجن کے نام لکھ دو ...... اور اس شہر سے دفع ہو جاؤ ...... تم اپنا پیشہ کسی بھی دوسرے شہر میں جاری رکھ سکتے ہو ...... ہاں بیٹی نہایت حسین اور پرکشش بدن کی ہیں ...... یہ ذلیل سری کانت گاہک لانے اور بلیک میل کرنے میں ماہر ہے ...... میں مسٹر ساجن سے

کہوں گا کہ آپ میری شرط پر ان لوگوں کے ماننے کی صورت میں کوئی قانونی کارروائی نہ کریں ...... چوں کہ مسٹر ساجن کی زندگی کی مہلت چند مہینوں اس لئے اب انہیں رسوائی اور بدنامی کا کوئی فکر نہیں ہے ...... میں نے ایک ایک کر کے نفسیاتی حربے کے جو تیر چلائے وہ ایک ایک کر کے ٹھیک اپنے نشانے پر جا لگے ...... نتیجہ آپ کے سامنے ہے ......''

ٹائیگر نے باقی رقم بریف کیس سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ ساجن نے چیک بک نکال کر ایک چیک کاٹا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ ٹائیگر نے اس کے ہاتھ سے چیک لے کر دیکھا۔ اس پر دو کروڑ کی رقم درج تھی۔

ٹائیگر نے چیک واپس کرتے ہوئے کہا۔''میں آپ سے دو روپے بھی نہیں لوں گا۔''

''وہ کیوں؟'' ساجن کو یقین نہیں آیا۔''میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں۔''

''کیا میں ایک ایسے شخص سے فیس لوں جو دکھی انسانیت کی خدمت کر رہا ہے ......؟''

ٹائیگر نے جذباتی لہجے میں کہا۔''پلیز ......! آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ مجھے آپ کی سیوا کر کے جو خوشی اور آتما کو کیف و سرور ملا ہے آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔''

☆......☆......☆

''ہاں ...... ٹائیگر نے سرہلایا۔''میں نے کبھی ساجن سے تمہارے ماضی کے بارے میں کریدنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ میں کسی کی زندگی میں بلاوجہ جھانکتا بھی نہیں ہوں چوں کہ ایسا کرنا لا حاصل ہے۔''

''معلوم نہیں تم نے ساجن کو کیا گھول کر پلا دیا کہ وہ ہر وقت تمہاری تعریف کرتا ہے ...... شکر ہے کہ تم عورت نہیں ہو۔'' وہ دل کش انداز سے مسکرائی۔''ورنہ تم میری جگہ لے چکے ہوتے ......''

''تمہاری جگہ لینے کے لئے آنکھیں خیرہ کر دینے والا حسن کہاں سے لاتا ......؟''

ٹائیگر نے اشتیاق آمیز لہجے میں جواب دیا۔

شادی سے پہلے سروجا ایک دھان پان اور نازک سی گڑیا کے مانند تھی ...... اس کے وجود میں ریشم کی نرمی تھی اور باتوں میں شہد کی مٹھاس تھی۔ شادی کے چند برس بعد ہی وہ دلکش اور دلنشین ہو گئی تھی ...... اب وہ ایک حسین و جمیل عورت تھی۔ اس کا چہرہ پہلے ہی ملگجے اندھیرے میں چاند کی طرح دمکتا تھا مگر اب اس کے عارض اس کے لب سے چٹک گئے تھے۔

ایک ارب پتی کی بیوی ہونے اور شادی کو اتنے برس گزر جانے کے باوجود اسے کبھی سلمنگ پارلر...... بیوٹی سیلون جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو خود حسن و تناسب کی ایک مثال تھی۔

ٹائیگر سروجا کا بھی اتنا ہی احترام کرتا تھا جتنا ساجن کا...... سروجا بے مثال حسن کی مالک تھی۔ لیکن اس نے کبھی سروجا کو گرسنہ نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا۔ سروجا کو دیکھ کر جانے کتنے مردوں کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو جاتی تھی...... لیکن آج سروجا اس سے ملنے اس کے دفتر پراسرار انداز سے آئی تھی۔ ٹائیگر لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپ لیتا تھا۔ اس نے بھی بھانپ لیا تھا۔

ٹائیگر نے دو کپ چائے بنائی اور ایک کپ سروجا کے سامنے رکھا اور دوسرا کپ خود لے کر سامنے بیٹھ گیا۔

''دیو کمار......!'' سروجا نے چائے کا گھونٹ لے کر اسے مخاطب کیا۔ ''میں بلیک میل ہو رہی ہوں۔''

''اچھا......'' دیو کمار نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

''کیا تمہیں یہ سن کر حیرت اور دکھ نہیں ہوا......؟'' سروجا متعجب لہجے میں بولی۔

''نہیں......'' ٹائیگر نے سر ہلایا۔

''کیوں......؟'' سروجا نے اپنی لانبی سرنگیں پلکیں جھپکائیں۔

''اس لئے کہ حسین اور نوجوان عورت اور دولت مند بلیک میل ہوتے رہتے ہیں......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''تم اس ناچیز کے دفتر آئی ہو۔ میں سمجھ گیا کہ تم کیوں اور کس لئے آئی ہو۔ یہ ایک سراغ رساں کا دفتر ہے کوئی جیولری شاپ نہیں ہے۔''

''پلیز......! دیو کمار......!'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔ ''ایشور کے لئے میری مدد کرو۔ یہ عزت کا سوال ہے۔''

''کس کی عزت......؟ تمہاری یا تمہارے پتی کی؟'' ٹائیگر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہم دونوں کی......'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ مجھے بے انتہا چاہتا ہے...... تم اس کا اندازہ کیا تصور بھی نہیں کر سکتے...... خواب و خیال میں بھی سوچ نہیں سکتے...... میں اس کی

عزت بچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی اور قیمت دینا پڑے تو اس کے لئے بھی تیار ہوں۔''

''جانتی ہو...... بہت بڑی قیمت...... یہ قیمت رقم نہیں بلکہ عزت ہوتی ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''ہاں میں جانتی ہوں...... میں یہ چاہتی ہوں جتنی رقم ہو سکے دے دوں...... میری عزت پر آنچ نہ آئے......''

''ایسا بہت مشکل ہے۔'' ٹائیگر کہنے لگا۔ ''بلیک میلر نہ صرف بے رحم اور کٹھور ہوتے ہیں بلکہ درندہ صفت بھی...... ایک ٹکٹ میں دو مزے...... دو دھاری تلوار...... اور پھر بلیک میلر کی خواہش ہوگی کہ تم کٹھ پتلی بن جاؤ...... اس لئے کہ تم نہایت حسین و جمیل ہو بلکہ کشش کا خزانہ ہو...... ایسا مشکل ہے کہ تم آنچ سے محفوظ رہو۔''

''آج کل...... ایک ہوا چلی ہوئی ہے...... اغوا، تاوان، تصویروں کی مدد سے بلیک میلنگ...... کیوں کہ دولت ہی دولت ہے...... پھر اس میں نہ محنت ہے اور نہ گھاٹے کا سودا...... پانچوں انگلیاں گھی میں ہوتی ہیں۔'' سروجا نے کہا۔ ''وہ بھی ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی ہے...... میں اذیت اور ذہنی انتشار کا شکار ہوں...... میں آخری سانس تک کھلونا بننا نہیں چاہتی...... میں راتوں کو اکثر سوچتی ہوں کہ کاش......! میں اتنی حسین نہ ہوتی اور ساجن کی پتنی نہ ہوتی...... اس عذاب سے دوچار نہ ہوتی۔''

''ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ بلیک میلر ساری زندگی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتا رہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''اس کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔ جرم بہرحال جرم ہوتا ہے...... بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی ہے......''

''کیا میں تم سے امید رکھوں کہ تم میرا کیس حل کرو گے...... اور ساجن کو اس کی ہوا لگنے نہیں دو گے......؟'' اس نے امید بھری نظروں سے ٹائیگر کو دیکھا۔ ''تم مجھے مایوس نہیں کرو گے......؟''

''میرے کاروبار میں رازداری پہلی شرط ہوتی ہے......'' ٹائیگر نے اسے دلاسا دیا۔ ''تم جانتی ہو میری فیس کیا ہے......؟'' اس نے توقف کر کے کہا۔ ''میرے کاروباری لہجے کو معاف کرنا...... کیوں کہ اس وقت میں تمہارے پتی کا دوست بن کر نہیں...... بلکہ سراغ رساں دیو کمار بن کر بات کر رہا ہوں...... اس لئے بھی کہ تم میری خدمات حاصل کرنے آئی ہو۔''

''میں تمہاری منہ مانگی فیس ادا کرنے کو تیار ہو......'' سروجا نے کہا۔ ''تم فیس کی پروا مت کرو۔ کتنی رقم......؟ میرے پاس تو لاکھوں کا بینک بیلنس ہے۔ میں پوری فیس پیشگی بھی دے سکتی ہوں۔''

''تمہاری پوری کہانی سننے کے بعد اپنی فیس بتاؤں گا۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''فیس کیس کی نوعیت پر ہوتی ہے......اس لئے کہ معاملہ کیا ہے......؟ گھمبیر ہے......خطرناک ہے یا پیچیدہ اور ناممکن سا ہے۔''

''کہیں ایسا تو نہیں کہ تم میری مجبوریوں اور کمزوریوں سے فائدہ اٹھاؤ۔'' سروجا نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''میں تمہارا مطلب سمجھا نہیں......؟'' ٹائیگر انجان سا بن گیا۔

''مجھے تم پر ہر طرح کا بھروسا ہے کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو اس لئے میں تمہاری خدمات حاصل کرنے آئی ہوں......'' وہ بولی۔

''میں بہروپ بدل کر دو بڑے پرائیویٹ سراغ رسانوں کے پاس گئی تھی جو ماضی میں انسپکٹر اور ڈی ایس پی تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے یہ پیشہ اپنا لیا۔ جن کی پورے شہر میں بڑی دھوم ہے۔ گویا طوطی بول رہا ہے۔ معمولی سے معمولی کیس کے وہ ایک لاکھ روپے سے کم فیس نہیں لیتے ہیں۔ میں نے انہیں ایک فرضی کہانی سنائی۔ بہروپ بھرنے کے باوجود انہیں میرے حسن کا اندازہ ہو گیا۔ لیکن میری شناخت نہ ہو سکی۔ انہوں نے کہا کہ فیس تین لاکھ ہو گی جو مجھے ادا کرنی ہو گی۔ یعنی پیشگی...... پوری فیس ادا کرنا ہو گی...... جب آپ کو مطلوبہ تصویر مل جائیں گی اس وقت تک دو ایک دن میں وقت مقررہ پر تین گھنٹے کے لئے آ کر خوش کرتے رہنا ہو گا......گویا آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا......میں نے کہا یہ بات کیا ہوئی۔ آپ مجھے غلاظت کے دلدل سے نکالنے کے بجائے پھر پستی میں گرانا چاہتے ہیں...... وہ بولے......شریمتی جب آپ اسے خوش کر چکی ہیں جس کی وجہ سے بلیک میل ہو رہی ہیں اور پھر بلیک میلر بھی فائدہ اٹھا رہا ہے تو پھر ہم نے کیا قصور کیا......؟ آخر ہمارا بھی ادھیکار بنتا ہے۔''

''میں ان دونوں کو جانتا ہوں جو اس مقدس پیشے پر بدنما داغ بنے ہوئے ہیں۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں ادھر سے فرصت پا لوں یا اس دوران موقع ملا تو ان دونوں کو بلیک میل

کروں گا۔ وہ ایک ایسی شادی شدہ لڑکی کو ہراساں کر رہے ہیں اور اس سے دل بہلا رہے ہیں اور دو بچوں کی ماں کو بھی......وہ دونوں ایک نمبری شیطان ہیں۔''

''بھگوان تمہاری رکھشا کرے......اچھا اب تم میری کہانی سنو......'' سروجا کہنے لگی۔ ''میرے والدین جب مجھے بنگلور سے لے کر گئے اس وقت میری عمر دو برس کی تھی۔ جب واپس آئے تو میں بارہ برس کی عمر کی ہو چکی تھی۔ بنگلور میں چھ برس رہنے کے بعد کاروبار کے لئے ممبئی شہر مستقل رہائش پذیر ہو گئے۔ جب میں نے کالج میں داخلہ لیا تو میرے حسن نے دھوم مچا دی۔ میری ہم جماعت لڑکیاں اور لڑکے بھی مشورے دینے لگے کہ میں کیوں نہیں فلمی دنیا میں چلی جاتی۔ دولت، عزت اور شہرت بھی ہے......اس وقت تمہاری جیسی حسین اور پرکشش لڑکی اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ تم تمام ستاروں کو ماند کر کے رکھ دو گی۔

مجھے گریجویشن کرنے میں ڈیڑھ برس کا عرصہ رہ گیا تھا۔ مجھے بھی بڑا شوق بلکہ جنون تھا کہ فلمی دنیا میں جا کر کروڑوں شائقین کے دلوں پر راج کروں۔ لیکن میرے والدین نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں جب تک گریجویشن نہیں کر لیتی اس وقت شو بزنس میں جانے کا نہ تو سوچوں گی اور نہ ہی خواب دیکھوں گی۔

میری ہم جماعت شیلا مشہور فلم ساز و ہدایت کار راج پال کی بیٹی تھی۔ جب اس نے ایک روز اپنے ہاں لے جا کر اپنے پتا جی سے ملایا تو وہ مجھے دیکھ کر جیسے پھڑک اٹھے۔ انہوں نے فوراً ہی مجھے اپنی ایک نئی فلم میں ہیروئن بننے کی پیشکش کر دی۔ میں نے معذرت کر لی اور ان کی پیشکش مسترد کرنے کی وجہ بتا دی۔ پھر انہوں نے میرے پتا جی اور ممی سے رابطہ کیا تا کہ ان کی پیشکش قبول کرنے پر آمادہ کر سکیں۔ پتا جی نے صاف انکار کر دیا۔

عالمی مقابلہ حسین منعقد ہونے والا تھا۔ ہندوستان سے چار لڑکیاں اس مقابلے میں شرکت کرنے جا رہی تھیں۔ مجھ سے بھی کہا گیا۔ لیکن میرے گھر والوں نے صاف منع کر دیا کہ وہ اپنی بیٹی کو کسی قیمت پر اس مقابلے میں شرکت کی اجازت نہیں دیں گے۔ میری ایک ہم جماعت لڑکی نے بھی جو نہایت حسین اور بے پناہ سیکسی تھی اس مقابلے میں شرکت کرنے گئی۔ وہ دو ماہ کے بعد آئی۔ وہ عالمی حسینہ منتخب کر لی گئی تھی۔ دولت، عزت اور شہرت اسے

نصیب ہوئی تھی۔ ہندوستان میں بھی اسے بڑی شہرت ملی تھی۔ اس کی سواگت کی گئی۔ وہ میری ہم زاد سہیلی تھی۔ اسے کئی فلموں کی پیشکش بھی ہوئی۔ میں نے اسے اپنے ہاں مدعو کیا۔ میں اسے اپنی خواب گاہ میں لے آئی۔ اسے عزت، شہرت اور دولت کی مبارک باد دی تو وہ بولی دولت اور شہرت...... عزت نہیں...... میں نے حیرت سے کہا کیا یہ عزت نہیں ہے جو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا ہے...... اس نے جواب دیا کہ یہ عزت نہیں...... اسے عزت مت کہو...... مقابلہ حسن میں مجھے اپنی عزت جیوری کے ہاتھوں دان کرنی پڑی...... پھر مجھے ملکہ حسن کا تاج پہنا دیا گیا۔

اس نے مجھ سے کہا کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے...... مجھے بھی یہاں فلموں میں ہیروئن کی پیشکش کی گئی...... لیکن اس کے لئے شرط یہی تھی کہ عزت کھونا پڑے گی...... فلم ساز، ہدایت کار اور کیمرہ مین اور بھی دو ایک لوگوں کو خوش کرنا ہوگا...... یہ میری ایک دوست سجاتا نے بتایا جو آج جگ مگاتا ہوا ستارہ ہے...... کوئی بھی ایسی ستارہ نہیں ہے جس نے یہ شرط پوری نہ کی ہو...... وہ کسی بھی اداکار کی بیٹی بہن اور بیوی کیوں نہ رہی ہو اور ہے۔ اس شرط کے بغیر وہ فلمی دنیا میں نہیں آ سکتی......

ہاں تو میں کیا کہنا چاہتی تھی میں کیا قصہ لے بیٹھی۔ میں فلمی تقریبات میں شرکت کرنے لگی۔ ایک نام ور، انتہائی وجیہہ اور خوب صورت ہیرو سجن کو دل دے بیٹھی۔ اس کے پرستاروں میں لڑکیاں بہت زیادہ تھیں۔ وہ اس پر مرتی تھیں۔ اس کی محبت میں گرفتار ہو کر نہ صرف آلودہ ہو چکی تھی بلکہ بہت دور بھی جا چکی تھی۔ یہ بات میرے علم میں تھی۔ لیکن اس کا یقین نہیں تھا۔

میں نے اسے پہلے پہل بڑی رومانی خط لکھے...... ٹیلی فون پر بھی دیر دیر تک جذباتی اور محبت بھری باتیں ہوتی رہیں...... تم نے مجھے کل رات اس کے ساتھ دیکھا تھا...... ایک روز میں نے اس سے تنہائی میں ملنے کے لئے خط لکھا۔ کیوں کہ ٹیلی فون اور موبائل پر اس سے بڑی مشکل سے رابطہ ہوتا تھا۔ اس نے مجھے فون کر کے پوچھا...... کیا ایسا ممکن ہے کہ تم رات میں آ جاؤ تو ہم صبح تک رہیں۔ دلہا دلہن بنے رہیں...... میں نے حامی بھر لی تو اس نے مجھ سے کہا کہ ”میرے ایک دوست کا نہایت شان دار لگژری فلیٹ پلاٹ نمبر بیس پر جے ہند سوسائٹی میں لکشمی بلڈنگ میں ہے۔ ولے پارلے اسکیم میں......

اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں...... سجن میرا خواب، میرا دل اور محبت تھی۔ میں نہ صرف اس کی اداکاری بلکہ اس پر جان دیتی تھی۔ روز ہی اس کا سپنا دیکھتی تھی۔ جب کسی فلم میں کسی ہیروئن کے ساتھ جذباتی منظر دیکھتی تو سوچتی کہ کاش میں اس ہیروئن کی جگہ ہوتی۔ سجن نے ملنے کا پروگرام بنایا تو میں خود پر قابو نہ پا سکی۔

اتفاق سے اس روز شوبھا کی بہن کی مہندی تھی۔ میں نے گھر والوں سے کہہ دیا کہ میں ساری رات وہاں رہ کر صبح آؤں گی۔ گھر والوں نے اجازت دے دی۔ یہ وہی فلیٹ تھا جس کے پتے پر میری سجن سے خط و کتابت ہوتی اور ٹیلی فون پر بات...... موبائل فون بھی اس دوست کا تھا...... وہ کیوں اور کس لئے ایسا کرتا تھا میں نے سوچا نہیں تھی۔ مجھے آم کھانے سے مطلب تھا...... شام ہوتے ہی میں اس سے ملنے روانہ ہوگئی۔ میرے دل نے کہا...... ”پگلی......! یہ تو کہاں جا رہی ہے......؟ تو نے کچھ سوچا بھی......؟ تو سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہے......؟“ لیکن میں نے دل کی نہیں سنی...... میں ان جانے سپنے دیکھتی جا رہی تھی۔ مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا...... میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی...... میرے چشم تصور میں...... میں تھی اور میرا ہیرو...... وہ میرے چہرے پر جھکا ہوا تھا...... ہم دونوں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ان جانے راستے پر چل رہے تھے...... راستہ دھول بھرا ہوا تھا...... ہم دونوں نے آزادی کا لبادہ پہنا ہوا تھا...... لبادے کے زر و جواہر ٹوٹ ٹوٹ کر گر اور بکھر رہے تھے۔

جب میں فلیٹ پر پہنچی تو وہ میری بڑی بے تابی سے راہ دیکھ رہا تھا...... پھر ہم دونوں نے ایک دوسرے کو سویکار کر لیا۔ صبح جب میں اپنے گھر جا رہی تھی تو مجھ پر ایک سرشاری اور عجیب سی کیف و مستی چھائی ہوئی تھی۔ میں اپنا سب کچھ اسے سونپ چکی تھی جس کا مجھے دکھ اور افسوس نہیں تھا...... مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اپنا سب کچھ کھو کر بھی بہت کچھ پا لیا۔ اس میں ایک نشہ اور سرور تھا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ میں اس سے مصروفیت کی بناء پر نہ مل سکی۔ نہ فون اور نہ موبائل پر رابطہ ہو رہا تھا۔ پھر میں نے اسے ایک خط لکھا۔ تمہاری معیت میں میرا جو ایک ایک لمحہ گزرا وہ میری ساری زندگی کے لئے یادگار رہے گا۔ ہاں تو اب تم کب مل رہے ہو...... میرا یہ خط ایسی آرزوؤں اور تمناؤں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے وہ خط اس کے دوست کے پتے پر ارسال کر دیا۔

ایک روز میرے پتا جی ایک بہت بڑے ہوٹل او برائے شیرٹن میں لے گئے جہاں ساجن نے کاروباری لوگوں، صنعت کاروں اور مختلف سماجی اور اہم شخصیات کو ڈنر پر مدعو کیا ہوا ہے۔ میرے پتا جی مجھے اس تقریب میں اس غرض اور ارادے سے لے گئے تھے کہ ساجن سے تعارف کرادیں اور اس لئے کہ ساجن مجھے پسند کرے۔ انہوں نے کسی سے سنا تھا کہ ساجن کو ایک جیون ساتھی کی ضرورت ہے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ ساجن مجھے پسند کرلے گا۔ کیوں کہ میں لاکھوں میں ایک ہوں چندے آفتاب چندے ماہ تاب ہوں۔ وہ مجھے دیکھتے ہی فریفتہ ہوجائے گا۔ یہ بات انہوں نے مجھ پر ظاہر نہیں کی تھی۔ ماں نے مجھے ایسا تیار کیا، لباس پہنایا تھا کہ محفل میں چودھویں کا چاند بن گئی تھی۔ مرد کیا...... عورتیں اور لڑکیاں کیا ہر کسی کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ ساجن لمحے بھر کے لئے مبہوت سا ہو کر رہ گیا تھا...... میں شمع محفل بن رہی تھی۔ دوسرے دن ساجن نے شادی کا پیغام بھجوادیا۔

اس پیغام نے مجھے آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ ایک طرف میرا محبوب ہیرو تھا جس سے میں بے پناہ محبت کرتی تھی اور میں نے اسے اپنا سب کچھ سونپ کر اسے جیسے غیر قانونی طور پر اپنا پتی سویکار کرلیا تھا۔ اب میں اس کی تھی اور وہ میرا...... دوسری طرف ایک ارب پتی تھا۔ وہ کوئی بدصورت بھی نہیں تھا۔ خوب صورت اور وجیہہ اور دراز قد بھی...... محبت تو اندھی ہوتی ہے۔ وہ راج پاٹ بھی ٹھکرادیتی ہے...... جب میں نے ساجن کا رشتہ منظور کرنے سے انکار کیا تو ماں نے حیران ہو کر کہا۔

''تمہاری عقل ٹھکانے ہے...... اتنا بڑا رشتہ ٹھکرا رہی ہو جو سپنے میں بھی نہیں مل سکتا......''

''ماں......! تمہیں بتاؤں کہ سچی بات کیا ہے...... میں فلمی ہیرو سجن کو دل دے بیٹھی ہوں۔ وہ بھی مجھے چاہتا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بے انتہا چاہتے ہیں۔ ہم دونوں شادی کرکے گھر بسالیں گے۔ یہ میرے لئے کتنی عزت اور اعزاز کی بات ہے کہ ہندوستان کی فلمی دنیا کا مایہ ناز ستارہ جس کی عزت اور شہرت کا ڈنکا پورے ہندوستان میں بج رہا ہے۔ جس کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ ہندوستان میں سب سے زیادہ ٹیکس دینے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔''

ماں نے بڑی خاموشی سے میری بات سنی پھر اس نے کہا۔ ''کیا تم نے دیکھا

نہیں......؟ جانتی نہیں ہو...... کتنے ستارے فلمی دنیا کے افق پر ابھرے اور پھر ڈوب گئے۔ ان کا نام ونشان تک نہیں اور نہ ہی ان کا نام لینے والا ہے......اور ان میں جانے کتنے کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں...... ان کی دو تین فلمیں فلاپ ہوئیں وہ بھی فلاپ ہوگئے۔ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں...... عقل سے کام لو...... حقیقت پسند بنو...... مستقبل کے بارے میں سوچو...... ساجن ایک ارب پتی ہے...... اس کی پتنی بن کر خوابوں جیسی زندگی گزاروگی۔''

''ماں......! آپ کچھ بھی کہہ لیں...... میں شادی کروں گی تو صرف اور صرف سجن سے...... ساجن سے نہیں......''

''میں تمہیں تین دن کی مہلت دے رہی ہوں......'' ماں نے کہا۔ ''تمہارے پتا جی ساجن سے تمہاری شادی ہر قیمت پر کرنا چاہتے ہیں۔''

میں ساری رات سونہ سکی۔ ساجن اور سجن کا موازنہ کرتی اور سوچتی رہی...... سجن میری آتما...... میرا سپنا اور میری ذات کا جزو بن چکا تھا۔ میں کیسے ساجن کو اپنے وجود کو ملکیت بنانے دے سکتی تھی۔

لیکن دوسرے دن مجھ پر کوئی بجلی سی آن گری...... سجن اور اداکارہ شوبھا نے لندن میں شادی کرلی تھی۔ وہ دونوں ہنی مون منانے سوئٹزر لینڈ چلے گئے تھے۔ یہ سب کچھ انتہائی خاموشی سے اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا۔ میڈیا کو کیا کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوئی...... تم جانتے ہو کہ فلمی دنیا میں کتنی گندگی ہے۔ غلاظت ہے۔ جو گرتا ہے نکلنے کے بجائے دھنستا ہی چلا جاتا ہے...... کس لئے صرف دولت کے لئے...... بہن، بھائی، شوہر اور ماں باپ...... ساس، سسر اور بہو...... ان سب سے کہا جاتا ہے کہ پیسہ کماؤ...... پیدا کرو...... یہ مت دیکھو...... کیسے اور کہاں سے آتا ہے...... صرف آنا چاہئے...... رشتوں کی پاکیزگی کچھ نہیں ہوتی۔ شوبھا نے مس ورلڈ ہونے کے بعد کالی راتوں سے خوب پیسہ کمایا تھا......

میرے اندر کی زخمی عورت تلملا اٹھی...... پھر میں نے سوچا کہ کیا کرنا چاہئے مجھے...... انتقام...... خوف ناک اور بھیانک انتقام...... اب ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ میں ساجن سے شادی کرلوں۔ پھر میں نے ساجن کا رشتہ منظور کرلیا۔

☆......☆......☆

میری شادی بڑی دھوم دھام اور روایتی انداز سے ہوئی تھی جس کو پریس میڈیا نے زبردست کوریج دیا تھا۔ کون سے اخبارات اور جرائد تھے جس میں ہماری شادی کی رنگین تصاویر نہیں چھپی تھیں اور کون سا چینل ایسا تھا جس نے شادی کی تقریب کی فلم نہ دکھائی ہو۔ میں ایک عام سی دلہن کے بناؤ سنگار میں تھی۔ ہماری شادی ایسی تھی جیسے ہندوستان کے راجا رانی کی...... ہماری شادی اور ساجن کے جذبۂ سخاوت کو خوب سراہا گیا تھا...... کیوں کہ اس روز شہر کے دو ہزار مساکین کو نہ صرف کھانا کھلایا گیا بلکہ کپڑے اور ملبوسات تقسیم کئے گئے۔ اس کے علاوہ پانچ سو ایسی لڑکیوں کا بیاہ کیا گیا جو جہیز نہ ہونے کے سبب گھر بیٹھی تھیں۔ انہیں اتنا جہیز دیا گیا تھا کہ کل سسرال والے انہیں کم جہیز نہ لانے کی پاداش میں نہ طعنہ دیں اور انہیں جلادیں اور ان کی زندگی اجیرن اور حرام کردیں۔

اس کے علاوہ اس شادی کی تقریب مین نہ صرف فلمی دنیا کی سرکردہ شخصیتیں بلکہ صنعت کار اور بزنس مین اور عام ملازمین اور صحافت کے لوگ بھی شامل تھے۔ اس یادگار شادی کے بارے میں ایک عام خیال تھا آج تک ممبئی شہر کیا بلکہ پورے ہندوستان میں ایسی شادی کسی کی بھی نہیں ہوئی...... کئی دنوں تک اس شادی کا چرچا رہا۔

ایک بات یہ بھی تھی کہ میں جس سادگی میں تھی اس نے میرے حسن وشباب کو ایسا نمایاں اور اجاگر کیا کہ اس میں چار چاند لگ گئے......

ہنی مون ہم نے اپنے ہی دیس میں منایا۔ پونا میں آبشار نال کے پاس اس کی ایک کوٹھی تھی۔ اس نے سہاگ کی پہلی رات مجھ سے کہا۔

''سروجا......! میں نے تم سے اس لئے شادی کہ کہ تم حسن و جمال کی دولت سے مالا مال ہو اور تم نے پہلی ہی ملاقات میں مجھ پر جیسے جادو کردیا تھا...... اور پھر میں نے یہ بات بھی محسوس کی کہ تم نہ صرف بہترین جیون ساتھی ثابت ہوگی بلکہ پرخلوص بھی...... تم میں ہرجائی پن نہیں ہوگا۔ تم باوفا ثابت ہوگی۔

میں تمہاری محبت اور رفاقت کا بھوکا ہوں...... مجھے کبھی عورت کے گداز بدن کی طلب اور ہوس نہیں رہی...... اگر ہوتی تو میں فلمی اداکارہ، ماڈل گرلز اور نوجوان حسین سے حسین لڑکیوں کو بستر کی زینت بنا سکتا تھا۔ اس لئے کہ میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں...... دولت میں اتنی کشش اور طاقت ہے کہ میں جس پتنی، بہن اور بیٹی کو خریدنا چاہتا تھا خرید سکتا

تھا...... لیکن میں نے ایسا نہیں کیا...... میں بے داغ رہا۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ اپنی ساری محبت میری جھولی میں ڈال دو...... تمہاری رفاقت اور جذبے کی ضرورت ہے...... تم ہر ماہ جیب خرچ کے لئے جتنی رقم کی ضرورت ہے مجھ سے لے سکتی ہو...... تمہارے اکاؤنٹ میں ہر ماہ پانچ لاکھ روپے جمع ہوتے رہیں گے...... تم اس کی مالک ہوگی...... میں تم سے حساب نہیں لوں گا نہ یہ پوچھوں گا کہ تم اپنی رقم کس طرح خرچ کرتی ہو۔ اس کے علاوہ مزید رقم چاہئے تو وہ بھی مل جایا کرے گی...... لیکن ایک بات یاد رکھو...... اگر میں نے تم میں ہرجائی پن کی بو بھی محسوس کی تو تمہیں دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینک دوں گا۔

میں نے کبھی سجن کے بارے میں بھولے سے بھی نہیں سوچا اور نہ ہی اس کا خیال آیا۔ آخر اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ لیکن اس کے خلاف میرے دل کے کسی کونے میں جو نفرت تھی وہ بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس لئے کہ اس نے مجھے فریب دیا تھا۔ میری محبت اور عزت کو پامال کیا تھا۔ اس طرح دو برس کا عرصہ بیت گیا میں اور ساجن اپنی اپنی دنیا میں گم رہے۔ میں واقعی ساجن سے سچی اور بے حد محبت کرنے لگی۔ ہم دونوں کتنے مگن، خوش اور سرشار تھے تم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے۔

دو برس کے بعد میں نے سنا کہ شوبھا اور سجن میں علیحدگی ہوگئی۔ اس بات سے حیرت تو نہ ہوئی البتہ خوشی ضرور ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس لئے سجن کی متعدد فلمیں بری طرح فلاپ ہوگئیں۔ اس جوڑی پر زوال آگیا تھا۔ پھر اس جوڑی کو فلم سازوں نے اپنی فلموں میں لینا بند کردیا۔ وہ ایک طوائف مرد تھا لیکن یہ دھندا بھی متاثر ہوگیا جس نے اس کا مستقبل تاریک کردیا تھا۔ اس کی جگہ نئے اور ابھرتے ہوئے نوجوان ہیروں نے لے لی تھی...... ادھر شوبھا کا سحر ماند پڑنے لگا تو اس نے ایک مارواڑی بڈھے سے شادی کرلی جو بزنس مین تھا اور وہ اس کی حصہ دار بن گئی تھی۔

پھر ایک روز میری اس سے اتفاقیہ ملاقات ہوگئی۔ میں ایک ریسٹورنٹ میں شام کے وقت اکیلی بیٹھی آئس کریم کھا رہی تھی کہ سجن ایک ایسی عورت کے ساتھ داخل ہوا جو عمر میں اس سے دس بارہ برس بڑی تھی۔ سجن نے مجھے نہیں دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے اندر نفرت کی لہر اٹھی اور تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہتی تھی لیکن چوں کہ وہ بیرونی دروازے کے پاس جو میز تھی اس پر بیٹھا تھا اور مجھ پر اس کی نگاہ

پڑسکتی تھی۔ میں اس سے سامنا کرنا اور اس کی شکل دیکھنا نہیں بلکہ اس کے منہ پر تھوکنا چاہتی تھی۔ وہ پوری طرح اس عورت کی طرف متوجہ تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں پیوست کئے باتیں کئے جارہے تھے۔ ان کے درمیان کس قسم کی گفتگو ہورہی تھی چہرے کے تاثرات اور آنکھوں کے والہانہ پن، وارفتگی اور خودسپردگی سے ہورہی تھی۔ اس ریسٹورنٹ کے ہال میں لڑکیاں لڑکے...... مرد اور عورتیں بھی تھیں۔ ان لوگوں نے اسے دیکھا تھا لیکن ان میں سے اسے کسی نے لفٹ نہیں دی تھی اور یکسر نظرانداز کردیا تھا...... جب اس کا عروج تھا وہ کسی تقریب اور ریسٹورنٹ میں گھستا تو مرد اور عورتیں کیا لڑکے اور لڑکیاں اس پر پروانہ بن کر نثار ہوتی تھیں۔ میں نے اس کا عروج دیکھا اور آج اب زوال دیکھ رہی تھی۔ ایک ستارہ تھا جو ڈوب گیا تھا۔ لوگ بھی چڑھتے سورج کی ہی تو پوجا کرتے ہیں۔

دوران گفتگو اس عورت نے اپنے پرس سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو اس نے لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ عورت اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے مال دار معلوم ہوئی تھی۔ اس کی تین انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں جگ مگارہی تھیں۔ اس عورت نے ناشتے کا بل ادا کیا تھا۔ اٹھتے وقت معاً اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ بڑے زور سے چونکا۔ اس نے ان میزوں کی طرف جن پر مرد بیٹھے تھے اشارہ کرتے ہوئے شاید اس عورت سے کہا تھا کہ وہ اپنے دوستوں سے ملنا چاہتا ہے۔ عورت نے اس سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر وہ اسے رخصت کرنے باہر گیا۔ دوسرے لمحے میں واپس آ گیا۔ پھر میری میز پر آ گیا۔

اسے دیکھ کر میری سوئی ہوئی پہلی محبت ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی...... نفرت اور غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''او سروجا......!'' وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ ''تم کیسی ہو......؟ آسمان پر چاند ہر ماہ نظر آ جاتا ہے...... ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی یہ چاند دو برس کے بعد نظر آیا ہے۔''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے رسمی انداز میں کہا۔ ''یہ محض اتفاق ہے۔ آدمی قریب رہ کر بھی دور ہو جاتا ہے۔''

اس نے مجھے اوپر سے نیچے دیکھا۔ پھر بولا۔ ''ان دو برسوں میں تم پہلے سے کہیں

حسین، پرشباب، گداز بدن کی اور سولہ برس کی دوشیزہ ہوگئی ہو...... عمر بڑھنے کے بجائے کم ہوگئی ہے...... تم بڑی خوش قسمت ہو۔ تم نے ایک کھرب پتی سے شادی کرکے گھر بسالیا۔''

''یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''تم نے محبت مجھ سے کی اور شادی کسی اور سے کرلی...... آخر مجھے تو اپنا گھر بسانا تھا...... جیون گزارنے کے لئے کسی نہ کسی کا ہاتھ تھامنا تھا سو میں نے ساجن کا ہاتھ تھام لیا...... اس نے مجھے جو محبت اور آسودگی دی تم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ میں اس سے بے پناہ محبت کرتی ہوں اور وہ مجھ سے...... میں نے اسے اتنی محبت دی ہے کہ اپنی زندگی میں کسی کو نہیں دی...... وہ میری محبت کی بڑی قدر کرتا ہے۔''

افسردگی سے کہنے لگا۔ ''میں ناکامی اور مالی مشکلات کے دلدل میں گرفتار ہوگیا ہوں۔ جتنا نکلنے کی کوشش کرتا ہوں اتنا ہی دھنستا چلا جارہا ہوں۔ اب بہت برے دن آ گئے ہیں۔ مالی حالت بڑی ابتر ہے۔ تنگ دستی اور قرضوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ پہلے فلم ساز اپنی فلموں میں لینے کے لئے گھنٹوں میری دہلیز پر کتوں کی طرح دم ہلاتے رہتے تھے۔ اب وہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے ہیں۔ اب جب میں ان کی منتیں اور سماجتیں کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ ایک وقت ہم بھی تمہاری منتیں سماجتیں کرتے تھے تم گھاس بھی نہیں ڈالتے تھے...... لہٰذا اب تم ہم سے کوئی امید نہ رکھو...... اور پھر تمہاری مانگ اور مقبولیت صفر کے برابر بھی نہیں رہی۔ تم سے کہیں اچھے نئے ہیرو آ گئے ہیں جن کا طوطی بول رہا ہے...... بہتر ہے کہ اب تم محنت مزدوری کرکے زندگی گزارو۔''

جب وہ اپنا رونا رو چکا تو میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہاری شوبھا سے علیحدگی کیوں ہوگئی؟''

''ہم دونوں میں ایک معاہدہ شادی سے قبل ہوا تھا کہ ہم دونوں شادی کے بعد ایک دوسرے کی ذاتی زندگی اور معاملات میں نہیں جھانکیں گے۔ نہ ہی آمدنی سے سروکار رکھیں گے۔'' وہ بتانے لگا۔ ''جانتی ہو ہندوستانی اداکارائیں دبئی، کناڈا اور دوسرے غیرممالک میں کیوں جاتی ہیں۔ وہاں ان کی بڑی مانگ ہوتی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتی ہیں۔ ہیروؤں سے ان سرمایہ داروں کی بیویاں...... ہم میں اس لئے نبھ نہ سکی کہ وہ بیک وقت اداکارہ اور کال گرل تھی۔ بیوی نہیں تھی...... میں نے جو پونجی بچا کر رکھی تھی اسے بڑی

احتیاط اور کفایت شعاری اور قناعت سے خرچ کر رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا تھا یہ کب تک ساتھ دے گی...... کاش! میں نے شوبھا سے شادی کی بھول نہ کی ہوتی اور ہم دونوں نے گھر بسا لیا ہوتا۔''

''بھگوان جو کرتا ہے وہ اچھا ہی کرتا ہے...... اس نے بڑے دیا کی جو میں غلاظت کے دلدل میں گرنے سے بچ گئی۔''

''سنو سروجا......!'' اس نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''پران باتوں کو بھول کر کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنی محبت کی تجدید کرتے رہیں...... میں آج تک تمہاری محبت نہیں بھولا ہوں نہ کبھی بھول سکتا ہوں...... شوبھا نے مجھے بڑے سبز باغ دکھائے کہ میں اس کے فریب کے جال میں پھنس گیا۔ سارا قصور میرا اپنا ہے۔ مجھے کتنا دکھ، افسوس اور شرمندگی ہے میں بتا نہیں سکتا...... میری جان...... میری سروجا......! میری محبت میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے چرنوں میں گر جاؤں۔''

''سنو سجن......!'' میں نے سپاٹ لہجے میں غیر جذباتی انداز سے کہا۔ ''میری وہ پہلی محبت جس پر میں نے اپنا تن من سب کچھ نچھاور کر دیا یہ جانتے ہوئے بھی تم ایک بھونرا ہو...... مجھے اپنے حسن پر بڑا ناز تھا...... زعم اور گھمنڈ تھا...... غرور اور مان تھا کہ میری محبت میں ڈوب کر کسی اور پر ٹوٹ نہیں پڑو گے...... یہ میری بھول تھی...... تم نے شوبھا سے شادی کر لی جس کا مجھے بڑا صدمہ اور دکھ ہوا...... حالاں کہ ساجن کا رشتہ آیا تو میں نے ٹھکرا دیا۔ جب میں نے تمہاری شوبھا سے شادی کی خبر سنی تو میں نے انتقاماً ساجن سے شادی کر لی...... ساجن نے مجھے جو محبت کی دولت دی تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے...... اب میں نہ صرف ساجن کی پتنی بلکہ محبوبہ بھی ہوں۔ اس کی عزت میں...... لہٰذا اب تم مجھے اور میری محبت کو بھول جاؤ اور آئندہ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا...... مجھے تمہاری صورت تک دیکھنا گوارا نہیں۔''

''میری جان......! یہ فلمی مکالمے رہنے دو......'' وہ بڑی بے غیرتی سے بولا۔ ''تم کتنے دنوں تک میرے سنگ رہی ہو...... ایک پتنی کی طرح...... کیا تم نے کہا نہیں تھا کہ میں تمہاری سدا کے لئے پتنی بن چکی ہوں۔''

''اب تم پرانے دنوں اور باتوں کو بھول جاؤ...... اب ماضی حال نہیں بن سکتا۔'' میں نے زہر خند کہا۔

''تم چاہو تو کیا کچھ نہیں ہوسکتا......؟'' وہ ہنس کر بولا۔ ''تمہارا پتی بے حد مصروف ترین آدمی ہے۔ لہٰذا اس کی آنکھوں میں دھول جھونکنا کچھ مشکل نہیں ہے اور پھر وہ ان دنوں شہر میں نہیں ہے۔ وہ سات دنوں کے لئے ملک سے باہر ہے۔ ہم اس غیر حاضری میں محبت کی تجدید کر سکتے ہیں۔''

''یہ تمہیں کس نے بتایا کہ میرے پتی سات دنوں کے لئے ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں...... اس لئے کہ یہ ان کا خفیہ کاروبار ہے۔'' میں نے چونک کر کہا۔ ''دفتر والوں کو بھی اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا وہ بیرون ملک کے دورے پر ہیں۔''

اس نے میری اس بات کا جواب نہیں دیا۔ سجن کہنے لگا۔ ''میں چار دنوں سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔ خوار ہو رہا ہوں۔ میرے جوتے گھس گئے ہیں۔ آج اتفاق سے تم مل گئیں تو لگا کہ مجھے میرا اپنا مل گیا ہے...... تم اتنی بے رحم، ظالم اور سنگ دل نہ بنو۔ کیا سنہرا موقع ملا ہے ملن کا...... وہ فلیٹ جو میرے دوست کا ہے اب بھی میرے پاس ہے جہاں ہم نے یادگار اور نا قابل فراموش گھڑیاں گزاریں...... کیا سنہرا موقع ملا ہے ملن کا......''

''سجن......'' میں پھنکاری...... ''بہتر ہے تم میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ...... ایسا نہ ہو کہ میرا ہاتھ اٹھ جائے اور تم تماشا بن جاؤ...... تم میرے سینڈل دیکھ رہے ہو کتنے مضبوط ہیں۔''

''ویری گڈ سویٹ ہارٹ......'' وہ ہنسا۔ ''میں نے اپنی زندگی میں کبھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں...... میری زندگی اور اس فلیٹ میں جتنی بھی لڑکیاں اور عورتیں آئیں وہ آج بھی پنچھی بنی ہوئی ہیں...... جن کی بدولت میں ایک حسین اور رنگین زندگی گزار رہا ہوں...... وہ پنجرہ ایسا مضبوط ہے کہ توڑ نہیں سکتیں...... میری کئی فلمیں فلاپ ہوگئیں لیکن میں نے جو فلم بنائی وہ کبھی فلاپ ہوئی اور نہ ہوگی...... نہ ہو سکتی ہے...... روز اول کی طرح باکس آفس پر ہٹ جا رہی ہے...... یا یوں سمجھ لو کہ مجھے ایک طرح سے پنشن مل رہی ہے...... ویسے ان سب میں ہر لحاظ سے تم تگڑا شکار ہو...... موٹی مرغی...... سونے کا انڈا دینے والی......'' وہ پھر کمینے پن سے ہنسا۔ پھر اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ خیر اب تم ایسا کرو کہ یہ لفافہ لے جا کر گھر میں آرام سے دیکھنا...... اس میں تمہارے وہ جذباتی اور رومانی تین خط جو تم نے میرے نام پر لکھے تھے ان کے فوٹو اسٹیٹ ہیں...... ملن کی راتوں میں

ہونے والی گفتگو جنہیں تم نے سہاگ رات کا نام دیا......اس کا ٹیپ......اور پھر جشن کی عکس بندی......اس کی سی ڈیز بھی ہے...... میں نے تمہارے لئے کوٹہ مقرر کیا ہے...... ہر سات دن میں دو دن......اور ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو ماہانہ پانچ لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کرو گی...... اگر تم نے ادائیگی میں تاخیر کی تو جرمانہ بھرنا پڑے گا......"

میرے جی میں آیا کہ پیر سے جوتی نکال کر اس کے چہرے کا جغرافیہ بگاڑ دوں...... پھر خیال آیا کہ بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔ ایک اسکینڈل بن جائے گا۔ اس لئے کہ میں نہ صرف ایک حسین و جمیل عورت ہوں بلکہ ایک بہت بڑی شخصیت کی پتنی ہوں۔ رسوائی اور بدنامی ہوگی۔ میں نے بڑا ضبط و تحمل کیا۔ پھر اس سے پوچھا۔

"کیا یہ ساری غلاظت تمہارے پاس ہے......؟"

"نہیں......" اس نے سر ہلایا۔ "میرے پاس صرف ٹیپ اور ویڈیو فلم ہے۔ تمہارے تینوں خط ونود شرما کے پاس ہیں۔"

"کیا میں وہ خط خریدنا چاہوں تو تم اس کے لئے تیار ہو......؟"

"ان میں سے کوئی ایک چیز بھی قابل فروخت نہیں ہے؟" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ "تمہیں خط کے لئے ونود شرما سے رابطہ کرنا ہوگا...... وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا ہے......"

میں بری طرح ان دونوں شیطانوں کے چنگل میں پھنس چکی تھی۔ میرا سر گھوم گیا۔ مجھے ان دونوں کو خوش کرنا ہوگا......او بھگوان...... میں نے سر تھام لیا۔ مجھے اپنے کئے کی کیسی سزا مل رہی تھی۔

وہ مجھے خاموش اور بے بس پا کر مسکرایا۔ پھر اس کمینے نے بڑی بے غیرتی سے کہا۔

"آج یکم تاریخ ہے۔ میں تمہیں سات دنوں کی مہلت دے رہا ہوں۔ تم سات تاریخ کی شام ونود شرما کے فلیٹ پر آؤ گی اور ساتھ میں پانچ لاکھ کی رقم بھی لیتی آؤ گی...... پھر صبح جاؤ گی...... پھر دوسرے دن آٹھ تاریخ ہے...... دوپہر کے وقت ونود شرما تمہارے اور ایک لاکھ روپے کے انتظار میں ہوگا۔ تم وہاں سے سات بجے شام نکلو گی اور اس کی ہر بات مانو گی...... تم ونود شرما سے واقف ہو...... اس سے دو ایک مرتبہ مل بھی چکی ہو......"

اتنا کہہ کر اٹھا اور مجھے ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہیں دیا۔ جاتے جاتے بولا۔

"دو برسوں کے بعد نہ صرف سپنا پورا ہو گیا اور دل کے ارمان سارے نکلیں گے۔"

اگر میں ساجن کی پتنی نہ ہوتی تو میں اپنے دل کے سارے ارمان پورے کر لیتی...... ایک خون خوار بلی کی طرح اس پر جھپٹ پڑتی نہ صرف اس کا چہرہ نوچ لیتی بلکہ آنکھیں بھی پھوڑ کر اسے بینائی سے محروم کر دیتی۔

میں گھر آئی۔ بیڈروم کا دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ میں نے ملازمہ سے کہہ دیا کہ چوکیدار سے کہو کہ گاڑی گیراج میں بند کر دے۔ کوئی بھی آئے تو اس سے کہہ دے کہ بیگم صاحبہ پونا گئی ہوئی ہیں۔ دو دن بعد آئیں گی۔ کوئی بھی ٹیلی فون آئے تو اس سے یہی کہہ دینا...... میں نے اپنا فون بند کر دیا اور موبائل بھی...... میں نے ملازمہ سے کہہ دیا کہ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔

میں نے لفافے میں سے تمام چیزیں نکالیں۔ سب سے پہلے میں نے تین خط پڑھے تو سر پیٹ لیا...... ہائے رام......! یہ خط میں نے لکھے ہیں...... میں نے اپنا سر پیٹ لیا...... کیا ایک شریف لڑکی ایسے بے ہودہ، فحش اور لغو خط بھی لکھ سکتی ہے......؟ کوئی یقین نہیں کرے گا...... یہ مجھے کیا ہو گیا تھا......؟ میں نے اپنے آپ کو جھٹلانا چاہا...... نہیں...... نہیں...... ہرگز نہیں...... یہ خط میں نے نہیں لکھے......؟ یہ کسی اور کی کارستانی ہے...... لیکن اس کا ایک ایک لفظ اس بات کی گواہی دے رہا تھا یہ میری لکھائی ہے...... میں اپنا خط پڑھ کر شرم، ندامت اور خجالت سے پسینہ پسینہ ہو گئی تھی۔ پھر میں نے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیا۔ اس لئے میرا حلق خشک ہو گیا۔ میرا صرف ایک خط ہی کافی تھا جو میری زندگی تباہ و برباد کر سکتا تھا۔ دوسرے دو خط پہلے کے مقابلے میں انتہائی شرمناک تھے۔ ایسا خط تو صرف ایک طوائف ہی شاید لکھ سکتی ہو۔

پھر میں نے ٹیپ ریکارڈ میں کیسٹ لگا کر سنا...... میری گفتگو ان خطوں سے کہیں بڑھ کر تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی داشتہ کی گفتگو ہو...... میں زیادہ سن نہ سکی۔ ٹیپ ریکارڈ بند کر دیا۔

پھر میں نے سہاگ راتوں کی ویڈیو دیکھی...... بھونچکی ہو گئی...... اس انداز سے عکس بندی کی گئی تھی کہ سجن کا چہرہ دکھائی نہ دیتا تھا...... میری حرکات و سکنات اور ایک حیوان میں فرق نہ تھا...... میں خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتی...... اس فلیٹ میں خفیہ کیمروں کا

جال بچھایا ہوا تھا۔ مجھے ممنوعہ لیکچر اور شرمناک فلمیں یاد آ گئیں۔ میرا سر گھومنے لگا تو اندھیرا سا چھا گیا۔ پھر میں بے ہوش ہوگئی۔

جب مجھے ہوش آیا تو رات کے دو بج رہے تھے۔ میں خاصی دیر تک تکیے میں منہ دیے روتی رہی۔ جب آنسو تھمے تو دل بھی تھما...... مجھے کافی کی طلب محسوس ہو رہی تھی کچن میں آئی اور کافی بنائی۔ بیڈروم میں آ کر کافی پیتے ہوئے سوچنے لگی کیا کروں......؟ کیا خودکشی کرلوں......؟ مرنا جتنا آسان تھا اتنا ہی مشکل بھی...... پھر میرے اندر کی عورت غضب ناک ہو اٹھی...... میری عورت نے چیخ کر کہا...... انتقام...... انتقام...... انتقام...... اس سے انتقام لیا جاسکتا ہے...... اس کی ایک صورت تھی کہ خط، تصویریں اور فلم خرید لوں...... جب وہ میرے ہاتھ لگ جائیں تو کسی اجرتی قاتل کی خدمات حاصل کر کے ونود شرما اور سجن کو موت کی نیند سلا دوں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری......

پھر میں نے دوسرے دن ان پرائیویٹ سراغ رسانوں سے بہروپ بدل کر اور ایک سہیلی کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلائی۔ انہوں نے ماجرا سن کر کہا کہ تصویریں، فلم اور خطوں کا حصول اتنا آسان نہیں ہے...... پہلے تو ان کی نقلیں دکھائیں...... پھر منہ مانگی فیس دینی پڑے گی۔ پھر میں نے سوچا کہ اب کیا کروں...... پھر تمہارا خیال آیا۔ تمہارے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اس لئے آئی ہوں کہ ان سے نجات دلاؤ...... مجھے ہر قیمت پر ان دونوں بلیک میلروں سے نجات پانا ہے...... مجھے نہ صرف ایک کروڑ کی رقم...... اگر مجھے تمہاری ہر خواہش بھی پوری کرنی پڑی اور تمہیں خوش بھی کرنا پڑا تو انکار نہ کروں گی...... اس لئے کہ اس وقت میرے اعصاب پر انتقام کا جنون شامل ہے...... میں اس کے لئے بہت دور بھی جاسکتی ہوں۔ میں ذہنی طور پر ہر بات کے لئے تیار ہو کر آئی ہوں...... مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کرنے والی ہوں۔"

پھر میں نے پرس سے ایک لفافہ نکال کر ٹائیگر کے سامنے ڈال دیا۔ پھر بولی۔

"اس میں میرے تینوں خط، کیسٹ اور فلم بھی ہے۔ تم اطمینان سے گھر جا کر دیکھ لینا...... صرف پانچ دن کی مہلت رہ گئی ہے......" پھر میں نے اپنے پرس سے ایک بلینک چیک نکال کر سامنے رکھ دیا۔

ٹائیگر نے اس لفافے اور چیک کو ہاتھ نہیں لگایا۔ پھر وہ حیرت سے بولا۔

"تم ایک طرف تو میری بھابھی ہو اور دوسری طرف ایک ایسی عورت جو اپنے کئے کا خمیازہ بھگت رہی ہو...... کیا تم مجھے اس قدر گھٹیا، نیچ اور قبیح سمجھتی ہو کہ...... میں تمہیں اس حالت میں دیکھوں جو ایک شوہر دیکھتا ہے...... مجھے خط پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ گفتگو سننا پسند کرتا ہوں۔ مجھے تمہاری کہانی سن کر اندازہ ہوگیا ہے کہ تم کس غلاظت کے دلدل میں گری ہوئی ہو۔"

"تو تم کیا میرا کیس نہیں لو گے......؟" سروجا پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔ "تم نے میرا کیس نہیں لیا تو میں نیچے جا کر کسی گاڑی کے نیچے آ جاؤں گی...... میں بڑی بڑی امیدیں لے کر آئی تھی۔"

"میں نے کب کیس لینے سے انکار کیا...... تمہارا کیس ضرور لوں گا۔ بھابھی سمجھ کر نہیں...... ستم زدہ سمجھ کر...... تم سے فیس لوں گا......"

ٹائیگر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تو چند لمحوں کے بعد سروجا نے پوچھا۔ "تم کیا سوچنے لگے ہو؟"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دو برس بعد باسی کڑاہی میں ابال کیوں آیا......؟" ٹائیگر کہنے لگا۔ "اس نے ان دو برسوں میں تم سے ہر طرح کا فائدہ کیوں نہیں اٹھایا......؟"

"اس لئے کہ دو برس قبل اس کا طوطی بول رہا تھا...... بات یہ تھی کہ ان کے اور شوبھا کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا وہ یہ تھا دونوں ایک دوسرے کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیں گے...... ان دونوں نے اپنی اپنی شہرت، جوانی اور کشش سے خوب فائدہ اٹھایا۔ وہ دونوں اپنی اپنی گندگی چھپا رہے تھے...... شوبھا کی کالی راتوں سے اس کی دولت میں اضافہ ہو رہا تھا اور سجن کی زندگی میں امیر کبیر گھرانوں کی لڑکیاں اور عورتیں آ رہی تھیں۔ صرف چھ ماہ میں اس کی چار فلمیں ایسی فلاپ ہوئیں کہ اس نے ان کا حال مستقبل تاریک کر دیا۔ چوں کہ کوئی بھی فلم ساز انہیں فلموں میں نہیں لے رہا تھا اس سے علیحدگی ہوگئی۔ سجن نے شادی سے قبل جو لڑکیوں عورتوں کو بلیک میل کرنے کے لئے غلاظت سے بھری فلمیں بنا رکھی تھیں وہ ان سے فائدہ اٹھانے لگا اور اٹھا رکھا ہے۔ اس روز ریسٹورنٹ میں جو عورت سجن کے ساتھ آئی تھی میں اسے پہچانتی ہوں وہ بڑی رنگین مزاج عورت ہے۔ اس شہر کے سب سے بڑے سٹہ باز کی بیوی ہے جس کا نام سچل پرکاش ہے۔ وہ کرکٹ کھلاڑیوں کو پھانستی ہے۔

میچز فکس کراتی ہے۔کون سا ایسا ہیرو ہے اور کھلاڑی ہے جن سے اس کی دوستی اور تعلقات نہیں ہیں۔ دیکھنے میں اٹھائیس برس کی لگتی ہے لیکن اس کی کاٹھی ایسی ہے کہ عمر کا پتا نہیں چلتا۔اس کی عمر پچپن برس سے زیادہ ہے۔اس میں بے پناہ جسمانی کشش ہے جو مردوں کو متاثر کرتی ہے۔معلوم نہیں کیا حالات تھے کہ سجن کا شکار ہوگئی۔وہ آج اب بھی اس کے اشاروں پر ناچتی ہے۔"

"دال میں کچھ کالا ہے......" ٹائیگر نے کہا۔"میں جو کہہ رہا ہوں وہ قدرے توجہ اور دھیان سے سنو...... میں نے ایک منصوبہ بنایا ہے جس سے سانپ بھی مرجائے گا اور لاٹھی بھی ٹوٹ جائے گی......ونود شرما اور سجن دونوں موذی سانپ ہیں۔ان کا سر کچل دینا اشد ضروری ہے۔اب تم جاؤ......ہاں...... یہ لفافہ میں اسے ابھی اور اسی وقت نذر آتش کردینا چاہوں گا۔"

☆......☆......☆

سروجا نے ونود دھنہ کو فون کرکے کہہ دیا کہ وہ ٹھیک پانچ بجے ایک لاکھ کی رقم لے کر اس کے فلیٹ پر پہنچ رہی ہے۔صرف آٹھ بجے تک رہے۔اس سے زیادہ پانچ منٹ بھی نہیں......لیکن اس کی ایک شرط ہے کہ وہ صرف ایک نظر تینوں خط دیکھے گی۔

ٹھیک پانچ بجے سروجا نے اس کے گھر پر دستک دی۔ونود شرما چار بجے سے اس کے انتظار میں مرا جا رہا تھا۔کھڑکی میں کھڑا مین گیٹ اور پارکنگ لاٹ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔پانچ بجنے میں پانچ منٹ پہلے سروجا کی مرسڈیز اس اپارٹمنٹ کے احاطے میں داخل ہوئی۔جب وہ گاڑی سے اتری اور لفٹ کی طرف بڑھی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔وہ شعلہ مجسم بنی ہوئی تھی۔اس نے ایک منصوبہ بنایا ہوا تھا وہ سروجا کو مشروب میں بے ہوشی کی دوا پلا کر اس کی ایسی تصویریں بنالے گا جو سجن کے پاس ہیں تاکہ سروجا سے خوب دولت بٹور سکے۔اس کے دو تین شکار تھے لیکن ان میں سروجا جیسا تگڑا شکار نہ تھا۔

اس نے پہلی ہی دستک پر دروازہ کھول دیا۔سروجا نے ایک دل کش مسکراہٹ سے اسے نمسکار کہا جس کی ونود شرما کو توقع نہ تھی پھر وہ اسے نشست گاہ میں لے آیا اور اس سے کہا کہ بیڈ روم میں چلتے ہیں۔سروجا بولی "ایسی بھی کیا جلدی ہے۔میں یہاں تین منٹ کے لئے نہیں پورے تین گھنٹے کے لئے آئی ہوں۔مجھے سخت پیاس لگ رہی ہے۔کوئی ٹھنڈا

مشروب لے آؤ۔"

ونود شرما فوراً کچن کی طرف لپک گیا۔اسے مشروب بنا کر لانے میں چھ سات منٹ لگ گئے۔جب وہ مشروب لے آیا تو سروجا نے پرس کھول کر اسے ایک لاکھ کے نوٹوں کی گڈی دکھائی پھر پرس بند کرکے بولی۔"میرے وہ خط کہاں ہیں جن کے فوٹو اسٹیٹ تم نے سجن کے ذریعے بھیجے تھے...... جو سجن نے تمہیں اس لئے دیا کہ اس سے تم ایک تیر سے دو شکار کرو۔"

"کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں......" ونود شرما نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بات بھروسا کی نہیں......" سروجا نے تکرار کے انداز میں کہا۔بات دراصل یہ ہے کہ دو برس قبل یہ خط سجن کے پاس تھے اب تمہارے پاس کیسے آگئے......؟ سجن نے تمہیں کیوں اور کس لئے دے دیئے...... میں انہیں صرف ایک بار دیکھ کر اپنی تسلی کرنا چاہتی ہوں۔اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں۔"

"سجن نے پانچ لاکھ روپے کے عوض میرے ہاتھ فروخت کئے ہیں۔" وہ بولا۔"میں پہلی بار آج ان سے فائدہ اٹھاؤں گا۔"

"تم ایسا کرو مجھ سے دس لاکھ روپے لے لو اور یہ تینوں خط مجھے دے دو......" سروجا نے کاروباری لہجے میں کہا۔

"میں ابھی بیس لاکھ روپے میں بھی بیچنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" وہ ہنس کر بولا اور بھوکی ندیدی نظروں سے سروجا کو دیکھنے لگا۔

"وہ کیوں......؟" سروجا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس لئے کہ ان سے اب تک میں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا......"

"ٹھیک ہے......" سروجا نے سر ہلایا۔"مجھے وہ خط لاکر دکھا دو۔"

ونود شرما اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔اس کے جاتے ہی نشست گاہ سے جو ملحق واش روم تھا اس نے سارا جوس واش روم بیسن میں الٹ دیا اور گلاس لے کر واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔تھوڑی دیر بعد ونود شرما آیا تو اس کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے ہاتھ میں تین خط کو ٹنگ کئے ہوئے تھے اور چہرے پر درندگی تھی۔

اس نے خط تپائی پر رکھتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔"میں تمہیں دس منٹ دے رہا

ہوں۔تم اپنے خط دیکھ لو۔تسلی کرلو۔چالاکی،ہوشیاری اور تیزی مت دکھانا......تم اسے پھاڑنا چاہو بھی تو پھاڑ نہیں سکو گی......''

سروجا نے یکے بعد دیگرے ایک ایک کرکے تینوں خط دیکھے۔پھر ایک سرد آہ بھر کے خط اسے واپس کردیئے۔

''تم نے اچھی طرح سے اپنی تسلی کرلی......؟'' ونود شرما نے غرا کر کہا۔

''ہاں......'' سروجا نے افسردگی سے کہا۔

''ایک لاکھ کی رقم نکال کردے دو......اور بیڈروم کی طرف چلو......'' وہ بولا۔

سروجا نے ایک لاکھ کی گڈی نکال کر تپائی پر رکھ دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔اس کا حکم ماننے کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

ونود شرما نے رقم اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے ایک کرخت مردانہ آواز سنی۔

''نہیں دوست......نہیں......رقم کو ہاتھ نہ لگانا......اور نہ ہی یہ خط تمہاری ملکیت ہیں......؟''

ان دونوں نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔دہلیز پر ایک سیاہ نقاب پوش کھڑا تھا جس نے سیاہ دستانے پہن رکھے تھے اور اس کے ہاتھ میں ایک خوفناک قسم کا ریوالور تھا جس کی نال پر سائی لینسر نصب تھا۔

اس سے پہلے کہ ونود شرما اس کا نشانہ لیتا اس سیاہ نقاب پوش نے اس کے ریوالور والے ہاتھ کا نشانہ لیا۔اس کے ہاتھ سے نہ صرف ریوالور بلکہ دوسرے ہاتھ سے خط بھی فرش پر گر پڑے۔اس نے کراہ کر اپنا ہاتھ پکڑ لیا اور زخم سے خون ابل پڑا۔نقاب پوش نے سروجا سے کہا۔

''دیوی جی......!آپ خط اور ریوالور اٹھا کر میرے حوالے کردیں......ایک لاکھ کی گڈی جو اس شیطان کو دینے والی تھیں......وہ بھی میرے حوالے کردیں۔''

جب سروجا نے اس کے حکم کی تعمیل کی تو خط،رقم اور ریوالور جیبوں میں رکھ کر بولا۔

''اب میں آپ کو بلیک میل کروں گا......میرے فون کا انتظار کریں......میں جانتا ہوں۔آپ کون ہیں......اور ہاں شور مچانے اور چوکیدار کو انٹرکوم پر بتانے کی حماقت نہ کریں۔میں نے اس کی اور فون کی تاریں بھی کاٹ دی ہیں۔''

وہ نقاب پوش نکل گیا۔ونود شرما کا درد سے برا حال ہو رہا تھا۔اس نے انٹرکوم کا ریسیور اٹھایا۔واقعی وہ مردہ پڑا ہوا تھا۔پھر سروجا نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔''یہ کون تھا......؟ اندر کیسے آ گیا......؟''

''میں دو بجے لنچ لینے گیا ہوا تھا......میں نے شاید دروازے کو ٹھیک سے بند نہیں کیا ہوا تھا......وہ اندر گھس کر کسی اور چکر میں آیا تھا......میں نے لنچ لانے کے بعد سجن سے فون پر بات کرکے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔شاید اس نے گفتگو سن لی......یہ تو بہت برا ہوا......''

''تمہارے لئے اتنا برا نہیں جتنا میرے ساتھ برا ہوگا......'' سروجا نے سرد سانس لے کر کہا۔''پتا نہیں......وہ کون تھا......بھگوان جانے میرے ساتھ کیا ہوگا......آسمان سے گری کھجور میں اٹکی......میں کہیں کی نہیں رہی......''

''میرا خیال ہے کہ یہ سجن کا کوئی دوست ہوگا......؟یا جو بھی تھا'' ونود شرما نے غصے اور نفرت سے کہا۔''میرا شکار چھین کرلے گیا۔جب آپ اس کے پاس جائیں گی تب مجھے بتا دینا......میں اس سے خط حاصل کرلوں گا اسے مزا بھی چکھا دوں گا۔''

''کیا تم مجھے بے وقوف اور احمق سمجھتے ہو......؟'' سروجا بگڑ کر بولی۔''شاید وہ دو ایک لاکھ میں میرے خط مجھے واپس دے دے اور میری عزت بھی بچی رہے اور میں کھلونا بننے سے بچ بھی جاؤں۔''

''یہ تمہارا اپنا خیال ہے......اس نے ہماری گفتگو سن لی۔تمہیں اتنی آسانی سے بخشے گا نہیں......اس لئے کہ تم نہ صرف بلا کی حسین بلکہ ایک ارب پتی کی بیوی ہو......میں گھاٹے میں رہا۔تم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا اور دولت سے بھی محروم ہوگیا......''

''میں جارہی ہوں......میں کتنی بدنصیب ہوں۔اب میری بدنصیبی کے دن شروع ہوگئے۔'' سروجا بولی۔

''میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔بھاگتے بھوت کی لنگوٹی سہی......دل کے ارمان تو پورے کرلوں۔'' وہ خشونت سے بولا۔

اسی لمحے بڑے زور کی آہٹ سی ہوئی۔باہر کا دروازہ ایک شور کے ساتھ کھلا اور بند ہوا۔دوسرے لمحے ایک اٹھارہ برس کی لڑکی سامنے کھڑی تھی۔وہ سسکتی ہوئی بولی۔''تم میری

تصویریں دے دو...... اب تک میں تمہیں بیس ہزار روپے دے چکی ہوں۔ اب بیس روپے بھی نہیں دے سکتی...... ایک ہفتہ بعد میرا بیاہ ہونے والا ہے......"

وہ لڑکی نہایت حسین تھی۔ اس کی نظریں ابھی تک سروجا پر نہیں پڑی تھیں۔ وہ سروجا کو دیکھ کر چونک پڑی۔ پھر حیرت سے بولی۔ "کیا ونود شرما آپ کو بھی بلیک میل کر رہا ہے...... آپ کی عزت کو داغ دار کرتا آیا ہے۔"

"یہ بلیک میل کر رہا تھا...... لیکن داغ دار کرنے کی نوبت نہ آ سکی۔ قسمت اور ایک واقعہ نے بچا تو لیا...... میں جا رہی تھی کہ اس نے مجھے دھمکی دی کہ میں جا نہیں سکتی...... اتفاق سے تم آ گئیں۔" سروجا بولی۔

"ایک منٹ......" ونود شرما بولا۔ "شکنتلا میں تمہاری تصویریں لا کر دے رہا ہوں...... تم دونوں ساتھ چلی جانا...... جانے کیوں مجھے تم دونوں پر رحم آ رہا ہے...... میں اب اپنے سارے پاپ دھو دینا چاہتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر ونود شرما کمرے سے تیزی سے نکلا اور سامنے والے بیڈ روم میں گیا۔ بیڈ روم کا دروازہ بند کرنا بھول گیا یا عجلت کے باعث اسے خیال ہی نہیں رہا...... دیوار پر ایک عورت کی پورٹریٹ آویزاں تھی۔ اسے اتارا تو دیوار میں ایک تجوری نصب تھی۔ پھر اس نے تجوری کھول کر ہاتھ ڈالا۔ ہاتھ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک خنجر چمک رہا تھا۔ پھر وہ لپک کر آیا۔ دہلیز پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں خوف ناک خنجر دیکھ کر اوسان خطا ہو گئے۔

"شکنتلا......! تم اس واش روم میں جاؤ...... اس وقت تک بند رہو گی جب تک اس سے سارے ارمان پورے نہ کر لوں...... یہ مجھے خوش کئے اور مہربان ہوئے بنا جا رہی تھی...... چلو...... واش روم میں چلو...... میں تم سے بعد میں نمٹوں گا...... ہاں شور مچانے کی حماقت نہ کرنا......"

ونود شرما کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر شکنتلا کا بدن لرزنے لگا۔ وہ غش کھا کر فرش پر گر گئی۔ ونود شرما کو شکنتلا پر ذرہ برابر بھی رحم نہیں آیا۔ واش روم دہلیز کے قریب دائیں ہاتھ پر تھا۔ اس نے لٹو پکڑ کر گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔ پھر اس نے سروجا سے کہا کہ وہ چند قدم پیچھے ہٹ جائے۔ جب وہ پیچھے ہٹ گئی۔ دروازہ چوں کہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور لات مار کر پورا کھول دیا۔ پھر اس کی چوٹی پکڑ کر واش روم میں گھسیٹ کر فرش پر ڈال دیا۔ پھر دروازہ بند کر کے باہر سے چٹخنی لگا دی۔

اگر ونود شرما کے ہاتھ میں خوف ناک قسم کا خنجر نہ ہوتا تو وہ اسے دھکا دے کر یا ٹیبل لیمپ سر پر مار کر نکل جاتی اور نیچے جا کر دربان کو بتا دیتی...... خنجر کی دھار ایسی تیز تھی کہ اس کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ ایک فٹ سے زیادہ لمبا تھا۔ اس نے خود کو قابو میں پرسکون رکھا۔ پھر اس نے پرس میں سے ایک پڑیا نکال کر مٹھی میں دبا لی۔ اس کی یہ حرکت ونود شرما کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ پھر اس نے سروجا سے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"میری آرزو پوری کئے بنا جا رہی ہو...... اب تم شرافت سے بیڈ روم میں چلو...... پرس اور لباس نکال کر ایک طرف ڈال دو...... ایک بات سن لو...... تم جتنی محبت، خود سپردگی اور فیاضی سے پیش آؤ گی تو میں بھی ایسا ہی پیش آؤں گا۔ میں خطوں کے چھن جانے کا غم مٹانا چاہتا ہوں...... لیکن وہ کیسے مٹ سکتا ہے...... میں نے سجن کو پانچ لاکھ کی رقم دی ہے۔ میں تمہاری تصویریں اتاروں گا۔ تم تعرض نہیں کرو گی اس لئے کہ وہ خطوں کا نعم البدل ہو گی...... خطوں کے جانے کا اب ملال نہیں ہو گا...... چلو...... اگر تم نے تعاون نہ کیا تو تمہارے جسم پر خنجر کی نوک سے خراشیں ڈال دوں گا۔"

اس نے بائیں ہاتھ میں خنجر تھام لیا اور دایاں ہاتھ سروجا کی کمر میں ڈال کر اسے قریب کر لیا تو چشم زدن میں سروجا نے وہ پڑیا جس میں سفید سفوف تھا اس کی دونوں آنکھوں میں جھونک کر اس کا سرا تنے زور سے دہلیز کو چوکھٹ سے ٹکرایا کہ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی اور خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے گالیاں دینے لگا اور دھمکیاں بھی...... پہلے تو سروجا نے خنجر اٹھایا۔ پھر لپک کر میز پر رکھا ہوا پیتل کا لیمپ اٹھایا اور ونود شرما کے سر پر ایک زوردار ضرب لگائی...... وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور لڑکھڑایا۔ فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ اس کے سر میں گومڑ نکل آیا۔ سروجا نے جا کر دیکھا۔ اسے خوب ہلایا۔ چوں کہ لیمپ کی ضرب زبردست تھی وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ دو ایک گھنٹے سے پہلے اس کا ہوش میں آنا مشکل تھا۔

سروجا نے سب سے پہلے باہر کا دروازہ بند کیا ونود شرما کا کوئی دوست سجن بھی آ سکتا تھا۔ پھر اس نے خنجر کو کچن میں لا کر ایک کیبنٹ میں چھپا دیا۔ پھر وہ اس واش روم میں آئی جس میں شکنتلا کو ونود شرما نے بند کیا ہوا تھا۔ وہ غشی کی حالت میں کراہ رہی تھی۔ پھر وہ شکنتلا کو کسی نہ کسی طرح سہارا دے کر بیڈ روم میں لائی۔ پھر اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر

ہوش میں آئی۔ پھر اسے پانی پلایا تو اس کے حواس بحال ہوئے۔ لیکن وہ خوف زدہ تھی۔

سروجا نے اسے بتایا کہ ونود شرما بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ اس نے وہ خنجر کچن میں چھپا دیا ہے۔ وہ دو تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا...... اور پھر اس نے جو سفوف اس شیطان کی آنکھوں میں ڈالا ہے وہ پندرہ سے بیس دن تک دیکھ نہیں سکتا...... یہ سفوف ٹائیگر نے دیا تھا کہ اگر ونود شرما اس پر قابو پا کر بے بس کر دے تو تب وہ اس کی آنکھوں میں جھونک دے۔ وہ اندھے کی طرح ہو جائے گا۔

شکنتلا نے یہ سنا تو اس کی جان میں جان آئی۔ ان دونوں نے مل کر رسی اور ٹیپ تلاش کیا۔ اس کی مشکیں کس کر منہ پر ٹیپ چپکا دیا۔

ایک دم سے سروجا کی نظر بیڈ روم کی تجوری پر پڑی جو کھلی ہوئی تھی جس میں سے ونود شرما نے خنجر نکالا تھا۔ سروجا لپک کر گئی تو شکنتلا بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس میں جتنی چیزیں تھیں وہ نکال کر بستر پر رکھ دی گئیں۔ دس بارہ عدد لفافے تھے جن میں تصویریں اور ان کے نام پتے اور موبائل نمبر تھے۔ ایک فہرست میں لڑکیوں اور عورتوں کے ناموں کے آگے ان سے ہر ماہ رقومات کی وصولی لکھی ہوئی تھی۔ ہر ماہ وہ ڈیڑھ لاکھ بلیک میلنگ سے وصول کر رہا تھا۔ اور سات لاکھ بیالیس ہزار کی رقم بھی تھی۔ ویڈیو فلمیں بھی......

سب سے پہلے سروجا نے شکنتلا کو ایک لاکھ کی رقم دی۔ پھر اس کی تصویر نذر آتش کر دیں۔ ونود شرما کو جلد ہی ہوش آ گیا تو سروجا نے اس کے منہ سے ٹیپ نکال دیا۔ پھر وہ ہذیانی لہجے میں چیخ کر بولا۔

''یہ مجھے دکھائی کیوں نہیں دے رہا ہے...... میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے...... سروجا...... شکنتلا...... تم دونوں نے میرے ساتھ جو حرکت کی ہے میں بخشوں گا نہیں...... سجن تم سے بدلہ لے گا۔''

''تمہیں بیس دن تک کچھ دکھائی نہیں دے گا...... تم اندھوں کی حالت میں رہو گے...... دوسری بات یہ ہے کہ تمہاری تجوری میں جو غلاظت تھی وہ میں نے نکال لی ہے...... سات لاکھ سے زیادہ جو رقم تھی وہ بھی...... اس کے علاوہ زیورات بھی ہیں جو تم نے معصوم لڑکیوں کو بلیک میل کر کے حاصل کئے تھے...... تمہاری شکار لڑکیوں کو فون کر دیا ہے کہ وہ تصویریں اور رقومات لے جائیں...... وہ سب کچھ دیر میں پہنچ رہی ہیں...... وہ تمہارا کیا حشر

نشر کریں گی یہ بھگوان جانے......''

''سروجا...... ! کمینی...... چڑیل...... حرام زادی......'' وہ فحش گالیاں بکتا ہوا بولا۔

''ایک لفافہ اور ایک پائی بھی تم نے کسی کو دی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ بخشوں گا نہیں...... تمہارے پتی کو سب کچھ بتا دوں گا...... شکنتلا کی بھی جان لے لوں گا......''

نفرت اور غصے سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس کی بکواس سن کر سروجا بولی۔

''تمہارا خنجر اب میرے قبضے میں ہے...... تم تعاون نہ کرنے کی صورت میں میرے بدن پر اس کی نوک سے خراشیں ڈالنے والے تھے...... اب بتاؤ......؟ میں کیا کروں...... کیا تم نے سنا نہیں کہ خون کا بدلہ خون ہوتا ہے...... کیوں نہ تمہارے جسم پر خراشیں ڈال دی جائیں...... میں بہترین ڈیزائنر ہوں...... تمہیں کون سا ڈیزائن پسند ہے؟''

ونود شرما دہشت زدہ ہو کر چیخیں مارنے لگا کہ اڑوس پڑوس کے لوگ سن کر اس کی مدد کو آ جائیں۔ شکنتلا نے فوراً ہی اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دیا۔ وہ تڑپ کر بے بس ہو گیا۔ اس نے بہت کوشش کی۔ لیکن ناکام رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تمام لڑکیاں اور عورتیں یہ خوش خبری سنتے ہی ایک ایک کر کے آ گئیں۔ وہ سروجا کی بے پناہ ممنون تھیں۔ ان میں سے ہر ایک لڑکی اور عورت نے خوب اس کی خاطر مدارت کی...... لاتوں گھونسوں اور جوتیوں سے دل کی حسرت نکالی۔ منہ پر تھوکا بھی...... ان میں ایک بھی ایسی نہ تھی جس نے جی بھر کے اس کی سیوا نہ کی ہو...... وہ حرام زادہ چوں کہ بہت ڈھیٹ تھا۔ توانا جسم کا تھا۔ مرا نہیں۔ لیکن بے ہوش ہو گیا۔ سب ایک ایک کر کے نکلیں تو سناٹا سا چھا گیا۔

اتفاق سے دوسرے دن صبح سجن کسی کام سے آیا۔ اس وقت ونود شرما ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ ان لڑکیوں نے اس کے شان دار فلیٹ کی جیسے اینٹ سے اینٹ بجا دی...... ایک ایک کمرے، کچن اور ڈرائنگ روم کا جغرافیہ ہی بگاڑ دیا تھا۔ کسی چیز کو سلامت نہ پایا۔ وہ بڑا حیران بھونچکاں سا ہو گیا۔ اسے یقین نہ آیا۔

ونود شرما نے اسے سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ سروجا نے اس کی آنکھوں میں جو سفوف ڈالا ہے اس سے وہ اندھا ہو گیا ہے۔ بیس دنوں تک اس کی بینائی لوٹ کر نہیں آئے گی۔ بیس دنوں کے بعد رفتہ رفتہ وہ دیکھنے کے قابل ہو سکے گا۔ اس کے فلیٹ کا جو حشر کیا ہے

ان لڑکیوں اور عورتوں نے جنہیں وہ بلیک میل کر رہا تھا۔ انہوں نے اس کی خوب درگت بنائی۔ اسے ذلیل کیا۔ اس پر تھوکا...... معلوم نہیں...... فلیٹ پر اب کتنا خرچ آئے گا۔ انہوں نے کوڑی تک نہیں چھوڑی۔ اب وہ کسی کو بلیک میل کرنے سے رہا۔ کیوں کہ اب اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں...... ان لڑکیوں عورتوں نے میرے بے ہوش ہونے پر کہا کہ اب میں فلیٹ کے نیچے بیٹھ کر بھیک مانگوں۔ اندھا ہونے کے باعث شاید کچھ بھیک گزارہ کے لئے مل جائے۔

فلیٹ اور فرنیچر اور تینوں بیڈ رومز کی درستگی اور مرمت پر تین چار لاکھ سے کم لاگت نہیں آئے گی۔ یہ رہنے کے قابل نہیں تاوقتیکہ اسے ٹھیک نہ کیا جائے۔ تم میرے فلیٹ پر چل کر رہو...... یہ بہت برا ہوا کہ لاکھ کی رقم بھی گئی اور خطوط بھی...... وہ ڈاکو میرے دوستوں میں ہی سے ہوگا۔ جب وہ سروجا کو بلیک میل کرے گا اس سیاہ پوش کا پتا چل جائے گا اب تم فکر مند اور پریشان نہ ہو۔ تمہارا نقصان اس سے معہ سود وصول کرلوں گا۔ اسے بخشوں گا نہیں......
میں نے اس سے پانچ لاکھ کا مطالبہ کیا تھا اب رقم پندرہ لاکھ کا ہوگا......

"تم براہ راست ساجن سے بات کیوں نہیں کرتے......؟" ونود شرما بولا۔ "وہ ہر ماہ بیس لاکھ بھی دے سکتا ہے۔"

"لیکن اس میں ایک بات کا نقصان اور اندیشہ ہے۔" سجن نے کہا۔ "وہ فوراً ہی سروجا کو طلاق دے دے گا۔ وہ بیس لاکھ کیا بیس روپے بھی نہیں ملیں گے...... لہٰذا سروجا کو بلیک میل کرنے میں ہی فائدہ رہے گا۔"

☆......☆......☆

سجن نے سروجا سے رابطہ کیا تو وہ بہت برہم تھا۔ اس نے سروجا سے کہا کہ میں بیس لاکھ سے بیس روپے کم نہیں لوں گا...... کیوں کہ تم...... لڑکیوں عورتوں نے مل کر ونود شرما کے فلیٹ کا ستیاناس کر دیا۔ اس کا نقصان پورا کرنا ہوگا۔

سروجا نے اس سے کہا کہ تم جس ٹیپ اور فلم کے اور تصویروں کے عوض بیس لاکھ وصول کرنا چاہتے ہو میں اسے ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں...... کیوں کہ یہ ساری غلاظت دو تین برس پہلے کی ہے...... تم نے یہ سب کچھ جعل سازی کی ہے۔ لاکھوں ہتھیا لینا چاہتے ہو...... یہ اصلی ہوئے تو میں تمہیں بیس لاکھ کیا پچیس لاکھ دینے کو تیار ہوں اور رات تمہارے

ساتھ رہوں گی۔ تم پونا کی کوٹھی پر آ جانا...... ایک مہمان کی حیثیت سے۔ وہاں ہم دونوں سکون اور اطمینان سے وقت گزاری کریں گے۔

دوسرے دن سجن شام کے وقت سروجا کی کوٹھی پر ساری غلاظت لے کر پہنچا......
اس نے پہلے بیس لاکھ روپے وصول کئے...... پھر اس نے ساری غلاظت سروجا کو چیک کرا کے تسلی کرا دی...... پھر وہ بریف کیس لے کر یہ کہہ کر نکلا کہ وہ رقم اپنے دوست کے ہاں رکھ کر ایک گھنٹے بعد آئے گا۔ اس نے بریف کیس گاڑی کی ڈگی میں رکھا۔ جب وہ گاڑی کا اگلا دروازہ کھولنے والا تھا تب اندر سے ملازم نے آ کر کہا کہ اس کے دوست ونود شرما کا فون ممبئی سے آیا ہے...... اس کی طبیعت خراب ہے...... سجن فون پر بات کرنے اندر آیا۔ دوسری طرف ونود شرما تھا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ اس کی آواز ٹھیک سے نہیں نکل رہی تھی۔ وہ بہ مشکل اتنا کہہ پایا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں...... سجن نے کہا کہ میں ابھی نکل رہا ہوں۔ ڈیڑھ گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا۔ تم ایسا کرو راجا کو لے کر جے جے اسپتال چلے جاؤ۔

گفتگو کا سلسلہ منقطع کر کے اس نے سروجا سے کہا۔ "ڈارلنگ میں ممبئی جا کر ونود شرما کو اسپتال میں دیکھ کر رات نو بجے تک واپس آ جاؤں گا...... تم میرا انتظار کرنا......"

تھوڑی دیر بعد سجن کی گاڑی سڑک پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ سروجا افسردہ سی بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ ٹائیگر اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تو اسے خبر نہ ہو سکی۔ اس کی آنکھوں سے وحشت جھانک رہی تھی۔

"سروجا...... ! کیا سوچ رہی ہو......؟" ٹائیگر نے کہا۔

سروجا ایک دم سے چونک کر خیالوں کی دنیا سے باہر آئی۔ "تم......؟ کہاں تھے......؟ وہ کمینہ...... ذلیل...... نہ صرف بیس لاکھ روپے لے گیا بلکہ یہ بھی کہہ گیا میں بنی سنوری اس کے انتظار میں راہ تکتی رہوں...... وہ اس حرام زادے ونود شرما کی عیادت کرنے کے بعد رات نو بجے واپس آ رہا ہے......" وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" ٹائیگر نے بے پرواہی سے کہا۔

"کیا پریشانی کی کوئی بات نہیں......؟" سروجا نے تنک کر کہا۔ "اس کی ہر بات ماننا پڑے گی۔"

''تم صاف انکار کردو......؟'' ٹائیگر نے کہا۔ ''تم اس کی غلام نہیں ہو......نوکرانی یا باندی نہیں ہو۔''

''اس کی پنچھی تو ہوں......؟'' سروجا کہنے لگی۔ ''میری ڈور اس کے ہاتھ میں ہے۔ کٹھ پتلی ہوں۔ ساری چیزیں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ میں کیا کروں......؟ کہاں جاؤں......؟ تم نے مجھے بڑا دلاسا دیا۔ لیکن تم اس کمینے سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے۔''

''تم نے کیا کیسٹ فلم اور تصویریں چیک کیں......؟'' ٹائیگر نے پوچھا۔ ''جعل سازی تو نہیں تھی؟''

''نہیں......'' سروجا بولی۔ ''اس نے مجھے یہ ساری چیزیں چیک کرنے کو دیں تو میری کنپٹی پر ریوالور رکھ کر کھڑا رہا۔ اب درندہ......گدھ......خون آشام بھیڑیا مجھے درندگی کا نشانہ بناتا رہے گا۔''

ٹائیگر اٹھا اور اس نے بریف کیس لا کر اس کے سامنے رکھ دیا اور کھول دیا۔

''یہ وہ لفافہ ہے جس میں تمہاری دی ہوئی بیس لاکھ کی رقم اور وہ تمام غلاظت سے بھری چیزیں......جنہیں تم نے چیک کیا......اور یہ ریوالور جو اس نے تمہاری کنپٹی پر رکھا تھا......'' ٹائیگر مسکرایا۔ ''تم اس کے لئے پریشان ہو رہی تھیں......؟''

''کیا......؟'' سروجا حیرت اور خوشی سے اچھل پڑی۔ ''اسے سماعت اور آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ یہ بریف کیس تمہارے ہاتھ لگ گیا۔ وہ تو اپنے ساتھ باہر لے گیا تھا......تم کہاں تھے......؟ کب آئے تھے؟''

''میں دوسرے کمرے میں موجود تھا......میں نے ملازم کو منع کر دیا تھا کہ میری آمد اور کمرے میں موجود ہونے کے بارے میں تمہیں نہ بتائے......میں نے تم دونوں کی ساری گفتگو سنی......جب اس نے بریف کیس گاڑی کی ڈگی میں رکھا تب میں نے ملازم کو دوڑایا۔ میرا ایک صداکار دوست جو بالائی منزل کے کمرے میں موجود ہے اس نے کمرے سے نشست گاہ کے کمرے میں فون کیا۔ اس دوران میں گاڑی کے پاس گیا۔ پھر میں نے ایک ماسٹر کی سے ڈگی کھولی اور سرونٹ کوارٹر میں چلا گیا تھا۔''

''اوہ دیوکمار......!'' سروجا نے بے اختیار ہو کر اس کا رخسار چوم لیا۔ ''اوہ......میں تمہارا کیسے شکریہ ادا کروں......''

''سنو......آگے نہ بڑھو......کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا پیر پھسل جائے اور میں بددیانت بن جاؤ۔'' ٹائیگر نے اسے ٹوکا۔

''بتاؤ......تمہارے اس عظیم کارنامے پر تمہاری کیا سیوا کروں......'' وہ سرشاری سے بولی۔

''میں یہ رقم اور ساری غلاظت لئے جا رہا ہوں۔'' ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''وہ کس لئے......؟''

''اس لئے کہ تمہیں بلیک میل کر سکوں؟''

''تم نے جو ایک بڑے عذاب، ذلت و رسوائی اور بدنامی سے نجات دی ہے اس کے عوض میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔''

''احمق عورت......! رقم تو میری فیس ہوئی......باقی چیزیں اس لئے میرے پاس حفاظت اور امانت کے طور پر رہیں گی تم اپنے شوہر سے بدیانتی کرو اور فلم کے خواب دیکھنے لگو......اگر تم بہک گئیں میں یہ ساری چیزیں ساجن کو لے جا کر دے دوں گا......اس لئے بلیک میل کے لئے یہ ترپ کارڈ میرے پاس ہوگا۔''

☆......☆......☆

اس روز کے بعد سے اس نے سروجا سے رابطہ منقطع کر دیا تھا اور اس سے بھی کہا تھا کہ وہ اسے بھول جائے......ساجن آ گیا تھا۔ اب وہ اپنے پتی کو زیادہ وقت دینے لگی تھی۔ وہ اس لئے بھی سروجا سے کوئی تعلق اور رابطہ رکھنا نہیں چاہتا تھا کہ کہیں پیر نہ پھسل جائے۔ اس نے گھر لا کر وہ غلاظت دیکھی تو وہ ڈانوڈال ہونے لگا۔ اس کی نیت میں فتور پیدا ہونے لگا۔ وہ مٹی کا تودہ نہیں تھا۔ زاہد بھی ہو بہک جائے اور غلاظت کے دلدل میں گر جائے......سروجا کو چوں کہ بڑی اذیت، ذلالت اور رسوائی کے عذاب سے نجات ملی تھی اس لئے وہ اس کی ہر خواہش اور حسرت پوری کرنے کے لئے تیار تھی۔ مگر وہ آدمی تھا۔ اس کے اندر جو آدمی زندہ تھا اسے ہر برائی سے باز رکھتا تھا۔ بالفرض محال وہ سروجا کو بستر کی زینت بنا کر بستر اور اس کا تن میلا کر دیتا تو پھر اس کی عزت کیا رہتی......بیس لاکھ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔ اس نے یہ رقم سروجا کو سبق دینے کے لئے بطور فیس وصول کی تھی جب کہ سجن اسے کئی بار آلودہ کر چکا تھا۔ اسے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا ادھیکار تھا۔

مزے کی بات یہ تھی کہ سجن پر بڑی زبردست چوٹ پڑی تھی۔ کیوں کہ اس کے بریف کیس میں اتفاق سے وہ تمام لفافے اور رقومات تھیں جن میں ان لڑکیوں اور اداکاراؤں اور عورتوں کی تھیں جنہیں وہ بلیک میل کر رہا تھا...... ان میں شوبھا کی تصاویر بھی تھیں جو اس نے دھوکا دے کر دو برسوں کی ازدواجی زندگی میں مستقبل میں اسے بلیک میل کرنے کے خیال سے کھینچ کر رکھی ہوئی تھیں۔ کل رقم بتیس لاکھ تھی...... ٹائیگر نے بڑا اونچا ہاتھ مارا تھا۔ یہ رقم اس کے لئے بونس تھی۔

قدرت ہر برائی کا بدلہ دیتی ہے۔ جب سجن ممبئی پہنچا تو اسے پتا چلا کہ ونود شرما نے اسے کوئی ٹیلی فون نہیں کیا اور نہ ہی اس کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ اسے غصہ آیا کہ یہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے۔ اس نے اپنے فلیٹ آ کر سوچا کہ وہ بریف کیس کی چیزیں اور رقم لاکرز میں رکھ کر واپس پونا جائے جہاں سروجا اس کے انتظار میں دلہن بنی بیٹھی ہوگی۔ دو برس کی جدائی نے اسے تڑپا رکھا تھا۔ اس کی زندگی میں جتنی لڑکیاں عورتیں آئی تھیں ان میں ایک بھی ایسی نہیں تھی جس نے سروجا کا خلا پورا کیا ہو...... جب اس نے بینک کے سامنے گاڑی روک کر ڈگی کھولی تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کا سر چکرایا تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ بریف کیس نہیں تھا...... وہ سمجھ گیا کہ جب وہ گاڑی میں بریف کیس رکھ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے والا تھا تب ملازم نے اسے بتایا تھا کہ ممبئی سے اس کی کال آئی ہے۔ شاید سروجا نے پلاننگ کر کے بریف کیس غائب کردیا۔ اس کی جیب میں بھرا ہوا ریوالور تھا۔ بریف کیس میں کل ساٹھ لاکھ کی رقم تھی۔ چالیس لاکھ جو اس نے آج وصول کئے تھے اور بیس لاکھ سروجا کے...... اس کے علاوہ وہ تمام چیزیں جن سے وہ بلیک میل کر کے کماتا تھا...... اس نے ریوالور اس لئے رکھا تھا کہ راستے میں رہزنی کے واقعات عام تھے۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر سروجا نے رقم واپس نہیں کی تو وہ اسے شوٹ کردے گا۔ وہ غصے سے بھرا ہوا جارہا تھا۔ اندھادھند تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اس کی کار بجلی کے کھمبے سے ٹکرائی۔ وہ مرا نہیں...... کیوں کہ قدرت کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا۔ وہ معذور ہوگیا تھا۔ پھر اسے سرکاری اسپتال کے جنرل وارڈ میں علاج کے لئے داخل کردیا گیا۔ جیسا کہ اسے تین ماہ بعد پتا چلا کہ وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا۔ اپنے فلیٹ کے نیچے وہیل چیئر پر بیٹھا بھیک مانگتا ہے۔

اس نے ان لڑکیوں عورتوں کو جو بلیک میل ہورہی تھیں فون کر کے بلایا۔ وہ اپنی گندگی واپس لینے کے لئے اس کی ہر خواہش اور ہر بات پوری کرنے کو تیار تھیں۔ انہوں نے اس بات کا سچے دل سے اعتراف کیا انہیں قدرت نے ان کے کئے کی سزا دی ہے۔ اس میں ان کا اپنا دوش ہے۔ اس نے ان کی تمام غلاظت بغیر کسی رقم کے اس شرط پر دے دی کہ اب وہ انٹرنیٹ، موبائل فون اور خوابوں کے پیچھے اندھادھند نہیں بھاگیں گی۔ اسے اس نیکی سے ایک سرشاری اور روح کو طمانیت بھی ملی تھی۔ اگر وہ ان حسین نوجوان لڑکیوں اور عورتوں سے سرفراز ہوتا تو اسے ایسا کیف وسرور نصیب نہ ہوتا۔

☆......☆......☆

ٹائیگر ریڈ روز بار میں آیا تھا جس کی نہ صرف شراب بلکہ دیگر جوس اور دیگر مشروبات بہت مشہور تھے۔ وہ کبھی کبھار آجاتا تھا۔ ناگپور کے سنتروں کا جوس جس نے نہ صرف اس شہر میں بلکہ ناگ پور میں دھوم مچائی ہوئی تھی۔ اس بار کا مالک نہ صرف اس بار کا مالک تھا بلکہ اس کا ناگ پور میں سنتروں کا باغ تھا اس کے باغ کے جیسے سنترے کسی اور کے باغ میں لگتے نہیں تھے۔ وہ سنگترے نہ صرف ایکس پورٹ بلکہ اپنے بار میں ان کا جوس بناتا تھا۔ ایک بات زدعام بھی تھی کہ کوہ قاف کی پریاں اس کے باغ میں چاندنی راتوں کو سنگترے کھانے آتی تھیں۔

ٹائیگر نے اس عورت کو بار کے اونچے اسٹول پر ایک ادا کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ وہ بڑی نزاکت سے مارٹینی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی۔ ہندوستان میں شراب نوشی عام تھی بلکہ روز بروز ہوتی جارہی تھی۔ نہ صرف جواں سال عورتوں میں نوجوان لڑکیوں میں جو طالبات میں تھیں اور ملازمت کرتی تھیں۔ ایک طرح سے یہ فیشن بن گیا تھا۔ دوسری طرف اتنے گھریلو اور سماجی مسائل تھے کہ ان کے نزدیک مے نوشی سے ان کی پریشانیاں، تلخیاں اور غم مٹ جاتے تھے۔ دل ودماغ کو ایک سکون سے ملتا تھا...... لیکن اس کا خیال تھا یہ سب کچھ آدمی کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ جب آدمی مذہب سے دور اور خوابوں کے پیچھے بھاگتا تو اس کی یہ سزا ملتی تھی۔ مسائل کا حل شراب نوشی نہیں تھا۔

اس نے اس عورت کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا وہ جواں سال تھی اور آنکھوں کے لئے اسے تراوٹ کہا جاسکتا تھا...... اس کا لباس جدید طرز کا تھا اور اس نے اپنے انداز بے پروائی

سے لباس میں جا بجا جھروکے بنا رکھے تھے جس میں سے اس کا گورا گورا بدن جھانک رہا تھا جس میں شہد کی آمیزش سی تھی۔ اس کی دودھیا رنگت کی سڈول بانہوں کے خنجر کھلے پڑے تھے۔

اس کے قریب خالی اسٹول پر ایک ادھیڑ عمر کی کرسچن عورت بیٹھی وہسکی پی رہی تھی۔ اپنا پیگ ختم کرنے کے بعد وہ اپنا پرس اور سراپا سمیٹ کر اٹھی تو وہ اسٹول خالی ہو گیا تو وہ تیزی سے بڑھ گیا کہ کہیں کوئی اور شخص اس پر قابض نہ ہو جائے۔ قریب سے اس کا جائزہ لینے پر ٹائیگر کو اس کے خوب صورت سینے پر بھونرا جیسی سیاہ بڑی بڑی آنکھوں اور اس کی خفیف سی مڑی ہوئی سبک ناک کچھ جانی پہچانی سی لگی۔ وہ باوجود کوشش کے اس بت طناز کو پہچان نہ سکا۔ اس لئے کہ اسے نہ جانے کتنی عورتوں لڑکیوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ اس لئے اس نے شناسائی کے احساس کا اظہار نامناسب جان کر وہ خاموش رہا۔ عورتیں لڑکیاں غلط فہمی کا شکار ہو جاتی تھیں اور اس کا غلط مطلب لیتی تھیں۔ یوں بھی یہ بار تھا۔ ہر قسم اور طرح کی عورتیں آتی تھیں۔ ان کی طرف پیش قدمی ناگوار اور زہر لگتی تھی۔

اس نے ایک سگریٹ سلگائی اور شام کے اخبار کا جائزہ لینے لگا۔ اخبار تو ایک حیلہ بہانہ تھا۔ وہ اس کا چہرہ اور سراپا اس لئے نظروں میں جذب کر رہا تھا کہ شاید پہچان لے...... پھر اسے یہ احساس ستانے لگا کہ حیلے بہانوں سے گھورے جانے پر بیشتر لوگوں کو ہوتا ہے اور سامنے والا جان لیتا ہے کہ یہ نظر بازی ہے...... اور پھر اسے بھی اچھا نہیں لگا۔ ہاں کوئی کھل کر دیکھے تو برا بھی نہیں لگتا۔ چنانچہ اس نے اخبار تہہ کر کے کاؤنٹر پر رکھا اور اپنا سنتروں کے جوس کا گلاس اٹھایا۔ جوس گلاس کے عین کنارے ان کی نگاہیں ایک دوسرے میں پیوست ہو گئیں۔

اس طرح نظر بازی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر اس عورت کے چہرے پر کوئی تمتماہٹ نہیں دوڑی۔ اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس عورت کے لئے...... وہ دن میں جب بھی باہر نکلتی ہے تو اسے مردوں کی بھوکی، ندیدی اور ہوسناک نگاہوں سے واسطہ پڑتا ہے اور مردوں اور لڑکوں کا عورت کو اس طرح دیکھنا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا کوئی نئی بات نہیں اور پھر چشم تصور میں کس کس زاویے اور ان جانی نظروں سے دیکھنا عام سی بات تھی۔ اس لئے لڑکیاں عورتیں نظر بازی

اور ان کی عامیانہ حرکتوں کی عادی ہوتی تھیں بلکہ خوش بھی ہوتی تھیں کہ ان کی طرف مرد متوجہ ہوتے ہیں۔

''آپ دیو کمار عرف ٹائیگر ہیں؟'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے اور ساکت پلکوں سے دیکھا۔

اس کی آواز مترنم تھی اور سرگوشی کے انداز میں تھی جو اس کی خود اعتمادی کی غمازی کر رہی تھی۔

''میں اس سے بھی زیادہ معزز ناموں سے پکارا جاتا رہا ہوں...... لیکن وہ نام ایسے ہیں کہ خوب صورت عورتوں کی موجودگی میں نہیں......'' اس نے قدرے شوخ لہجے میں کہا اور جوس پینے لگا۔

''میں نے خواتین کی تقریبات اور محفلوں میں تمہارا بہت تذکرہ سنا ہے۔'' وہ بولی۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ میں تمہیں یاد نہیں رہی۔ تمہارے حلقے میں لڑکیاں اور عورتیں زیادہ ہیں۔''

''ہاں......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بازوؤں کے حلقے میں ایک بھی نہیں البتہ ملاقاتیوں میں بہت ساری ہیں۔ کیسے کیسے یاد رکھوں...... میرا چوں کہ کسی سے سنسنی خیز عشق کبھی نہیں رہا اس لئے تم یاد نہیں رہیں۔ تم اپنا تعارف کراؤ تو شاید یاد آ جائے کہ کبھی تم سے آشنائی رہی ہو...... اور کچھ ملاقاتیں رہی ہوں۔''

اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کی یادداشت کس قدر خراب ہے کہ اس بت کافر کی یاد نہ آ سکی۔ یہ بے پناہ پرکشش پیکر ایک بار ملنے کے بعد بھولنے والی چیز نہیں۔ یاد آتے ہی اس نے فوراً کہا۔

''شاید یہ پانچ برس پہلے کی بات ہے کہ جوہو کے ساحل پر میں نے تمہیں ایک مسلح بدمعاش سے بچایا تھا جو تمہارا پرس چھین کر بھاگنے کے لئے چاقو سے تمہیں زخمی کر کے دبوچ رکھا تھا۔ اتنے سارے لوگوں میں سے کوئی تمہاری مدد کو آگے نہیں بڑھا تب میں نے اس بدمعاش سے نہ صرف نجات دلائی بلکہ اس کی وہ درگت بنائی کہ پولیس اسے اسٹریچر پر ڈال کر اسپتال لے گئی تھی...... کیوں تم وہی ہو نا......؟''

پھر اسے یاد آیا کہ وہ خوب صورت ہستی ایک دولت مند شخص سے شادی کرنے والی

تھی۔اس نے بتایا تھا کہ ایک گھٹیا قسم کا بلیک میلر جو کبھی اس کے کالج میں ہم جماعت رہا تھا ماضی کی ناخوشگوار یادوں کے حوالے دے رہا تھا۔اس نے اس عورت کو دو مرتبہ بے عزت کرنے کی کوشش کی تو عورت نے اس کی طبیعت صاف کردی تھی۔اب بھی وہ اسے تنگ ہراساں اور بے عزت کرنے کی کوشش سے باز نہیں آیا تھا...... اس نے بارٹینڈر کو اشارے سے بلایا سابقہ آرڈر دہرایا۔پھر اس نے کہا۔

''چلو...... لاؤنج میں چلیں...... وہاں بیٹھ کر سکون اور اطمینان سے باتیں کریں گے۔''

پھر اس نے اپنا جوس کا گلاس اور عورت نے اپنا مارٹینی کا پیگ لیا۔ویٹر چلا گیا تو دونوں اٹھے۔پھر وہ دونوں لاؤنج میں کارنر والی میز پر بیٹھ گئے تو ٹائیگر نے کہا۔

''تمہارا حسن و آج اب بھی اتنا ہی جان لیوا ہے جتنا پانچ برس قبل تھا...... اس میں تمہارے ہم جماعت کا کوئی تصور نہیں تھا...... ایسے میں کسی کروڑ پتی کا ازدواجی زندگی میں الجھ جانا کچھ اتنا تعجب خیز نہیں...... اور سناؤ...... بچے کتنے ہیں تمہارے......؟ تمہارے پتی دیوتا کا کیا حال ہے؟'' وہ مسکرادیا۔

''نہیں...... ابھی تک میں بچوں کے جنجال سے آزاد ہوں اور جانے کب تک رہوں یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔'' اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''وہ کس لئے......؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر پوچھا۔''شادی کے بعد ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے وہ ماں بن جائے اس لئے کہ ماں بننے سے وہ مکمل ہوجاتی ہے جس سے عورت کا تقدس بڑھ جاتا ہے۔''

''مجھے ماں بننے سے زیادہ دلچسپی اپنی جوانی اور جسمانی نشیب و فراز سے ہے...... ماں بننے سے عورت کا بدن اپنی کشش کھوجاتا اور ڈھل جاتا ہے...... عورت کا اصل حسن اس کے جسم کی خوب صورتی میں ہے۔جب عمر ڈھلنے لگے گی تب سوچوں گی ماں بننے کے لئے...... نرنجن ٹھیک ٹھاک ہے۔لیکن تم تو جانتے ہو کہ وہ کتنا سخت اور بد مزاج ہے۔'' میں یہ سمجھا کہ وہ مذاق میں کہہ رہی ہے لیکن وہ واقعی بے حد سنجیدہ تھی۔

لیکن ایسی حسین اور شعلہ مجسم بیوی کا شوہر کو سخت مزاج ہونا ایک فطری بات ہے...... ورنہ بیویاں شوہر کو نچانے سے باز نہیں آتی ہیں......'' اس نے ہنس کر کہا۔

''تم مرد ہو اس لئے اپنے جنس کی تعریف کرو گے......'' پھر وہ اس کی طرف جھک آئی۔''تم نے دہلی میں میری مدد کی تھی۔ان دنوں تم نمائش دیکھنے آئے ہوئے تھے۔میں تمہارا وہ احسان کبھی نہیں بھولی...... تم نے اس لفنگے رامن کو بہت اچھی طرح ہینڈل کیا تھا۔تم نے اسے ایسا سبق دیا جو شاید وہ اب تک یاد کرتا ہوگا۔''

''چھوڑو...... یہ تو میرا کام ہے جو آئے دن بڑی ثابت قدمی سے انجام دیتا رہتا ہوں۔یہ ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔''لیکن تم جیسی خوب صورت عورت کو خوش کرنے کا سنہرا موقع کم ہی ملتا ہے۔''

وہ بڑی شان دلربائی نظریں چرانے لگی۔جیسے پہلی بار اس قسم کی ستائش سے واسطہ پڑا ہو......اسے یاد آیا کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ رات آکر ہوٹل میں صبح تک سیوا کرے گی۔لیکن اس نے سختی سے منع کردیا کہ جو کچھ اس نے کیا اس میں کوئی غرض ورجذبہ پوشیدہ نہیں تھا۔اس نے محسوس کیا کہ وہ آج بھی اسے اس احسان کا بدلہ ہر طرح سے اتارنے کو تیار ہے۔

''خیر...... یہ بتاؤ...... تم یہاں کیسے......؟'' ٹائیگر نے فوراً ہی موضوع بدلا۔''کیا ان دنوں ممبئی میں رہ رہی ہو؟''

''نہیں...... بیزاری سے محسوس ہوئی تو یکسانیت سے اکتا کر یونہی تفریح کے لئے آئی ہوئی تھی۔آج رات بنگلور واپس جارہی ہوں...... ہم کافی عرصے سے بنگلور کے فارم ہاؤس میں رہ رہے ہیں۔''

''شکار......؟''

''نہیں......'' اس نے اداسی سے نفی میں سر ہلایا۔''کوئی تفریح میسر نہیں...... میں مرجانے کی حد تک بور ہوچکی ہوں...... ٹائیگر......! تم تصور بھی نہیں کرسکتے کہ زندگی کس قدر خشک اور بے رنگ ہوگئی ہے۔''

''میں تصور کرسکتا ہوں...... اسی بے رنگی کی بنیاد پر میرا کاروبار چلتا ہے...... دو دن یا دو راتیں کبھی ایک جیسے نہیں ہوسکتے اور نہ ہوتے ہیں۔''

''یہ تو ہے...... تبدیلی تو بہرحال ملتی ہے...... ابھی میں نے یہاں ممبئی میں ایک خوش گوار مہینہ گزارا ہے۔'' وہ مسکرائی اور ایک گھونٹ لے کر اپنا جام خالی کردیا۔میں نے ویٹر کو

بلاکر اپنے لئے جوس اور اس کے لئے ایک پیگ لانے کے لئے کہا۔

"ہر برس میں ایک ماہ کے لئے ممبئی ضرور آتی ہوں۔" وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔

"میرا خیال ہے..... تم کسرِ نفسی سے کام لے رہی ہو۔" اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

ویٹر آرڈر لے آیا تھا۔ اس نے مارٹینی کا پیگ اس عورت کی طرف بڑھا دیا..... "لو یہ جام پیو..... سیکرٹ سروس والوں کے نام....." پھر اس نے اپنا جوس گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ لیا..... "میرا بس چلے تو سارا دن سنتروں کا جوس پیتا رہوں۔"

سیکرٹ سروس والوں کا انتساب عورت کے لئے جیسے قابل قبول نہیں تھا۔ اس نے اپنا جام رکھا اور ٹائیگر کے قریب سرک آئی۔ "تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں کس قدر خوف زدہ ہوں۔ دیو کمار عرف ٹائیگر.....!" اس کی آواز سرگوشی سے بلند ہرگز نہیں تھی۔ حالانکہ لاؤنج میں کوئی ان سے اتنا قریب نہیں تھا کہ نارمل آواز میں کی جانے والی گفتگو کوئی سن سکے۔

اس کی حالت سن کر ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اسے متوقع نظروں سے دیکھتا رہا۔

"میری تعطیلات کے پچھلے دو دن بہت پریشان کن ثابت ہوئے ہیں۔" راکھی نے کہا۔ "مشکل وہی ہے..... پرانی والی....." اس نے گہرا سانس لیا تو سینے میں سانسوں کا تموج کا سا تھا۔

وہ ایک دم سے اس طرح اچھلا جیسے اسے بھڑ نے کاٹ لیا۔ پھر اس نے سنبھلتے ہوئے راکھی کی طرف دیکھا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ رامن پھر تمہیں.....؟"

وہ شدت سے نفی میں سر ہلانے لگی۔ "نہیں..... نہیں..... لیکن بات یہ ہے کہ میں نے غلطی دہرائی ہے۔ آدمی البتہ مختلف ہے۔"

"راکھی.....!" مجھے یہ سن کر نہ صرف بڑا دکھ بلکہ مایوس ہوئی....." ٹائیگر نے سرزنش کے انداز میں کہا۔ "اس لئے کہ تم ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہو..... تمہارے سخت گیر پتی نے ہر طرح کا تمہیں سکھ دیا ہوا ہے۔"

"یقین مانو میں اس کی ذات سے ذرہ برابر بھی خوش نہیں ہوں۔" اس نے تکرار کے

لہجے میں کہا۔ "میں سونے کے پنجرے میں پنچھی کی طرح ہوں..... یکسانیت نے مجھے بے زار کر دیا ہے..... ایسے میں ذرا سی آزادی ملتی ہے تو وہ میرے دماغ پر کسی نشے کی طرح چڑھ جاتی ہے..... نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ کوئی افیئر..... اور اب میرے عارضی محبوب..... دوست میری حماقت کو کیش کرانے کی کوشش کر رہے ہیں....."

"تمہاری ذہنی حالت درست نہیں رہی ہو گی..... ورنہ تم لفنگوں میں بیٹھنے کے بجائے ان سے دور رہتیں۔" ٹائیگر نے سخت لہجے میں کہا۔ "کوئی اپنے پیروں پر کلہاڑی مارے تو کیا کہا جا سکتا ہے؟"

"تم نہیں سمجھ سکتے..... یہ بات کوئی عورت ہی سمجھ سکتی ہے..... کسی نے مجھے اس سے متعارف کرایا تھا..... پھر اس کا طرز عمل اور طور طریقے ہمیشہ اچھے اور مہذبانہ رہے۔"

"یہ تو کوئی اچھا ہونے کی دلیل نہ ہوئی؟" ٹائیگر نے معترضانہ انداز میں ٹوکا۔

"مجھے بارہا ایسے لوگوں سے متعارف کرایا گیا ہے جن کے طور طریقے بے حد شریفانہ اور پرخلوص بھی تھے۔" وہ بتانے لگی۔ "لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ وحشی قاتل ہیں۔"

وحشی سے کیا مراد.....؟ آدمی جب تک وحشی درندہ صفت نہ ہو جائے وہ قاتل بن ہی نہیں سکتا....."

اس نے اپنا گلاس خالی کیا اور ویٹر کو بلایا۔ وہ چھوٹے گلاس میں جوس پی رہا تھا اور راکھی بھی چھوٹے پیگ..... پھر اسے ٹائیگر نے آرڈر دیا تو وہ آرڈر لے کر چلا گیا پھر ٹائیگر کہنے لگا۔

"راکھی.....! مجھے تم پر نہ صرف حیرت ہے بلکہ غصہ بھی آ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم بہت ہوشیار ہو اور تجربے کار عورت ہو۔ تم نے مجھے ہمیشہ یہ تاثر دیا کہ تم مردوں کے بارے میں اتنا کچھ جانتی ہو کہ شاید ہی کوئی عورت لڑکی جانتی ہو..... خاص طور پر لٹیرے مردوں کے بارے میں..... میرا خیال ہے کہ تم ذاتی طور پر ذہنی طور پر پستی میں جا گری ہو؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ٹائیگر.....! یہی بات ہے۔" اس نے اعتراف کیا اور اس کی آنکھوں میں اداسی کی پرچھائیاں پھیل گئیں..... شادی کے بعد دنیا سے..... کسی بھی چیز سے..... مردوں سے میرا رابطہ نہیں رہا۔ مجھے زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں رہی..... میری حالت ایک سنیاسی کی سی ہو کر رہ گئی۔"

ٹائیگر نے اس کا سراپا توجہ سے دیکھا۔ ''تم نے اپنی قیامت خیزی ذرا بھی کم نہیں کی۔ شادی کے بعد تم پر ایک ایسا گداز پن آ گیا جس سے لگتا ہے کہ تم نے جڑی بوٹیاں استعمال کی ہوں۔''

''ہر عورت کی طرح میری بھی یہ کمزوری رہی کہ میں حسین سے حسین ہوتی رہوں......'' وہ بولی۔ ''یا یہ سمجھو کہ ایک طرح سے میری اس وقت سے ہابی رہی کہ جب میں نے نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔''

''اور اسے استعمال کرنے میں بھی تمہاری دلچسپی کم نہیں ہوئی...... یہ چکر شروع ہوتے ہی تم نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا...... میں سر کچل کر رکھ دیتا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''میں نے سوچا تھا کہ تم سے ملوں...... مجھے اس بات کا علم تھا کہ تم ممبئی میں ہی ہو۔ تمہارا آفس تلاش کرنا مشکل کام نہ تھا۔ پتا کچھ کچھ یاد تھا۔ جانے کیوں یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی۔ تم ایک بار میری مدد کر چکے تھے۔ میری ہمت نہیں ہوئی کہ تمہیں بتاؤں کہ اس مشکل میں پھنس گئی ہوں جس سے تم نے پانچ برس پہلے نکالا تھا...... میرا خیال تھا کہ تم دوسری مرتبہ میری مدد کرنے سے انکاری ہو جاؤ گے...... مگر بعد میں...... میں نے سوچا کہ کاش میں نے تم سے رابطہ کر لیا ہوتا...... یہ احساس مجھے کل شام ہوا...... جب مجھے اندازہ ہوا کہ میرا تعاقب کیا جا رہا ہے...... مجھ پر نظر رکھی جا رہی ہے...... کڑی نگرانی میں ہوں...... اب میں بہت زیادہ خوف زدہ ہوں...... میں تو اب اپنے ہوٹل بھی نہیں جا سکتی کہ جا کر اپنا سامان لے آؤں۔''

''کیوں......؟''

''پیچھا کرنے والوں میں سے ایک مستقل طور پر وہاں موجود ہے۔ ڈنر سے پہلے میں نے بہت کوشش کی تھی لیکن میں اپنے کمرے تک نہیں پہنچ سکی۔ میں کچھ پینے کے ارادے سے یہاں آ گئی تا کہ بیٹھ کر غور کر سکوں کہ اب کیا کیا جائے...... کوئی تدبیر ذہن میں بھی ہی نہیں آ رہی تھی۔ حسن اتفاق سے تم سے اچانک اور غیر متوقع ملاقات ہو گئی۔ مجھے اپنی اس خوشی پر دیر تک یقین نہیں آیا...... ایسا لگا کہ میں کوئی سپنا دیکھ رہی ہوں۔''

تو تم سامان پر لعنت بھیج کر گھر واپس جا سکتی ہو...... وہاں سے ہوٹل والوں کو پے آرڈر کے ذریعے ادائیگی کر دینا۔ پھر وہ تمہارا سامان ارسال کر دیں گے۔''

''لیکن سوٹ کیس میں تو میرا سب کچھ رکھا ہوا تھا...... میرا ٹکٹ...... اے ٹی ایم کارڈ...... کریڈٹ کارڈ اور رقم...... لیکن میں زیادہ رقم دستی بیگ میں نہیں رکھتی لیکن میک اپ کی لوازمات تمام رکھتی ہوں۔''

یہ کہتے کہتے وہ خطرناک حد تک میری طرف جھک گئی۔ جھروکوں سے ہوش اڑانے والی خوشبو کے جھونکے آنے لگے۔ پھر وہ بولی۔

''لیکن اب میری مشکل آسان ہو گئی ہے کیوں کہ وہ لوگ تمہیں نہیں جانتے ہیں۔''

''تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ ان پانچ برسوں میں کتنے سارے لوگ مجھے جاننے لگے ہیں۔'' ٹائیگر نے دامن بچانے کی کوشش کی۔

''ویسے تمہاری ٹرین کی روانگی کا وقت کیا ہے؟''

بارہ بجنے میں پانچ منٹ پر......'' اس نے جواب دیا۔ اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''دیوا کمار......! تم میرا یہ کام کر دو گے نا؟ پلیز!''

''میں اب کیسے انکار کر سکتا ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تمہارا قیام کون سے ہوٹل میں تھا؟''

''باندرہ کے ہوٹل...... ڈریم لینڈ میں...... کمرہ نمبر اکتیس۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''رجسٹریشن تمہارے اس پرانے نام سے ہے نا؟''

راکھی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اٹھ کر ٹائیگر کے پہلو میں کھڑی ہو گئی۔ ''اور تم یہ چاہتی ہو کہ ہوٹل کا بل بھی میں ادا کروں؟''

اس نے ٹائیگر کو ایک پگھلا دینے والی نگاہ سے نوازا...... جس میں خود سپردگی اور انجانا سا پیغام محبت تھا۔ وہ لگاوٹ سے بولی۔ ''بل ادا کئے بغیر وہ تمہیں میرا سامان دھرنے نہیں دیں گے...... پلیز ڈارلنگ......! تم ٹائیگر ہو۔'' وہ بولی۔

''ڈارلنگ نہیں...... پرلے درجے کا میں احمق ہوں جو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے ہیں۔''

پلیز!...... میرا یہ کام کر دو...... میری بہتری کی خاطر...... بیگ ہاتھ میں آتے ہی تمہارا حساب چکا دوں گی۔'' میں نے دستی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ مجھ سے ملنے کے بعد سے وہ ہر چند

منٹ بعد گھڑی دیکھتی رہی تھی۔ پھر اس نے سابقہ سوال دہرایا۔ ''تمہیں میرا سامان لانے میں کتنی دیر لگے گی......؟''

''میں بہت سست آدمی ہوں......کچھوے کی سی رفتار ہے۔ ذرا زیادہ وقت دینا مجھے۔''

''ٹھیک ہے......گیارہ بجے میں ٹرینس پر ملوں گی۔''

''کون سے ٹرینس پر......''

''دی ٹی......بوری بندر......''

اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے نو بجے تھے۔ ٹھیک ہے راکھی......! تم اتنے میں ایک اور پیگ لے لو'' اس نے ویٹر کو بلا کر اس کے لئے ڈرنک کا آرڈر دیا۔ راکھی نے بیٹھتے ہوئے ایک سگریٹ اس سے لے کر سلگایا۔

پھر وہ باہر نکل آیا۔

وہ باہر نکلا ہی تھا کہ ایک ٹیکسی آ کر رکی۔ وہ ٹیکسی کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اسے وہ شخص نظر آیا جو اس ٹیکسی سے اترا تھا۔ وہ تیزی سے پیچھا ہٹا اور ایک ستون کو ڈھال بنا لیا۔ اس کی آڑ میں وہ چھپ سا گیا تھا۔ اس شام دوسرا موقع تھا کہ اسے کوئی جانی پہچانی شکل نظر آئی تھی۔ اس شخص نے کرایہ ادا کیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ جیسے اس کا چہرہ روشنی میں آیا اس نے فوراً شناخت کر لی۔

وہ رتن کمار تھا...... جرائم کی دنیا میں ایک جانا پہچانا اور نامور آدمی...... وہ نہ صرف بہت بڑا بدمعاش تھا بلکہ اتنا چالاک بھی تھا کہ پولیس کو بھی اس پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ سلور بار میں اس کی موجودگی ٹائیگر کے لئے دلچسپی کا باعث تھی۔ اسے اچانک ایک خیال آ گیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ خیام شام ہی سے اس کے ذہن میں چبھ رہا تھا۔

وہ رتن کمار کے پیچھے پیچھے اندر گیا۔ اس نے اپنے اور اس کے درمیان اچھا فاصلہ رکھا تھا۔ پھر وہ لوگوں کے درمیان خود کو چھپائے ہوئے تھا۔ اس نے رتن کمار کو بار میں ایک اسٹول پر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ اس نے اخبار کھول کر اپنے سامنے یوں پھیلا لیا جیسے پڑھ رہا ہو۔ ذرا دیر بعد راکھی نمودار ہوئی۔ راکھی اور رتن کمار نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ راکھی بھی وہیں بیٹھ گئی اور ڈرنک کا آرڈر دے دیا۔ اپنا جام لے کر لاؤنج کی طرف چل دی۔ چند لمحوں کے بعد رتن کمار بھی اس کے پیچھے چل دیا۔

ٹائیگر نے جو کچھ دیکھا وہ بہت کافی تھا۔ وہ بار سے نکلا اور سامنے سے گزرنے والی خالی ٹیکسی کو روکا۔

ڈریم لینڈ ہوٹل جاتے ہوئے وہ ذہنی طور پر صورت حال کی ایک مکمل اور واضح تصویر بنانے کی کوشش میں مصروف رہا۔ اسے راکھی کے متعلق اور بھی بہت سی باتیں یاد آ گئیں...... اسے یاد آ گیا کہ دہلی میں راکھی کا بلیک میلنگ والا معاملہ بھی خاصا پراسرار تھا۔ وہ اس وقت بھی معاملے کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا تھا......اور اس واقعے سے بھی پہلے وہ کچھ اچھے لوگوں میں اٹھتی بیٹھتی نہیں تھی۔ پھر اس نے اچانک ہی شادی کر لی تھی۔ اس نے اپنے پتی کو شادی کا فیصلہ بدلنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ لوگوں کا کہنا ہی یہی تھا۔ بہر وہ راکھی پر ریشہ خطمی ہو گیا تھا۔

دس منٹ بعد وہ ڈریم لینڈ ہوٹل کی پرہجوم لابی میں کھڑا تھا۔ اس نے ایک طرف کھڑے ہو کر استقبالیہ ڈیسک کا اور پھر ادھر کھڑے لوگوں کا غور سے معائنہ کیا۔ بالآخر وہ ڈیسک کی طرف بڑھ گیا۔

ڈیسک پر موجود لڑکی بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ لمبی ڈیوٹی دے چکی ہے اور جلد سے جلد جانا چاہتی ہے۔ اس نے ٹائیگر کو دیکھ کر خوش اخلاقی سے مسکرانے کی کوشش کی۔

''ہیلو مس......!'' ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ ''پلیز! مجھے اکتیس نمبر کمرے کی چابی دے دیں۔''

لڑکی نے کی بورڈ کی طرف دیکھا اور بڑھ گئی۔ جس پر کمروں کے نمبر لکھے تھے اور جا بجا چابیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں چابی نہیں تھی۔ ''یہ کمرا تو مس راکھی آنند کا ہے۔''

''جی ہاں...... میں ان کا سیکریٹری ہوں...... انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں یہاں سے ان کا سامان لے جا کر ان تک پہنچا دوں۔ کیوں کہ وہ یہاں آنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اس لئے انہوں نے مجھے یہ ہدایت بھی کی ہے کہ میں آپ کا بل ادا کر دوں۔''

لڑکی نے سر گھما کر لاؤنج کی سمت دیکھا۔ ''بہت بہتر جناب......'' بالآخر اس نے کہا۔ پھر وہ کیش ڈیسک کے پیچھے گئی۔ ذرا دیر بعد وہ ایک پرچا ہاتھ میں لئے آئی۔ ''دو ہزار

روپے ادا کر دیں......پلیز......!''

اس نے رقم ادا کی اور لڑکی نے کمرے کی چابی اس کی طرف بڑھا دی۔

''راکھی کو کوئی پوچھنے تو نہیں آیا......؟'' ٹائیگر نے بڑی معصومیت سے دریافت کیا۔

''ایک صاحب کوئی دو تین مرتبہ ان کے بارے میں دریافت کر چکے ہیں...... بلکہ میرا خیال تو ہے کہ وہ اس وقت ہوٹل میں ہی یہیں کہیں ہوں گے...... کچھ دیر پہلے سامنے والے صوفے پر براجمان تھے۔''

''اوہ...... میرا خیال ہے کہ ان کے منگیتر راجا کپور ہوں گے...... میں خود ہی انہیں تلاش کر لوں گا۔ بہت بہت شکریہ۔''

اس نے کہا اور سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ کیوں کہ لفٹ میں بہت بھیڑ تھی۔ اوپر اور نیچے آنے والوں کی۔ کمرا چونکہ پہلی منزل پر تھا۔ سیڑھیاں بھی آرام دہ تھیں۔

پہلی منزل پر وہ پہنچا ذہنی طور پر ہر قسم کے حالات کے لئے تیار تھا۔ اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ اس کا واسطہ جرائم پیشہ سے پڑے گا۔ وہ راکھی کی جان کے دشمن ہیں۔ اس کے ذہن میں ایک خیال اور آیا کہ اس کے کمرے میں جو اس کا دستی بیگ وغیرہ ہو گا یقیناً اس میں بڑی رقم ہو گی۔ وہ چھن جانے کے خوف سے نہیں جا رہی ہے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ شاید کسی کمرے کے دروازے کی جھری سے راکھی کے کمرے پر نظر ہو گی اور نگرانی کی جا رہی ہو گی۔

پہلی منزل کے کاریڈور میں کمروں کے نمبر دیکھتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا۔ اکتیس نمبر آخری کمرہ تھا۔ اس نے تالے میں چابی لگائی اور ہینڈل گھماتے ہوئے جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ اس کا سواگت بڑا پر تپاک ہو گا۔ کمرے میں شاید قاتل ہو گا۔ وہ اس تاک اور گھات میں ہو گا کہ راکھی سے کمرے کی تنہائی میں خوب فائدہ اٹھا کر پھر اسے قتل کر کے اس کا سامان لے کر فرار ہو جائے۔ وہ بھی ہر طرح سے تیار تھا کہ قاتل کی کوئی حسرت پوری کرنے نہیں دے گا۔ لیکن کمرے میں کوئی نہ تھا۔ اس نے واش روم جھانک لیا۔ الماری اور پلنگ کے نیچے اس خیال سے بھی دیکھ لیا کہ شاید اس میں چھپا ہوا ہو۔ خیریت تھی۔ اس کا سایہ تک نہ تھا۔ شاید نیچے ہی اس کا تعاقب کرنے کے لئے کوئی بدمعاش ہو گا۔ بہرحال اس نے اندر سے کمرا مقفل کر دیا۔

پھر اس نے سوئچ آن کر دیا۔ روشنی کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ کھڑکی کا ایک پردہ ہٹا ہوا تھا۔ باہر کی تیز روشنیاں جھانک رہی تھیں۔ پھر وہ کھڑکی کی طرف بڑھا۔ باہر کھڑکی کی چوکھٹ سے چند فٹ نیچے ہوٹل کے گیراج کی ہموار چھت تھی۔ اس کے آگے سروس یارڈ تھا۔ ایک مختصر سا ڈرائیو وے ایک محرابی دروازے سے گزر کر سائیڈ اسٹریٹ سے جا ملا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی راکھی کے سوٹ کیس کو دیکھے اور پہچان لے...... اس نے فیصلہ کیا کہ عقبی دروازے سے نکلنا اسے بڑی دشواریوں سے بچا سکے گا۔ پھر اس نے کھڑکی بند کی اور سامان رکھنے والی دیواری الماری کھولی۔ اس میں نارمل سائز کا سبز رنگ کا ایک نسوانی سفری بیگ رکھا نظر آیا۔ اس نے بیگ کو باہر نکالا اور کرسی پر رکھ کر اسے کھولنے کی کوشش کی۔ مگر وہ مقفل تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا دیا اور جیب سے چابیوں کا گچھا نکال لیا۔

☆......☆......☆

ٹیکسی نے اسے ریلوے اسٹیشن پر اتار دیا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ گاڑی کے جانے میں ابھی دس منٹ باقی تھے۔ اس نے دروازے کے ایک طرف کھڑے ہو کر سگریٹ پینے اور مسافروں کو دیکھنے میں وقت گزارا۔ پھر ٹھیک وقت پر وہ بیگ ہاتھ میں لئے ہال کی طرف بڑھ گیا۔ اسی لمحے لیڈیز ویٹنگ روم سے راکھی آئی اور پھر اس نے آ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔'' راکھی نے اسے بے اختیار کشادہ مسکراہٹ سے نوازتے ہوئے پیاسی نگاہوں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نے میرے ایک ناممکن کام کو ممکن بنا دیا...... مجبوری اور عجلت نہ ہوتی تو ہم کسی اور ہوٹل میں ایک رات رک جاتے۔''

''تم جانتی ہو میں اس قماش کا آدمی نہیں ہوں۔'' ٹائیگر نے اسے وہ بیگ تھما دیا جو زیادہ بھاری نہیں تھا اور کہنے لگا۔ ''کوئی دشواری نہیں ہوئی مجھے تو وہاں کوئی بھی دکھائی نہیں دیا...... ہاں...... البتہ یہ پتا چلا کہ کوئی تمہارے بارے میں دو تین مرتبہ پوچھ چکا ہے اور وہاں تمہارے انتظار میں کہیں موجود بھی تھا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ تم اپنا پیچھا کرنے والے کو ڈاج دینے میں کامیاب ہو گئی ہو۔''

''یہ وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''میں نے یہاں پہنچنے کے بعد زیادہ وقت لیڈیز ویٹنگ روم میں گزارا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب بھی کوئی میرے

تعاقب میں مسلسل لگا ہوا ہے۔ میں جب تک ٹرین میں نہ بیٹھ جاؤں خود کو محفوظ نہیں سمجھ سکتی۔''

''یہ کون سی بڑی بات ہے۔ تم نے بیڑا پار کرلیا۔ ٹرین آ چکی ہے اور پلیٹ فارم پر کھڑی ہے۔ میں اپنا پلیٹ فارم اور تمہارا ٹکٹ لیتا آؤں اور ریزرویشن بھی کرالوں۔ لمبا سفر ہے۔ برتھ بھی چاہئے نا......''

اس نے اپنی بات ختم کی اور ادھر ادھر کن انکھیوں سے دیکھنے لگا۔ گفتگو کے دوران بھی دیکھتا رہا تھا۔ معاً اس کی نگاہ ٹیلی فون بوتھ سے ٹیک لگائے کھڑا ایک مستعد شخص پر پڑی۔ وہ ان کی نقل وحرکت میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے بوتھ سے ٹیک لگائے اجنبی کو اپنے تعاقب میں آتے دیکھا۔ وہ دونوں اچانک ہی رک گئے۔ راکھی نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

''یہی وہ شخص ہے جو میرا تعاقب کرتا رہا ہے۔'' راکھی نے سراسیمگی کے لہجے میں کہا۔

ٹائیگر مسکرادیا۔ ''ارے یہ تو خفیہ پولیس کے سب انسپکٹر مسٹر دیال ہیں......''

''ٹائیگر......! کیا تم اسے جانتے ہو؟''

''ہاں...... کیوں نہیں جانتا۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لئے کہ میری اس سے کبھی بنی نہیں...... کیوں جناب......! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا......؟'' اس نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

سب انسپکٹر ہکا بکا رہ گیا۔ ''کیا ٹھیک لہجے میں کہہ رہے ہو......؟'' اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔ ''دوسرے لمحے ہی اس نے ٹائیگر کو پہچان لیا۔ ''ہیلو دیوا کمار......! مجھے یہاں تم سے ملاقات کی ہرگز توقع نہیں تھی۔''

''یہ بات تو میں آپ سے بھی کہہ سکتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''آپ سنائیں...... کہاں تک جانے کا ارادہ ہے؟''

''امید تو یہی ہے کہ اب اور آگے نہیں جانا پڑے گا...... اس لئے کہ مجھے راکھی نامی شریمتی کی تلاش تھی۔''

''آپ نے تو مجھے حیران کردیا...... میرا خیال تھا کہ شادی شدہ لوگ سیدھے گھر جاتے ہیں کیوں کہ دیر سے گھر آنے پر پتنیاں نہ صرف ناراض ہوتی ہیں بلکہ سختی سے باز پرس

کرتی ہیں۔'' اس نے چوٹ کی۔ ''بہر حال اسے ایک خوش گوار اتفاق سمجھ لیا کہ یہ مس راکھی ہی ہیں جن کی آپ کو تلاش ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' سب انسپکٹر رام دیال نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اور یہ کوئی اتفاق نہیں...... تم بتاؤ کہ یہ شریمتی جی تمہاری دوست ہیں؟''

''بہت پرانی دوست ہیں جن سے برسوں بعد ملاقات ہوئی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آج اتفاقاً ہماری ملاقات ہوگئی۔

''پھر تب تو تم ان کی تازہ سرگرمیوں سے واقف نہیں ہوگے؟'' سب انسپکٹر رام دیال نے کہا اور پھر وہ راکھی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس کی نگاہوں میں سختی اور چہرے پر سرد مہری ابھر آئی۔ ''تو آپ ہی مس راکھی ہیں......؟'' اس نے خالص رسمی انداز میں دریافت کیا۔ جس کی پشت پر طنز تھا۔

''جی ہاں۔''

''میں سب انسپکٹر رام دیال ہوں۔'' اس نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر راکھی کو دکھایا۔

''میں چاہتا ہوں کہ مس راکھی......! آپ میرے ساتھ چلیں اور چند سوالات کا جواب دیں۔''

ٹائیگر نے سب انسپکٹر کو دیکھتے ہی جان لیا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اور پھر وہ اپنا کردار کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوگیا تھا۔

وہ اسٹیشن ماسٹر کے کمرے کی طرف بڑھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اس لئے آفس سے ملحق چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوتے وقت اس نے اپنے اخبارات کا رول جس پر ربر بینڈ چڑھا تھا ڈسٹ بن میں ڈال دیا جسے وہ دیر سے اٹھا رکھا تھا۔ چوں کہ وہ ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس لئے اس کی حرکت کوئی دیکھ نہ سکا۔

اندر پہنچ کر سب انسپکٹر رام دیال کا رویہ یکسر تبدیل ہوگیا۔ اب وہ محض ایک مستعد پولیس افسر تھا۔

آپ مسز راکھی راجیش کمار ہیں اور آپ کے پتی کا نام شاید اور بھی ہے۔'' اس نے راکھی سے پوچھا۔ ''آپ شاید اپنے پتی کے ساتھ نہیں رہ رہی ہیں...... لیکن آپ اس وقت بنگلور جارہی ہیں بذریعہ ٹرین...... ویسے ہوائی جہاز سے بھی جاسکتی تھیں...... شاید اس میں

کوئی مصلحت ہے جسے آپ بہتر سمجھتی ہیں۔کیا آپ اسے دوست مانتی ہیں۔''

''جزوی طور پر......'' راکھی نے نہایت اعتماد سے جواب دیا۔''چوں کہ میرے پتی سے صلح ہوگئی ہے۔اس لئے بنگلور جارہی ہوں۔''

''آپ گزشتہ کئی ہفتوں سے لندن میں مقیم ہیں اور آپ کا میل جول ایسے لوگوں سے رہا ہے جنہیں پولیس عادی مجرم کی حیثیت سے جانتی ہے اور ان کے خلاف سنگین جرائم کے مقدمات عدالتوں میں چل رہے ہیں...... ہماری معلومات اور مشاہدے کے مطابق گزشتہ رات سابقہ ملکہ حسن کی کوٹھی میں جو کچھ ہوا اس کے بعد ہمارا خیال ہے کہ آپ کی سرگرمیاں نہ صرف بے حد پراسرار بلکہ مشکوک ہیں۔'' وہ کہتے کہتے رکا اور راکھی کے بیگ کو بہت غور سے دیکھنے لگا۔

ٹائیگر میز کے سرے پر بیٹھ گیا اور اس نے سگریٹ سلگالی۔''آپ اس شریمتی پر کوئی الزام عائد کرنا چاہتے ہیں۔''اس نے پوچھا۔''ایک معزز ہستی پر۔''

اس نے پلٹ کر بڑی گھمبیر نظروں سے ٹائیگر کو دیکھا۔''کیا آپ نے اخبارات نہیں دیکھے جن میں یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی ہے کہ رات ملکہ حسن کا الماس ہیروں کا ہار چوری ہوا ہے۔جس کی مالیت پچاس لاکھ روپے کی تھی۔یہ ہار جب وہ ملکہ حسن بنی تھی دبئی کے ایک شیخ نے بحیثیت میزبان دس دنوں تک مہمان داری کرنے کے بعد دیا تھا۔''

''تو آپ کے خیال میں چور یہ شریمتی ہیں......؟'' وہ بگڑ گیا۔

''میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں۔'' سب انسپکٹر نے دامن بچاتے ہوئے کہا۔''لیکن ہماری معلومات کے مطابق انہیں استعمال کیا گیا ہے اس جرم میں۔''

''وہ کیسے......؟''

''واردات رتن کمار کے طرز کے انداز کی ہے۔ہم نے تفتیش کے سلسلے میں رتن کمار کو سلور بار سے پکڑا تو یہ شریمتی اس کے ساتھ موجود تھیں۔ہم نے ان کی نگرانی کا فیصلہ کیا۔ہم ان کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے۔یہاں دیکھا کہ تم ہوٹل سے ان کا بیگ لئے چلے آرہے ہو۔اب تم بھی کچھ کہو......ممکن ہے......تم ہمیں کچھ بتا سکو۔''

''ضرور بتاؤں گا۔'' ٹائیگر نے لہجے میں بناوٹی غصہ ہوتے ہوئے کہا۔''چند برس ایک معاملے پر راکھی نے مجھ سے پیشہ ورانہ مدد لی تھی......تب سے ہم ملے کبھی نہیں...... ہاں کبھی

کبھی ٹیلی فون پر بات ہوتی رہی۔اتفاق سے آج سلور بار میں ان سے ملاقات ہوگئی۔انہوں نے پھر ایک بار مجھ سے مدد طلب کی۔انہوں نے اعتراف کیا کہ ان کے کچھ خراب لوگوں سے روابط رہے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ اب انہیں بلیک میل کیا جارہا ہے۔ان کے ہوٹل کے گرد وہ لوگ منڈلا رہے تھے۔انہیں خوف تھا کہ وہ لوگ ہوٹل جانا نہیں چاہتی تھیں۔''

ٹائیگر نے توقف کیا۔انسپکٹر کے ہونٹوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ تھرک رہی تھی۔

''ان کے ہوٹل کے گرد منڈلانے والوں میں پولیس کا ایک آدمی سادے لباس میں بھی تھا۔''وہ بولا۔

''ممکن ہے......لیکن راکھی کے علم میں یہ بات نہیں تھی......انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا کہ اس صورت حال میں کیا جائے۔چنانچہ میں ہوٹل چلا گیا۔وہاں میں نے ان کا بل ادا کیا۔ان کے کمرے سے بیگ نکالا اور یہاں چلا آیا۔یہ طے تھا کہ یہ رات کی ٹرین...... کے کے ایکسپریس سے بنگلور جارہی تھی۔لہٰذا ہمارے ملنے کے لئے یہ مناسب ترین مقام تھا۔''

''اگر ان کے بیگ سے الماس ہیروں کا ہار نکلا تو مجھے ذرا برابر بھی حیرت نہیں ہوگی۔'' سب انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر نے راکھی کی طرف دیکھا۔اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔اس کی آنکھیں اس بات کی چغلی کھارہی تھیں۔الماس ہیروں کا ہار اس نے چرایا ہے اور وہ تلاشی لینے پر برآمد ہوگا...... راکھی اپنے ساتھ اسے بھی لے مری تھی۔اسے لینے کے مفت میں دینے پڑے تھے......

☆......☆......☆

ٹائیگر نے سوچا کہ الزام تو راکھی پر ہے اور سب انسپکٹر کو اس پر شک ہے اور پھر مسروقہ مال جس کے پاس سے برآمد ہوگا وہ چور اور مجرم ہوگا۔سب انسپکٹر جانتا ہے کہ وہ پرائیویٹ سراغ رساں ہے لہٰذا اس پر شک اور تعاون کا الزام نہیں ہوگا۔اس لئے وہ بے فکر سا ہوگیا۔

''انسپکٹر رام دیال......!'' وہ بولی تو اس کی آواز پوری طرح قابو میں تھی۔''آپ نے مجھ پر بڑا گھٹیا الزام لگایا ہے۔''

''مس راکھی ایک دولت مند خاتون ہیں...... ان کے پاس زیورات کی کوئی کمی نہیں......ایسے دس ہار ہوں گے......وہ کسی کا ہار کیوں چرانے لگیں......؟'' ٹائیگر نے اس کی حمایت میں کہا۔

"تو پھر...... یہ رتن کمار سے کیوں ملیں......؟" سب انسپکٹر نے راکھی کو گہری اور مشکوک بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ وضاحت میں کئے دیتی ہوں۔" راکھی نے پرسکون لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"کہتے ہیں کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے...... میں کچھ روز پہلے ایک تقریب میں رتن کمار سے ملی تھی لیکن میں نے اس کے کاروباری معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ حالاں کہ اس نے مجھے اپنے کاروبار میں پھانسنے کی بہت کوشش کی۔ میں کوئی بچی تو تھی نہیں کہ جو، ان معاملات کی تہہ میں نہیں پہنچتی۔ کیوں کہ مجھے نظر آ گیا تھا کہ اس کی ذریعہ آمدنی جائز نہیں...... گورکھ دھندا ہے۔ میں جب دشواری میں پھنسی تو اس نے مجھے مخلصانہ مدد کی پیش کش کی۔ اس لئے اس نے آج رات مجھے سلور بار میں ملنے کے لئے کہا۔ وہ مجھے کچھ بتانا اور مشورہ دینا چاہتا تھا۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"اور اس نے تمہیں کیا بتایا؟"

"یہی کہ اب مجھے پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس نے ان بدمعاشوں کا بندوبست کر دیا ہے۔ جو تنگ اور ہراساں کر رہے تھے۔"

"یہ تو رتن کمار نے آپ پر بڑی مہربانی کی...... لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ کبھی کسی پر بے سبب اور بے غرض مہربان نہیں ہوتا۔"

ٹائیگر جانتا تھا کہ انسپکٹر چوں کہ بڑا گھاگ اور تجربہ کار ہے اور روز نجانے اس کا کتنے بدمعاشوں اور ٹھگوں سے واسطہ پڑتا تھا اس لئے اس نے تاڑ لیا تھا کہ راکھی جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ اس سلسلے میں راکھی کے لئے کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے پاس ثبوت کوئی نہیں تھا۔ اس پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ سب انسپکٹر نے اپنا آخری پتا کھیلنے کا فیصلہ کر لیا اور اس نے راکھی کا بیگ اٹھا لیا۔

"اگر یہ سب کچھ درست ہے تو مس راکھی......! تو میرے خیال میں آپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ میں اس بیگ کو ایک نظر دیکھ لوں...... اجازت......" اس نے بیگ کو تھپ تھپایا۔

راکھی کا چہرہ بے لہو ہو گیا اور ہوائیاں اڑنے لگیں...... وہ ہچکچائی تو ٹائیگر نے فوراً ہی مداخلت کی۔

انسپکٹر رام دیال......! یہ زیادتی ہے۔ آپ کو اس بات کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

"انکار کی صورت میں انہیں ہمارے ساتھ ہیڈ کوارٹر چلنا ہوگا اور یوں ان کی ٹرین نکل جائے گی۔"

ٹائیگر نے راکھی کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا اور اس نے کہا۔

"تمہارے ہاتھ صاف ہیں اور تم نے کوئی واردات نہیں کی اور تم چور نہیں ہو تو چابی انسپکٹر کو دے دو اور پھر تمہارے پاس زیادہ وقت بھی نہیں ہے۔ یہی دانش مندی کا تقاضا ہے۔ ضد نہ کرو۔"

راکھی نے میکانکی انداز میں ٹائیگر کی ہدایت پر عمل کیا۔

انسپکٹر نے ماہرانہ انداز میں بیگ کی تلاشی لی۔ بیگ میں دو جوڑے نسوانی ملبوسات اور استعمال کی دیگر چیزوں کے ساتھ کچھ بھی نہیں تھا۔ ٹائیگر راکھی کی طرف بہ غور دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں انسپکٹر کے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں۔ بظاہر وہ بے تعلق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن انسپکٹر کی تلاشی مکمل ہوتے ہی وہ اپنی حیرت چھپا نہ سکی۔ انسپکٹر کو مطلوبہ چیز نہیں ملی تھی۔

راکھی نے ٹائیگر کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر وہ سب انسپکٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ سرد لہجے میں بولی۔

"انسپکٹر اب تم مطمئن ہو گئے...... اگر جامہ تلاشی لینا چاہتے ہو تو کہو لباس کی قید سے آزاد ہو جاؤں؟"

انسپکٹر کا ماتھا عرق آلود ہو گیا۔ اس نے اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر مسز رتنا دیوی کو اس کے کمرے سے بلا کر مختصر طور پر بتایا کہ وہ کس لئے راکھی کی تلاشی لینا چاہتا ہے...... راکھی اس کے ہمراہ ایک ملحق کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد آئی۔ مسز رتنا دیوی بولی۔

"سر......! ہار تو دور کی بات ہے۔ انگوٹھی تک نہیں ملی۔"

راکھی جس طرح پراعتماد گئی تھی اس طرح واپس بھی آ گئی۔ سب انسپکٹر پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے اپنی جیکٹ نکال کر کرسی پر ڈال دی۔ انسپکٹر نے جیکٹ اور اس کے کپڑوں کی تلاشی لی۔ ٹائیگر نے اپنے ہاتھ اور پیر اٹھا کر رکھے تھے۔

"آپ اچھی طرح سے میری تلاشی لیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "آپ کے بشرے سے

ایسا لگ رہا ہے کہ آپ اب بھی پوری طرح مطمئن نہیں نظر آ رہے ہیں؟''

انسپکٹر نے دوبارہ اس کی سرسری طور پر تلاشی لی اور پھر غرایا۔ ''تم جا سکتی ہو..... تمہارا پتا میرے پاس موجود ہے۔ ضرورت پڑی تو پھر تم سے رابطہ کریں گے۔''

''بڑی خوشی سے.....'' وہ بولی۔ ''تم بنگلور پولیس سے رابطہ کر کے گھر پر چھاپہ بھی مار سکتے ہو۔''

سب انسپکٹر رام دیال منہ بناتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اور ٹائیگر بیگ میں سامان قرینے سے رکھنے میں راکھی کی مدد کرنے لگا۔

راکھی نے بیگ مقفل کرنے سے پہلے اس میں سے ایک چھوٹا بٹوا نکالا۔ پھر وہ باہر نکل آئے۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے ڈسٹ بن میں سے اپنے اخبارات کا رول نکالا اور جیکٹ کی اندرونی جیب میں ٹھونس دیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ دونوں پلیٹ فارم پر چلے آئے جس پر کے کے ایکسپریس روانگی کے لئے تیار تھی۔

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کہوں.....!'' راکھی عجیب سی کش مکش کے لہجے میں بولی۔

''کچھ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں.....'' ٹائیگر نے اسے سہارا دے کر ٹرین پر چڑھا دیا۔ وہ دروازے کے پاس کھڑا رہا۔

اس نے اچانک ٹائیگر کا کندھا مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ''تم نے اس کا کیا کیا.....؟''

''کس کا.....؟''

''ہیروں کے ہار کا؟''

''وہ تو میں نے ڈسٹ بن میں ڈال دیا تھا۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔'' راکھی کو ایسا لگا جیسے اس کی سانس رک جائے گی۔

''اب تم سکون سے گھر جاؤ اور اچھی بچی بن کر رہو..... اب تمہیں اس ہار کی فکر کرنے کی قطعی ضرورت نہیں..... میں یہاں کے معاملات سنبھال لوں گا۔ تم پر کوئی آنچ اور مصیبت نہیں آئے گی۔'' ٹائیگر نے جیسے دلاسا دیا۔

''تم کیا کرو گے اس کا.....''

''میں اس کی مالکہ کو واپس کر دوں گا۔ شام کے اخبارات اور ریڈیو کی مقامی خبروں میں اس کا اتا پتا بتانے والوں کو دس فیصد کے انعام کا اعلان کیا گیا..... میں اسے تمہاری خدمات کا معاملہ سمجھ لوں گا۔''

ٹائیگر کو ایسا لگا کہ راکھی پر ہسٹریا کا دورہ پڑنے والا ہے۔

''تم..... تم..... انتہائی ذلیل..... نیچ اور گھٹیا آدمی ہو..... کمینے تم نے مجھے ڈبل کراس کیا..... اگر..... میرے پاس ریوالور ہوتا تو اس وقت.....'' وہ ٹائیگر پر پھنکاری۔ ٹائیگر نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ریوالور راکھی کے پاس نہیں ہے۔ ''میں نے تمہیں درست سمجھا..... تمہیں قابل اعتبار جانا..... لیکن تم گھٹیا، لفنگے، دوغلے ثابت ہوئے۔''

''میری بات سنو۔'' ٹائیگر نے خشونت سے کہا۔ ''تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو..... تم نے مجھے الو بنانا چاہا..... تم اور رتن کمار نے مل کر..... تم میں کوئی بھی ڈریم لینڈ ہوٹل کا رخ نہیں کر سکتا تھا..... سو تم نے مجھے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کیا..... کیا میں اتنا بے وقوف تھا کہ سوچے سمجھے بغیر کچھ کر گزرتا۔ میں نے تمہیں رتن کمار سے ملتے دیکھا تو تمہارا سارا کھیل میری سمجھ میں آ گیا..... میرا احسان مانو..... میں نہ ہوتا تو تم اس وقت جیل کے راستے پر ہوتی۔ اب اس سے ہی کوئی سبق لے لو..... گھر جاؤ راکھی.....! اچھی بننے کی کوشش کرو..... تم میں ایک اچھی عورت بننے کی خوبیاں ہیں۔''

اسی وقت ٹرین چل پڑی۔ ٹائیگر نے اسے کاریڈور میں دھکیلا اور خود ٹرین سے اتر گیا۔ ''میرا یہ احسان ہمیشہ ماننا.....''

اس نے چیخ کر کہا۔ ''لیکن میرا خیال.....!'' ٹائیگر کا خیال تھا کہ چلتی ٹرین کے شور میں وہ اس کی آواز سن نہ سکی ہوگی۔

ٹائیگر اس خیال سے کینٹین میں بیٹھا رہا کہ وہ کسی قریبی اسٹیشن پر زنجیر کھینچ کر اتر جائے اور لوکل ٹرین سے آ جائے۔ کیوں کہ دس بیس ہزار کی مالیت کے ہار کی بات نہ تھی..... پورے پچاس لاکھ کی مالیت کا تھا۔ آج جو سونے اور زیورات کا بھاؤ چل رہا تھا وہ تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق تراسی لاکھ کا بھی ہو سکتا تھا۔ وہ اس کے حصول کے لئے مہربان ہو کر پانے کی کوشش بھی کر سکتی تھی..... اگر وہ اس انداز سے سوچ رہی ہو گی تو یہ اس کی بھول تھی۔ بلاشک وشبہ وہ توبہ شکن تھی۔ رتن کمار نے شاید ففٹی ففٹی کی پارٹنر شپ کی ہوگی۔

وہ ایک گھنٹہ بیٹھا رہا۔ تین لوکل ٹرینیں آئی تھیں اس میں راکھی نہیں آئی تھی...... وہ سمجھ گئی ہوگی کہ میں اس کے ہاتھ آنے سے رہا۔ اب اسے واپس جا کر تلاش کرنا لاحاصل ہے۔ صبر کر کے گھر میں بیٹھ جائے۔

ٹائیگر نے سوچا اس اداکارہ اور سابق ملکہ حسن نے اس ہار کی بازیابی کا انعام دس فیصد دینے کا اعلان کیا ہے...... دس فیصد یعنی پانچ لاکھ روپے نقد...... مفت ہاتھ آئیں تو برے کیا ہیں؟ یوں بھی یہ ایک بڑی رقم ہے۔ اسے زیادہ محنت نہ کرنی پڑے گی۔ یہ انعام اس کی تدبیر اور ذہانت کا ہے...... اور پھر اس قیمتی ہار کا پاس رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ جتنا جلد ہو سکے یہ بوجھ سر سے اتار پھینکنا چاہئے۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد ٹائیگر ملکہ حسن کی کوٹھی کی اطلاعی گھنٹی بجا رہا تھا۔ گیٹ دربان نے کھولا۔ اس نے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ گیٹ پر جو ایک چھوٹا سا کمرا بنا ہوا تھا جس میں فون، انٹرکوم اور موبائل کے علاوہ چھت پر پنکھا...... ایک کرسی اور میز پر ایش ٹرے اور سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس بھی تھی۔

دربان نے انٹرکوم پر ملکہ حسن سے بات کی تو تھوڑی دیر بعد سترہ برس کی لڑکی اندر سے تھرکتی، لچکتی اور بڑے ادائے ناز سے آئی۔ اس نے آکر نمسکار کیا۔

”آپ مسٹر دیوکمار ہیں......؟ اندر تشریف لے چلیں۔ بیگم صاحبہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔“

ٹائیگر اس کی طرف دیکھا تو وہ لجاسی گئی۔ ٹائیگر نے برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”رانی......! اس نے جواب دیا۔ ”آپ نام کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

”اس لئے کہ تم نہایت حسین ہو...... دل چاہ رہا ہے کہ ایک سندر سا مشورہ دوں۔“

”کیسا مشورہ......؟“ اس نے حیرت اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو......؟“ وہ بولا۔ ”کیا تم یہاں ملازمہ ہو......؟“

”جی ہاں...... میں یہاں ملازمہ ہوں اور کام کر رہی ہوں۔“ رانی نے بتایا۔

”تم نہ صرف نہایت حسین بلکہ ہر لحاظ سے فلمی ہیروئن بننے کے قابل ہو...... تم یہاں نہ صرف اپنا وقت، حسن، عمر اور جوانی ضائع کر رہی ہو...... ایسا جسم جو کسی قیامت سے کم نہیں

فلم سازوں کی ضرورت ہے۔ تم کسی اچھے فلم ساز سے ملو۔ تمہارے نصیب جاگ جائیں گے......“ ٹائیگر نے مشورہ دیا۔

”مجھے کون چانس دے گا...... ایک سے ایک حسین اور نوجوان لڑکیاں خوار ہو رہی ہیں۔“ اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

”سنو......“ ٹائیگر نے کہا۔ ”تم کسی فلم ساز سے ملو تو اس سے کہنا کہ میں ہر قسم کے بولڈ سین کر سکتی ہوں۔ تمہارا جسم بہت ہی بولڈ کرنے والا ہے...... آج کل فلموں میں کہانی کم عورت کو بولڈ ہی بولڈ دکھایا جا رہا ہے...... تم ایک کام کرو۔ کسی فوٹو گرافر سے اپنی کچھ عدد بولڈ تصویریں کھنچوا کر البم بناؤ...... وہ فوراً تمہیں لے لے۔“

”آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا ہے...... میرے والدین بھی یہی کہتے ہیں کہ میں فلموں میں بولڈ مناظر کے لئے نہایت فٹ ہوں...... میری ماں تو مجھے آئینے کے سامنے کھڑا کر کے دیکھتی رہتی ہے۔ آپ کتنے اچھے ہیں۔“

ٹائیگر نے اسے کوئی غلط مشورہ نہیں دیا اور نہ ہی بے وقوف بنایا تھا...... اسے اس لئے بھی اس ملازمہ سے ہمدردی ہوئی تھی کہ اس کی مالکہ کے بارے میں اس نے سنا تھا کہ بہت ہی مغرور، تنک مزاج ہے۔ ملازماؤں سے اس کا سلوک انتہائی توہین آمیز ہوتا ہے۔

رانی اسے نشست گاہ میں بٹھا کر اطلاع دینے اندر چلی گئی۔ چند لمحوں کے بعد وہ بڑے غرور سے آئی۔ ٹائیگر اس کے استقبال کے لئے اٹھ کر کھڑا نہیں ہوا۔ اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس ملکہ حسن کو بڑا ناگوار سا لگا۔

”کون ہو تم......؟ کس لئے آئے ہو......“ وہ قدرے تلخی سے بولی۔ ”دربان نے بتایا تھا کہ تم ہار کے بارے میں بتانے آئے ہو؟“

”تم نے یہ اعلان کیا تھا کہ الماس ہار بازیاب کرنے والے کو اس کا دس فیصد دیا جائے گا......“ ٹائیگر نے بھی اسے تم سے مخاطب کیا۔ ”میں اس سلسلے میں بتانے آیا ہوں کہ......“

”تم میں بات کرنے کی ذرا بھی تمیز نہیں...... میں آئی تو احتراماً کھڑے بھی نہیں ہوئے...... اور پھر تم کے تخاطب سے بات کر رہے ہو...... کیا عورتوں سے ایسے ملا جاتا ہے؟“

”میں تمہارا نوکر نہیں ہوں جو تمہیں دیکھتے ہی کھڑا ہو جاؤں...... تم نے مجھ سے تم سے

مخاطب کیا...... میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہارا ہار جس کی مالیت تم نے پچاس لاکھ بتائی ہے اس وقت مارکیٹ میں پچاس لاکھ کا ہے...... میں اس کا دس فیصد لوں گا۔''

''کیا...... وہ ہار تمہارے پاس ہے......؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''تم سے کس نے کہہ دیا کہ اس کی مالیت پچاس لاکھ ہے۔''

ٹائیگر نے جیب سے تین وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

''یہ شہر کے تین سب سے بڑے جیولرز شاپس ہیں۔ میں نے انہیں باری باری دکھایا۔ وہ پچاس لاکھ قیمت دینے کو تیار ہیں۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو فون کر کے ابھی پوچھ لو...... فون سامنے ہی تو رکھا ہے۔''

''تم بڑے کائیاں ہو......'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہو......؟ ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔''

''شریمتی جی...... یہ ہار کون سا تمہارے پتا جی کا مال ہے...... اسے تو ایک رئیس زادے نے ایک رات کے عوض تمہیں پیش کیا تھا۔ لہٰذا پانچ لاکھ دیتے ہوئے دل کیوں دکھ رہا ہے۔'' ٹائیگر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ......'' وہ غصے سے بولی۔ ''یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ مجھے ایک رات کے عوض ملا، میں نے اسے دبئی میں خریدا تھا۔ یہ میرا مال ہے۔ میری ملکیت ہے۔''

''اگر تم نے اسے خریدا ہوا ہے تو یقیناً اس کی رسید تو ہوگی......؟ کیا میری تسلی کے لئے دکھانا پسند کرو گی؟''

''تم کون ہوتے ہو رسید طلب کرنے والے......'' وہ بگڑ گئی۔ ''کام کی بات کرو۔ تم الماس ہار کے بارے میں بات کرنے آئے تھے؟''

''بات ہار کی مالیت کی ہو رہی تھی...... تم کیوں نہیں...... فون کر کے ان سے میری بات کی تصدیق کر لیتی...... سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے؟ تا کہ کمیشن کا معاملہ طے ہو۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''اس نے با دل نخواستہ تینوں جیولرز کو باری باری فون کیا۔ پھر کریڈل پر ریسیور رکھ کر بولی۔ ''میرا ہار تمہیں کہاں اور کس سے ملا؟''

''تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میری

ایمانداری اور شرافت دیکھو کہ میں چاہتا تو ہار فروخت کر کے رقم جیب میں رکھ لیتا...... ادھر کا رخ نہ کرتا۔ لیکن تم میری شرافت کی قدر کرنے کے بجائے کمیشن دینے میں بخل اور تکرار سے کام لے رہی ہو...... میں جا رہا ہوں۔ تم لڑو...... میں ہار نہیں دیتا۔''

ٹائیگر ایک جھٹکے سے جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ وہ دروازے کی طرف تیزی سے بڑھا تو ملکہ حسن اس کے راستے میں حائل ہو گئی۔ پھر اس کے قریب آ کر اس کے گلے میں عریاں باہیں حمائل کر دیں اور اس کے چہرے پر جھکنے لگی تو ٹائیگر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تم بہت ناراض ہو...... مجھے بوسہ لینے نہیں دے رہے جب کہ ساری دنیا ترستی ہے۔'' وہ اسے خودسپردگی کی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں میں خوش کرتی ہوں۔''

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں ان ہونٹوں کا کیا بوسہ لوں جو غلیظ ہے اور جانے کیسے کیسے ہونٹوں نے اس میں پیوست کیا۔'' ''میں یہ بات جانتا ہوں ہار کے حصول اور کمیشن بچانے کی خاطر مجھ پر مہربان ہو جاؤ...... میں بدنصیب ہی بہتر ہوں۔ تم کمیشن دے رہی ہو یا نہیں...... میں پانچ لاکھ سے ایک کوڑی کم نہ لوں گا۔''

''تھوڑی دیر انتظار کرو...... چائے پیئو...... میری سیکریٹری بینک تک گئی ہوئی ہے۔ بس وہ آتی ہو گی۔'' اس نے کہا۔ ''تجوری کی چابیاں اس کے پاس ہوتی ہیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

وہ اندر چلی گئی۔ رانی ملازمہ تھوڑی دیر بعد اس کے لئے ٹرے میں چائے اور سینڈوچز لیتی آئی۔ پھر وہ ٹرے رکھ کر چلی گئی۔ اندر ملکہ حسن آئی۔ چائے پیتے ہوئے اس نے پھر سابقہ سوال دہرایا۔

''آپ نے بتایا نہیں کہ یہ ہار کہاں سے ملا ہے......؟ کس کے پاس تھا...... کیا رتن کمار نے چرایا تھا یا راکھی نے......؟''

''آئی ایم ساری......'' وہ راستہ پر آ گئی تھی۔ آپ سے مخاطب کرنے لگی۔

''میں نے کہا نا کہ آم کھانے سے مطلب رکھیں...... کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہار

کہاں سے ملا......؟ ورنہ قانونی جھنجھٹوں میں پھنس جائیں گی۔ کیوں کہ اس کی رسید بھی آپ کے پاس نہیں ہے......انکم ٹیکس والے بھی رسید طلب کریں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" وہ بولی۔ "آپ جیسا کہتے ہیں ویسا ہی کروں گی۔"

تھوڑی دیر بعد اس کی سیکریٹری آئی تو اس کے ساتھ پولیس بھی تھی۔ ٹائیگر نے اس کی سیکریٹری مالنی کو پہچان لیا۔ مالنی بھی بڑی مشہور اور مقبول اور بدنام زمانہ ہیروئن اور کال گرل تھی۔ بڑی حسین تھی۔ اب پچاس برس کی ہوگئی تھی۔ وہ ساہوکاروں اور سرمایہ داروں سے ملکہ حسن کے کالی راتوں کے سودے کرتی تھی۔

پولیس جو آئی تھی اس کے ساتھ سب انسپکٹر رام دیال تھا۔ اس نے ٹائیگر کو حیرت سے دیکھا۔ ملکہ حسن ہذیانی لہجے میں بولی۔

"انسپکٹر......یہی چور ہے......اس نے رتن کمار کے ساتھ مل کر پارٹی میں میرا ہار چرایا تھا۔ اندھیرا کرکے......اس کی تلاشی لیں۔ اس کے پاس میرا ہار ہے۔"

"میں انہیں جانتا ہوں۔" سب انسپکٹر رام دیال نے کہا۔ "آپ مسٹر دیو کمار ہیں۔ پرائیویٹ سراغ رساں......آپ نے مجھے اس روز کے مہمانوں کی جو فہرست دی تھی اس میں ان کا نام نہیں تھا......ان کا رتن کمار سے دور کا تعلق بھی نہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی......" ملکہ حسن نے تکرار کی۔ "یہ میرا ہار مجھے تیس لاکھ میں بیچنے لایا ہے۔ آپ تلاشی لے کر دیکھ لیں......اس کی جیب میں ہار رکھا ہوا ہے......"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" رام دیال نے حیرت سے کہا۔ "مسٹر دیو کمار کیا یہ صحیح کہہ رہی ہیں......؟"

"جھوٹ......میرے پاس ہار کہاں سے آسکتا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"پھر تم یہاں آئے کس لئے......؟ کیا میری شکل دیکھنے......؟" ملکہ حسن پھنکاری۔

"میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ اگر میں نے ہار کا پتا چلا لیا اور برآمد کرلیا تو کیا مجھے بھی دس فیصد کمیشن مل سکتا ہے؟" ٹائیگر بولا۔

"یہ جھوٹ پر جھوٹ بولے جارہا ہے۔ اس کا پارہ چڑھ گیا۔ "آپ اس کی تلاشی کیوں نہیں لے رہے ہیں؟"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں......میں تلاشی دیئے دیتا ہوں۔"

ٹائیگر نے ایک ایک کرکے سارے کپڑے اتار کر صوفے پر ڈال دیئے۔ اب وہ صرف انڈرویئر میں تھا۔ اس نے ملکہ حسن سے کہا۔

"شریمتی جی......! کہیں تو انڈرویئر بھی اتار دوں......"

ملکہ حسن کی سیکریٹری مالنی برہم ہوکر بولی۔ "تمہیں شرم نہیں آتی عورتوں کے سامنے اس حالت میں آتے ہوئے......"

"شرم کس بات کی......" ٹائیگر نے کہا۔ "شرم کی ماں کا دیہانت ہوئے ساٹھ برس ہوگئے۔ جب عورتوں کو برہنہ ہوئے شرم نہیں آتی ہے تو مردوں کو بھلا کیوں آنے لگی......تم بھی تو اپنی فلموں میں بے حجاب ہوتی رہی ہو......تمہاری باس کی خواہش تھی کہ میری تلاشی لی جائے۔ میں نے اس کی ضد پوری کی ہے......تم میرے کپڑوں کی تلاشی لے لو۔"

مالنی نے فوراً ہی ٹائیگر کے کپڑوں کی تلاشی لے لی۔ دور دور تک ہار کا پتا نہیں تھا۔ پھر اس نے کپڑے پہن لئے۔ پھر وہ رام دیال سے بولا۔

"اچھا اب مجھے اجازت دیں......آپ گواہ رہیں کہ میرے پاس ہار نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔"

پھر وہ رام دیال سے گرم جوشی سے مصافحہ کرکے باہر آیا۔ پھر اس نے دربان کو کوٹھری کے پاس پہنچ کر کہا۔

"میرے اخبار کا رول تو دے دو کپور بابا......!"

دربان نے میز پر رکھا ہوا اخبار کا رول اٹھا کر اسے دے دیا۔ وہ شکریہ ادا کرکے چلا آیا۔

ٹائیگر رات سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو اسے اپنی قسمت کی خوش نصیبی پر یقین نہیں آیا۔ اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ الماس کا ہار اس کی دولت میں اضافہ کردے گا۔ وہ تو بڑی نیک نیتی سے ہار لوٹانے گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اس نے ملکہ حسن کو بہت بڑی چوٹ دے دی تھی......کفران نعمت تھی۔ وہ ٹھکرانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا......یہ ہار ملکہ حسن کے باپ کا نہیں تھا بلکہ اس کی کالی رات کا معاوضہ تھا۔ پھر اس نے اس ہار کو بیچنے میں دیر نہیں کی۔ سندھی مارکیٹ میں گولڈن جیولری شاپ کا مالک

چوری کا مال خریدتا تھا۔ مول تول کے بعد اس نے اسی لاکھ کی رقم ادا کر دی۔ جب کہ ٹائیگر کے ایک اندازے کے مطابق اس کی قیمت ایک کروڑ سے زیادہ تھی۔

☆......☆......☆

ٹائیگر بنگلور جا رہا تھا۔ اسے ہندوستان کے تمام شہروں میں بنگلور سب سے زیادہ پسند اس لئے تھا کہ اس جیسا خوب صورت شہر کوئی اور نہ تھا۔ آب و ہوا معتدل تھی۔ جون اور جولائی میں رات کو کمبل اوڑھ کر سونا پڑتا تھا۔ اس نے وہاں ایک مکان خرید کر رکھا تھا۔ اس کی ڈپلی کیٹ چابی پڑوس میں جو برکت اللہ صاحب رہتے تھے ان کے پاس ہوتی تھی تا کہ صاف صفائی کر سکیں۔

اسے ریل گاڑی کا سفر بہت زیادہ پسند تھا۔ ابھی گاڑی کی روانگی میں خاصی دیر تھی۔ اس لئے بھی کہ وہ ابھی بھری نہیں تھی۔ مسافر ایک ایک کر کے بڑے سکون واطمینان سے آ رہے تھے۔ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر جھانک رہا تھا۔ ہندو، مسلم، مسیحی اور سکھ مرد اور عورتیں پلیٹ فارم پر آ جا رہے تھے۔ مسلمان عورتوں میں پردے کا رواج تھا۔ برقع بھی تھا۔ چادر بھی تھی۔ وقت گزاری کے لئے وہ پلیٹ فارم کی چہل پہل سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وقت گزاری کے لئے اس کے پاس کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔

کچھ دیر بعد ایک جوان جوڑا بوگی میں داخل ہوا اور ٹائیگر کی سامنے والی سیٹ پر آ بیٹھا۔ انہوں نے قلی کی مٹھی گرم کر کے ٹکٹ حاصل کئے تھے۔ ٹائیگر کو اس بات کا اندازہ ان کی بات چیت سے ہوا تھا۔

لڑکی سیاہ رنگ کے برقع میں تھی۔ اس نے ہاتھوں میں سیاہ دستانے پہن رکھے تھے اور اس کے موزے اور سینڈل بھی سیاہ تھے۔ نقاب میں اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ چوں کہ وہ برقعے میں ملبوس تھی اور ہاتھوں میں دستانے کے باعث ٹائیگر اس کی عمر کا اندازہ نہیں کر سکا تھا۔

ٹائیگر نے لمحے بھر کے لئے سوچا کہ وہ کب تک برقعے میں اس طرح ملبوس رہے گی۔ اس جوڑے کو رخصت کرنے کوئی نہیں آیا تھا۔ ٹائیگر نے ان کے سامان کا جائزہ لیا۔ ان کے پاس صرف ایک اٹیچی، دستی بیگ اور بریف کیس تھا۔ ایک پلاسٹک باسکٹ بھی جس سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ لمبے سفر پر جا رہے ہیں۔ یہ بوگی صرف مخصوص تھی لمبے سفر والوں کے لئے۔

جب گاڑی چل پڑی اور اس نے بیس منٹ کی مسافت طے کر لی تب اس لڑکی نے برقع اتارا اور بڑے سلیقے سے تہہ کر کے دستی بیگ میں رکھ دیا۔ ٹائیگر کو حیرت ہوئی۔ وہ بیٹھنے کے بعد بھی برقع اتار سکتی تھی یا گاڑی کے روانہ ہوتے ہی...... بیس منٹ بعد اتارنا یہ اسرار اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ تب اس نے اس جوان جوڑے کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا وہ اس کے سامنے والی سیٹ پر تھے۔ گو کہ یہ جوان جوڑا تو تھا۔ لیکن کچھ بے جوڑ سا تھا۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ہندوستان کے معاشرے میں یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ آئے دن بے جوڑ شادیاں ہوتی رہتی تھیں اور ایسے بہت سارے جوڑے سر عام نظر آتے تھے۔ اسے نہ صرف حیرت بلکہ دکھ بھی ہوتا تھا۔ پھر وہ یہ سوچتا تھا کہ بنانے والے نے ان کا جوڑ کسی مصلحت کے تحت بنایا ہے۔ جوڑے تو آسمان پر ہی بنتے ہیں...... ایسی ناانصافیوں میں ایک جانب گھر والوں کی پسماندگی ہوتی ہے تو دوسری طرف کچھ ایسی مجبوریاں ہوتی ہیں کہ آدمی بندھ کر رہ جاتا ہے۔ ایک ازدواجی زندگی کا طویل سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہوتا ہے۔

اسے درحقیقت اس بے جوڑ جوڑے کی شادی کا پس منظر کچھ ایسا ہی محسوس ہوا۔ اسے لڑکے پر نہ جانے کیوں بے حد ترس آیا اور دکھ سا محسوس ہوا۔ ایسا لگا کہ وہ کسی مجبوری کے باعث قربانی کی بھینٹ چڑھ گیا ہے اس کی اس لڑکی سے شادی میں اس کی مرضی اور پسند کا دخل کسی صورت اسے محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

لڑکے کی عمر ستائیس اٹھائیس برس یا اس سے ایک دو برس زیادہ ہوگی۔ لیکن وہ زیادہ عمر کا کسی بھی لحاظ سے معلوم نہیں دیتا تھا۔ وہ نہ صرف خوب رو بلکہ ایسا وجیہہ جوان تھا جو ہزاروں میں ایک دکھائی دیتے ہیں۔ دراز قامت نے اس کی وجاہت میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔

اس جوان لڑکے کی بیوی کی عمر ٹائیگر کے ایک اندازے کے مطابق پچیس چھبیس برس ہوگی۔ اس کے چھریرے اور متناسب جسم اور درمیانہ قد کی وجہ سے اس کی عمر کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا۔ ویسے اس کے اندازے غلط ہی ثابت ہوتے تھے۔ لڑکی کی رنگت گہری سانولی تھی...... اس کی بڑی بڑی بے حد سیاہ آنکھیں روشن اور متجسس سی تھیں لیکن چہرے کے نقش و نگار میں تیکھا پن یا ایسی کوئی جاذبیت بھی نہیں تھی جو دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر سکے۔

ایک بات جو ٹائیگر کو بہت عجیب اور پراسراری سی لگی تھی۔ وہ یہ کہ اسٹیشن سے ڈبے میں اس وقت سوار ہوئے تھے جب گاڑی کی روانگی کی دوسری وسل بجی تھی۔ وہ دونوں ویٹنگ روم سے اس طرح باہر آئے تھے جیسے قید خانے سے نکلے ہوں۔ انہوں نے قلی کو صرف اٹیچی کیس اور دستی بیگ تھما دیا تھا۔ لڑکے کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بالکل نیا اور بڑا سا بریف کیس تھا جسے اس نے بڑی مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا جیسے کوئی چھین نہ لے اور اس میں خزانہ بھرا ہوا ہو۔ لڑکی نے ایک بڑا سا پیکٹ اٹھا رکھا تھا۔ وہ یہ سامان بڑی آسانی سے خود بھی اٹھا کر لا سکتے تھے۔ چوں کہ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر جھانک رہا تھا۔ اس لئے ان کی ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ ان کی نشستیں اس کی نشست کے مقابل اور کھڑکی کے ساتھ تھیں۔

اس کے دوسرے ہم سفروں کے پاس اس قدر ساز و سامان تھا کہ وہ رستے میں بے ترتیبی سے نہ صرف بکھرا ہوا پڑا تھا بلکہ آمد و رفت میں رکاوٹ بن گیا تھا بلکہ بیٹھے ہوئے لوگوں کے لئے بھی تکلیف دہ اور پریشانی کا باعث ہو رہا تھا۔ اس کے لئے جگہ بنانے اور ترتیب سے رکھنے کے لئے ایک انفرادی اور بدنظمی سی مچی ہوئی تھی۔ بڑی دیر میں یہ دقت تمام سامان ترتیب سے رکھا جا سکا۔

گاڑی تیز رفتاری سے سفر کر رہی تھی۔ وقت گزاری کے لئے ضروری تھا کہ آپس میں گفتگو کی جائے۔ اور ایک دوسرے سے متعارف ہو یا جائے۔ اس لئے کہ یہ بس کا نہیں بلکہ ریل گاڑی کا سفر تھا۔ موضوعات کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اسے بنگلور جانا تھا۔ کسی قریبی اسٹیشن پر اترنا بھی نہیں تھا۔ اس نے ہی سکوت کو توڑنے میں پہل کی۔

”آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں......؟“

لڑکے کو شاید اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ اس سے کچھ پوچھے گا۔ وہ یک لخت اس طرح سے گھبرا گیا تھا جیسے وہ کوئی مجرم ہو اور کسی پولیس افسر نے سوال کر لیا ہو۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور گیا اور پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں شک کی پرچھائیاں پھیل گئیں۔ اسے جواب دینے میں جھجک سی ہو رہی تھی۔ تاہم اس نے خود کو سنبھالا کر قدرے تامل کے بعد جواب دیا۔

”جی......ہم بنگلور جا رہے ہیں۔“

اس نے اپنے بشرے یا اپنے کسی ردعمل سے یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ وہ لڑکے کی بات سن کر چونک گیا ہے۔ جب لڑکے کے عمل اور اس کی اضطراری کیفیت نے ٹائیگر کو چونکا دیا تھا۔ اور پھر وہ شک وشبے میں مبتلا ہو گیا۔

اس کے چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی زندگی میں واسطہ جرم پیشہ لوگوں سے پڑتا چلا آ رہا تھا۔ ایک طویل عرصہ سے ہر بات کو نہ صرف شکی مزاج سے دیکھنا بلکہ چونکنا اس کی فطرت سی بن گئی تھی جس سے وہ باز نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ ایک پرائیویٹ سراغ رساں تھا۔ ایک طرح سے اس کے اندر جیسے کوئی خفیہ پولیس افسر تھا۔ اس لئے جب کسی کی حرکات و سکنات عجیب اور پراسراری لگتی تو اسے ایک عجیب سی بے چینی ہونے لگتی تھی۔ اس لئے وہ بے چینی کی لہر کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

اور پھر یکایک اس کی چھٹی حس بیدار ہو گئی تھی۔

ٹائیگر کا قیاس بتا رہا تھا کہ یہ جوڑا ہرگز شادی شدہ نہیں ہے بلکہ وہ دونوں اپنے اپنے گھروں سے بھاگ کر بنگلور جا رہے ہیں...... اس بریف کیس میں وہ نقدی اور زیورات ہوں گے جو لڑکی اپنے گھر سے لے کر آئی ہے۔ عموماً اس طرح کی لڑکیاں بری بے رحمی سے اپنے گھروں میں جھاڑو پھیرتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ عشق کے جنون میں اندھی ہو جاتی ہیں۔ وہ نہ صرف سوچنے سمجھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں اور انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا ہے۔ لڑکیوں میں عقل تو ہوتی ہے نہیں...... عشق کی راہ میں قدم قدم پر فریب کھاتی رہتی ہیں۔

ٹائیگر کے ذہن میں ایک بات اور آئی تھی کہ لڑکے نے لڑکی کو بے وقوف بنانے کے لئے اس کے حسن کی خوب تعریف کی ہوگی...... اس حسن کا دور دور کوئی پتا اور نام و نشان نہیں تھا جو ایک لڑکی محسوس کرتی ہے۔ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوگی۔ اس کی اس کمزوری سے لڑکے نے فائدہ اٹھایا ہوگا...... اس نے نہ صرف اس کی تعریف کے پل باندھ دیئے ہوں گے۔ لڑکی نے بڑے خواب دیکھے ہوں گے۔ پھر وہ اپنے آپ کو واقعی خوب صورت سمجھی ہوگی اور اس لڑکے کی جھولی میں کسی پکے پھل کی طرح گر پڑی ہوگی۔ لڑکے نے تجویز دی ہوگی۔ بنگلور جا کر شادی کر لیں گے۔ شادی اور مستقبل کے خیال سے وہ گھر سے رقم اور زیورات لے کر فرار ہو رہی ہوگی۔ یقیناً لڑکی نے اونچا ہاتھ ہی مارا ہوگا۔ اس کے گھر والے

یقیناً خوش حال اور دولت مند بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ لاکھوں ہی لے جارہی ہوگی۔

جب ٹائیگر نے خیالات کے گرداب سے نکل کر تھوڑی دیر بعد کسی بہانے سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر لڑکی کے چہرے پر نظریں مرکوز کیں تو اس کا قیاس درست ثابت ہوا اور وہ ریت کے تودے کی طرح ڈھے گیا۔ گو کہ لڑکی عام شکل و صورت کی تھی۔ لیکن اپنی صورت سے اس قماش کی دکھائی نہیں دیتی تھی کہ وہ عشق کے جنون میں اپنے آپ کو لڑکے کو سب کچھ سونپ دے اور اس کی جھولی میں پکے پھل کی طرح ٹپک پڑے...... اور اپنا گھر بار ایک لڑکے کی خاطر چھوڑ دے اور اس کے ساتھ آنکھیں بند کر کے بھاگ نکلے۔ ایسی لڑکیاں اور ہوتی تھیں۔

وہ اپنے چہرے مہرے اور وضع قطع سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نفیس مزاج کی لڑکی اسے لگی تھی۔ اس کے لب و لہجے کی نفاست اور شائستگی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ لڑکی کا تعلق کسی اچھے اور اعلیٰ گھرانے سے ہے۔ وہ یوں ہی ہر طرح سے پرسکون نظر آرہی تھی۔ اس کے بشرے سے کسی بے چینی اور ذرہ برابر اضطراب ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ جو عموماً گھروں سے فرار ہونے والی اکثر لڑکیوں کی حرکات و سکنات اور چہروں پر دکھائی دے جاتا ہے...... اگر وہ واقعی اپنے گھر اور ضمیر کی مجرم ہوتی تو ندی کی طرح پرسکون نہیں ہوتی اور اس کا وجود ہر لمحہ مرتعش رہتا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی شوخی نہیں بلکہ انجانے خوف کی لرزیدگی ہوتی......

اس لڑکی کی برعکس اس کے ساتھی لڑکے کی ظاہری حالت قدرے مختلف تھی۔ وہ اپنی اندرونی اضطرابی کیفیت کو بہ وقت تمام دبائے ہوئے تھا۔ وہ مضطرب سا ہو کر بار بار بریف کیس کو کسی نہ کسی بہانے دیکھتا جو اس کے پاس ہی رکھا تھا...... جسے اس کا بس چلے تو اسے سینے سے لگا لے یا اپنی آغوش میں بھر لے۔ جب کسی کی نگاہیں غیر ارادی طور پر اس خوب صورت سے بریف کیس کی طرف اٹھ جاتیں تو وہ ایک دم سے چوکنا ہو جاتا اور اس شخص کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھنے لگتا۔ چہرہ متغیر سا ہونے لگتا۔

ٹائیگر کا تجسس برابر بڑھتا رہا جو ایک قدرتی اور فطری امر تھا۔ اس کا شک اس یقین میں تبدیل ہو چکا تھا کہ اس بریف کیس میں ہزاروں کے نہیں بلکہ لاکھوں کے زیورات موجود ہیں۔ اس لئے وہ ہر نگاہ پر کسی سہمی ہوئی ہرنی کی طرح چوکنا ہو جاتا ہے اور اس بریف کیس سے ایک لمحے کے لئے غافل نہیں ہو رہا ہے۔ ایک اسٹیشن پر جب گاڑی سگنل نہ ملنے

کی وجہ سے چند لمحوں کے لئے رکی اور ایک گشتی سپاہی نہ جانے کسی کی تلاش میں بوگی میں جھانکا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ لرزے کا مریض بن گیا۔ سوائے ٹائیگر کے کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی...... اگر کوئی ہم سفر نے اس کا بے لہو چہرہ دیکھتا تو شک میں پڑ جاتا یا پھر اس سے پوچھتا کہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا......؟

لیکن دوسری طرف لڑکی کی طمانیت شکوک کو رفع کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اس بریف کیس میں لڑکی کے اپنے زیورات ہوتے تو وہ زیادہ پریشان اور محتاط ہوتی...... ٹائیگر کے خیال میں لڑکا ایسی حماقت کرنے سے رہا کہ وہ اپنے ہی گھر پر ڈاکا مارے یا پھر اس بریف کیس میں کوئی ایسی چیز تھی جس نے لڑکے کو ہوشیار اور چوکنا رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسی عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ جب کہ کبھی اور کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور پھر اسے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جب شام کے گہرے سائے رات کی تاریکی میں ہم آغوش ہونے لگے جب پوری بوگی میں ایک ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ چوں کہ رات کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا اس لئے مسافر اپنے ناشتے دان کھولنے اور دستر خوان بچھا کر کھانا چننے لگے۔ ٹائیگر کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے اسٹیشن پر صرف ایک پیالی چائے پی تھی۔ ہم سفروں میں صرف وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے پاس کھانا نہیں تھا۔ اسے پچھتاوا سا ہو رہا تھا کہ اس نے اسٹیشن پر کسی مسلم ریسٹورنٹ سے بریانی پارسل کیوں نہیں کروائی تھی۔ ٹرین میں ڈائننگ کار تھی جس میں ویجیٹرین کھانے دستیاب تھے لیکن ممبئی اسٹیشن کے مسلم ریسٹورنٹ کی بریانی بڑی لذیذ اور ذائقہ دار ہوتی تھی۔ اسے دو ایک مرتبہ کھانے کا اتفاق ہو چکا تھا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر خاصی دیر کھڑی رہی تھی۔ اس ہوٹل کے باوردی ویٹر بھی گزرے تھے۔ تب اسے دھیان نہیں آیا تھا کہ رات کے کھانے کا وہ کیا کرے گا۔ اب اسے ویجیٹیرین کھانے پر انحصار کرنا تھا۔

اس نے سوچا کہ کسی اسٹیشن پر گاڑی رکی یا ڈائننگ کار کا کوئی ویٹر اندر سے گزرا تو لے لے گا۔ ایک ویٹر آیا تو اس نے معذرت کی اور کہا کہ صرف چائے یا کافی یا کولڈ ڈرنکس مل سکتی ہے۔ اس نے بتایا کہ اب جو اسٹیشن آنے والا ہے وہ پینتالیس منٹ بعد ...... شاید وہاں کھانا مل جائے۔ ٹائیگر کے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تھے۔ لیکن اب صبر کے سوا چارہ نہیں تھا۔

لڑکی نے اوپر والی برتھ سے اپنا پرس اٹھایا اور اسے برتھ پر رکھ کر کھولا۔ ٹائیگر نے نہ چاہتے ہوئے بھی ادھر دیکھا۔ شامی کباب، فرائی قیمہ اور روغنی پراٹھوں کے ساتھ سلاد اور پودینے کی چٹنی بھی تھی۔ گتے کی رکابیاں بھی تھیں۔ لڑکی نے ایک رکابی میں دو پراٹھے رکھے۔ پھر دوسری رکابی میں اس نے بڑے سلیقے اور قرینے سے دو ابلے ہوئے انڈے، دو شامی کباب، قیمہ چٹنی اور سلاد رکھا۔ پھر اس نے اپنے سر اور سینے پر دوپٹا درست کیا۔ پھر ان دونوں رکابیوں کو اپنے دونوں ہاتھ میں اٹھا کر یک لخت ٹائیگر کی طرف گھومی۔ پھر اس نے ٹائیگر کو اپنائیت بھرے لہجے میں مخاطب کر کے کہا۔

''یہ لیجئے انکل......! آپ بھی کھانا کھالیں۔''

ٹائیگر کو اس لڑکی سے اس قسم کے سلوک کی توقع نہیں تھی۔ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک اجنبی لڑکی گھر کے فرد کی طرح پیش آئے گی۔ لڑکی نے اسے رسمی طور پر دعوت دینے کے بجائے عملی طور پر ایک انجانے خلوص اور جذبے کا اظہار کیا تھا۔ اس لڑکی کی مہمان نوازی اور اپنائیت نے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔ ٹائیگر نے چونک کر رسمی طور پر نیم دلی سے انکار کیا او رکہا۔

''آپ لوگ بسم اللہ کریں...... تھوڑی دیر میں اسٹیشن آنے والا ہے۔ میں اسٹیشن سے لے لوں گا۔''

''انکل......! پلیز......!'' اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ اس میں لجاجت بھی تھی۔ وہ ٹائیگر سے اس طرح پیش آرہی تھی جیسے وہ واقعی اس کا انکل ہو۔ ''امی نے ہم دونوں کے لئے کتنا سارا کھانا تیار کر کے دے دیا ہے...... اتنا سارا کون کھائے گا...... ہم سفر غیر مذہب ہیں وہ کباب اور قیمہ کا گوشت کہاں کھاتے ہیں۔ ورنہ میں انہیں بھی پیش کر دیتی...... اور پھر ریلوے کے کھانے پر پیسے کیوں برباد کرتے ہیں...... ان کے کھانے کھا کر آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔''

آخری جملہ ادا کرتے وقت اس لڑکی کا لہجہ قدرے شوخ ہو گیا تھا۔ وہ بڑی خوش مزاج اور زندہ دل واقع ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے مجبوراً اس پر خلوص لڑکی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

امی تو قورمہ، چکن کڑائی اور مرغ بریانی اور نہ جانے کیا کیا پکا کر دینا چاہ رہی تھیں جیسے

ہم تین چار دن کے سفر پر جا رہے ہیں۔''

لڑکی نے لڑکے کی طرف شوخ نظروں سے دیکھا تو لڑکا معنی خیز انداز سے مسکرا کر رہ گیا۔ ''جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں شاید کھانا نہیں ملے گا......'' وہ ہنس پڑی۔

اب ٹائیگر کے لئے کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں رہی تھی اور اس کا قیاس بھی غلط ثابت ہوا تھا۔ گھر سے بھاگنے والی لڑکی کو اس کی ماں سفر میں کھانے کے لئے پرتکلف کھانا بنا کر دینے سے رہی۔ ان چیزوں کا ذائقہ اور شکل بتا رہی تھی کہ یہ گھر کے پکے ہوئے کھانے کسی عورت کے ہاتھ کے تیار کردہ ہیں۔ بہت مزیدار اور لذیذ چیزیں تھیں۔ ٹائیگر نے بڑی رغبت سے کھایا اس لئے بھی اسے کبھی کبھی اور عرصہ بعد کسی عورت کے کھانے اتفاقیہ نصیب ہوتے تھے۔

کھانے کے دوران وہ لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہوئے۔ لڑکی کا نام عطیہ اور لڑکے کا نام سرفراز...... کوئی ایک ماہ پیشتر ان دونوں کی شادی ہوئی تھی۔ لڑکی کے والد کی بھنڈی بازار میں جیولری کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جو خوب چلتی تھی۔

لڑکے کے والدین بھائی، بہن اور کوئی بھی قریبی رشتہ دار نہیں تھا۔ اس کے کچھ رشتہ دار احمد آباد میں رہتے تھے۔ اس نے دو برس سے ایم بی اے کیا ہوا تھا۔ وہ شادی کے بعد اپنی بیوی کو ساتھ لے کر بنگلور جا رہا تھا کیوں کہ بنگلور میں ملازمت ممبئی شہر کی نسبت آسانی سے مل جاتی تھی۔ اس نے کمپیوٹر کے دو ایک ایسے پروگرام کورس کئے ہوئے تھے جس کی بڑی مانگ تھی۔ عطیہ کا کسی کالج میں لیکچرر کے لئے اپلائی کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ اس نے ڈبل ایم اے انگلش میں کیا ہوا تھا اور ممبئی میں ایڈن گرلز کالج میں ایک برس سے پڑھا رہی تھی۔ وہ دونوں اپنی نئی زندگی کا آغاز بنگلور جیسے خوب صورت شہر سے کرنا چاہتے تھے۔ ممبئی کے مقابلے میں یہ شہر ہر لحاظ سے پرسکون ماحول کا تھا۔ یہاں وہ مسائل نہیں تھے جو ممبئی میں تھے۔

اب ٹائیگر تجسس کی دنیا سے نکل آیا تھا۔ کیوں کہ اب اس کے لئے کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ پر شکوک کے جو گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے وہ ایک ایک کر کے چھٹ گئے تھے۔ اب اس کی نظروں کے سامنے صاف و شفاف اور نکھرا ہوا آسمان تھا۔ اس نے اپنے بارے میں بتایا ہوگا کہ بنگلور میں اس نے ایک مکان

خرید کر رکھا ہوا ہے۔اس کا چھوٹا موٹا پلاسٹک کا کاروبار ہے۔ وہ مکان میں کچھ دن رہنے جا رہا ہے۔ جو خالی پڑا ہو۔

وہ سمجھ گیا کہ اس بریف کیس میں نہ صرف کچھ نقد ہے بلکہ شادی کے زیورات موجود ہیں۔ جو ان کی اپنی ملکیت ہے۔ ظاہر ہے ایک جوہری نے اپنی بیٹی کو جہیز میں قیمتی زیورات دیئے ہوں گے۔ ان زیورات کے عوض لڑکا بک گیا تھا جب کہ اس لڑکے کو فروخت ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی خوب صورتی اور وجاہت سے فائدہ اٹھا کر کسی بھی بڑے گھر کا داماد بن سکتا تھا اور اسے بیوی بھی حسین وجمیل مل جاتی۔ یہ شاید عجلت پسند تھا یا پھر اس نے کسی خاص مقصد سے اس لڑکی سے شادی کر لی تھی۔

زندگی کے اس سفر میں لڑکا واقعی بڑا ہی خوش نصیب تھا کہ اسے عطیہ جیسی بیوی ملی تھی جو ہر لحاظ سے ایک مکمل عورت تھی...... ایک روایتی عورت جو لگی بندھی ڈگر پر چل کر گھر کو جنت کا نمونہ بناتی ہے اور شوہر پرست ہوتی ہے۔ ایک مرد ایسی بیوی پر بجا طور پر ناز اور فخر کر سکتا تھا۔ ایسی مثالی لڑکیاں خال خال ہی مظاہرے میں نظر آتی تھیں۔

پونا اسٹیشن پر گاڑی رکی تو اس نے ٹائیگر اپنے اور سرفراز کے لئے بھی چائے منگوائی۔ اس نے ٹائیگر کو چائے کے پیسے دینے نہیں دیئے تھے۔ اس نے اپنا پرس جو اٹیچی سے نکالا تھا اس میں سے چائے کے پیسے نکال کر دیئے تھے۔ جب ٹائیگر نے خوانچے والے کو بلا کر اپنی پسند کے سگریٹ کے بارے میں پوچھا تو اس نے ٹائیگر کو دو پیکٹ کے بھی پیسے دیئے تھے۔ جب اس نے احتجاج کیا اور پیسے دینے لگے تو وہ بہن کی طرح روٹھنے لگی۔ ٹائیگر کو ایسا لگا کہ جیسے وہ اپنی بہن کو اس کی سسرال چھوڑے جا رہا ہو۔ اس میں اور عطیہ میں بہت ساری باتیں مشترک تھیں۔ عطیہ کے خلوص...... اپنائیت کے جذبے اور محبت آمیز برتاؤ نے اس کے اندر یہ جذبہ بیدار کیا تھا وہ اس کی زندگی کے لئے دعا کرے۔

مارچ کا مہینہ تھا۔ باہر کا موسم بڑا خوشگوار اور دلکش سا ہو گیا۔ بہار کا موسم عجب بہار دے رہا تھا...... اور پھر عطیہ کی باتوں اور بے حد مخلصانہ برتاؤ سے فرحت بخش ہو کر دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گیا تھا۔ عطیہ نے سفر کو بڑا سہانا بنا دیا تھا۔ اور اسے بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اکیلا سفر کر رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ اگر عطیہ سے سفر میں ملاقات نہ ہوتی تو وہ نہ صرف تنہائی محسوس کرتا بلکہ بڑی بوریت بھی محسوس کرتا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ

وہ عطیہ کو اس کی سسرال چھوڑ کر لوٹ رہا ہے۔ اس سے اس کی طبیعت پر ایک گہری یاسیت اور اداسی چھا گئی تھی۔ جس کا اس نے دل پر گہرا اثر لیا تھا۔ ٹائیگر لڑکیوں کے بارے میں بہت جذباتی ہوتا تھا۔ اسے ایسا بھی لگ رہا تھا کہ عطیہ سے جیسے کوئی انجانا رشتہ ہو۔

سرفراز ایک طرح سے اس سے الگ تھلگ ہی رہا۔ ٹائیگر نے اندازہ کیا کہ وہ شاید بریف کیس میں موجودہ دولت کے باعث اس سے اور دوسرے ہم سفروں سے میل جول بڑھانے میں احتیاط برت رہا ہے۔

جب اس نے ٹائیگر کو زیادہ لفٹ نہیں دی تو وہ بھلا اس کی کیا پرواہ کرتا۔ اور سمجھا تا کہ تم جو اس قدر محتاط اور چوکنا ہو رہے ہو اس سے ہم صرف شک کر سکتے ہیں کہ بریف کیس میں یقیناً مال بھرا ہوا ہے۔ وہ عطیہ سے بہت گھل مل گیا۔ کیوں کہ آخر وہ ایک سونا جیسی لڑکی تھی۔ اس سے اس طرح پیش آ رہی تھی وہ جیسے اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو۔

جب مسافر سونے کی تیاری کرنے لگے تو اوپر والی برتھوں پر سرفراز اور ٹائیگر آمنے سامنے لیٹ گئے تھے۔

درمیان والی برتھوں پر عطیہ اور ایک برقع پوش عورت اپنے نوزائیدہ بچے کے ساتھ لیٹ گئی۔ برقع پوش عورت کے سخت گیر شوہر نے جو ایک کشمیری پٹھان تھا سیٹوں کے درمیان چادر لگا کر پردہ تان دیا تھا تا کہ اس کی بیوی سکون واطمینان اور آزادی سے سو سکے۔ وہ سب سے نیچے برتھ پر دراز ہو گیا۔ ٹائیگر کو اس لئے دراز ہوتے ہی نیند آ گئی اور جلد ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا کہ موسم اور خوش گوار اور حسین ہو گیا تھا۔ خنک ہوا نے جیسے لوریاں دے کر سلا دیا ہو۔

کسی اور اسٹیشن پر گاڑی رکی تو پلیٹ فارم پر مسافروں اور قلیوں کے شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ شاید کوئی جنکشن تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کی لیکن تھی کہ کسی ہرجائی محبوبہ کی طرح روٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سرفراز کی طرف دیکھا۔ وہ سو نہیں جاگ رہا تھا۔ شاید اس کی آنکھ بھی شور کی وجہ سے کھل گئی تھی۔ اس نے بریف کیس کو سرہانے رکھ کر تکیہ بنایا ہوا تھا۔ اگر کوئی بریف کیس کو اس کے سر کے نیچے سے بریف کیس کھینچتا تو اس کی آنکھ ضرور کھل جاتی۔

عطیہ درمیانی برتھ پر لیٹی ہوئی تھی وہ نکل کر فرش پر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اس کی طرف

مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور کہا۔

''انکل......! کیا آپ بھی جاگ رہے ہیں......؟ آپ تو لیٹتے ہی سو گئے تھے؟''

''میں شور سے بیدار ہوا ہوں......ورنہ گہری نیند سوتا ہوتا......''

''آپ جاگ ہی گئے ہیں تو چائے پی لیں...... آپ کے لئے میں چائے منگواتی ہوں۔'' اس نے کہا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''بھئی...... مجھے چائے نہیں بلکہ نیند پیاری ہے...... چائے تو نیند کی دشمن ہوتی ہے......اب میں نے دو گھونٹ چائے پی بھی لی تو ساری رات سو نہیں سکوں گا......لہٰذا مجھے معاف ہی رکھو......''

عطیہ اس کی باتیں سن کر مسکرا اٹھی۔ پھر اس نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر چائے والے کو آواز دی۔ جب وہ کھڑکی کے پاس آیا تو اس نے چائے والے کو چائے کے لئے کہا...... ٹائیگر نے سونے کی کوشش کی۔ آنکھیں موند لیں۔ لیکن وہ اس حالت میں کسی کی بھی حرکات وسکنات دیکھ سکتا تھا۔ عطیہ نے اپنا پرس کھول کر اس میں سے بیس روپے کا نوٹ نکالا تو اس نے ایک چھوٹی سی پڑیا کو پرس سے نکل کر فرش پر گرتے ہوئے دیکھا۔ عطیہ نے فوراً ہی بجلی کی سی سرعت سے جھک کر اس پڑیا کو اس طرح سے اٹھایا جیسے وہ کوئی قیمتی ہیرا ہو...... پھر اس نے اس پڑیا کو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں اس طرح سے دبا لیا کہ جیسے اسے کسی کی نظروں میں لانا نہ چاہتی ہو۔

عطیہ کی اس حرکت نے اسے بری طرح چونکا دیا۔

اسی لمحے وہ ٹائیگر کو بری پراسرار اور عجیب سی لگی۔ اس کے دل کے کسی کونے میں شک کی لہر اٹھی...... نہیں...... کہیں یہ زہر کی پڑیا نہ ہو۔ لیکن زہر کا اس کے پاس کیا کام......؟ بالفرض محال وہ زہر ہے تو اس نے کیوں اور کس لئے اپنے پرس میں رکھا ہوا ہے...... کیا وہ اپنے شوہر کو زہر دینا چاہتی ہے......؟

جب چائے والا چائے لے کر آیا تو اس نے دونوں پیالیاں لے کر مڑنے سے پہلے ٹائیگر کی طرف دیکھا...... وہ سوتا بن گیا اور لمبی لمبی سانسیں لے کر یہ تاثر دینے لگا کہ وہ گہری نیند سو گیا ہے۔

دوسرے لمحے عطیہ نے اسے دھیمی آواز میں مخاطب کیا۔ ''انکل......! آپ

چائے پئیں گے؟''

جب ٹائیگر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو اس نے دونوں پیالیاں لے لیں۔ پھر اس نے سرفراز کی طرف دیکھا...... سرفراز آنکھیں بند کئے انجانے تصور میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا خوب صورت چہرہ جانے کن خیالوں سے دمک رہا تھا اور اس کے رخ پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ بھی کھیل رہی تھی جیسے سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کر لیا ہو۔

عطیہ نے بڑی سرعت سے پلٹ کر چائے کی دونوں پیالیاں اپنی برتھ کے بستر کے قریب رکھ دیں۔ پھر اس نے گریبان سے پڑیا نکال لی۔ اس نے وہ پڑیا گریبان میں رکھ لی تھی وہ دیکھ نہیں سکا تھا۔ جب اس نے بغیر کسی تاخیر کے وہ پڑیا کھولی تو اس کے ہاتھ میں کپکپاہٹ پیدا ہو گئی تھی جس پر اس نے جلد ہی قابو پا لیا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے گردوپیش کا جائزہ لے کر اپنا اچھی طرح سے اطمینان کر کے پڑیا کا سارا سفوف ایک پیالی میں ڈال دیا۔ وہ اس قدر محتاط ہو گئی تھی کہ خالی پڑیا کو کھڑکی کے راستے باہر پھینکنے میں پل بھر کی بھی دیر نہیں کی تھی۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔ اس نے دوپٹے کے پہلو سے پیشانی کے پسینے کو جذب کیا اور ایک گہرا سانس لیا۔

پھر اس نے فوراً ہی طشتری میں سے چمچ اٹھا کر اس سفوف کو چائے میں گھولنے لگی۔ وہ چند لمحے تیزی سے چمچ چلاتی رہی۔ جب اسے اچھی طرح اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ سفوف چائے میں اچھی طرح سے حل ہو گیا ہے تو اس نے چمچ نکال کر طشتری میں رکھا۔ اس دوران اس کے چہرے پر پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ اس نے اسے دوپٹے میں جذب کیا۔ اچھی طرح سے چہرہ پونچھا۔ پھر اس نے سر پر دوپٹا رکھ کر درست کیا۔ پھر چائے کی پیالی دائیں ہاتھ میں اٹھا لی۔ پھر اس نے بائیں ہاتھ سے سرفراز کا بازو ہلایا جو گہری نیند میں غرق تھا۔

چند ثانیوں کے بعد سرفراز نے بیدار ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا بات ہے؟''

عطیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا...... اس کے شوخ لہجے میں ہلکا سا طنز تھا جو صاف طور پر محسوس ہوتا تھا۔

''سرتاج چائے لیجئے......! کنیز نے آپ کے لئے چائے منگوائی ہے۔''

سرفراز نے چونک کر پہلے تو بریف کیس کی جانب نگاہ کی۔ پھر اس نے اپنی دونوں آنکھیں ملیں۔ پھر اس نے اپنی پوری آنکھیں کھول کر اس کی طرف محبت بھری نظروں سے

دیکھتے ہوئے ترنگ کے عالم میں پوچھا۔

''کون سی جناب......؟''

''ریلوے اسٹیشن کی......'' عطیہ گنگنائی۔

سرفراز اٹھا اور بریف کیس سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ عطیہ کے ہاتھ سے چھائے کی پیالی لیتے ہوئے مسکرایا۔

''آپ کی اس نوازش کا بہت بہت شکریہ...... آپ میری ہر بات کا کتنا خیال رکھتی ہیں۔''

''آپ بہت ہی ہوشیار...... بادشاہ سلامت......'' عطیہ نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''اس میں ہوشیاری کی کیا بات ہے......؟'' سرفراز نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''بادشاہ سلامت......! اس میں ہوشیاری کی کیا بات ہے نہیں ہے تو پھر کیا ہے......؟ آپ میری ہر نوازش کو شکریے پر ٹال دیتے ہیں...... کوئی انعام واکرام سے نوازتے نہیں ہیں۔'' وہ شرارت کے انداز میں آہستگی سے بولی۔

''وقت آنے پر ہم اپنی ملکہ عالیہ کو ایسی فیاضی سے نوازیں گے کہ...... آپ زندگی بھر فراموش نہیں کرسکیں گی...... آپ نے ہمارا دل کہاں دیکھا ہے......؟'' سرفراز نے متکبرانہ لہجے میں کہا۔

''کنیز...... اس روز کا بے تابی سے انتظار کرتی رہے گی......'' عطیہ نے کورنس بجا لاتے ہوئے کہا۔

''آپ فکر مند نہ ہوں...... وہ دن بہت جلد آپ کی زندگی میں طلوع ہونے والا ہے......'' سرفراز نے کہا۔

''ہم اس دن کا انتظار کریں گے بادشاہ سلامت......!'' عطیہ نے کہا۔

''بس...... وہ دن...... دو ایک دن میں ہی آجائے گا...... آپ ہم پر بھروسا رکھیں۔''

عطیہ جانے کس خیال میں لجا سی گئی اور وہ اس لمحے ٹائیگر کو بہت اچھی لگی۔ اس لمحے اس کے چہرے پر حیا سے ایک نکھار آ گیا تھا۔ جس نے عجیب سی جاذبیت پیدا کردی تھی۔

لیکن وہ سمجھ گیا کہ عطیہ اپنی اداکاری اور عیاری کا جوہر دکھا رہی ہے۔ وہ بڑے بھولپن اور سادگی سے سرفراز کو بے وقوف بنا رہی ہے۔ اس بات کا ٹائیگر کو اندازہ نہ تھا کہ وہ اس قدر تیز لڑکی ہے۔ کسی دودھاری تلوار کی طرح۔

صاحب زادے عطیہ کو لجاتے دیکھ کر کھل اٹھے۔ انہوں نے ایک ہاتھ میں چائے کی پیالی پکڑ رکھی تھی...... دوسرے ہاتھ سے عطیہ کی کلائی پکڑ لی تو وہ سرخ ہوگئی...... ''کچھ تو خیال کیجئے...... یہ ریل گاڑی ہے...... بیڈ روم نہیں......'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''تم اس قدر حسین دکھائی دے رہی ہو کہ دل قابو میں نہیں آرہا ہے۔'' سرفراز نے شاعرانہ انداز میں کہا۔

عطیہ نے فوراً ہی اپنے آپ کو اس خول سے باہر نکالا اور غیر محسوس انداز سے اپنی کلائی چھڑا لی اور بولی۔

''عالی جاہ......! چائے ویسے ہی ٹھنڈی ہوئی جارہی ہے۔ اگر آپ کا فرمان شاہی جاری رہا تو برف بن جائے گی۔''

''ٹھنڈی ہو رہی ہے تو اسے پھینک دو اور دوسری گرم چائے منگوالو......'' سرفراز نے کہا۔

''اب اتنا وقت نہیں رہا کہ چائے کا انتظار کیا جائے...... یوں بھی چائے کے اسٹال پر بہت رش ہے...... چائے پوری طرح ٹھنڈی نہیں ہوئی ہے...... نیم گرم تو ہے۔'' عطیہ نے فوراً ہی کہا۔

''اگر ایسی بات ہے تو زہر مار کرلیتے ہیں......'' سرفراز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سرفراز نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کڑوا سا منہ بنایا۔ ''کیا واہیات چائے ہے۔ میں نے کبھی ایسی چائے نہیں پی۔''

''یہ چائے ریلوے پلیٹ فارم کی ہے۔ آپ کے شاہی باورچی خانے کی نہیں ہے۔'' عطیہ نے جھٹ سے جواب دیا۔ پھر وہ چائے کا گھونٹ لے کر بولی۔ ''آخر میں بھی تو پی رہی ہوں...... ایسی خراب بھی تو نہیں ہے۔''

''میں نہیں پیوں گا یہ کڑوی کسیلی چائے۔'' اس نے چائے کی پیالی عطیہ کی طرف بڑھائی۔

"چائے نہیں پیو گے تو اپنی نیند کیسے بھگاؤ گے......؟" عطیہ نے سراسیمہ ہو کر اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں رات بھر نہیں سوؤں......" سرفراز نے الجھ کر کہا۔ "جاگتا رہوں...... تمہیں دیکھتا رہوں۔"

"اگر تمہیں نیند آ گئی تو سمجھو کہ......" عطیہ نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اوہ...... مجھے تو اس بات کا دھیان ہی نہیں رہا۔" سرفراز نے چونک کر بریف کیس کی طرف دیکھا۔

"عالی جاہ......! گھوڑے بیچ کر نہیں بلکہ تخت و تاج بیچ کر سو رہے تھے...... میں نہیں جگاتی اور چائے نہیں منگواتی تو...... عالی جاہ کی آنکھ شاید بنگلور جا کر کھلتی...... چائے پیتے نیند بھاگ جائے گی۔" وہ شوخی سے بولی۔

"نیند کیا...... شیطان بھی بھاگ جائے گا۔" سرفراز نے ایک ہی سانس میں چائے حلق سے اتار لی۔ پھر اس نے برا سا منہ بنایا۔ اس چائے سے تو کسی بھی سرکاری اسپتال اور ڈسپنسری کی مکسچر لاکھ درجے بہتر ہوگا...... کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی اور سے چائے لے لو۔"

"وہ کس لئے......؟" عطیہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "اس چائے سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔"

"منہ کا ذائقہ بہت خراب ہو گیا ہے...... اچھی چائے کی بڑی طلب ہو رہی ہے۔" سرفراز نے کہا۔

"گاڑی چلنے والی ہے۔" عطیہ نے اس کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لے لی۔ "تم جاگتے رہو گے...... کسی اور اسٹیشن سے تمہیں اچھی چائے پلا دوں گی۔ پہلے میں پی کر دیکھوں گی...... اچھی لگی تو عالی جاہ کی خدمت میں پیش کروں گی۔"

ٹائیگر نے عطیہ کے چہرے پر ایک فاتح جرنیل کی سی مسکراہٹ دیکھی...... اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں کڑکڑاتی بجلیوں کی لپک دکھائی دے رہی تھی...... سرفراز نے جو پوری چائے پی لی تو اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ جیسے اس کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا ہو۔ اور اعصاب پھول کی طرح ہلکے ہو گئے ہوں۔ جب چائے والا اپنی پیالیاں لینے آیا تو اس نے نہ صرف دس روپے بخشش اور چائے کے پیسے دیئے اور اس پر اپنی کامیابی پر سرشاری سی تھی۔

ٹائیگر تو کب سے اپنی جگہ پر لیٹا ہوا عطیہ کی حرکات و سکنات دیکھتا رہا تھا۔ لحہ بہ لحہ اس کی حیرت دوچند ہوئی جا رہی تھی...... ایک سیدھی سادی لڑکی نے یکایک اپنا چولا بدل کر اسے جیسے اوپر برتھ سے نیچے گرا دیا تھا۔ اس کے ذہن پر ہتھوڑے پڑنے لگے...... اس کے ذہن میں خیالات گڈمڈ ہونے لگے اور وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہ رہ سکا کہ درحقیقت وہ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں بلکہ میاں بیوی کا ڈرامہ رچا کر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ ورنہ وہ کچھ دیر پہلے ایک میاں بیوی کئی مسافروں کی موجودگی میں وہ گہری نیند سو ہی کیوں نہ رہے ہوں ایسے شوخ اور محبت بھرے انداز میں بات نہیں کر سکتے...... میاں بیوی یوں بھی صاف پہچانے جاتے ہیں۔ یہ دونوں تو فلمی رومانی جوڑا بنے ہوئے تھے۔

لیکن دوسری طرف اس کی بدصورت محبوبہ نے اس کی بچھائی ہوئی ساری بساط الٹ دی تھی...... شہ مات کے اس مات کھیل میں عطیہ کا پلہ بھاری تھا۔ اس کے دل میں شاید لالچ آ گیا تھا۔ وہ ایک خطرناک اور طرح دیتی ہوئی...... گہری اور سنبھلی ہوئی عورت دکھائی دے رہی تھی...... اس نے سرفراز کی چائے میں نیند یا بے ہوشی کی دوا ملا دی تھی کہ جیسے ہی سرفراز پر بے ہوشی طاری ہو جائے تو وہ بریف کیس لے کر کسی اسٹیشن پر اتر جائے گی...... ٹائیگر کو زیادہ اس بات کا امکان ہے کہ عطیہ کا کوئی ساتھی اس گاڑی میں موجود ہو اور اس کی موجودگی کے باعث ہی اس نے اتنا بڑا اقدام اٹھایا ہو۔

یہ بچوں کا کھیل نہیں تھا اور ایک عام قسم کی لڑکی اتنی ہمت سے یہ کام کر سکتی تھی۔ لیکن ٹائیگر نے بھی دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ...... وہ عطیہ کو اپنے ارادوں میں کسی قیمت پر کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

عطیہ اب اس کے لئے بہت ہی پراسرار اور شاطر قسم کی لڑکی بن گئی تھی...... اب اس کے دل کے کسی کونے میں عطیہ کے لئے ہمدردی کی رمق بھی نہیں رہی تھی۔ اس کی پیشہ ورانہ زندگی اور سراغ رسانی کے کاموں میں اسے بہت ساری ایسی نوجوان اور شادی شدہ لڑکیوں سے واسطہ پڑا اور پڑتا رہتا تھا کہ جو مجرم ہوتی تھیں۔ لیکن ان میں کوئی عطیہ کی طرح ہوشیار...... ذہین اور خطرناک نہیں تھی جس سے اس کا واسطہ پڑا ہو۔ ایک بھولی بھالی لڑکی سے وہ اس طرح کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔

جب عطیہ اپنی برتھ پر جا کر لیٹ گئی اور جلد ہی گہری نیند میں ڈوب گئی تو اسے نہ صرف

اپنے خیالات جھٹک دینا بلکہ بدل دینا بھی پڑے تھے۔ عطیہ نے اسے بری طرح چکرا دیا تھا۔ بلکہ بھونچکا بھی کر دیا تھا۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد بھی اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ...... آخر اس نے پڑیا چائے میں گھول کر کیوں پلائی تھی......؟ آخر اس پڑیا میں کون سی دوا تھی......؟ وہ اس کے متعلق جتنا سوچ رہا تھا اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔

اس کے دماغ میں ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ کیوں کہ اس کے اندر جو سراغ رساں وہ پوری بیدار ہو کر اس پراسرار معاملے کی تہہ میں پہنچنے کے لئے میدان میں آ گیا تھا۔ یہ عجیب کیس تھا جو اس کے لئے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ سونے کی کوشش کے باوجود سو نہیں سکا تھا اور اس معاملے کو صبح تک کے لئے موقوف کر دیا تھا...... اور پھر وہ سوتا بھی کیسے......؟ کیوں کہ زندگی میں پہلے اسے ایک ایسی لڑکی سے واسطہ پڑتا تھا جس نے اس کے برسوں کے تجربے کو چیلنج کر دیا تھا اور پھر اس کی تمام صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا تھا...... اب اس کی قابلیت کا ایک کڑا امتحان تھا...... آزمائش تھی...... اس کے اندر تجسس کا ایک طوفان بپھرا ہوا تھا...... ایک نادیدہ آواز جیسے چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی...... اس کے کانوں میں گرم گرم سیسہ انڈیل رہی تھی...... ٹائیگر تم ایک عام قسم کی لڑکی سے ہار گئے...... تمہارے سارے اندازے غلط نکلے......

وہ لیٹا لیٹا...... آنکھوں پر بازو رکھے عطیہ پر نگاہیں مرکوز کئے ہوئے تھا۔ عطیہ مکمل طور پر اس کی نظروں کی گرفت میں تھی۔ وہ بڑے سکون واطمینان سے گہری نیند سو رہی تھی...... اور وہ ایک احمق کی طرح اسے دیکھ رہا تھا اور جاگ رہا تھا...... آخر کیوں اور کس لئے......؟ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

کوئی بیس پچیس منٹ کے بعد وہ یک لخت بیدار ہو گئی۔ اس کے خیال میں وہ سو نہیں رہی تھی۔ اس لئے کہ اگر وہ سو رہی ہوتی تو اس طرح بیدار نہیں ہوتی۔ اس نے بیدار ہونے کے بعد ایک لمبی سی انگڑائی لی۔ دوپٹا سینے اور شانے پر درست کرنے کے بعد اپنی لمبی چوٹی کو پشت پر ڈال دیا۔ پھر اس نے دستی گھڑی میں وقت دیکھا۔ پھر وہ اپنا سراپا سمیٹ کر اور غیر محسوس انداز سے برتھ سے اتر آئی۔

اس کی یہ حرکت بھی بڑی پراسرار اور چونکا دینے والی تھی۔ اس نے فرش پر پیر رکھے۔ آہٹ بالکل پیدا نہیں ہوئی...... جب وہ چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد اس کی طرف

گھومی تو اس نے فوراً ہی اپنی آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

چند ثانیوں کے بعد اس نے عطیہ کی طرف نیم وا آنکھوں سے دیکھا تو وہ سرفراز کا شانہ ہلا رہی تھی۔

سرفراز نہیں جاگا۔ کیوں کہ اس پر بے ہوشی طاری تھی...... یکبارگی عطیہ نے اسے بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ تب بھی نہیں جاگا...... عطیہ نے اس کی چائے میں جو بے ہوشی کی دوا گھول دی تھی اس نے اپنا اثر دکھایا تھا...... جب عطیہ کو سرفراز کی بے ہوشی کا پورا یقین ہو گیا تو اس کے لبوں پر ایک زہرخند مسکراہٹ ابھر آئی اور چہرے پر سفاکی چھا گئی...... جب اس نے اپنے دونوں ہاتھ سرفراز کی طرف بڑھائے تو وہ سمجھا کہ سرفراز کو برتھ سے فرش پر گرا دے گی اور اسے کھڑکی سے باہر پھینک دے گی لیکن اس کا یہ قیاس غلط ثابت ہوا۔ اس نے فوراً ہی سرفراز کے سر کے نیچے سے بریف کیس کھینچ لیا۔

وہ چوکنا ہو گیا۔ اب اس بریف کیس اور واردات کا کلائمکس آ گیا تھا۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ گاڑی کے اسٹیشن پر رکتے ہی وہ بریف کیس لے کر اتر جائے گی۔ گاڑی تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ جو بھی اسٹیشن آنے والا تھا اس میں خاصی دیر تھی۔ وہ بریف کیس اپنی گود میں لئے بیٹھی تھی۔ بڑے سکون اور اطمینان سے کہ سرفراز اب بیدار ہونے سے رہا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس میں نہ تو کوئی اضطراب تھا اور نہ ہی کوئی بے چینی...... بشرے اور آنکھوں سے کوئی ڈر اور خوف کا اظہار تھا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اپنی برتھ سے اتری۔ پھر اس نے بریف کیس برتھ پر رکھا۔ جب وہ تالے کا نمبر سیٹ کرنے لگی تو اس کی انگلیوں میں ہلکا سا ارتعاش تھا...... وہ چوکس ہو کر اس کی حرکات وسکنات کو دیکھنے لگا۔ چند ثانیوں کی دیر بھی نہیں لگی۔ ایک ہلکی سی کھٹاک ہوئی۔ بریف کیس کھل گیا۔ اسی لمحے اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور اس طرح خیرہ ہو گئیں کہ اس کی نظروں کے سامنے اندھیرا سا پھیل گیا۔ جب اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے دیکھا کہ بریف کیس میں ہیرے جواہرات کے اچھے خاصے زیورات بھرے ہوئے تھے۔ ان کی مالیت کسی بھی طرح ساٹھ ستر لاکھ سے کم نہیں ہو گی۔ اس کا قیاس درست ثابت ہوا تھا کہ بریف کیس میں زیورات ہوں گے۔ لیکن وہ یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ بریف کیس میں اس قدر زیورات بھی ہو سکتے ہیں۔

اب اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ سرفراز نے یہ سارے زیورات ڈکیتی کی واردات حاصل کر کے کئے ہیں۔اس نے بہت ہی اونچا ہاتھ مارا تھا...... کہیں ایسا تو نہیں کہ سرفراز نے عطیہ کے والد کی دکان پر ڈاکہ مار کر جھاڑو پھیر دی ہو اور عطیہ نے محبت کے اندھے جنون میں اس سے تعاون کیا ہو......سرفراز ایک ایسا خوب صورت، وجیہہ اور دراز قد مرد تھا کہ اس کے حصول کے لئے ایک عورت بہت دور تک جا سکتی تھی......عطیہ نے منزل پانے کے لئے اپنے باپ کو بھی نہیں بخشا تھا۔وہ بڑی خود غرض بن گئی تھی جو حیرت سے زیادہ دکھ کی بات تھی......اب کس پر بھروسا کیا جائے......ایک بیٹی نے اپنے ماں باپ پر رحم نہیں کھایا تھا ان کی پشت میں شقی القلبی سے چھرا گھونپ دیا تھا۔

عطیہ نے ان زیورات پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور اپنا ہاتھ بڑھا کر بریف کیس کے اس حصے کی تلاشی لی جہاں کاغذات رکھے جاتے ہیں۔جب اس کا ہاتھ اس حصے سے باہر آیا تو اس میں ایک بڑا لفافہ دبا ہوا تھا۔عطیہ نے لفافہ باہر نکال کر بریف کیس کو بند کر دیا۔پھر اس نے عجلت اور اضطراری کیفیت میں لفافے کے اندر سے کاغذات نکال کر بریف کیس پر پھیلا دیئے......ان میں پاسپورٹ کے علاوہ غیر ملکی کرنسی بھی تھی۔پھر ان تمام کاغذات، پاسپورٹ اور کرنسی کو لفافے میں واپس ڈال دیئے۔پھر اس نے اپنی اٹیچی اوپر والی برتھ سے اٹھائی جو سرفراز کی پائنتی رکھی ہوئی تھی۔اس اٹیچی کو کھول کر اپنے کپڑوں کی تہہ میں اس لفافے کو چھپا دیا۔پھر اس نے اٹیچی کو اچھی طرح سے مقفل کر کے دوبارہ اسی جگہ رکھ دیا اور اس کی چابی پرس میں رکھ کر ایک گہری سانس لی۔

نہ صرف اس کا چہرہ دمک رہا تھا بلکہ اس کی آنکھیں بھی چمک اٹھی تھیں۔اس کی آنکھوں میں جیسے ہزاروں طاقت ور برقی قمقمے جل اٹھے ہوں۔پھر اس نے بڑی عجلت سے بریف کیس کو مقفل کیا۔پھر اس کے بعد اس نے ایک بار پھر اپنے ہم سفروں کا جائزہ لیا اور انہیں گہری نیند میں ڈوبا پا کر اس طرح کھل اٹھی کہ جیسے اس نے بہت کچھ پا لیا ہو......مگر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور اس کی آنکھوں سے ایک پیشہ ور قاتل کی سی سفاکی جھانکنے لگی......اگر سرفراز یا کوئی بھی اس لمحے اس کا چہرہ دیکھ لیتا تو وہ یقیناً ڈر جاتا عطیہ کے چہرے کے تاثرات اس قدر بھیانک تھے کہ وہ دنگ رہ گیا تھا۔

عطیہ نے بریف کیس اٹھایا تو اس کا خیال تھا کہ اسے واپس اپنی جگہ رکھ دے گی......

کیوں کہ اسے لفافے کی ضرورت تھی جو اس نے ایک چور کی طرح بریس کیس سے چرا کر اٹیچی میں رکھ لیا تھا......اس نے بریف کیس کو سرفراز کے سرہانے رکھنے کے بجائے کھڑکی سے باہر پھینک دیا......گہرے سناٹے میں ریل کے پہیوں کی جو گڑگڑاہٹ گونج رہی تھی اس کے شور میں بریف کیس کے کسی چیز سے ٹکرانے کی آواز آئی اور پھر ڈوب گئی۔

عطیہ کی اس غیر متوقع حرکت سے وہ سناٹے میں آگیا اور اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وہ اس لمحے ایسا مبہوت ہوا جیسے اس کی نظروں کے سامنے موت کا فرشتہ آگیا ہو۔اس کی نظروں کو بالکل یقین نہیں آیا کہ ایک لڑکی ہیرے جواہرات کے زیورات سے بھرا ہوا بریف کیس اس سنگ دلی سے باہر پھینک سکتی ہے......؟ اس بریف کیس میں جیسے ہیرے جواہرات نہیں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہے۔

اس لمحے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ عطیہ نے یہ حرکت کیوں کی......؟ کس لئے کی......؟ آخر وہ چاہتی کیا ہے......؟ وہ سرفراز سے کسی بات کا انتقام لینے پر تلی ہوئی ہے......یا اپنی ذات اور سرفراز کو قانون کے لمبے ہاتھوں سے بچانے کے لئے اس نے زہریلے سانپوں سے بھرا ہوا بریف کیس باہر پھینک دیا تاکہ دونوں ڈس لئے نہ جائیں...... ان کی زندگی اجڑ کر ویران نہ ہو جائے۔جو ان زیورات سے کہیں قیمتی اور عزیز تھی......ایک عورت جو ایثار و قربانی کا پیکر ہوتی ہے۔

شاید عطیہ نے اس بریف کیس سے وہ لفافہ نکال لیا تھا جس میں ایسے کاغذات تھے جن کی مدد سے پولیس انہیں گرفتار کر سکتی تھی۔اس نے ایسا کوئی ثبوت اور نام و نشان رہنے نہیں دیا جو پولیس کے ہاتھ لگ سکے۔

اس کے دل میں فوری طور پر خیال آیا کہ کیوں نہ وہ زنجیر کھینچ کر گاڑی رکوا لے تاکہ معاملے کی تفتیش ہو سکے۔جہاں بریف کیس پھینکا گیا وہاں سے گاڑی نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا۔بریف کیس کو با آسانی تھوڑی ہی دیر میں تلاش کیا جا سکتا تھا۔ورنہ دن کے اجالے مین اگر وہ کسی کے ہاتھ لگ جاتا ہے تو ایسی صورت میں زیورات کی بازیابی مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گی۔جسے یہ زیورات ملیں گے وہ اتنا احمق نہیں ہوگا کہ پولیس کے حوالے کر دے اور پھر اس دنیا میں اب ایمانداری اور فرض شناسی کہاں رہی تھی......اور پھر ان زیورات کو پانے اپنا مستقبل تابناک بنا سکتا تھا۔ان زیورات کو پولیس کے حوالے کرنے کا

مطلب اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا۔

اس نے اٹھنا چاہا تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا...... اس پر نیند اور کمزوری کا سا غلبہ کچھ ایسا تھا کہ وہ بے بس سا ہو کر رہ گیا تھا...... اس نے اپنی پوری قوت جمع کی لیکن بے سود...... مرغن کھانوں کا نشہ ایسا تھا کہ وہ اسے توڑ نہ سکا...... اس کے بس کا روگ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کوئی کارروائی کر سکے...... اس لئے اس نے خود کو حالات کے سپرد کر دیا تھا لیکن ایک خیال آیا کہ عطیہ نے مجھے پونا اسٹیشن پر چائے پلائی تھی۔ اس میں کوئی نیند کی گولی تو نہیں تھی...... ؟ ایسا لگا کہ اس کے باعث اس کی یہ حالت ہو رہی تھی...... اس نے کبھی ایسی کیفیت محسوس نہیں کی تھی...... یہ شرارت عطیہ کی ہی تھی۔

وہ غنودگی کے عالم میں عطیہ اور سرفراز کو باری باری دیکھ لیتا تھا۔ عطیہ تو واقعی گھوڑے بیچ کر سو گئی تھی۔ جب کہ سرفراز پر بے ہوشی طاری تھی۔ اب اسے صبح سے پہلے ہوش نہیں آ سکتا تھا۔ بے ہوشی کی دوا نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔

اس کی نظروں کے سامنے ایک سنسنی خیز ڈرامے کا آغاز ہوا وہ بھی اس کا ایک کردار بن گیا تھا...... اس کے ذمے جو فرض تھا اس کے پیش نظر اسے اپنا دامن آلودگی سے بچا کر ان دونوں کو جو واقعی کسی ڈکیتی کے مرتکب ہوئے تھے۔ انہیں کیفر کردار تک پہنچانا تھا...... وہ اپنی ذمے داری سے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے وہ اپنی نیند سے نبرد آزما تھا اور اس کے خلاف متواتر جدوجہد کئے جا رہا تھا...... لیکن نیند سے لڑنا آسان نہیں تھا۔ وہ تختہ دار پر بھی آ جاتی تھی۔

وہ دوسرے ایکٹ کا بے چینی سے منتظر تھا کہ جب سرفراز بیدار ہوگا اور اپنا بریف کیس نہیں پائے گا تو اس کا ردعمل کیا ہوگا...... ؟ اس دوسرے ایکٹ کے آغاز کے لئے مجھے دو گھنٹے شدید کرب اور اذیت سے گزارنا تھے۔ جان لیوا انتظار کرنا تھا......

سرفراز کی آنکھ رات کے پچھلے پہر کھلی۔

وہ اس وقت جاگ رہا تھا۔ اس وقت اس کی حالت قدرے بہتر تھی۔ وہ اس قدر نارمل ہو چکا تھا کہ آسانی سے کروٹیں لے سکتا تھا اور اٹھ بیٹھ سکتا تھا۔ توانائی بھی جیسے لوٹ آئی تھی۔ اب کمزوری نہیں رہی تھی۔ عطیہ نے اس کی چائے میں کچھ نہیں ملایا تھا۔ اسے عطیہ پر اس لئے شک ہوا تھا کہ اس نے سرفراز کی چائے میں بے ہوشی کا سفوف ملایا تھا۔ وہ

کمزوری اور تھکن کے باعث نیند کے شدید غلبے میں آ گیا تھا۔ اس لئے بھی کہ وہ دونوں سے جاگا ہوا تھا اور ایک کیس کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔

سرفراز بیدار ہونے کے بعد بڑی دیر تک خلا میں گھورتا رہا اور نجانے کیا سوچتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک مرتبہ معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔ اس کا چہرہ تھوڑی دیر تک سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری رہا تھا جیسے اس کا ذہن بالکل ہی خالی ہو گیا ہو...... اس کی آنکھیں ایک عجیب سی چمک لئے ہوئے تھیں۔

یک لخت وہ اس طرح سے چونکا جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو...... اس نے اپنا دایاں بازو کسی سانپ کی طرح سرہانے لہرایا۔ پھر اس کے ہاتھ نے ادھر ادھر بریف کیس کو ڈھونڈا...... اس کا وجود ہوتا تو اس کے ہاتھ سے ٹکراتا...... جب اس کے ہاتھ نے بریف کیس کو نہیں پایا تو وہ بدحواس ہو کر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا...... ٹائیگر نے اپنی آنکھیں ایک خیال کے زیر اثر بند کر لیں اور سوتا بن گیا...... وہ سرفراز پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ رات پیش آنے والا ڈرامہ دیکھتا چلا آ رہا تھا۔ جو نہایت دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔

اس نے چند لمحوں کے بعد کھسر پھسر کی آوازیں سن کر آنکھیں کھول دیں...... سرفراز...... عطیہ کو جگا کر بریف کیس کے بارے میں پوچھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ ہلدی کی مانند زرد ہو رہا تھا...... اس عالم میں سرفراز کا چہرہ بڑا ہی خوف ناک دکھائی دے رہا تھا۔ اگر اس نے برتھ کا سہارا نہ لیا ہوتا تو تیورا کھا کر فرش پر گر پڑتا۔

ٹائیگر دل ہی دل میں عطیہ کی بے مثال اداکاری پر اش اش کر اٹھا۔ وہ پھٹی پھٹی وحشت زدہ آنکھوں سے سرفراز کو دیکھ رہی تھی...... اس کا چہرہ متوحش تھا...... اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے موتی بن کر دمک رہے تھے...... اس نے سرفراز کا بازو بڑی مضبوطی سے تھام رکھا تھا جیسے وہ سرفراز کا سہارا نہ لیتی تو پیروں پر کھڑا ہونا دشوار ہو جاتا اور گر پڑتی۔

یہ دوسرا ایکٹ بڑا بھرپور تھا اور کامیابی سے جاری تھا۔ عطیہ نے جیسے اداکاری میں ساری دنیا کی اداکاروں کو مات دے دی تھی۔

عورت واقعی بہت بڑی اداکارہ ہوتی ہے۔ اس سے کوئی جیت نہیں سکتا...... ساتھ ہی دودھاری تلوار بھی...... جب اس نے کھنکار کر اپنی بیداری کا احساس دلایا تو ان دونوں نے

ایک ساتھ گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے......؟ خیریت تو ہے......!'' ٹائیگر نے باری باری ان کے چہرے دیکھ کر پوچھا۔

سرفراز اس کی برتھ کی طرف آیا۔ اس نے اپنا جھکا ہوا حیران چہرہ اوپر اٹھایا...... وہ ٹائیگر سے کچھ کہنا چاہتا تھا...... اس کے کپکپاتے ہونٹوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا تو اس نے اپنا سر برتھ کے کنارے ٹیک دیا اور سسک پڑا۔

ٹائیگر نے عطیہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ سرفراز کے پاس سے ہٹ کر آئی اور پھر اس نے کہا۔

''وسیم انکل...... خیریت نہیں ہے...... ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے...... ہم تباہ ہو گئے ہیں۔''

''آخر بات کیا ہے......؟'' ٹائیگر نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کر کے پوچھا۔

''انکل......! انکل......! ہمارا بریف کیس چوری ہو گیا ہے......؟'' عطیہ نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''بریف کیس چوری ہو گیا ہے......؟''

وہ انجان بن گیا...... اس نے حیرت اور دکھ کا اظہار کیا...... اس نے دانستہ اپنی نگاہیں عطیہ کے چہرے پر مرکوز رکھیں۔ پھر اس نے پوچھا۔ ''وہ کیسے......؟''

''سوتے میں کوئی چرا کر لے گیا......'' عطیہ نے جواب دیا۔ ''سرفراز اور میں گہری نیند سو گئے تھے...... چور نے ہماری گہری نیند اور غفلت سے فائدہ اٹھایا......'' اس کی آواز بھرا سی گئی۔

''لیکن سرفراز نے اسے سر کے نیچے رکھ کر تکیہ بنایا ہوا تھا......؟'' ٹائیگر نے متعجب ہونے کی اداکاری کی...... ''چور نے اتنا بڑا بریف کیس سر کے نیچے سے نکال لیا اور یہ بیدار بھی نہیں ہوئے۔''

''معلوم نہیں رات مجھے کیسے اس قدر گہری نیند آ گئی تھی کہ...... چور کے میرے سر کے نیچے سے بریف کیس نکالتے وقت میری آنکھ نہیں کھل سکی۔''

سرفراز بہ دقت تمام لرزیدگی سے بول پایا۔ ''اس وقت بھی مجھ پر نیند کا سا غلبہ ہے جیسے

میں نے خواب آور گولیاں کھالی ہوں۔ ایک نشہ سا محسوس ہو رہا ہے۔'' اس نے سر کو جھٹکا دیا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے سونے سے قبل نیند کی گولی کھائی ہو......؟'' اس نے دانستہ عجیب سا سوال کیا تھا۔

''نہیں......'' سرفراز نے سر ہلایا۔ ''مجھے اس کی کیا ضرورت ہے کہ جو میں نیند کی گولیاں کھاؤں۔''

''شاید کسی ذہنی دباؤ کے باعث......!'' اس نے کہا۔ ''آج ہر شخص کسی نہ کسی ٹینشن کا شکار ہے...... چاہے وہ جوان ہو یا بوڑھا...... امیر ہو یا غریب...... اس لئے آج کل نفسیاتی مریضوں اور نفسیاتی اسپتالوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔''

''نہیں...... مجھے کوئی ٹینشن نہیں ہے اور نہ ہی میں نے آج تک نیند کی گولی کھائی ہے اور نہ ہی اس کی شکل دیکھی ہے...... اور اس کا نام بھی معلوم نہیں ہے۔'' سرفراز نے جواب دیا۔ ''مجھے ریل گاڑی میں نیند نہیں آتی۔ آج نہ جانے کیسے آ گئی تھی۔''

''آخر اس بریف کیس میں تھا کیا جو تم دونوں اس قدر پریشان نظر آ رہے ہو......'' اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے سرفراز کی آنکھوں میں جھانکا۔ عطیہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔''

سرفراز ٹائیگر کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے نظریں نیچی کر لیں اور اس کا چہرہ متغیر ہو گیا اور وہ اس کی بات کا جواب دینے میں ہچکچایا۔ سرفراز اسے اعتماد میں نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ تفصیل بتانے سے کس لئے گریز کر رہا ہے۔ وہ اس کی وجہ سمجھتا تھا۔

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے سرفراز کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بے پرواہی سے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''اگر اس بریف کیس میں کوئی خاص اور قیمتی چیزیں نہیں ہیں تو یہ سمجھو کہ جان و مال کا صدقہ گیا...... بہت بڑی افتاد ٹل گئی ہے۔ لہٰذا دکھ نہ کرو...... اللہ نے چاہا تو تم لوگوں کی ہر مصیبت ٹل جائے گی۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی ریلوے اسٹیشن پر چوری کی واردات کی رپورٹ درج کرا دیں؟'' عطیہ نے کہا۔

''رپورٹ درج کرانا ہے تو کرادیں...... لیکن میری ایک بات نوٹ کرلیں کہ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔'' ٹائیگر نے مشورہ دیا۔

''وہ کس لئے انکل......!'' عطیہ نے غمزدہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا پولیس اس بریف کو تلاش یا بازیاب نہیں کرسکے گی؟ اس لئے کہ رپورٹ درج کراتے ہی وہ فوراً اس کی تلاش شروع کردے گی۔ صبح ہونے تک وہ مل جائے گا؟''

''اس لئے کہ پولیس کی کارکردگی بڑی سفر ہوتی ہے...... کسی نوجوان لڑکی یا کوئی فائدہ مند چیز ہو جس سے ان کی جیبیں بھر جائیں تو وہ اس کی تلاش میں نکل پڑتی ہیں اور پھر وہ بڑی رقم کی طلب گار ہوتی ہیں۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''اور پھر تمہارا بریف کیس عام بریف کیس کے مقابلے میں بڑا اور بے حد قیمتی دکھائی دیتا تھا...... اگر محض اس بریف کیس کی بازیابی کا مقصد ہے تو ریلوے پولیس میں اس کی رپورٹ کرانا فضول ثابت ہوگا۔ کیوں کہ جب تک بریف کیس تمہارے ہاتھ لگے گا تم اس کی صورت بھی پہچان نہ سکو گے۔ اس کا حشر نشر ہوچکا ہوگا۔''

''اس بریف کیس کے اندر جو کچھ بھی تھا کیا وہ پورا نہیں مل سکے گا......؟'' عطیہ نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

''اس نے اثباتی انداز میں سر ہلا کر تائید کی...... ''تم ٹھیک کہتی ہو۔ عموماً چوری ہونے والی چیزیں پوری طرح ہاتھ نہیں لگتی ہیں...... کالی بھیڑیں اس پر ڈاکہ مارتی ہیں...... ان سے مال برآمد کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔''

''اب ہم صبر کرکے بیٹھ جائیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا......؟'' عطیہ کی آواز اس کے گلے میں رندھ گئی۔

''میرے خیال میں اب اس کے سوا چارہ بھی نہیں۔'' اس نے عطیہ کو دلاسا دیا۔

''انکل آپ بجا فرماتے ہیں۔'' عطیہ نے گہری سانس لی اور اس کے چہرے پر کرب سا چھا گیا۔ ''جب کوئی چیز ہمارے مقدر میں نہیں ہے تو ہم کر بھی کیا سکتے ہیں...... جو چیز جانا تھی وہ چلی گئی۔''

''تم سٹھیا گئی ہو......'' سرفراز نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔ ''اس بریف کیس میں نہ صرف ہمارے زیورات ہیں بلکہ بے حد اہم کاغذات بھی تھے۔ وہ کاغذات نہ ملے تو میں لٹ

جاؤں گا...... برباد ہوجاؤں گا۔ میں زندگی بھر کہیں ملازمت نہیں کرسکوں گا۔''

''کیا تم یہ بات نہیں جانتے ہو کہ چوری ہونے والی چیزیں آسانی سے دوبارہ ہاتھ نہیں لگتی ہیں...... یہ ہندوستانی پولیس ہے۔ امریکہ یا یورپ کی نہیں......'' عطیہ کہنے لگی۔

''ڈکیتی کی بڑی بڑی وارداتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں...... بینک اور بڑے بڑے ادارے لٹ جاتے ہیں...... کیا کبھی چور یا ڈاکو پکڑا گیا...... جو یہ پکڑا جائے گا؟''

''تو کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر خاموش بیٹھ جائیں۔'' سرفراز نے تیز لہجے میں کہا۔

''تمہیں شاید اس پر بہت غم ہو رہا ہے کہ میرے زیورات چوری ہوگئے...... میرے زیورات گئے تو یہ سمجھو کہ سر سے کوئی بڑی بلا ٹل گئی...... زیورات کا کیا ہے۔ جب تم کمانے لگو گے تو اور بن جائیں گے۔''

''تم کیسی عورت ہو جو تمہیں اپنے زیورات کے چوری ہونے کا کوئی صدمہ نہیں ہو رہا ہے؟'' سرفراز تیز لہجے میں بول اٹھا۔ ''میں اتنی آسانی سے زیورات اور کاغذات کو ہاتھ سے جانے نہیں دوں گا۔ میں پورے ملک کی پولیس کو ہلا کر رکھ دوں گا۔ تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔ مجھے پولیس سے نمٹنا آتا ہے۔''

عطیہ نے اس کی نظریں بچا کر سرفراز کی پسلی میں ایک ہلکا سا ٹہوکا دیا تھا۔ وہ شاید یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اس بریف کیس کو چوری کا کیس مت بناؤ۔ ٹائیگر نے اس کا ٹہوکا دیکھ لیا تھا۔ ویسے اس نے جو بھی کہا اس کی باتیں سمجھداری کی تھیں۔

سرفراز اپنے آپ میں کہاں تھا۔ وہ بریف کیس کی وجہ سے غم و غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اگر اس کے علم میں یہ بات آجاتی کہ عطیہ نے بریف کیس کو باہر پھینکا تھا وہ شاید اس کا گلا دبا کر اسے چلتی گاڑی سے باہر پھینک دیتا۔ اس نے عطیہ کے ٹہوکے کی کوئی پروا نہیں کی۔ اسے نظر انداز کرکے ہذیانی لہجے میں کہا۔

''گاڑی روکو...... زنجیر کھینچو......''

''سرفراز اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ خود کو قابو میں رکھو...... معلوم نہیں بریف کیس کس اسٹیشن پر چوری ہوا۔'' عطیہ نے اسے سمجھایا۔

''تمہیں مشورہ دینے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں...... تم ایک بے وقوف عورت ہو۔'' اس کی آواز اونچی ہوگئی۔

"تم ہوش سے کام لو غصے سے نہیں......" عطیہ نے تکرار کی۔ "غصہ ہمیشہ پشیمانی پر ختم ہوتا ہے۔"

سرفراز سے غم و غصے کی کیفیت اور بوکھلاہٹ میں ایسی حرکتیں سرزد ہوئیں کہ ڈبے میں سوئے ہوئے سارے مسافر نیند سے بیدار ہو گئے۔ ایک بھونچال سا آ گیا تھا۔ وہ دونوں ایک تماشا بن گئے۔ لیکن عطیہ خود کو قابو میں کئے رہی تھی۔

گنتکل جنکشن آنے والا تھا۔

مسافروں نے سرفراز اور عطیہ سے ہمدردی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی سوالات کی بوچھاڑ بھی کردی تھی کہ اس بریف کیس میں کیا تھا۔ عطیہ ان کے سوالات کا جواب دیتی رہی تھی کہ اس میں سونے کا ایک لاکٹ اور سیٹ...... رقم اور ضروری کاغذات بھی تھے۔ مسافر عورتوں نے عطیہ کی بڑی دل جوئی کی۔ ایک عورت نے ان دونوں کے لئے تھرماس میں سے چائے نکال کر پیش کی۔ عطیہ نے چائے پی لی تھی۔ سرفراز نے نہیں پی۔ لیکن اس کی چائے ٹائیگر کو پینا پڑی۔ اس لئے کہ سرفراز کے انکار پر چائے اسے دے دی گئی۔

سرفراز کی حالت بڑی غیر تھی۔ ٹائیگر کے سمجھانے کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد مسافر اپنی اپنی نشستوں پر چلے گئے۔ جب گنتکل جنکشن پر گاڑی رکی تو ریلوے پولیس اسٹیشن کے سپاہیوں کو بلا کر رپورٹ درج کرائی گئی۔ جب رپورٹ درج کرائی جا رہی تھی تو عطیہ کا چہرہ فق ہو رہا تھا۔ اس پر سراسیمگی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کے بشرے سے اس کے دل کا خوف عیاں تھا۔ وہ اس کے پس منظر سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے اس نے آخری وقت تک مخالفت کی تھی اور سرفراز کو بہت سمجھایا تھا کہ وہ رپورٹ کرانے کی حماقت نہ کرے۔ لیکن وہ باز نہیں آیا تھا اور اپنی ضد پر اڑا رہا تھا...... لیکن عطیہ جانتی تھی کہ اگر بریف کیس پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

سرفراز کی الٹی کھوپڑی تھی۔ اس لئے اس کی سمجھ میں عطیہ کی بات نہیں آئی تھی اور ہٹ دھرمی دکھاتا رہا۔ اس نے ان کے معاملے میں زیادہ دخل نہیں دیا۔ عطیہ کے کہنے پر اس نے صرف ایک مرتبہ سرفراز کو سمجھایا تھا۔ وہ ایک خاموش تماشائی کی حقیقت سے ڈرامہ دیکھ رہا تھا جو بے حد دلچسپ، تحیر انگیز اور سنسنی خیز اور قدم قدم پر چونکا دینے والا تھا اور اس کے اشتیاق اور تجسس میں لحہ بہ لحہ بے پناہ اضافہ ہو رہا تھا۔

جب پولیس نے رپورٹ درج کرتے وقت زیورات کی تفصیل پوچھی تو تب کہیں جا کر سرفراز کو ہوش آیا۔ عقل ٹھکانے لگی۔ وہ چکرایا اور گڑبڑا سا گیا۔ پھر اس نے سنبھل کر عطیہ سے کہا۔ "تمہی بتا دو۔"

"اس بریف کیس میں میرا ایک سات تولے کا سونے کا سیٹ اور تین سونے کی جڑاؤ انگوٹھیاں تھیں۔" عطیہ نے بتایا۔

"آپ کو اس کی مالیت کا کچھ اندازہ ہے......؟" پولیس افسر نے دریافت کیا۔

"جی نہیں......" عطیہ نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔ "میرے والد نے جہیز میں دیا تھا۔ والدین مالیت نہیں بتاتے ہیں۔"

"اس بریف کیس میں اور کیا کیا چیزیں تھیں......! رقم کتنی تھی......؟"

"ان کے میرے تعلیمی اسناد...... رقم پانچ ہزار تھی۔" عطیہ بولی۔

عطیہ نے بڑی غلط بیانی سے کام لیا تھا تاکہ پولیس کو غلط راہ پر ڈالا جا سکے۔ پولیس کے اس بریف کیس کو پانے کی صورت پر ان پر آنچ نہیں آ سکتی تھی...... جب کہ بریف کیس میں موجود زیورات کی مالیت لاکھوں کی تھی۔ جب اس میں ہندوستانی کرنسی نہیں بلکہ امریکن ڈالر تھے۔ اس نے کاغذات، ڈالر اپنے اٹیچی میں رکھ لئے تھے۔ اس نے پولیس کو بڑی خوب صورتی سے بے وقوف بنایا تھا۔

اس نے چپ سادھ لی۔ کیوں کہ ابھی اس ڈرامے کا ڈراپ سین کا وقت نہیں آیا تھا اور نہ ہی اس کا کوئی موقع تھا۔ اس نے واقعات پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی اور عجلت پسندی کا مظاہرہ کر کے حالات کو بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ماحول بڑا پراسرار ہو گیا تھا۔ جس نے اسے بری طرح الجھا دیا تھا۔

جیسے گاڑی روانہ ہوئی عطیہ کی جان میں جان آئی...... اس نے فوراً ہی اپنی گھبراہٹ اور سراسیمگی پر قابو پا لیا تھا اور وہ پہلے کی طرح نارمل ہو گئی تھی...... کسی خیال کے تحت اس کے ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم ابھرنے لگا تو اسے دبانے اور اس کی نظروں سے چھپانے کے لئے وہ کھڑکی سے گردن نکال کر باہر جھانکنے لگی اور دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہی تھی۔

عطیہ کی اس حرکت نے ایک بار پھر سے اسے چونکا دیا۔

جب وہ اس کے معنی خیز تبسم کے بارے میں سوچنے لگا تو اس کے ذہن میں ایک خیال

بجلی کی طرح کوندا بن کر لپکا۔

اب اسے پوری طرح یہ اندازہ ہوگیا کہ عطیہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے...... وہ کسی بھی جرم پیشہ سے دو ہاتھ آگے ہے۔ وہ اس عیار لڑکی کی سازش اور گہری چال کو بہت اچھی طرح سے سمجھ چکا تھا۔ اب اس کی نظروں کے سامنے اندھیرا اور پردہ نہیں رہا تھا۔ سارے پردے ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے۔ اب اس کا اصل چہرہ سامنے آگیا تھا۔

عطیہ نے جو بریف کیس چلتی ریل گاڑی سے باہر پھینکا تھا وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہی تھا۔ اس نے جس جگہ بریف کیس پھینکا تھا وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق پہلے ہی سے اس کا کوئی ساتھی موجود ہوگا۔ ورنہ اس قدر قیمتی ہیرے جواہرات کے زیورات کو اتنی بے دردی سے باہر کون پھینک سکتا ہے۔

سرفراز کے یہ سارے زیورات تھے۔ ظاہر ہے کہ اس نے کسی جیولر شاپ میں ڈاکہ مار کر حاصل کئے ہوں گے۔ ایک گھر سے اتنے سارے زیورات مل نہیں سکتے...... چاہے وہ کروڑ پتی ہی کیوں نہ ہوں...... یہ بھی ممکن تھا کہ سرفراز نے دو تین جگہ ڈکیتی کی واردات کی ہو۔ لیکن اس بریف کیس میں صرف زیورات تھے۔ رقم نہیں تھی...... جو تھی وہ ڈالر کی صورت میں جسے عطیہ نے اپنے اٹیچی میں رکھ لی تھی۔ اگر مزید رقم ہوتی تو وہ یقیناً اسے اپنی اٹیچی میں رکھ لیتی۔

دوسری جانب عطیہ نے سرفراز کے اہم ضروری کاغذات، پاسپورٹ اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ اپنے قبضے میں کر لئے تھے شاید اس لئے کہ سرفراز اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر ملک سے فرار نہ ہو جائے۔ اب وہ آسانی سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔

سرفراز کی ذہنی حالت بڑی ابتر تھی۔ ٹائیگر نے اس سے کہا۔

''تم اپنا دل خراب نہ کرو...... جو کچھ بھی ہوا تمہاری غفلت سے ہوا۔''

''انکل......! میں یہ کہتی ہوں کہ آدمی کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے۔'' عطیہ نے کہا۔ ''اللہ نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا...... فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... اس میں اس کی یقیناً کوئی مصلحت ہوگی...... وہ اس سے دُگنا بھی دے سکتا ہے...... شرط یہ ہے کہ اس کی ذات پر توکل اور صبر کیا جائے۔''

ایک عمر رسیدہ مسافروں میں جو دوسری طرف بیٹھے تھے۔ وہ سرفراز کی دل جوئی کی

غرض سے آگئے تھے۔ ان میں سے ایک نے عطیہ کی بات سن کر کہا۔ ''جزاک اللہ بیٹے...... آفرین ہے تمہاری بیوی پر یہ کس قدر حوصلہ مند اور صابر ہے۔''

ان بزرگ کی اہلیہ نے سرفراز کے سر پر مشفقانہ انداز سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''تمہاری بیوی ٹھیک کہتی ہے...... اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے...... زیادہ غم زدہ اسے ہونا چاہئے تھا...... اس نے اتنا اثر اور صدمہ نہیں لیا جتنا تم لے رہے ہو......''

☆......☆......☆

دوسرے صاحب نے ہمدردانہ لہجے میں اپنائیت کے انداز میں پوچھا۔

''تم دونوں نے کچھ کھایا پیا بھی......؟ کہیں بھوکے تو نہیں......؟''

''میں نے صرف چائے پی ہے...... میرے شوہر نے چائے دو گھونٹ لے کر چھوڑ دی تھی۔'' عطیہ نے جواب دیا۔

ان صاحب نے اپنی بہو سے کہا جو ایک طرف کھڑی ہوئی تھی۔ ''نگہت ان کے کھانے کے لئے کچھ لے آؤ۔ ان پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ دیکھو...... ان کی کیا حالت ہو رہی ہے؟''

تھوڑی دیر میں ان کی بہو ڈبل روٹی کے سلائس پر جام جیلی اور مکھن لگا کر...... لے آئی اور تھرماس بھی جس میں چائے تھی...... یوں تو رات کا کھانا بھی کچھ بچا ہوا تھا۔ چوں کہ موسم خوش گوار تھا اس لئے خراب نہیں ہوا تھا۔ جب ایک اسٹیشن پر گاڑی رکی تو مسافروں نے نہ صرف ناشتا کرایا۔ چائے پلائی، دل جوئی کی...... پھر اسے سمجھایا اور اس کا دکھ اس طرح بانٹتے رہے جیسے ان سے ان کا خونی رشتہ ہو...... انہیں عطیہ پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کس قدر حوصلہ مند اور صابر و شاکر عورت ہے۔ جسے زیورات چلے جانے سے زیادہ اپنے شوہر کی دل جوئی کی فکر ہے۔

یہ تو ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ پراسرار لڑکی کیا چیز ہے...... دال میں کتنا کالا ہے۔

☆......☆......☆

بنگلور شہر سے دو تین گھنٹوں کی مسافت پر دیلور شہر کے ریلوے اسٹیشن پر ان کے ہمدرد ساتھی اتر گئے۔ ان برتھوں پر صرف وہ رہ گئے تھے۔ کچھ دیر تک ان کے درمیان گہرا سکوت طاری رہا۔ جب گاڑی چل پڑی تو عطیہ نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"انکل......! کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟"

ٹائیگر تذبذب میں پڑ گیا۔ اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کس قسم کی مدد چاہتی ہے۔ وہ ان دونوں کی مالی مدد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ حالاں کہ ان کی مالی مدد کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس لئے کہ عطیہ اسے نہ صرف پراسرار خطرناک اور فراڈ لگ رہی تھی بلکہ ایک زہریلی ناگن کی طرح ڈس نہ لے۔ ایک طرح سے اس نے سرفراز کو ڈس ہی تو لیا تھا۔ وہ عیار لڑکی جو کسی لومڑی سے کم نہ تھی۔

ٹائیگر جواب دینے میں پس و پیش کرنے لگا۔ کیوں کہ سفر کے دوران اس لڑکی نے اس کا بڑا خیال کیا تھا۔

وہ ٹائیگر کو تذبذب میں دیکھ کر تہہ میں پہنچ گئی۔ اس نے ٹائیگر کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔

"انکل......ہمیں آپ کی مالی مدد کی ضرورت ہے۔"

پھر ٹائیگر نے متعجب ہو کر پوچھا۔ "فرمایئے میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"ہمیں فقط آپ کا سہارا اور تعاون چاہئے۔"

"کیسا سہارا......" ٹائیگر پھر بھی اس کی تہہ میں پہنچ نہیں سکا۔

"ہم بنگلور پہلی بار جا رہے ہیں...... بنگلور ہم دونوں کے لئے اجنبی شہر ہے۔" عطیہ نے جواب دیا۔

"کھل کر کہو کہ تم دونوں مجھ سے کیا چاہتے ہو......؟"

میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اتنے بڑے شہر میں ہمارا کوئی بھی واقف کار نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے لئے آپ کے ساتھ رہیں۔ ہم جلد ہی کوئی کرائے کے مکان میں منتقل ہو جائیں گے......ہمیں یہ نہیں معلوم کہ کون سا محلہ اچھا ہے......آپ کی رہنمائی میں مکان تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس ایڈوانس دینے کے لئے رقم موجود ہے۔"

ٹائیگر نے مشکوک ہو کر اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔

آخر تم دونوں نے اس نئے شہر میں رہنے کا فیصلہ کس لئے کیا ہے جب کہ یہاں تمہارا نہ تو کوئی رشتہ دار اور واقف کار بھی نہیں ہے......کسی سے مشورہ تو کیا ہوتا......؟ اس لئے کہ کسی اجنبی شہر میں جا کر رہنا مذاق تو نہیں ہے......؟ پہلے سرفراز کو چاہئے تھا کہ وہ یہاں آ کر

مکان تلاش کرتا......پھر تمہیں بلا لیتا۔"

عطیہ نے جواب دینے سے پہلے سرفراز کی طرف دیکھا۔ اس کی منشا یہ تھی کہ سرفراز ٹائیگر کے اس سوال کا جواب...... ٹائیگر نے جان لیا تھا کہ وہ سوال کا جواب کیا دیتا......اس پر ایک گہری خاموشی طاری تھی۔ وہ اپنے غم اور سوچوں میں گم آنسو بہا رہا تھا۔

پھر عطیہ سرفراز کو چپ پا کر بولی۔ "یہ فیصلہ سرفراز نے کیا...... میں نے نہیں کیا انکل......! میں پھر کیا کرتی؟"

"یہ فیصلہ سرفراز نے کیوں اور کس لئے کیا......؟" ٹائیگر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ اسے اپنے شہر کے علاوہ میرے ماں باپ سے بھی سخت نفرت ہے۔" عطیہ بولی۔

"کیا بڑے بوڑھوں سے بھی نفرت کی جاتی ہے......؟ جب کہ وہ بزرگ کی حیثیت اور مقام رکھتے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"جو بڑوں کی عزت اور ان کا احترام کرتا ہے۔ دنیا میں بھی وہ عزت اور احترام پاتا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" عطیہ کہنے لگی۔ "کوئی کسی سے نفرت کرتا ہے تو اسے سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں سرفراز سے کہتی رہتی تھی کہ دیکھو محبت بھی ایک جادو ہے۔ اس کے سامنے دنیا کا بڑے سے بڑا جادو بھی ہیچ ہے......لیکن میری بات کبھی اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔"

"کیا عطیہ تمہارے بارے میں سچ کہہ رہی ہے......؟" ٹائیگر نے غم زدہ سرفراز سے پوچھا۔

"جی...... جی ہاں......" سرفراز نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "وہ سچ بول رہی ہے۔ اس نفرت کے سبب میں نے بنگلور منتقل ہونے کا فیصلہ کیا......ورنہ میں ہرگز اپنا شہر نہیں چھوڑتا......"

"یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔" وہ بولا۔ "کیا بنگلور شہر میں واقعی تمہارا کوئی واقف کار یا دوست نہیں ہے؟"

"دوایک دوست اور کچھ دور کے رشتہ دار بھی موجود ہیں۔ لیکن وہ کیا کرتے ہیں کہاں رہتے ہیں۔ مجھے کچھ علم نہیں۔ وہاں سے چلتے وقت مجھے ان کے گھر والوں سے پتا لینا یاد نہیں رہا۔ اتنے بڑے شہر میں انہیں کہاں ڈھونڈوں......؟ کیسے تلاش کروں۔" اس نے جواب دیا۔ "میں سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔"

"تم نے بڑی غلطی کی جو چلتے وقت ان کا پتا نہیں لیا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "جب بھی کسی نئے شہر میں جوان بیوی کے ساتھ جاؤ تو واقف کار کا پتا ہونا چاہئے۔ اکیلے جاؤ تو فکر کی بات نہیں ہوتی ہے...... میاں بیوی کا کسی ہوٹل میں ٹھہرنا بھی اچھا نہیں ہوتا۔ لوگ مشکوک ہو جاتے ہیں...... خیر اب جو ہوا سو ہوا...... آئندہ ایسی غلطی نہیں دہرانا...... ورنہ بہت پریشانی اٹھاؤ گے۔"

ٹائیگر کو اس جوڑے کو اپنے ہمراہ لے جا کر کچھ دنوں تک ساتھ رکھنے میں کوئی قباحت اور خوف نہیں تھا...... وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے...... البتہ وہ ان دونوں کے لئے کسی بھی خطرے کے باعث بن سکتا تھا...... وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ ان دونوں سے کسی بھی صورت سے رابطہ رکھے تا کہ قانونی حوالے پورے کرنے میں آسانی ہو...... وہ انہیں بغیر کسی ثبوت کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔

آج کے کسی بھی اخبار میں ممبئی شہر میں ہونے والی ڈکیتی کی کوئی خبر نہیں چھپی تھی۔ جب کہ اس شہر میں روز ہی ڈکیتی کی وارداتیں ہوتی تھیں...... اور پھر سرفراز نے جو ڈکیتی کی واردات کی تھی وہ لاکھوں کی تھی۔ اس نے آج کا اخبار ریلوے اسٹیشن پر خرید کر اس کا ایک ایک کونا دیکھ لیا تھا۔ آئے دن جو چھوٹی بڑی وارداتیں ہو رہی تھیں وہ اس قدر عام ہو گئی تھیں کہ اب اخبارات انہیں زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے...... جرائم اور سیاسی خبریں چھاپتے تھے۔ لیکن یہ واردات ستر اسی لاکھ کی مالیت تھی جو معمولی خبر نہ تھی جسے اخبارات نظر انداز کر دیں۔ اس ڈکیتی کی خبر اخبار میں کیوں شائع نہ ہوئی۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی۔ کیوں کہ بعض اوقات کسی مصلحت کی بنا پر بھی ایسی خبروں کو دبا دیا جاتا تھا۔

ایک ہی بات اس کے ذہن میں بار بار آ رہی تھی...... وہ یہ تھی کہ اگر واردات ممبئی کی نہیں ہے تو پھر اس لڑکی نے اپنے گھر یا اس لڑکے نے ضرور صاف ہاتھ کیا ہے...... یہ بھی تو ممکن تھا کہ ضرور کسی کوٹھی یا بنگلے پر ڈاکہ مارا ہو...... یا کسی فلمی اداکار یا اداکارہ...... کسی کروڑ

پتی کے ہاں ملازمت کرتے ہوں...... لڑکا ڈرائیور اور لڑکی ملازمہ ہو...... لیکن ایسا نہیں تھا۔ کیوں کہ دونوں مہذب اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور پھر کروڑ پتی لوگ اس قدر زیور نہیں رکھتے...... اور پھر کسی فلمی اداکارہ کو چھوٹ دی گئی تھی تو اس نے اس لئے پولیس سے رسائی حاصل نہیں کی کہ انکم ٹیکس والے رسید طلب کرتے اور رقم کے بارے میں معلوم کرتے...... اگر اخبار میں ڈکیتی کی خبر ہوتی تو وہ انہیں اسٹیشن پر ہی قانون کے حوالے کر دیتا۔

"انکل......! آپ کیا سوچنے لگے ہیں......؟" عطیہ نے کہا تو اس کے خیالات کا سلسلہ بکھر گیا۔

اس نے چونک کر جواب دیا۔ "ممبئی میں میرے دوست کی ایک بیٹی ہے جو تمہاری ہم عمر ہو گی اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"آپ نے ہمارے بارے میں کیا سوچا اور فیصلہ کیا...... آپ مجھے بھی اپنے دوست کی بیٹی کی طرح ہی سمجھئے۔"

"میں نے وہی سوچا ہے جو ایک دوست کی بیٹی کے بارے میں سوچتا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "بلکہ سوچنا بھی چاہئے...... لیکن ایک بات کا خیال رکھنا کہ میں ایک بااصول شخص ہوں۔ ذمے دار شخص ہوں۔ کسی بھی ملک میں جاتا ہوں۔ وہاں کے قانون کا احترام کرتا ہوں...... قانون کی بالا دستی پر نہ صرف یقین رکھتا ہوں بلکہ اس پر سختی سے عمل بھی کرتا ہوں...... تم دونوں جتنے دن چاہو میرے ہاں رہ سکتے ہو۔ مجھے تم دونوں کی مہمان نوازی کر کے بہت خوشی ہو گی۔"

"انکل......! آپ کس قدر سوئیٹ ہیں...... مجھے آپ سے اس خلوص اور محبت کی بالکل توقع نہیں تھی۔" وہ فرط مسرت سے بولی۔ "میں آپ کا احسان ساری زندگی بھلا نہ سکوں گی...... ایسا لگتا ہے کہ آپ ہمارے خاندان کے فرد ہیں۔"

بنگلور میں ٹائیگر کا ایک چھوٹا سا اثاثہ تھا۔ اس نے ایک کمرے میں دکان نکال کرا سے کرائے پر اٹھا دیا تھا۔ اس کے پاس اب کل تین کمرے تھے۔ ان تین کمروں کے ایک کمرے میں جب کبھی اس کا بنگلور آنا ہوتا تھا۔ پڑوسی برکت اللہ بھائی اس کی صفائی کرا دیتے تھے۔ وہ جب بھی آتا تھا۔ تن تنہا ہی آرام سکون سے رہتا تھا۔ چند قدم پر بازار تھا جس میں ہندو اور مسلمانوں کے ہوٹل تھے جن میں اچھے کھانے ملتے تھے۔ یوں بھی بنگلور شہر

کے ہوٹلوں کے کھانے پورے ہندوستان میں مشہور تھے۔اس لئے وہ ان میں تینوں وقت کھالیتا تھا۔اس نے سوچا کہ ان دونوں کا اس کے ہاں کچھ دن تک ٹھہرنا اور انجام تک پہنچنا اس کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوگا۔لیکن اس کے لئے سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ اپنا فرض ادا کررہا تھا ایک پرائیویٹ سراغ رساں کی حیثیت سے......اس فرض کی ادائیگی اس کے لئے سب سے بڑی ذمے داری تھی۔وہ دونوں باطن میں بڑے خطرناک، پراسرار اور جرم پیشہ بھی تھے۔ان کی گرفتاری اس کے لئے انعام تھا......

☆......☆......☆

اس کا گھر کوئی پندرہ دنوں سے بند پڑا تھا۔اس لئے کہ ان کے پڑوسی خاندان میں شادی شرکت کے لئے چنائے گئے ہوئے تھے۔جب وہ گھر پہنچے تو کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔اسے بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی اور مہمانوں کی خاطر مدارات بھی کرنی تھی۔پھر وہ کھانا لانے محلے کے ہوٹل گیا۔پندرہ بیس منٹ بعد واپس آیا تو عطیہ نے اتنی دیر میں نہ صرف باورچی خانے کی صفائی کردی بلکہ ایک کمرے کی صفائی کرکے اس قابل بنادیا کہ بیٹھا جاسکے۔سہ پہر تک عطیہ نے گھر کی صفائی کرکے اس کا نقشہ ہی بدل دیا تو وہ دل میں اس کی سلیقہ مندی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔بہر حال وہ ایک ہیرا تھی۔نایاب اور انمول ہیرا جو بہت کم گھروں میں ہوتا ہے۔خال خال ہی ہوتا ہے۔عورت آخر عورت ہوتی ہے......لیکن دوسری طرف یہ کیا تھی......

عطیہ نے رات کا کھانا اس کے منع کرنے کے باوجود تیار کرلیا تھا۔جب وہ سودا سلف منگوا رہی تھی تب میں نے اس سے کہا تھا کہ یہاں گول چانپ، بکرے کا پایا اور بریانی بہت اچھی ملتی ہے۔اس نے ٹائیگر کی بات سن کر کہا تھا کہ عورت کے گھر میں ہوتے ہوئے کھانا ہوٹل سے آئے یہ بات ایک عورت کے لئے شرم کا باعث ہے۔“

وہ خود اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ گھر میں پکا کر کھالوں۔اس لئے کہ اسے ہوٹلوں کے کھانے پسند نہیں تھے۔کوئی اپنے گھر پر کھانے پر اسے مدعو کرتا تو وہ انکار نہیں کرتا تھا اور پھر روٹیاں پراٹھے بریانی اور سالن اڑوس پڑوس میں بنوالیتا تھا۔پڑوس میں عطاء الرحمٰن کی جو بہو ہوتی وہ میرے لئے آلو اور قیمہ پراٹھے بنادیا کرتی تھی۔عطیہ نے بڑی عمدہ ایسی روٹیاں بنائی تھیں کہ اس کا دل خوش ہوگیا۔مونگ مسور کی دال ایسی زبردست ذائقہ دار پکائی

تھی کہ اس نے اپنی انگلیاں چاٹ لی تھیں۔

رات گیارہ بجے ان تینوں نے مل کر چائے پی۔جس وقت عطیہ چائے بنا رہی تھی وہ کسی بہانے سے پاس ہی موجود تھا اس خیال سے کہ کہیں وہ چائے میں بے ہوشی کی دوا نہ گھول دے۔اس کا پرس اس کے کمرے میں موجود تھا۔گو کہ عطیہ کو اس کے گھر کچھ ہاتھ نہیں لگ سکتا تھا۔پھر وہ چوکس اور محتاط رہنا چاہتا تھا۔اس نے اندازہ کرلیا تھا کہ عطیہ سلیقہ مند اور سگھڑ لڑکی ہے۔اس نے بہت عمدہ چائے بنائی تھی۔کھانے پکانے میں طاق تھی۔اس کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے اچھا کھانا پکانا بھی ایک ہنر ہے جس میں وہ بڑی ماہر تھی۔سرفراز بھی بہت خوش قسمت تھا جو ایسی رفیق سفر......عورت کا ظاہری حسن دیرپا نہیں ہوتا۔اصل حسن باطنی ہوتا ہے۔

چائے پینے کے بعد وہ برتن سمیٹ کر باورچی خانے میں لے گئی۔تا کہ انہیں دھوکر رکھ دے۔کچھ دیر بعد جب عطیہ اس کے ساتھ والے کمرے میں سرفراز کے ساتھ سونے کے لئے گئی تو کسی قدر جھجک کر داخل ہوئی تھی۔دروازہ اندر سے بند نہیں کیا بلکہ بھیڑ لیا تھا۔وہ اپنے کمرے میں اندھیرا کرکے باہر آیا اور ان کے کمرے کے سامنے کھڑا ہوگیا۔عطیہ کہہ رہی تھی۔

”سرفراز......! تم حوصلہ کیوں ہار رہے ہو......ایک مرد ہو کر......“

”دس بیس ہزار کے نہیں بلکہ لاکھوں کے زیورات چوری ہوگئے......لیکن تمہیں اس کا غم ہے اور نہ احساس......جب میں سو رہا تھا تو تب تمہیں جاگتے رہنا تھا۔“

”تم نے ہی تو مجھ سے کہا تھا کہ تم سو جاؤ میں جاگتا رہوں گا۔“ عطیہ نے جواب دیا۔

”اب اس کا غم کرکے کرنا کیا ہے......؟ جب ایک چیز نصیب میں نہیں تھی رونے دھونے اور اس کے چلے جانے سے کیا حاصل ہے......کیا رونے دھونے سے وہ چیز واپس مل جائے گی؟“

”میں حیران ہوں کہ اللہ نے تمہیں کس مٹی کا بنایا ہے......؟“ سرفراز نے کہا۔”میں نے تم جیسی عورت اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔“

”اب تو تم نے دیکھ لی نا......؟“ وہ شوخی سے بولی۔”اب آپ باہر تشریف لے جائیں......صحن میں جو چارپائی پڑی ہے اس پر گھوڑے بیچ کر سو جائیں۔“

وہ صحن میں رکھے ہوئے مٹکے کی جانب تیزی سے پانی پینے کے بہانے بڑھا تو سرفراز دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھٹکا۔ ٹائیگر نے انجان بن کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے......؟ کیا کسی چیز کی ضرورت ہے؟''

''اندر کمرے میں گرمی بہت ہے۔ مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔'' وہ یہ کہہ کر چارپائی پر دراز ہو گیا۔

اس کا قیاس درست ثابت ہوا تھا۔ عطیہ نے غیر محسوس انداز سے کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر دراز ہو گیا۔ اسے کچھ دیر تک نیند نہیں آئی۔ کیوں کہ وہ دونوں کے بارے میں سوچتا رہا...... یہ دونوں میاں بیوی نہیں تھے۔ اب یہ راز ظاہر ہو گیا تھا۔ انہوں نے سفر کے دوران اس پر اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کیا تھا...... اور اس کے ہاں آ کر عطیہ نے رات کے وقت اسے فائدہ اٹھانے نہیں دیا تھا۔ ان کے بارے میں وہ سوچتے سوچتے سو گیا۔ آنکھ کب لگی اسے پتا بھی نہیں چلا۔ اب تو اس کے لئے وہ دونوں اور پراسرار ہو گئے تھے۔

پھو پھٹنے سے پہلے ٹائیگر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھر کے سناٹے میں عطیہ کے کمرے سے عطیہ کے تیز تیز مگر دبی دبی باتوں کی گونج محسوس کی...... وہ سمجھا کہ سرفراز کسی بری نیت سے اس کے کمرے میں گھس گیا ہے اور اس سے دست درازی اور من مانیاں کرنے لگا ہے تو عطیہ برہم سی ہو رہی ہے۔ مزاحمت اور مدافعت کر رہی ہے۔ معلوم نہیں وہ عطیہ کے کمرے میں کیسے گھس گیا۔ شاید وہ تھوڑی دیر پہلے واش روم جانے کے لئے اٹھی ہو۔ واش روم صحن میں تھا۔ اس نے اس موقع اور وقت سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ یہ تو بڑی غلط بات اور نازیبا حرکت تھی۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ سرفراز ایک شریف لڑکی کو آلودہ کرے......

میں ننگے اور دبے پاؤں صحن میں آیا تو عطیہ کی تیز آواز سنی وہ تپے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میری بات کان کھول کر سنو...... صبح ہوتے ہی...... سب سے پہلے انکل کو اپنے بارے میں سچ سچ بتا دینا...... ان سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا تم یہ چاہتی ہو کہ وہ ہمیں گھر سے نکال دیں......؟ ان کا مزاج اب تک میری سمجھ

میں نہیں آیا۔'' سرفراز نے کہا۔

''میں نے انہیں بہت اچھا، نیک اور مخلص پایا ہے۔'' عطیہ بولی۔ ''وہ اس مشکل میں یقیناً ہماری مدد کریں گے۔''

''اس لئے کہ انہوں نے ہمیں اپنے ہاں ٹھہرایا......؟ تم مجھے سوچنے کی مہلت دو۔'' سرفراز نے کہا۔

''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟'' عطیہ نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اب سوچنے کا وقت نہیں رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے...... تم کہتی ہو تو میں انہیں اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا دوں گا۔ لیکن یہ سب تم بھی تو بتا سکتی ہو۔'' سرفراز نے تلخی سے کہا۔

''میں ایک لڑکی ہونے کے ناتے ان سے یہ سب کہنا نہیں چاہتی......''

عطیہ نے تنک کر کہا۔ ''میں کسی بہانے سے تم دونوں کو تنہا چھوڑ دوں گی...... پھر تم انہیں سکون و اطمینان سے سب کچھ بتا دینا۔''

''ناشتے کے بعد میں ان سے کھل کر بات کروں گا۔ ابھی وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔''

''تم سے ایک اور ضروری بات کہنا ہے؟'' عطیہ بولی۔

''کیا بات ہے......؟'' سرفراز کے لہجے میں حیرت عیاں تھی۔

''میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے آج ہی پورا کر کے دکھاؤ'' عطیہ کے لہجے میں سراسیمگی جھلکنے لگی۔

''زیورات اور کاغذات کی چوری نے میرا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا ہے۔ میں ساری رات ایک پل کے لئے بھی سو نہیں سکا ہوں۔'' سرفراز نے بے رخی سے جواب دیا۔ ''میری کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے...... ادھر تمہیں اپنی پڑی ہے۔''

''اب سوچ سوچ کر سینہ کوبی کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔'' عطیہ نے اسے دلاسا دیا۔ ''اب تم غم کو دل سے نکال پھینکو...... ہم دونوں مل کر حالات کا مقابلہ کریں گے...... تم مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے۔''

''میں یہ چاہتا ہوں کہ بریف کیس کی بازیابی تک شادی کو التوا میں ڈال دو۔'' سرفراز کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''وہ کس لئے......؟'' عطیہ کا لہجہ تحیر زدہ سا تھا۔

''تم بھی عجیب و غریب شے ہو۔'' سرفراز نے جھلا کر کہا۔ ''تمہیں اپنے زیورات کے چوری ہو جانے کا ذرہ برابر بھی ملال نہیں...... تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا ہوتا...... تمہیں صرف اپنی شادی کی فکر پڑی ہے۔'' سرفراز کے لہجے میں زہر بھر گیا۔

''تم...... یہ بات کیوں نہیں سوچتے کہ میں ایک لڑکی ذات ہوں...... مجھے...... اپنے زیورات اور جان و مال سے کہیں...... زیادہ عزت و آبرو کی فکر ہے۔'' عطیہ تنک کر کہنے لگی۔ ''میں نے تم سے پہلے بھی ایک بار نہیں کئی بار کہا تھا کہ میں ایک پڑھی لکھی لڑکی ہوں...... پڑھی لکھی لڑکیاں گھروں سے نہیں بھاگتی ہیں۔ انہیں اپنے حقوق حاصل کرنا آتا ہے...... کیوں نہ ہم اپنے اپنے دوستوں کی مدد سے باعزت طور پر شادی کر کے راستے میں آنے والی مشکلات کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔'' عطیہ نے شاید سانس لینے کے لئے توقف کیا تھا۔ پھر وہ چند ثانیوں کے بعد کہنے لگی۔ ''لیکن تم نے ہمیشہ میری اس تجویز سے اختلاف کیا کہ میرے گھر والے کہیں تمہیں کسی کیس میں نہ پھنسوا دیں۔''

''اس بات کا امکان تھا اس لئے تو میں شادی کے لئے تیار نہ ہوا تھا۔'' سرفراز نے درمیان میں کہا۔

''کیا یہ صرف یہ تمہارا خوف و خدشہ تھا؟'' عطیہ نے ہذیانی لہجے میں کہا۔

''اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا......؟ میں ایسی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتا ہوں...... تمہارے گھر والے تم پر جبر و زیادتی کر کے میرے خلاف جھوٹا بیان دلا کر اغوا کا مقدمہ دائر کر دیتے۔'' سرفراز نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''تم مجھے اپنی بات پوری کر لینے دو۔'' عطیہ نے ہیجان زدہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے کئی دنوں کی سوچ بچار کے بعد اپنا منصوبہ میرے سامنے رکھا۔ جب میں نے اس منصوبے پر عمل کرنے سے انکار کیا تو تم نے مجھے خودکشی کی دھمکی دی اور میں تمہاری بات ماننے پر مجبور ہو گئی۔ میں تمہاری ایما پر گھر سے وہ سارے زیورات لے آئی جس میں نہ صرف میری اور میری چھوٹی بہنوں کے لئے جہیز کے لئے رکھے گئے تھے کہ بلکہ ابو کی دکان کے بھی رکھے ہوئے تھے کہ آج کل دن دہاڑے دکانوں پر ڈکیتی کی وارداتیں ہو رہی ہیں...... تم نے مجھے

اپنے منصوبے کے بارے میں بار بار بتایا تھا کہ ہم بنگلور پہنچ کر پہلے شادی کر لیں گے اور کچھ زیورات بیچ کر مکان خریدیں گے۔ پھر ہم دونوں ملازمت کر لیں گے...... اگر ملازمت نہیں ملی تو باقی بچے ہوئے زیورات بیچ کر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر دیں گے...... لیکن اب تم شادی کے لئے مکر رہے ہو......؟ کیا شادی کے لئے زیورات کا ہونا اشد ضروری ہے......؟ کیا اس کے بغیر شادی نہیں ہوتی ہے؟''

''تم اپنی تقریر بند کرو۔'' سرفراز نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔ ''آخر میں نے پچاس ہزار روپے دیئے تھے ان زیورات کے حصول کے لئے؟''

''تو کیا وہ زیورات صرف پچاس ہزار کی مالیت کے تھے......؟'' عطیہ تیزی سے بولی۔

''لیکن وہ ان پچاس ہزار کی بدولت ہی ہاتھ لگے تھے......'' سرفراز نے چیں بہ چیں ہوتے ہوئے کہا تو اس کی آواز اونچی ہو گئی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا یا سچ کہ میری باجی الہ آباد سے اپنے سات عدد بچوں کے ساتھ اس کمرے میں دھرنا مار کر رہ رہی ہیں جہاں وہ الماری ہے جس کی تجوری میں زیورات بھرے ہوئے ہیں...... باجی...... ابو سے مکان کی خریداری کے لئے مزید پچاس ہزار مانگ رہی ہیں جب کہ ابو انہیں دو ماہ پہلے دو لاکھ دے چکے ہیں۔ ابو ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں...... اگر باجی کو کسی بہانے سے پچاس ہزار روپے دیئے جائیں تو وہ اسی دن ٹل جائیں گی۔ راستہ صاف ہو جائے گا اور......''

عطیہ تیزی سے بات کاٹ کر بولی۔ ''کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ایک ماہ اور انتظار کر لو۔ اس وقت تک باجی چلی جائیں گی لیکن تم نہیں مانے اور فوراً پچاس ہزار کا بندوبست کر کے مجھے دیئے اور کہا کہ اپنی باجی کو آج ہی دفع کر دو اور کل زیورات لے آؤ۔ ٹکٹ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میرا ایک قلی جاننے والا ہے۔ وہ جس گاڑی کا ریزرویشن چاہے صرف بیس منٹ پہلے بھی دلا سکتا ہے۔ جب کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ ہوائی جہاز سے چلتے ہیں۔ لیکن تم اس وجہ سے تیار نہ ہوئے کہ کہیں کوئی چوری نہ ہو جائے۔ ہوائی جہاز سے سامان اتارنے والے چوریاں بھی کرتے ہیں۔ یہ شکایت عام ہے۔''

''مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ زیورات اس قدر منحوس ثابت ہوں گے...... میری پچاس

ہزار کی رقم لے ڈوبیں گے۔'' سرفراز غصے سے بولا۔

''یہ سب کچھ تمہاری غفلت کی وجہ سے ہوا ہے۔'' عطیہ کا لہجہ زخم خوردہ تھا۔ ''لیکن میں نے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔ اس لئے کہ تم میرے لئے ان لاکھوں کے زیورات سے کہیں قیمتی ہو۔ میں تمہاری محبت میں اندھی ہو کر خودغرض بن گئی...... میں نے نہ صرف اپنی بہنوں کے ساتھ سفاکانہ سلوک کیا...... ان کا مستقبل تاریک کر دیا بلکہ باپ کو بھی کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا...... آخر کس لئے......؟ صرف تمہارے لئے......؟ کیا اب بھی کوئی کسر رہ گئی ہے جو تم میری محبت آزمانے کے لئے میرا بڑا امتحان لینا چاہتے ہو......؟ اب میرے پاس ہے کیا جو ایثار اور قربان کروں......؟''

مگر عطیہ......! یہ بھی تو سوچو کہ میرے پاس جو سات سو روپے رہ گئے ہیں...... اس سے کیا ہوگا......؟ کیا اس میں ہماری گزر بسر ہو جائے گی۔ یہ رقم کب تک ساتھ دے گی......؟'' وہ دل گرفتہ لہجے میں بولا۔

''اگر گزر بسر نہیں ہو سکتی ہے تو کیا تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے......!'' عطیہ کی آواز رندھ گئی۔ ''میں فاقے کر سکتی ہوں...... بھوکی مر جاؤں گی...... لیکن تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی...... کسی حالت میں بھی نہیں...... تمہیں نہیں چھوڑوں گی...... تم جس حالت میں بھی رکھو گے اس میں خوش رہوں گی۔ تم میری آزمائش کر سکتے ہو۔''

سرفراز لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا تھا...... ان دونوں کی گفتگو سے ان کی محبت بھری کہانی اور پس منظر ٹائیگر کے سامنے آ گیا تھا...... سرفراز کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ عطیہ سے شادی کرنے سے کترا رہا تھا...... لیکن عطیہ ٹائیگر کے لئے اب بھی بے حد پراسرار معمہ بنی ہوئی تھی۔ یہ موقع اس معمہ کو حل کرنے کا نہیں تھا بلکہ اب اسے اس ڈرامہ میں اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ اس نے اس لئے عطیہ سے ہمدردی اور اپنائیت کا اظہار کیا تھا اسے معاشرے کی لڑکیوں سے اس لئے اپنائیت سی تھی وہ مظلوم ہستی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔

☆......☆......☆

سرفراز...... عطیہ سے آج ہی شادی کرنے پر رضامند ہو گیا تھا...... لیکن ٹائیگر بھی ایک شرط پر ان دونوں کا نکاح کرانے پر تیار ہو گیا تھا۔ لیکن اس شرط پر رخصتی کی تقریب ممبئی

میں باپ کے گھر میں باعزت طور پر منعقد ہو گی۔ عطیہ کے والدین اپنی بیٹی کو رسمی اور روایتی طریقے سے وداع کریں گے...... عطیہ کو سمجھانے کی ساری ذمے داری اس نے اپنے سر لے لی تھی...... سرفراز کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ کیوں کہ وہ تن تنہا تھا۔ اس نے وقت یہ طے کیا تھا کہ مغرب کے بعد اس کے پڑوس کے رشید صاحب کے ہاں دولہا بن کر آئے گا۔ نکاح کے بعد اس کے اور دوست محمد احمد جو پچھلی گلی میں رہتے تھے انکے ہاں جا کر رہے گا۔ تیسرے دن وہ تینوں ممبئی روانہ ہو جائیں گے۔

مغرب اور عشاء کا وقت بھی گزر گیا۔ رشید صاحب سرفراز کو لے کر نہیں آئے...... عطیہ سادگی سے دلہن بنی اس کے پڑوس کی دو ایک شادی شدہ عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ سراپا انتظار تھی۔ رات دس بجے رشید صاحب گھبرائے ہوئے اور بے حد پریشان اس کے ہاں آئے اور بتایا۔

''سرفراز جو چھ بجے حجامت بنوانے گیا تو لوٹ کر نہیں آیا۔''

وہ سمجھ گیا کہ اب وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔

اس نے عطیہ کے کمرے میں داخل ہو کر ان عورتوں اور لڑکیوں کو کسی حیلے بہانے سے رخصت کیا جو دولہا کے انتظار میں عطیہ کے ساتھ سوکھ رہی تھیں۔ ان عورتوں کے جاتے ہی عطیہ نے اس کے چہرے پر نظریں کر کے جیسے سب کچھ پڑھ لیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے قریب آ کر کہا۔

''انکل...... آپ میری خاطر پریشان نہ ہوں۔ سرِ راہ جو محبت کی جاتی ہے اس کا انجام ایسا ہی عبرت ناک ہوتا ہے۔''

اسے عطیہ کی بات پر یک لخت غصہ آ گیا۔ جب وہ ایسی سمجھ دار اور دور اندیش لڑکی تھی تو اس نے گہرے کنوئیں میں چھلانگ کیوں لگائی......؟'' وہ اپنا غصہ ضبط نہ کر سکا۔ ''تمہیں جان بوجھ کر سراب کے پیچھے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟''

عطیہ پر کئی ثانیوں تک سوگواری طاری رہی۔ ''آخر میں کیا کرتی انکل......!'' اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ''میری قسمت میرے چہرے سے کہیں بدقسمت ہے...... کالی پیلی...... لڑکیوں کے ایک تو رشتے نہیں آتے ہیں...... اگر بالفرض رشتے آتے ہیں تو جہیز کا سوال زہر بن کر ماں باپ کے سینے میں پیوست ہو جاتا ہے۔ جہیز کی وجہ سے

میری شادی نہ ہوسکی...... میرے والد جیولری شاپ کے مالک نہیں بلکہ سیلز مین ہیں۔ کمیشن ایجنٹ بھی ہیں۔ وہ بڑے گھرانوں کی بیگمات، لڑکیوں اور فلمی اداکاراؤں کے ہاں زیورات بھیجتے ہیں لیکن اپنی بیٹیوں کے لئے زیورات خرید نہیں سکتے ہیں...... سرفراز میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوگیا تھا کہ وہ میرے باپ کی دکان ہے۔ اس نے میرے ساتھ محبت کا فریب محض اس لئے کیا تھا کہ دکان کے زیورات کسی نہ کسی صورت سے ہتھیا کر کسی غیر ملک فرار ہوجائے...... اس نے ویزا، ٹکٹ اور پاسپورٹ تیار کئے تھے...... وہ مجھے بنگلور میں تن تنہا چھوڑ کر فرار ہوجانا چاہتا تھا...... یہ تمام باتیں بعد میں میرے علم میں آئی تھیں...... لیکن روانگی سے ایک دن پہلے ایک لڑکی نے بتائی تھیں جو میری سہیلی تھی۔ اس نے مجھے سرفراز کے ساتھ دیکھا تھا...... وہ سرفراز کو بہت قریب سے جانتی تھی۔ سرفراز نے اسے محبت کے نام پر تباہ کیا ہوا تھا...... لیکن میں چاہتی تھی کہ سرفراز کسی طرح میرا سرتاج بن جائے...... لیکن میری آرزو پوری نہیں ہوسکی۔ اس نے مجھ جیسی کئی لڑکیوں کو اپنی وجاہت، خوب صورتی اور دراز قد کے باعث تباہ و برباد کیا۔ لڑکیاں اسی آئیڈیل پر ریجھ کر برباد ہوتی رہیں...... لڑکیاں چوں کہ ان پڑھ اور سیدھی تھیں اور زمانہ شناس نہیں تھیں اس لئے دھوکا کھا گئیں...... اس دور میں ایک پڑھی لکھی کو احمق بنانا اور اسے لوٹ لینا آسان نہیں ہے...... اس نے دو ایک مرتبہ موقع پا کر مجھے شکار کرنا چاہا لیکن میں اسے جل دے گئی...... اس احمق نے میرے لئے جو جال بچھایا تھا وہ خود ہی اس میں پھنس گیا...... میں نے اس پنچھی کے تمام پر کاٹ دیئے۔''

''کیا تم اپنے آپ کو بہلانے اور فریب دینے کے لئے یہ سب کچھ تو نہیں کہہ رہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''میں اپنے آپ کو فریب دے کر کیا کروں گی......؟'' عطیہ نے بھیگی بھیگی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''لیکن میں اس بات سے خوش ہوں کہ میری عزت اور دولت ایک بھیڑیے اور شیطان سے محفوظ رہی۔''

''تم نہ صرف جھوٹ بول رہی ہو بلکہ مجھ سے بہت کچھ چھپا رہی ہو۔'' ٹائیگر اس پر برس پڑا۔ ''کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بریف کیس چلتی گاڑی سے باہر پھینکا تھا...... جس میں گھر سے چرائے ہوئے زیورات تھے...... تم نے پہلے سرفراز کے کاغذات کا لفافہ بریف کیس سے نکال کر اپنی اٹیچی میں رکھ لیا تھا...... خر تم نے قیمتی

زیورات باہر کیوں پھینک دیئے...... کیا اس علاقے میں تمہارے منصوبے کے مطابق بریف کیس لینے کے لئے کوئی موجود تھا۔''

عطیہ اچھل پڑی اور حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... ''تو کیا آپ اس وقت جاگ رہے تھے......؟''

میں تو اس وقت بھی جاگ رہا تھا جب تم نے اس کی چائے میں بے ہوشی کی دوا ملائی تھی؟''

''انکل......!'' جذبات سے اس کی آواز بھرا گئی۔ ''آپ نے اس واقعے کی جو پردہ پوشی کی ہے میں اس کا احسان عمر بھی نہیں بھولوں گی۔''

''لیکن تم نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ وہ بریف کیس پھینکا گیا تھا...... کیا وہ زیورات اس کے اصل مالک کو مل گئے......؟''

عطیہ کے لبوں پر ایک فاتحانہ تبسم ابھر آیا۔ اس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمکنے لگیں اور چہرہ دمک اٹھا۔

سرفراز کے دیئے ہوئے پچاس ہزار کی رقم میں سے صرف دو ہزار نکال کر نقلی زیورات خریدے گئے تھے...... باقی رقم اس نے جہیز کے لئے رکھ لئے...... اگر سرفراز مجھ سے شادی کر لیتا تو جہیز کی صورت میں واپس مل جاتی...... اس کا پاسپورٹ جو تھا ساتھ میں امریکی ڈالر جو تھے تیس ہزار ڈالر تھے...... وہ اسے کبھی نہ دیتی بلکہ مستقبل کے لئے رکھ لیتی......''

ٹائیگر دل میں عش عش کر اٹھا...... کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''انکل میرے پاس اتنی رقم ہے کہ ٹرین سے ممبئی جاسکوں۔ آپ ٹکٹ کا بندوبست کر کے سوار کرا دیں۔''

''میں تمہیں ریل گاڑی سے نہیں بلکہ ہوائی جہاز سے بھیجوں گا۔ ٹکٹ میری طرف سے ہوگا۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''اب جب کہ تم بنگلور آئی ہو تو کیا بنگلور شہر دیکھ کر نہیں جاؤ گی...... بڑا خوب صورت شہر ہے۔''

''بہت بہت شکریہ......'' وہ ممنویت سے بولی۔ ''آپ کتنے اچھے ہیں۔''

ٹائیگر نے اسے ہوٹل میں ٹھہرایا۔ تین دن تک اسے نہ صرف بنگلور شہر کی سیر کرائی بلکہ وہاں کے کھانے بھی کھلائے اور اسے گاڑی بھی کرائے پر لے کر سرنگا پٹم، ٹیپو سلطان اور حیدر علی کے مزاروں پر لے گیا۔ میوزیم دکھایا، برندا دن گارڈن لے جا کر رات روشنیوں کا

نظارہ کرایا۔ بنگلور کا میوزیم جو ہندوستان بھر میں مشہور تھا۔ پھر رام گڑھ سے میسو پاک پانچ کلو خرید کر دیئے۔ ایسا میسو پاک ہندوستان بھر میں نہیں بنتا تھا۔ یہاں میسو پاک بنانے والے مسلمان خاندان صدیوں سے آباد ہیں اور پھر اسے پانچ ہزار کی شاپنگ بھی کرائی اس سے وعدہ لیا کہ شادی پر وہ اسے ضرور مدعو کرے گی۔

''انکل......!'' عطیہ نے کہا۔ ''آپ بھی میرے ہاں کیوں نہ ممبئی چلیں......؟''

''وہ کس لئے......؟''

''اس لئے کہ میں آپ جیسے محسن کو...... اپنے والدین سے ملانا چاہتی ہوں...... آپ کی بدولت میری عزت محفوظ رہی۔''

''دیکھو بے بی عطیہ......!'' ٹائیگر نے بڑے پیار سے اس کا گال تھپ تھپایا۔ ''میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا...... نہ یہاں میرے دوستوں اور ملنے والوں کا ایک وسیع حلقہ موجود ہے جس میں نہ صرف شکاری دوست بلکہ میڈیا سے بھی تعلق رکھنے والے ہیں...... چوں کہ ممبئی کی مشینی زندگی نہ صرف تھکا دیتی ہے بلکہ کولہو کا بیل بنا دیتی ہے۔ اس لئے میں سال ڈیڑھ سال کے عرصے میں ایک بار چکر ضرور لگا دیتا ہوں۔ اس لئے جب بھی آتا ہوں میرے دوست شکار کا پروگرام بناتے ہیں اور میں ان کے ساتھ شکار پر جاتا ہوں۔ جس سے مجھے ذہنی اور جسمانی سکون اور آرام ملتا ہے۔ لہٰذا میں معذرت خواہ ہوں...... ہاں جب میں واپس آؤں گا تب بھی تم سے اور تمہارے گھر والوں سے ملنے ضرور حاضر ہوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''تو آپ شکاری بھی ہیں......؟'' عطیہ خیریت سے بولی۔ ''آپ اپنی زندگی میں کتنی بار شکار کھیل چکے ہیں؟''

''ہاں...... شکار میرا شوق، میرا کاروبار اور میرا کام رہا ہے۔'' اس نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔ ''میں شکار کھیلتا رہتا ہوں۔ ویسے جنگل میں متعدد مرتبہ شکار کھیل چکا ہوں۔''

عطیہ اس کی بات کی تہہ میں پہنچ نہیں سکی۔ اس نے مذاق سمجھا۔ پھر کہنے لگی۔

''میں نے افریقہ کے جنگلات میں بہت کچھ پڑھا اور سنا ہے۔ کیا آپ کو آپ کا شوق افریقہ بھی لے گیا؟''

''نہیں......'' ٹائیگر نے سر ہلایا۔ ''ویسے کبھی زندگی میں موقع ملا تو ضرور جاؤں گا۔''

''کیا میسور کا جنگل بھی افریقہ کے جنگلات کی طرح ہے......؟'' عطیہ نے پوچھا۔

''افریقہ...... بنگلہ دیش کے سندر بن جنگل...... برازیل اور جہاں جہاں بڑے جنگلات ہیں ان میں ایک قدر مشترک ہے۔'' ٹائیگر کہنے لگا۔ ''ویسے میری معلومات میسور کے جنگل کے بارے میں کچھ زیادہ ہیں...... ایک تو یہ جنگل سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا ہے اور بنگلہ دیش میں جو سندر بن جنگل واقع ہے اس سے جا کر ملتا ہے...... میسور کے جنگل میں انسانوں کی بستیاں بھی موجود ہیں...... چھوٹی بڑی ندیاں جن پر دریا کا گمان ہوتا ہے...... جادوگروں، شعبدہ بازوں، وحشیوں اور آدم خوروں کے گاؤں بھی ہیں...... قدم قدم پر میرا پراسرار علوم سے واسطہ پڑتا رہتا ہے...... اس کے علاوہ قاتل، چور اور ڈاکو بھی یہاں آ کر روپوش ہو جاتے ہیں تا کہ قانون کے ہاتھوں سے بچے رہیں...... اس کے علاوہ سرمایہ داروں نے یہاں عشرت کدے بنا رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں جوتا سازی کا کارخانہ اور شاید دو ایک کارخانے بھی ہیں۔ کبھی ان سے سابقہ نہیں پڑا۔ وہ بڑے مرمریں، خوب صورت اور نفیس اور گداز ہوتے ہیں۔ وہ بڑے ماہر کاری گروں کے ہاتھوں تیار ہوتے ہیں...... یہ جوتے بازاروں میں دستیاب ہیں اور غیر ممالک بھی بھیجے جاتے ہیں۔ اس قدر قیمتی ہوتے ہیں کہ ایک عام آدمی کی قوت خرید سے باہر...... صرف سرمایہ دار ہی خرید پاتے ہیں۔ ان کی پائیداری کا شاید ہی کسی غیر ملک کا بنا ہوا جوتا مقابلہ کر سکے۔''

''کیا حکومت ان چوروں، بدمعاشوں اور ڈاکوؤں پر ہاتھ نہیں ڈالتی......؟'' عطیہ بولی۔

''کوشش تو کرتی ہے...... لیکن اکا دکا ہی ہاتھ لگتے ہیں...... کیوں کہ جنگل اس قدر گھنا، تاریک ہے اور موذی جانوروں کی بہتات ہے اس لئے پولیس اندر جانے سے خوف کھاتی ہے۔''

آپ کا سابقہ شکار کھیلنے کے دوران مجرموں، ڈاکوؤں اور خوف ناک قسم کے جانوروں سے پڑتا رہتا ہوگا؟''

اتفاق سے نہیں...... کیوں کہ ہم شمال جنوب میں جاتے ہیں جہاں کالا ہرن...... عام ہرن...... بطخیں اور مرغیاں کثرت سے ملتی ہیں...... پھر ہم ان کا شکار کر کے ایک طرح سے تفریح کا مقصد پورا کر کے چلے آتے ہیں۔''

جب وہ اسے رخصت کرنے ایئرپورٹ گیا تو عطیہ اس سے لپٹ کر دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

☆......☆......☆

ٹائیگر اپنے دونوں دوستوں سے ملنے پریس کلب پہنچا۔ جہاں اس کے نہ صرف تمام دوست بلکہ شکاری دوست بھی موجود تھے جو ہر شام جمع ہوتے تھے۔ ان کے دم سے بڑی رونق رہتی تھی۔ ماحول بڑا سہانا، رنگین اور خوش گوار ہو جاتا تھا۔ وہ ان سے نہ صرف ملنے آیا تھا بلکہ شکار کا پروگرام بنانے...... تین چار مہینے شکار کا موسم اس لئے ہوتا تھا ان مہینوں میں بارش بالکل نہیں ہوتی تھی۔ برسات کے دنوں میں دلدلوں کا پتا نہیں چلتا...... اس کے علاوہ خصوصاً کالا ہرن کا شکار مقصود ہوتا تھا کہ جوان سب کو بہت مرغوب تھا۔ کالا ہرن کا شکار میسور کے جنگل میں اس لئے ممنوع نہیں تھا کہ وہ بکثرت تھا اور حکومت کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ ٹیکس ادا کرنے کی صورت میں اس کی کھال لے جانے کی اجازت ہوتی تھی۔

جب وہ پریس کلب پہنچا تو اس نے اپنے تمام دوستوں کو کلب کے کینٹین میں جو ایک بڑے کشادہ اور خوب صورت ہال کی ایک میز پر جو ایک گوشے میں تھی اور ان کے لئے مخصوص ہوتی تھی براجمان دیکھا۔ وہ حسب معمول پیپر سالہ ڈوسا کھا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ باتیں کرتے جا رہے تھے اور نوک جھونک بھی کی جا رہی تھی۔ پیپر سالہ ڈوسا اس ہوٹل کی خاص ڈش تھی۔ یوں بنگلور کے تقریباً تمام ہوٹلوں اور ریسٹورنٹ اور کیفے میں بھی دستیاب ہوتی تھی۔ لیکن اس میں کینٹین والی بات نہ تھی۔ اس کا اپنا ایک مخصوص ذائقہ لذت تھی۔ اس لئے دو برسوں سے بلاناغہ ہر سہ پہر یہ کھانے کے لئے آتے تھے۔

ڈرون حملہ کا سنتے ہی سارے لوگ جو ہال میں موجود تھے حواس باختہ ہو گئے۔ ان سب کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ یہاں اس حملے کا کوئی تصور تک نہ تھا۔ کویتا کی اور میزوں کے لوگ سبھی اپنی اپنی میزوں کے نیچے گھس گئے۔

''ڈرون حملہ......؟'' رنگا سوامی نے کویتا کی طرف دیکھا۔ وہ سنبھل چکا تھا۔ ''نہ تو میزائل داغا گیا اور نہ......''

''ارے یہ ڈرون حملہ......؟'' رنگا سوامی نے کویتا کی طرف دیکھا۔ وہ سنبھل چکا تھا۔

''نہ تو میزائل داغا گیا اور نہ......''

''ارے یہ ڈرون حملہ نہیں تو کیا......؟'' کویتا نے ٹائیگر کی طرف اشارہ کیا جو میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سب کی جان میں جان نہ آئی...... لوگ اپنی اپنی میزوں کے نیچے سے نکل آئے۔

کچھ ہنستے، مسکراتے اور غصے کی سی حالت میں سب نے بگڑ کر کویتا سے کہا۔

''تم اپنی شرارتوں اور حرکتوں سے باز نہیں آتی ہو...... تم نے تو ڈرا ہی دیا۔''

''ڈرانے والوں کو ڈرایا جاتا ہے...... یہ ٹائیگر...... کیا کسی ڈرون حملہ سے کم ہے...... اسے دیکھو...... آیا بھی ہے تو کسی ڈرون حملے کی طرح......'' کویتا بولی۔

ٹائیگر جب میز کے پاس پہنچا تو تمام دوستوں نے کھڑے ہو کر بڑی گرم جوشی سے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ مصافحہ کیا۔ جو مرد تھے وہ بغل گیر ہو گئے۔ کویتا، رادھنا اور سرسوتی نے مصافحہ کیا۔ آخر میں کویتا نے کیا تھا۔ ٹائیگر نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا، وہ ان تینوں میں سب سے خوب صورت، پرشباب گداز بدن کی تھی۔

''کیا تم نے میرا ہاتھ ساری زندگی کے لئے تھام لیا ہے......؟'' کویتا شوخی سے بولی۔

''کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتی ہو کہ میں ایک حسین عورت کا ہاتھ ساری زندگی کے لئے تھام کر پیروں پر کلہاڑی ماروں گا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''لوگ میرا ہاتھ تھامنے اور جیون ساتھی بنانے کے لئے میرے سپنے دیکھتے ہیں...... بنتی کرتے ہیں......'' وہ بولی۔ ''تم بھی تو دیکھتے ہو۔ اس لئے تو آئے ہو۔''

''دنیا میں احمق کی کوئی کمی نہیں ہے...... اور پھر سپنے کوئی نہیں دیکھتا ہے......'' ٹائیگر بولا۔ ''میں جو سپنا دیکھتا ہوں...... وہ تمہارا نہیں بلکہ کالا ہرن اور مرغابیوں کا......''

''بلیک ٹائیگر ہو اس لئے...... کالا ہرن کا خواب دیکھتے ہو......'' کویتا برجستہ بولی۔

''تم نے آتے ہی اس سے جھگڑا شروع کر دیا۔'' رادھنا ہنس کر بولی۔ ''معلوم نہیں کیوں اس نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا ہے......؟''

''اس لئے کہ تم مجھے دیکھتے ہی بے ہوش نہ ہو جاؤ...... اس لئے کہ بلیک ٹائیگر کو دیکھ کر اچھے اچھوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔'' ٹائیگر نے کہا۔

ٹائیگر کی کویتا سے بے حد تکلفی تھی۔ کویتا کے برابر جو خالی کرسی تھی اس پر بیٹھنے سے پہلے

اس کی عریاں مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کالی ساڑھی اور کالے مختصر سے سیاہ بلاؤز میں تھی جس کی آستین نہیں تھیں اور گریبان بھی آگے پیچھے سے بے حد کھلا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے اس کا چہرہ اور سراپا نظروں کی گرفت میں لیا تو وہ ایک دم سے کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

''تم اس طرح دیکھ رہے ہو جیسے میں اس سال کی مس ورلڈ ہوں۔''

''اگر تمہیں مس ورلڈ منتخب کرلیا گیا تو دنیا کی ساری بوڑھی اور معمر عورتوں میں خوشی کی لہر دوڑ ہو جائے گی کہ ان کی قسمت جاگ گئی ہے جو عورت اسی برس کی ہوگی وہ مس ورلڈ چن لی جائے گی۔''

''کیا میں اسی برس کی لگ رہی ہوں......؟'' وہ تنک کر بولی۔

''اس سے دو تین برس اور زیادہ...... ویسے تمہیں بوڑھی حسینہ کا خطاب مل جائے گا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''میں جب سو برس کی ہو جاؤں گی تب میں تم سے ہر قیمت پر شادی کر کے رہوں گی۔''

''انگور کھٹے ہیں......'' ٹائیگر ہنس دیا۔

''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں بخش دوں گی؟''

''کون جیتا ہے تیرے سفید زلفیں سر ہونے تک۔''

''میری زلفیں سفید نہیں ہوئی ہیں بلکہ تمہارا خون سفید ہو گیا ہے۔'' کویتا نے کہا۔ ''میری سیاہ اور لمبی لمبی خوب صورت ریشمی گھٹائیں...... کیا تمہیں ان میں سفیدی نظر آ رہی ہے...... ایک تار تک چاندی کا نہیں ہے۔''

''یہ کیوں نہیں کہتی ہو خضاب کا کمال ہے......؟'' ٹائیگر کہنے لگا۔ ''کیا میں نہیں جانتا کہ تمہاری عمر کیا ہے...... تم ناامید نہ ہو...... یہاں ایسے احمق بستے اور ملتے ہیں کہ...... بالوں کا دھوکا...... عمر کا دھوکا اور جسامت کا دھوکا کھا کر شادی کر لیں گے۔''

سرسوتی نے ان کی نوک جھونک کے درمیان ویٹر کو بلایا اور اسے پیپر ڈوسا کا آرڈر دینے لگی تو ٹائیگر نے کہا۔

''کھوپے کے دودھ کی بگھار والی چٹنی بھی لانا...... میں تین سے کم نہیں کھاؤں گا...... پہلے کے بعد دوسرا......! دوسرے کے بعد تیسرا گرم گرم...... ہر ایک کے ساتھ چٹنی ضرور آئے گی...... اس کا بل مس کویتا کے کھاتے میں جائے گا۔''

''ایسا کرو کہ چٹنی پانچ گیلن لا کر دے دینا......'' کویتا ہنس پڑی۔ ''تم بل کی پروا مت کرو...... دس بیس عدد بھی کھاؤ گے تو بھی بل میں ادا کر دوں گی...... ایک بات بتا دوں...... بدہضمی ہو جائے تو فکر مت کرنا۔ میں اسٹور سے ہاضمولا کی شیشی منگوا دوں گی......''

''ہاضمے کی گولی کھانے کے بجائے ایک اور سالہ ڈوسا نہ کھالوں۔'' ٹائیگر بولا۔

کینٹین کے کچن میں چار عدد باورچی پیپر سالہ ڈوسا تیار کر رہے تھے۔ اس لئے ویٹر فوراً ہی لے آیا۔ ٹائیگر نے چھری کانٹا سنبھالا اور اس کے ساتھ انصاف کرنے لگا۔ سرسوتی نے کہا۔

''ٹائیگر......! تم نے ممبئی میں بڑے زبردست ڈرون حملے کئے...... ایک ایک ڈرون حملے کو سنسنی خیز خبر بنا کر کویتا اپنے اخبار میں چھاپتی رہی ہے...... جس نے نہ صرف صوبہ میسور بلکہ سارے ہندوستان میں دھوم مچادی ہے...... اور پھر رادھنا ٹیلی ویژن میں ان خبروں کو عام کیا اور لوگوں کو بتایا کہ کس طرح ٹائیگر اتنے بڑے کارنامے انجام دے رہا ہے۔''

''میں اپنی پبلسٹی اس لئے پسند نہیں کرتا کہ مجھے شہرت کا شوق ہے نہ اس سے کوئی دلچسپی ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں انسانیت کی خدمت کرتا ہوں۔ میرا شروع ہی سے یہ مشن رہا ہے کہ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچاؤں...... دولت کی بھی ہوس اور خواہش کبھی نہیں رہی۔ اس لئے کہ دینے والا چھپر پھاڑ کر دیئے جا رہا ہے۔ سوچتا ہوں کہ اتنی دولت لے کر کیا کروں...... ویسے میں ضرورت مندوں، محتاجوں اور غریبوں کی دل کھول کر مدد کرتا رہتا ہوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی......؟'' کویتا نے سرخ ہو کر پوچھا۔ ''جب کہ تمہارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔''

''اس لئے کہ ایک سراغ رساں کو شادی کرنا بڑا مہنگا پڑتا ہے...... اس لئے کہ وہ جیمز بانڈ کی طرح ہے جس کی زندگی میں لڑکیاں عورتیں ہوا کے جھونکوں کی طرح آتی رہتی ہیں...... گو کہ میں اب تک بہکا نہیں ہوں۔ شادی کے بعد بہک جاؤں تو اس کے ساتھ بد

دیانتی ہوگی جو میں نہیں چاہتا...... پارسائی پر دھبا ایک مرتبہ لگ جاتا ہے...... وہ ایک بار پھسل جاتا ہے تو پھسلتا ہی جاتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' سبرانیم نے سر ہلایا۔ ''غلاظت کے دلدل سے نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

''یہ سوال کویتا نے مجھ سے پوچھا ہے کہ تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی......؟ میں یہی سوال اس سے پوچھنا چاہتا ہوں......؟ اس کے امیدواروں کی کوئی کمی نہیں ہے...... اس جوڑی سے شادی کی تمنا میں لوگ بوڑھے ہوتے جارہے ہیں۔''

''ابھی میری عمر شادی کی کہاں ہوئی ہے......'' کویتا شوخی سے بولی۔ ''اگر شادی کی خواہش ہوئی تو صرف تم سے کروں گی۔''

''ویری گڈ...... میں انتظار کروں گا۔'' ٹائیگر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کر لیا۔

''کیا تم یہاں کسی خاص مشن پر آئے ہو......؟'' سرسوتی نے دریافت کیا۔ ''کیا کسی نے تمہاری خدمات حاصل کرنے کے لئے بھیجا ہے؟''

''نہیں...... میں صرف شکار پر جانے کے لئے آیا ہوں...... کالا ہرن...... بطخیں اور مرغابیاں...... پھر تم سب کی یاد بے اختیار کھینچ لائی ہے...... اس لئے کہ ڈیڑھ برس سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔''

''ایک شکاری نے دوسرے شکاری کو کھانے پر مدعو کر لیا۔'' رنگا سوامی بولا۔

''یہ شکاری کہاں سے ہوئیں......؟ اپنے اخبار کی نیوز ایڈیٹر...... میں ایک سراغ رساں جو درندہ صفت مجرموں اور جنگل کے جانوروں کا شکار کرتا رہتا ہوں...... ہم دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''شریمتی جی...... تم سے زیادہ خطرناک شکاری ہیں...... سیاست دانوں...... مفاد پرستوں...... مافیا اور منشیات کا شکار کھیلتی رہتی ہیں۔ یہ لوگ جنگل کے درندوں سے کہیں خوفناک ہوتے ہیں...... ان سے مقابلہ سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے...... جان کے دشمن ہوتے ہیں اور سر پر موت کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔'' رنگا سوامی نے کہا۔

''ہاں......'' سرسوتی نے سر ہلایا۔ ''میں نے کبھی اس پہلو پر غور نہیں کیا...... جب کہ

خواب ہے یا سراب ہے
سعدیہ لیاقت
قیمت -/400 روپے
آٹھ گھنٹے کی یہ فلائیٹ ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ پاکستان سے ڈنمارک کا سفر جوزیہ نے پہلی بار کتنی خوشی سے گزارا تھا آج اس سے کتنا مختلف تھا۔ پچھلی بار جہاں اپنوں سے بچھڑنے کا غم تھا تو دوسری طرف اپنے گھر جانے اور جیون ساتھی سے ملنے کی خوشی تھی۔ پر اب تو اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ رات میں گم ہو جانے والا ایک پرندہ ہو جو بے سمت اڑے جا رہا ہے جسے نہ منزل کا پتہ ہے اور نہ ہی راستے کی خبر۔
عشق، عشق، عشق
شازیہ رانا
ردا بری طرح بوکھلا چکی تھی اور اس کے پیچھے لپکی مگر اس کے جانے سے پہلے اس نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ ردا کے ہاتھ پاؤں بری طرح پھول چکے تھے کہ کہیں یہ کچھ الٹا سیدھا نہ کرلے...... اس نے بھاگ کر امی اور ولید کو بلایا اور تینوں مل کر دروازہ بجانے لگے مگر اندر گہری خاموشی کے سوا کچھ نہیں تھا آخر ردا نے ماں کو مختصر بتایا کہ کیا ہوا تھا؟ دوسری طرف ولید دروازہ توڑنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا کہ آخر وہ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ عشق اور محبت کے شکنجے میں گرفتار اپنی نوعیت کا ایک انوکھا ناول۔
قیمت -/300 روپے
شمع بک کارنر
امین پور بازار فیصل آباد
منشی محلہ گلی نمبر 5

کویتا کو دو ایک مرتبہ جان سے مار دینے کی دھمکیاں مل چکی ہیں۔ لیکن اپنے مشن سے باز نہیں آتی..... اس نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال رکھی ہے۔"

"زندگی کا کوئی مقصد تو ہونا چاہئے۔" کویتا کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ "وہی آدمی جیتا ہے جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیتا ہے..... ٹائیگر کا روزگار سراغ رسانی ہے جہاں اس کے قدم قدم پر خطرات اور موت منہ کھولے کھڑی رہتی ہے..... صحافت میں جو سچائی ہے ہر برائی کا مقابلہ کرتے ہیں وہ موت سے نہیں ڈرتے ہیں..... میں بھی نہیں ڈرتی۔ ٹائیگر نے مجھ سے دو ایک مرتبہ کہا تھا کہ موت صرف ایک بار آتی ہے اور اس کا دن، لمحہ اور وقت لکھا ہوتا ہے۔ اس لئے میں انسانی درندوں سے بالکل نہیں ڈرتی..... حق کی بات کرتی ہوں..... اس لئے بھی کرنا چاہئے کہ یہ صحافت کا اصول ہے۔"

"تمہارے ان گداز اور شیریں لبوں کو میں خراج پیش کرسکتا..... کاش.....! یہ سنہرے الفاظ..... تنہائی میں....."

"تمہیں کیسے معلوم کہ میرے لب شیریں ہیں....." وہ بولی۔ "یہ کڑوے کسیلے اور زہریلے بھی ہیں؟"

"تصور میں اور انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے....."

"تم بدمعاشی سے باز نہیں آؤ گے....." وہ مصنوعی غصے سے بولی۔ "چلو..... وقت پر پہنچ جانا..... کھانے پر نہ میں تمہارا انتظار کروں گی..... اور نہ کھانا....."

سب نے اپنا اپنا بل ادا کیا..... کویتا نے اس کا اور اپنا..... سرسوتی کے منع کرنے کے باوجود..... وہ سب اس کے ساتھ پریس کلب سے نکلے..... پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک کویتا نے اسے زوردار دھکا دے کر گرا دیا۔

ٹائیگر حیران تھا کہ کویتا نے اسے دھکا دے کر گرا کیوں دیا..... وہ اس معمہ کو حل کر رہا تھا کہ ایک گولی سن سناتی ہوئی اس کے اوپر سے گزر گئی..... اگر اسے کویتا نے دھکا نہ دیا ہوتا تو وہ لقمہ اجل بن چکا ہوتا.....

ٹائیگر نے سنبھل کر دیکھا۔ حملہ آور پارکنگ لاٹ سے ایک گاڑی کی اوٹ میں کھڑا ہوا تھا۔ جہاں سے اس نے ٹائیگر کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ وہ گولی پریس کلب کی دیوار سے لگ کر زمین پر گر گئی..... وہ اسے نشانہ بنانے کے لئے نشست باندھ رہا تھا کہ کویتا اس

کی سرعت سے لپکی اور ٹائیگر پر گر کر اسے ڈھال بنا لیا۔ دوسرا فائر بھی اس نے داغ دیا۔ اس کے باوجود کویتا خوف زدہ نہیں ہوئی..... ٹائیگر نے اسے پرے دھکیل دیا۔ دوسرا فائر خالی گیا تھا..... پھر وہ کھڑی ہو کر ٹائیگر کو پھر ڈھال بنانا چاہتی تھی کہ وہ تیور دکھا کر زمین پر گرتے وقت اس کے منہ سے ایک دل خراش چیخ نکلی..... پھر وہ خوف و دہشت سے بے ہوش ہوگئی..... کویتا سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز میں تھی۔ گورا بدن تھا..... گولی اس کے شانے پر لگی تھی جس سے خون ابل پڑا تھا جس سے نہ صرف اس کا سفید لباس بلکہ اس کا دودھیا بدن بھی خون سے نہانے لگا۔

ایک نہیں دو بدمعاش تھے..... ان کی گاڑی پارکنگ لاٹ پر کھڑی تھی..... وہ یہ سمجھے کہ کویتا موت کی آغوش میں جا چکی ہے..... انہوں نے ٹائیگر کو دیکھا جو اپنی موت کی پروا کئے بغیر ان کی طرف کوندا بن کر لپک رہا تھا..... اسے نشانہ بنایا۔ ٹائیگر کی قسمت اچھی تھی۔ ان کے ریوالور کی نال سے شعلہ نہیں نکلا۔ صرف کلک کی آواز گونج کر رہ گئی۔ ان کے ریوالور میں شاید تین ہی گولیاں تھیں۔ جب ان بدمعاشوں نے ٹائیگر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ان کی گاڑی جھٹکے سے بڑھی۔ اس کا انجن اسٹارٹ ہی تھا..... وہ زناٹے سے آگے بڑھی اور مین روڈ پر آ کر مخالف سمت بڑھ گئی۔ چند لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

ٹائیگر ایک دم سے رک گیا۔ اگر وہ اپنے دوستوں میں سے کسی کی گاڑی لے کر ان بدمعاشوں کا تعاقب کرتا تو لاحاصل تھا۔ کیوں کہ وہ گاڑی جس تیز رفتاری سے گئی تھی اس نے اب تک کئی میل طے کر لئے ہوں گے..... اس کی گرد پانا اور کس سمت گئی یہ معلوم کرنا دشوار تھا۔ اس کی رگوں میں نفرت اور غصے سے لہو ابلنے لگا۔ کاش.....! اس نے سوچا۔ اس کی جیب میں ریوالور ہوتا تو وہ کویتا کو نشانہ بننے نہیں دیتا۔ ان دونوں کی کھوپڑیوں میں سوراخ کر کے خون میں نہلا دیتا۔

یہ لرزہ خیز واقعہ جو ڈرون حملہ تھا چشم زدن میں پیش آیا تھا جس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا..... پریس کلب کے گیٹ پر مسلح چوکیدار بھی تھا۔ لیکن اس وقت پریس کلب کے احاطے میں کھڑا بیڑی پی رہا تھا۔ جتنی دیر میں وہ بندوق اپنی گیسٹ والی کوٹھری سے نکال کر لے آیا وہ بدمعاش فرار ہو چکے تھے۔ سرسوتی نے موبائل فون سے قریبی پولیس اسٹیشن پر رابطہ کیا اور وین آئی تو بدمعاشوں کی گاڑی کا نام و نشان تک نہ تھا..... پولیس وین ایک انداز سے ان

بدمعاشوں کے تعاقب میں روانہ ہوئی...... رنگا سوامی پولیس پر بگڑ گیا تا کہ ان کی گاڑی جو شام کے وقت پریس کلب کے باہر کھڑی ہوتی ہے وہ کیوں موجود نہ تھی...... اس نے صاف صاف سب انسپکٹر سے کہہ دیا تھا کہ......''آپ لوگ رشوت لینے اور کسی بے گناہ آدمی کو گرفتار کر کے تھانے لانے گئے ہوں گے۔''

ٹائیگر برق سرعت سے کویتا کی طرف لپکا۔ وہ تین چار برسوں سے اس کی نہ صرف اس کی مخلص دوست تھی بلکہ بے حد بے تکلف بھی...... اس کے سراغ رسانی کے کارناموں کی جذباتی حد تک رسیا تھی۔ ان دونوں میں خوب بنتی تھی...... وہ تصور بھی نہیں کر سکتا ا، نہ ہی سوچ سکتا تھا کہ اس کی جان بچانے کے لئے اپنی زندگی کی پروا نہیں کرے گی...... کسے اپنی زندگی عزیز نہیں ہوتی ہے...... لیکن یہ کیا جذبہ تھا...... محبت تھی...... اس قدر ایثار...... وہ کویتا سے شادی کرنے سے اس لئے قاصر تھا کہ ان کے درمیان مذہب کی دیوار تھی، جسے وہ گرانا نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی ٹائیگر...... وہ دونوں ابھی شادی بھی کرنا نہیں چاہتے تھے...... اس نے ایک لمحے میں یہ سب کچھ سوچ لیا تھا...... کویتا نے اس کی جان بچا کر اسے بن مول خرید لیا تھا...... اس پر ایک ایسا احسان کیا تھا جسے وہ ساری زندگی اتار نہیں سکتا...... اس کی عظیم محسن...... ان درندوں نے کویتا کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی...... اس بات کا بھی خیال نہیں کہ وہ ایک عورت پر گولی چلا رہے ہیں۔

کویتا کو زخمی حالت میں بے ہوش دیکھ کر اندر سے صدمے، غصے اور نفرت سے اس کا دل جیسے پاش پاش ہوا جا رہا تھا۔ وہ کویتا کے پاس دو زانو ہو گیا۔ اس نے پہلے تو نبض دیکھی لگا جیسے ڈوب رہی ہو...... پھر اس نے سینے پر دل کی جگہ اپنا کان رکھ دیا۔ اسے آکسیجن کی ضرورت تھی۔ اس نے کویتا کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا...... چند لمحوں کے بعد کویتا کے دل کی دھڑکن میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے...... نبض خطرے سے نکل آئی تھی۔ خون ابھی بھی زخم سے بہہ رہا تھا۔

فائرنگ سے پریس کلب کے اندر اور باہر ایک بھونچال آ گیا۔ فوٹو گرافر تصویریں بنانے لگے...... لیکن ایک افراتفری اور چیخ و پکار سی مچ گئی۔ پریس کلب کے سبزہ زار پر جو لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے...... سالہ ڈوسا کھا رہے تھے۔ بھگدڑ تھی کہ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ حالاں کہ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ بدمعاش فائرنگ کر کے فرار ہو گئے ہیں...... ہر کسی

کا خوف و دہشت سے برا حال تھا۔ سب سے زیادہ متاثر لڑکیاں اور عورتیں تھیں...... وہ ایک تو بے ہوش ہو گئی تھیں۔ رادھنا اور سرسوتی ان سے کہہ رہی تھیں کہ اب خطرے کی کوئی بات نہیں رہی...... لیکن خوف و ہراس نے انہیں حواس باختہ کر دیا تھا۔

رنگا سوامی ٹائیگر کے پاس آیا تو اس کا چہرہ بے لہو ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔''میں نے اسپتال فون کر دیا ہے۔ بس ایمبولینس آنے والی ہے۔'' وہ غمزدہ لہجے میں بولا۔''آپ کسی کو بھی قریب نہ آنے دیں۔ حالاں کہ ایمبولینس کو اب تک پہنچ جانا چاہئے۔''

سبرانیم بولا۔''شام کا وقت ہے...... ٹریفک اکثر جام ہو جاتا ہے۔''

ایک پولیس وین جو اس وقت پریس کلب کے باہر آ کر رکی تھی اس میں سے دو پولیس افسران اترے۔ اس وقت کویتا کے پاس بھیڑ ہونے لگی تھی۔ ان افسروں نے بھیڑ کو ہٹانے اور دور رکھنے کی کوشش کی۔

''اوہ...... یہ مس کویتا ہیں......؟'' ایک افسر نے حیرت سے کہا۔''ان پر بدمعاشوں نے گولیاں چلائیں......؟''

''مس کویتا پر نہیں بلکہ ٹائیگر پر......'' رنگا سوامی بولا۔

''لیکن...... یہ نشانہ کیسے بن گئیں۔'' دوسرے افسر نے پوچھا۔

''مس کویتا نے ٹائیگر کو بچانے کی کوشش کی تھی...... وہ ڈھال بن گئی تھیں...... لیکن ان قاتلوں کو ایک عورت پر رحم نہیں آیا۔''

اس وقت ایمبولینس سائرن بجاتی ہوئی آتی دکھائی دی۔ ایمبولینس کے اندر ڈاکٹر بھی تھی۔ اس نے فوراً ہی کویتا کو اسٹریچر پر ڈال کر اندر لائے معائنہ کیا۔ اس کے منہ پر آکسیجن ماسک لگا دیا اور ڈرائیور سے کہا۔''فوراً اسپتال لے چلو......''

ٹائیگر رنگا سوامی کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اسپتال پہنچتے ہی کویتا کو فوراً آپریشن کے لے جایا گیا۔ کیوں کہ گولی اس کے شانے میں اتر گئی تھی۔

سبرانیم نے موبائل پر کویتا کے گھر والوں کو اس خونی حادثے کی اطلاع دے دی تھی۔

ڈاکٹروں، سرجنوں اور نرسوں کی ایک ٹیم کویتا کے اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی موجود تھی...... کویتا پر قاتلانہ حملے کی خبر نہ صرف ریڈیو بلیٹن بلکہ ٹی وی بلیٹن پر بھی نشر کی گئی تھی۔ صحافیوں کے علاوہ ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے اور عوام میں ہر خاص و عام اسپتال پہنچ گئے تھے......

اس لئے کہ کویتا کوئی عام عورت نہ تھی۔ ایک بڑے معروف اخبار کی نیوز ایڈیٹر تھی۔ بے باک، نڈر اور بے خوف صحافی تھی۔ اس کی بڑی عزت وقدر تھی۔ بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ اس کے علاوہ کالم نویس بھی تھی۔ وہ اپنے کالم میں کسی کو بھی نہیں بخشتی...... سیاسی رہنماؤں، سیاسی پنڈتوں اور صاحب اقتدار کی پول کھول کر رکھ دیتی...... بے ضمیر، مفاد پرست اور مافیا بھی اس سے ڈرتی اور اس کی جانی دشمن بھی تھی۔

اس پر جو قاتلانہ حملہ ہوا تھا اس کا یہ تاثر لیا گیا تھا کہ اس کے کسی دشمن نے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی...... لیکن اصل بات کیا تھی کسی کے علم میں نہ تھی۔ لیکن دوسرے دن سرسوتی نے جو دکن ہیرالڈ کی ایڈیٹر تھی اس نے اپنے اخبار میں یہ خبر شائع کر دی کہ ممبئی کے مشہور پرائیویٹ سراغ رساں ٹائیگر میسور کے جنگل میں شکار کھیلنے آئے تھے۔ پریس کلب کی چار دیواری سے باہر آتے ہی دو بدمعاشوں نے ٹائیگر کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تو کویتا نے ڈھال بن کر اپنے مہمان کو بچایا اور خود موت کی آغوش میں جاتے جاتے بچ گئی۔ اب اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ اس کے شانے میں جو گولی پیوست ہوئی تھی وہ با آسانی نکال لی گئی۔ اس لئے کہ وہ زیادہ اندر نہیں گئی تھی۔

لیکن ٹائیگر دل میں حیران تھا کہ اس پر قاتلانہ حملہ کس نے کیوں اور کس لئے کیا تھا؟ اس کی آمد کی خبر ان جانے دشمن کو کس نے دی......! اس نے اچانک شکار پر جانے کے لئے پروگرام بنایا تھا اور کسی کو بتائے بغیر روانہ ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے جب اس بات کا ظہار سبرانیم سے کیا تو اس نے کہا۔

''تم جس روز بنگلور پہنچے اور گاڑی یعنی ٹیکسی میں ایک جوان جوڑے کے ساتھ اپنے گھر جا رہے تھے۔ تمہاری ٹیکسی کے مخالف سمت کویتا اپنی گاڑی میں اپنے دفتر جا رہی تھی اس نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ لیکن تم نے اسے نہیں دیکھا...... کویتا نے اخبار میں اپنی طرف سے یہ خبر چھاپ دی کہ بلیک ٹائیگر میسور کے جنگل میں شکار کھیلنے ہر برس کی طرح اس برس بھی آیا ہوا ہے حکومت کرناٹک کو چاہئے کہ اس کی خدمات حاصل کرے۔ بلیک ٹائیگر...... شیر بنگال سے کہیں خطرناک ہے۔ وہ بنگال کا ٹائیگر ہے۔ ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہے۔ اس نے ممبئی میں نہ صرف بڑے بڑے خطرناک مجرموں بلکہ کئی مافیاز کو کیفر کردار تک پہنچایا ہے...... حکومت کرناٹک بہت پریشان ہے کہ اب تک نہ صرف ملکی اور غیر ملکی شکاری بلکہ نوجوان

لڑکیاں عورتیں اور مرد جو پراسرار طور پر غائب ہو گئے ان کا پتا نہیں چل سکا۔ یہ لڑکیاں اور عورتیں دو ماہ پیشتر میسور کے جنگل دو تین مردوں کے ساتھ کالا ہرن اور مرغابیوں کے شکار کے لئے گئی تھیں...... ان کی پراسرار گمشدگی ایک معمہ بن گئی ہے۔ اگر بلیک ٹائیگر کی خدمات حاصل کی جائیں تو یہ معمہ با آسانی حل ہو سکتا ہے۔ وہ انہیں بازیاب کر کے اور اس گروہ کے سرغنہ کو جس نے انہیں اغوا کیا اور کر رہا ہے اور خیال یہ ہے کہ اس کے گروہ میں وہ قاتل، مجرم اور غنڈے بدمعاش ہیں جو مفرور ہیں جن کی حکومت کو بھی تلاش ہے انہیں کیفر کردار تک پہنچا کر دم لے گا...... ٹائیگر سراغ رساں نہ صرف زبردست سراغ رساں ہے بلکہ شکاری بھی ہے...... ملایا، آسام اور بنگلہ دیش کے سندر بن کے جنگل میں اس نے خطرناک درندے، تیندوں، شیر ببر، گینڈوں اور ریچھوں کا بھی شکار کیا ہے۔''

''لیکن ایک بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک گروہ نوجوان لڑکوں، مردوں اور نوجوان لڑکیوں عورتوں اور شکاریوں کو بھی کس لئے اغوا کر رہا ہے جو میسور کے جنگل میں موجود ہے...... کیا وہ ان سے دل بہلاتا ہے۔ لیکن جوان لڑکوں اور مردوں کو کس لئے...... اس نے اب تک جو جوان لڑکیاں عورتیں اغوا کی ہیں اور کر رہا ہے...... کیا وہ عام قسم کی تھیں یا حسین......''

یہ معمہ حل نہیں ہو سکا کہ وہ لڑکیوں، نوجوان لڑکوں، مردوں کو کس لئے اغوا کر رہا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے...... لیکن ہو سکتا ہے کہ انہیں کھلونا بنانے کے لئے...... اب تک جتنی بھی لڑکیاں اور عورتیں اغوا ہوئی ہیں وہ نہایت حسین، نوجوان، جواں سال اور بے حد پرکشش تھیں جیسے نگینے ہوں...... بہر کیف یہ ایک معمہ اور اسرار ہے۔''

''کیا یہ امکان نہیں ہے کہ وہ ان لڑکیوں عورتوں کو کسی غیر ملک میں لے جا کر فروخت یا نیلام کر دیتا ہو...... دبئی...... قطر اور بھی کئی جگہ ایسی ہیں جہاں ہندوستانی حسن کی بڑی مانگ ہے۔'' ٹائیگر نے خیال ظاہر کیا۔

''اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا...... آج کا دور ایسا ہے کہ کون سی بات ناممکن ہے۔''

''کیا گائیڈ کی مدد سے بھی یہ پتا نہیں چلا کہ وہ کون پراسرار شخص ہے......؟ کیسا تنظیم ہے جو اس قدر منظم ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''اب جب کہ میں آیا ہوں تو اس کا سراغ لگا کر رہوں گا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''ٹائیگر......! تم ذرا ہوشیار، چوکنا اور محتاط رہنا...... میرا خیال ہے کہ اس شخص نے بہت سارے اپنے لوگوں کو خرید کر چھوڑ رکھا ہے...... وہ تم پر کسی بھی وقت دوبارہ قاتلانہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔'' رنگا سوامی بولا۔ ''اس حملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تمہارے یہاں آنے سے سخت پریشان ہے...... خوف زدہ ہے...... اس لئے اس نے تمہاری جان لینے کی کوشش کی...... اپنی ناکامی پر بری طرح تلملا رہا ہوگا۔''

''یہ پراسرار نادیدہ دشمن جو نہایت ذہین اور خطرناک ہے وہ قانون کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا...... مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ جب وہ محتاط و مہربان بن جاتا ہے تو بڑے سے بڑا اور خطرناک بھی بال بیکا نہیں کر سکتا...... اس نے ہمیشہ میری حفاظت کی ہے...... میں جانے کتنی مرتبہ موت کے منہ میں جا کر آیا ہوں...... اللہ کا کرم تھا کہ میرا بال تک بیکا نہیں ہوا۔ مجھ پر آنچ تک نہیں آئی۔ ہمارے مذہب میں موت کا ایک دن معین ہے...... نہ موت پہلے آ سکتی ہے اور نہ بعد میں...... وہ دس مرتبہ قاتلانہ حملے کیوں نہ کرے اسے کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔''

پھر وہ اور رنگا سوامی اور سبرانیم کویتا کو دیکھنے اسپتال پہنچے۔ سب سے پہلے رنگا سوامی...... پھر سبرانیم نے باری باری اندر جا کر کویتا کی عیادت کی...... ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق نرس صرف ایک ملاقاتی کو اندر آنے دے رہی تھی۔ کویتا کے گھر والے بھی باہر راہ داری میں رکھی کرسیوں میں بیٹھے تھے۔ ان دونوں کے کویتا کو دیکھ کر آنے تک کویتا کے گھر والوں سے باتیں کرتا رہا کہ کویتا کا یہ احسان ایسا عظیم ہے کہ وہ ساری زندگی بھی اتار نہیں سکتا۔ کویتا کی ماں نے کہا۔

''اگر کویتا نے تمہاری جان بچانے کے لئے اپنی زندگی کی بھینٹ بھی دے دی تو غم نہیں ہوتا خوشی ہوتی...... میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ اس کے کارن جو تمہاری زندگی بچ گئی ہم سب کتنے خوش ہوئے اور ہیں...... کیا ہم تمہارا وہ احسان بھول سکتے ہیں جو تم نے کویتا کو بچانے کے لئے اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالا تھا۔''

''میں نے کب کویتا کی خاطر جان کا خطرہ مول لیا تھا......؟'' ٹائیگر نے کہا۔ اس وقت اسے یاد نہیں آیا۔

''جب تم پہلی مرتبہ تین برس پہلے بنگلور آئے تھے اس وقت ایک سیاسی پنڈت نے پانچ اجرتی بدمعاشوں کی خدمات حاصل کی تھیں کہ کویتا کو اغوا کر کے نہ صرف اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی کر کے فلم بنا کر بازار میں پھیلا دیتا...... اس لئے کہ کویتا نے اس کے اور اس کی بہن کے خلاف اخبار میں لکھا تھا۔ دونوں کا کرپشن ظاہر کیا تھا جس سے وہ دوبارہ الیکشن جیت نہ سکے تھے۔ کویتا جب کبن پارک کے ریسٹورنٹ سے نکل کر پارکنگ پر آئی تھی پانچ مسلح بدمعاشوں نے اسے نرغے میں لے کر حکم دیا تھا کہ وہ خاموشی سے سامنے کھڑی کالی وین میں سوار ہو جائے...... اتفاق سے تم وہاں سے گزرے تو کویتا نے تمہیں مدد کے لئے پکارا تھا...... کویتا حصار توڑ کر تمہاری طرف لپکی...... ان پانچوں بدمعاشوں کے پاس چاقو اور پستول تھے...... تم نے چاقو والے بدمعاش کو جو تمہیں چاقو گھونپنے اور راستے سے ہٹ کر جانے کی دھمکی دیتا ہوا بڑھا تو تم نے فضا میں اچھل کر چاقو والے ہاتھ پر ایک کک لگائی تو وہ لٹو کی طرح گھوم کر پستول والے بدمعاش پر جا گرا۔ اس بدمعاش کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گرا تو تم نے سرعت سے اٹھایا۔ دوسرے چاقو والے بدمعاش نے تمہارے بازو میں چاقو گھونپ دیا تو تم نے اس کی پیٹ میں لات ماری تو وہ اس کے ضرب کی تاب نہ لا کر لڑکھڑایا۔ زمین پر گر کر خاک چاٹنے لگا۔ دوسرے پستول والے بدمعاش نے تمہیں گولی چلانے کی مہلت نہیں دی اور اس نے فائر جھونک دیا۔ گولی تمہارے شانے کو زخمی کرتی نکل گئی۔ پھر تم نے ان بدمعاشوں پر گولیاں برسانا شروع کیں تو وہ چاروں اپنی وین کی طرف لپکے۔ چاقو والے زخمی کو چھوڑ کر فرار ہونے لگے تو تم نے فائرنگ کر کے گاڑی کا حشر نشر کر دیا۔ وہ چاروں گاڑی میں سے نکل کر مختلف سمتوں میں بدحواسی اور دہشت زدہ ہو کر بھاگ نکلے...... فائرنگ کی آواز سن کر پولیس کی موبائل آ گئی۔ اس زخمی بدمعاش کو گرفتار کر کے لے گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ کسی کی ایما پر ان بدمعاشوں نے کویتا کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ تم اسپتال میں تین دن زیر علاج رہے...... کیا تمہارے اس احسان کا بدل کویتا کا احسان ہے...... نہیں کویتا کا احسان کوئی حیثیت نہیں رکھتا......''

''اوہ آنٹی......!'' ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے تو یاد بھی نہیں...... آپ نے اس معمول سے واقعہ کا ذکر کر کے شرمندہ کر دیا...... یہ خوشی کی بات ہے کہ کویتا خطرے سے باہر

ہے۔اسے سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔ڈاکٹروں کی تاکید ہے کہ چوبیس گھنٹے تک اسے ملاقاتی نہ ملیں تو اچھا ہوگا۔''

جب ٹائیگر کویتا کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ ہوش میں تھی۔ چہرے سے ظاہر تھا کہ اس کی طبیعت کافی سنبھل چکی ہے۔اسے خون دیا جا رہا تھا اور ڈرپ بھی لگی ہوئی تھی۔ٹائیگر نے محسوس کرلیا تھا کہ اس پر نقاہت طاری ہے۔اس لئے کہ خون خاصا بہہ چکا تھا۔ٹائیگر کو دیکھ کر اس کے زرد چہرے پر دل کش مسکراہٹ کی سرخی دوڑ گئی۔

''آپ ٹائیگر ہیں۔شیر بنگال......'' نرس بولی۔''انہیں ہوش آتے ہی پہلے آپ کی فکر ہوئی۔جب سے اب تک کوئی بیسوں مرتبہ آپ کے بارے میں پوچھ چکی اور مسلسل پوچھے جا رہی ہیں...... میں نے بتایا کہ وہ خیریت سے ہیں۔ان پر آنچ نہیں آئی......لیکن شریمتی کو یقین نہیں آیا۔وہ کہہ رہی تھیں کہ اگر خیریت سے ہیں تو مجھے دیکھنے کیوں نہیں آئے......میں نے کہا کہ ڈاکٹروں نے ملاقاتیوں حتیٰ کہ آپ کے گھر والوں کو بھی منع کیا ہوا ہے۔لیکن انہیں میری بات کا یقین نہیں آیا ہے......کہا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں......وہ بھی شاید اسی اسپتال میں زیر علاج ہیں......شکر ہے آپ آگئے۔'' وہ کہہ کر ہنس دی۔

''وہ اس لئے بار بار پوچھ رہی تھیں کہ اس بدمعاش نے مجھے نشانہ بنا دیا ہوگا...... میں زندہ نہ بچ سکا ہوں گا۔''

''میں تھوڑی دیر میں ڈاکٹر سے مل کر اور ہدایات لے کر آتی ہوں۔'' نرس بولی۔

''آپ انہیں زیادہ بولنے مت دیں۔''

''ٹائیگر نے بستر کے پاس جا کر اس کا نرم و نازک خوب صورت اور سڈول ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

''کویتا......!تم نے میری جان بچانے کے لئے اپنی جان کی پروا نہیں کی......؟ مجھے بن مول خرید لیا۔'' ٹائیگر اس کا ہاتھ چوم کر بولا۔

''مجھے تمہیں اپنے سامنے زندہ سلامت پا کر کتنی خوشی ہو رہی ہے کاش......!میں الفاظ میں بیان کر سکتی۔''

''تم صحافی ہو......تمہارے پاس الفاظ کی کیا کمی ہے......'' ٹائیگر نے خوش دلی سے کہا۔

''میری آنکھوں کی زبان کیا کہہ رہی ہے تمہیں اندازہ نہیں ہو رہا ہے......؟'' وہ جذباتی لہجے میں بولی۔''تم نے جب مجھے غنڈوں کے ہاتھوں اغوا ہونے سے بچایا اس دن سے تم میرے من کے خانے میں بسے ہوئے...... میں اس دن سے تمہاری......''

''ٹائیگر اس کے چہرے پر جھک گیا تو اس کا جملہ نامکمل رہ گیا۔اس کے ہونٹ دیر تک پیوست رہے اور بھی رہتے...... باہر آہٹ سن کر ٹائیگر نے اپنا چہرہ اوپر اٹھا لیا۔

''یہ کیا حرکت تھی......؟'' کویتا نے حیا آلود ہو کر کہا۔

''تمہارے شریمتی ہونٹوں کی شیرینی......'' نرس نے دروازہ کھولا تو وہ خاموش ہو گیا۔

☆......☆......☆

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ٹائیگر اپنے گھر میں اپنے بستر پر دراز اس نادیدہ دشمن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔آج دوسرا دن تھا۔وہ اسپتال میں کویتا کے پاس بیٹھ کر بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔ابھی اس کی کمزوری پوری طرح دور نہیں ہوئی تھی۔زخم مندمل ہونے میں بھی دو تین دن لگ سکتے تھے......رنگا سوامی اور سبرا نیم بھی تھے۔ان تینوں نے رات کا کھانا ایک ہوٹل میں کھایا۔جب وہ گھر جا رہا تھا اس نے ایک مشکوک شخص کو تعاقب کرتے ہوئے دیکھا تھا۔جب اس نے رنگا سوامی کو بتایا۔رنگا سوامی اپنی گاڑی میں اسے چھوڑنے جا رہا تھا۔وہ اسے اپنے گھر لے آیا۔رنگا سوامی نے اسے اپنے ہاں رکنے کے لئے کہا لیکن وہ نہ مانا۔اس نے کہا کہ وہ اس تعاقب کرنے والے بدمعاش کی خبر لے کر گھر چلا جائے گا......پھر وہ رنگا سوامی کے مکان کے عقبی حصے سے نکلا۔پھر گھوم کر آیا تو اس نے اس شخص کو رنگا سوامی کے مکان کے سامنے کھڑے سگریٹ پیتے دیکھا۔جس مکان کے سامنے وہ کھڑا ہوا تھا۔وہ زیر تعمیر تھا۔اس میں سے گھپ اندھیرا جھانک رہا تھا۔گلی میں نیم اندھیرا تھا۔وہ قد آور تھا۔جب وہ لمبا سا کش لیتا تو اندھیرے میں اس کی ننھی سی روشنی میں اس کا چہرہ کچھ دکھائی دیتا۔جب اس نے دوسرا سگریٹ نکال کر دیا سلائی دکھائی تو ساعت بھر کے لئے اس کا چہرہ روشن ہو گیا۔وہ کوئی پیشہ ور قاتل لگتا تھا۔اس کے چہرے پر درندگی تھی اور آنکھوں سے وحشیانہ پن جھانک رہا تھا۔وہ اس زیر تعمیر مکان کے احاطے میں کھڑا اس کے رنگا سوامی کے مکان سے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔گلی ویران اور سنسان پڑی تھی۔ چوں کہ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔اس لئے کوئی آمد و رفت بھی نہیں تھی۔ٹائیگر گھوم کر اس کی طرف بڑھا تو

اس کے ہاتھ میں کرکٹ کی گیند کے سائز کا ایک پتھر تھا۔ جب وہ اس کے قریب پہنچا تو بدمعاش نے اس کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر نے چشم زدن میں پتھر اس کی پیشانی پر دے مارا۔ دوسرے لمحے وہ چکراتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اس کی جیب میں ایک ریوالور...... اور پرس تھا اس کے اوپر کی جیب میں کچھ نوٹ تھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر میں موجود تھا۔

ٹائیگر نے اسی پتھر سے اس کے سر پر ایک اور ضرب لگائی تھی کہ اس کی چوٹ دماغ کے اندر تک اثر کر جائے تا کہ اس کا ذہن مفلوج ہو کر رہ جائے۔ وہ دن تک ہوش میں آنے کے قابل نہ رہے۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کوئی اجرتی قاتل ہے۔ اس پر رحم نہیں آیا تھا...... پہلے تو اس نے ریوالور چیک کیا۔ اس کی نال پر سائی لینسر نصب تھا...... اس کے چیمبر میں چھ گولیاں بھری ہوئی تھیں...... پھر پرس کھول کر دیکھا جو بہت پھولا ہوا تھا۔ اس میں چھوٹے بڑے نوٹ تھے۔ اس کے علاوہ پونڈ کرنسی بھی تھی۔ اس نے ہندوستانی کرنسی گنی جو تیس ہزار تین سو اکیس روپے تھے...... سو سو پونڈ کے چالیس نوٹ تھے جس سے اس نے قیاس کیا کہ کسی انگریز سیاح سے اس بدمعاش نے گن پوائنٹ پر چھینا ہے۔ پرس میں جو ہندوستانی کرنسی تھی اس سے بھی یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے کسی دکان یا گھر میں ڈکیتی کی واردات در سر راہ رہزنی بھی کی...... اس کے کاغذات سے پتا چلا کہ اس کا نام مہی پال ہے...... اس پرس میں ٹائیگر کی ایک تصویر تھی۔ ایک خط تھا جس میں تحریر تھا۔

''مہی پال!

میں بیس ہزار کی رقم اور ایک انگریز سیاح جو میرے ہاں یرغمال ہے اس کی رقم جو تیس پونڈ کی ہے وہ سو سو کے چالیس نوٹ ہیں میں تمہیں بھیج رہا ہوں۔ ساتھ میں ٹائیگر کی تصویر بھی۔

ٹائیگر کون ہے میں تمہیں بتادوں...... یہ بنگال کا شیر کہلاتا ہے اور ممبئی میں پرائیویٹ سراغ رساں کا دفتر کھولے بیٹھا ہے۔ یہ بہت ہی خطرناک، نڈر اور بہادر شخص ہے۔ اس نے بنگال اور ممبئی میں بڑے بڑے خطرناک مجرموں اور مافیا کا صفایا کر دیا ہے۔ وہ ہر برس بنگلور آتا ہے تا کہ شکار اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلے۔ اس بار بھی آیا ہے۔ لیکن اس مرتبہ کرناٹک صوبہ کا گورنر اس کی خدمات حاصل کرنے والا ہے تا کہ

مجھے ختم کر دے۔ اس دنیا میں وہ واحد ایسا شخص ہے جو مجھے ختم کر سکتا ہے۔ ابھی ایسا کوئی مائی کا لال پیدا ہوا ہے نا ہو گا۔ لیکن یہ بلیک ٹائیگر ایسا مائی کا لال ہے جو مجھے موت سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ اس کے کارنامے میں اخبارات میں پڑھ چکا ہوں اور سن بھی چکا ہوں۔ اسے ہر قیمت پر موت کی نیند سلانا ہے۔ تمہاری صوبہ کرناٹک میں بڑی دھاک ہے۔ تم سے نہ صرف بڑے بڑے خطرناک بدمعاش کانپتے ہیں بلکہ پولیس بھی...... میں تمہیں یہ رقم پیشگی ارسال کر رہا ہوں۔ میں تمہارے کارناموں سے واقف ہوں۔ تم اب تک تیس آدمیوں کو قتل کر چکے ہو...... سولہ لڑکیوں عورتوں کی آبروریزی...... اس کے بارہ عدد ڈکیتی اور رہ زنی کی وارداتیں اسی طرح تمہارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔

میں نے بنگلور کے دو خطرناک بدمعاش جتندر اور رمیش کی خدمات حاصل کیں۔ انہیں بیس بیس ہزار روپے بھی دیئے کہ ٹائیگر کو قتل کر دیں۔ لیکن درمیان میں وہ الو کی پٹھی کویتا دیوی آ گئی۔ وہ ڈھال بن گئی۔ میں نے ان حرام زادوں سے کہا تھا کہ درمیان میں عورت، بچہ اور بوڑھا ہی کیوں نہ آئے اسے اڑا دو۔ لیکن وہ ٹائیگر کا بال تک بیکا نہ کر سکے۔ لیکن تم ایسا نہ کرنا۔ ٹائیگر کو قتل کرنے کی صورت میں تمہیں دو لاکھ روپے انعام دوں گا۔

نیچے نام نہیں لکھا ہوا تھا۔ اس خط کو پڑھنے کے بعد ٹائیگر کو اس بات سے خوشی ہوئی تھی کہ اس نے جس بدمعاش مہی پال کا حشر نشر کیا اس کی یہی سزا تھی۔ یوں بھی اس نے اس بدمعاش کو اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ ہوش میں آئے۔ ہوش میں آ بھی گیا تو وہ کسی قابل نہیں رہے گا...... اس خط سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شیطان اس سے بہت زیادہ خوف زدہ ہے۔

ٹائیگر کو سوچتے سوچتے کہ اس شیطان کے علاقے کا کیسے پتا چلائے اچانک اسے روندا کا خیال آیا جو میسور جنگل میں گائیڈ تھا۔

ٹائیگر کو اس کا خیال آتے ہی اس نے روندا کے ہاں جانے اور اس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ اتفاق سے آج اتوار کا دن تھا۔ روندا چوں کہ بیس برس سے گائیڈ تھا اس کی معلومات اور تجربہ جتنا تھا کسی اور کو شاید ہی ہو سکتا تھا۔ اس نے صبح روندا کے ہاں جانے سے سودا سلف

اور پھل خریدے اور گھر جا پہنچا۔

جب اس نے گھر کے دروازے پر دستک دی تو دروازہ نہیں کھلا...... البتہ اس نے گھر کے اندر کسر پھسر کی آواز سنی...... اس نے وقفے وقفے سے دو مرتبہ دستک دی...... اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ دروازہ کھلنے میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟

پھر اس نے چند لمحوں کے بعد دروازے پر دستک دیتے ہوئے آواز دی۔ ''روندا چچا...... میں ہوں۔ وسیم احمد......''

چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا تو اس کی بیوی سادھنا کا چہرہ نمودار ہوا...... سادھنا بھی بڑی خوب صورت تھی۔ وہ اپنی بیٹیوں کی ماں نہیں بڑی بہن دکھائی دیتی تھی...... اس کی عمر چالیس برس کی تھی۔ لیکن چھریرے متناسب بدن کی وجہ سے اس پر کسی دوشیزہ کا دھوکا ہوتا تھا۔ چہرے پر بڑی تازگی اور شادابی بھی تھی۔

لیکن اب اس وقت وہ اپنی عمر سے دس بارہ برس بڑی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بڑی باحوصلہ عورت تھی۔ حالات کا پامردی سے مقابلہ کر رہی تھی۔ وہ اور اس کی تینوں لڑکیاں گھر پر سلائی کڑائی کا کام کرتی تھیں تاکہ لڑکیوں کی شادی بیاہ کے لئے جہیز جمع ہو...... سادھنا کسی مرجھائے ہوئے پھول کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سرخی تھی۔ نہ شادابی...... وہ رخصت ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں ویران تھیں اور کنائیوں میں آنسو بھرے بھرے تھے۔ وہ اسے دہشت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑے زور سے چونکی اور حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

''وسیم بھیا......! آپ......'' اس کی زبان حیرت اور خوشی سے لڑکھڑائی۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا۔

''جی چاچی......!'' ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''کیا بات ہے......؟ آپ لوگ اس قدر ہراساں، پریشان اور خوف زدہ کیوں ہیں کہ تین چار دروازے پر دستک دینے کے باوجود دروازہ نہیں کھلا...... کیا غنڈے بدمعاش آپ کی لڑکیوں کو اٹھانے کے لئے گھر میں گھسنے والے تو نہیں تھے......؟''

''نہیں...... نہیں......'' سادھنا نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

''اندر آئیں تو میں آپ کو بتاتی ہوں۔''

جب وہ اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ لڑکا اور تینوں لڑکیاں ایک طرف سہمی کھڑی ہوئی ہیں۔ ان کے چہرے بے لہو ہو رہے تھے۔ آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ جیسے ہی انہوں نے اسے دیکھا ان کی جیسے جان میں جان آئی۔

''انکل......! سب سے بڑی لڑکی بولی۔ ''اس وقت آپ نے یہاں آ کر بڑی کرپا کی...... میں بتا نہیں سکتی کہ آپ کے آنے سے ہمیں ایک نئی شکتی اور زندگی ملی ہے۔'' اس کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ دوسری لڑکیاں بھی جذباتی ہو گئیں۔

ٹائیگر نے سادھنا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا بات ہے۔ مجھے بتائیں چاچی......! روندا چچا کہاں ہیں؟''

وہ قریب آ کر اس کے کانوں میں سرگوشی سے آہستگی سے بولی۔ ''وہ اندر ہیں...... ان کی جان کو خطرہ ہے......''

''کس سے......؟'' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

''شیطان سے......''

''شیطان سے......؟ میں سمجھا نہیں...... شیطان کون ہے......! کہاں ہے......؟''

''تمہارے چاچا ہی تمہیں بتائیں گے کہ شیطان کون ہے......'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا تو اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ ''دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''گھبرانے اور خوف زدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں......'' ٹائیگر نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ ''شیطان آئے یا اس کا باپ...... میں اسے بھون دوں گا...... آپ لوگوں پر آنچ نہیں آئے گی۔''

منجھلی لڑکی دوڑ کر اس کے سینے سے آ لگی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو ٹائیگر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''میری چھوٹی بہن......! روتی کیوں ہو؟ میں نے کہا نا کہ وہ تم میں سے کسی کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا...... تمہارے پتا جی کو ہاتھ نہیں لگا سکتا...... تم سب کی رکھشا بھگوان کرے گا۔'' ٹائیگر نے دلاسا دیا۔

پھر اس نے سودا سلف اور پھل کے تھیلے سادھنا کی طرف بڑھایا۔

"آپ لوگوں کے فق چہروں سے ایسا لگ رہا ہے کہ کئی دنوں سے کھانا پینا چھوٹ چکا ہے...... بھوک پیاس مرگئی ہے...... چولہا ٹھنڈا رہنے لگا ہے۔ اب آپ غم، فکر اور خوف بالکل چھوڑ دیں...... اب آپ بے سہارا اور لاوارث نہیں رہے...... آپ لوگ جلدی سے پہلے تو ناشتہ اور چائے بنائیں۔ میں دودھ، انڈے...... ڈبل روٹی، چائے پتی، چینی اور ضرورت کی چیزیں لایا ہوں۔ تیل اور گھی بھی ہے...... چاول اور آٹا بھی...... پھل بھی...... کسی چیز کی ضرورت اور کمی رہ گئی ہے تو وہ منگوالیں......" اس نے بٹوے میں سے سوسو کے دس نوٹ نکال کر سادھنا کی طرف بڑھائے۔

سادھنا نے اس کے ہاتھ سے رقم نہیں لی۔ وہ جذباتی ہو کر منہ پر پلو رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ لڑکیاں بھی ماں کو دیکھ کر رونے لگی تھیں۔ اس نے بڑی لڑکی رکمنی کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں نوٹ دیئے۔

"رکمنی بہن......! تمہاری ماں بہت زیادہ خوف زدہ اور پریشان ہے...... لہٰذا تم ناشتا تیار کرو اور کھانا بھی...... ہم سب ایک ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کریں گے...... دوپہر کا کھانا بھی...... میں اس وقت تک یہاں موجود رہوں گا۔ جب تک اطمینان و سکون نہیں ہو جاتا...... میں تمہارے پتا جی سے ملنے اندر جا رہا ہوں۔"

وہ اپنی بات کا ردعمل دیکھنے کے لئے نہیں رکا...... کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا۔ روندا چارپائی پر خوف زدہ حالت میں لیٹا ہوا اس کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ قدرے پرسکون اور اطمینان بخش سا نظر آیا۔ اس کے پیچھے سادھنا آ کر بولی۔

"ناشتے میں دیر ہے...... میں پہلے چائے بنا لاتی ہوں۔"

روندا اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں رکھی کرسی سادھنا چارپائی کے پاس رکھ کر چلی گئی۔ ٹائیگر نے اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ صرف گائیڈ ہی نہیں ایک طرح سے شکاری بھی تھا...... دراز قد...... مضبوط کسرتی جسم کا مالک...... وجیہہ بھی...... ایک شیر کی مانند...... صرف ایک ڈیڑھ برس کے عرصے میں ایک بوڑھے شیر کی طرح لگ رہا تھا۔ ڈھلک گیا تھا۔

وہ ٹائیگر کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں چومنے اور آنکھوں سے لگانے لگا اور بولا۔

"بیٹا......! تم اوتار بن کر آئے ہو...... مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں کوئی سپنا دیکھ رہا

ہوں...... میری زندگی نہ صرف خطرے میں ہے بلکہ میری پتنی اور تینوں لڑکیاں اور لڑکے بھی......"

"کس سے......؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔ "چاچی کس شیطان کے بارے میں کہہ رہی تھیں...... وہ شیطان کون ہے......؟"

"یہ وہی شیطان ہے...... درندہ صفت...... جس کی درندگی اور شقی القلبی انسانیت کے لئے بدترین داغ بن چکی ہے...... نہ صرف حسین و جمیل لڑکیاں عورتیں...... نوجوان لڑکے مرد...... ملکی غیر ملکی سیاح مرد اور عورتیں اغوا کر کے یرغمال بنائے جا رہی ہیں...... میں اس شیطان کی قید میں دو ماہ رہا ہوں...... میں ایک ہفتہ قبل اس کی قید سے فرار ہوا ہوں۔ میرے تعاقب میں اس کے غنڈے بدمعاش اور خون خوار کتے بھی لگے ہوئے تھے...... اپنی جان بچا تا کسی نہ کسی طرح یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں...... رات کے دو بجے پہنچا ہوں...... اس نے میری رہائی کے لئے ایک شرط رکھی تھی میں لڑکیوں کو اس کے حوالے کر دوں...... ورنہ میرے آدمی انہیں اغوا کر کے لے آئیں گے...... دنیا کی کوئی طاقت انہیں بچا نہیں سکتی......"

روندا نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔ سادھنا چائے اور بسکٹ لا کر رکھ گئی۔ جب وہ چلی گئی تو ٹائیگر نے پوچھا۔

"یہ جنگل میں کہاں رہتا ہے...... اس کی سکونت کا آج تک پتا نہیں چل سکا۔ کوئی کھوج نہیں لگا سکا۔"

"مجھے بھی اس کا علم بالکل نہ تھا۔ حالاں کہ میں بیس برس سے اس جنگل میں گائیڈ ہوں اور اس کے چپے چپے سے واقف ہوں...... لیکن یہ جنگل سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا نہ صرف گنجان بلکہ تاریک اور چاروں سمتوں تک ہے...... اتفاق سے مجھے بھی اس جزیرے پر جانے کا اتفاق نہیں ہوا جو جنوب کی مغربی سمت واقع ہے۔ وہ جزیرہ گھنے درختوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کا علم مجھے اس وقت ہوا جب مجھے قید کر کے لے جایا گیا...... اس جزیرے کا علم شاید ہی کسی کو ہو...... ایک بہت بڑی حویلی اور ایک شان دار اور وسیع و عریض کوٹھی بھی ہے...... مجھے جس حصے میں قید کیا ہوا تھا وہاں سے اس لئے نکل کر فرار نہیں ہو سکا تھا کہ خون خوار شکاری کتے دن رات پہرہ دیتے ہیں...... صرف وہی آمد و رفت کر سکتا ہے جن کے

پاس شیطان کا دیا ہوا ایک چرمی نشان ہو...... اس سے ایک ایسی خوشبو پھوٹتی ہے اور وہ نشان دن رات میں ایسا چمکتا ہے کہ کتے دیکھ کر ڈرنا تک بھول جاتے ہیں۔ اس کی روک ٹوک نہیں کرتے ہیں۔ وہ کہیں بھی آ جا سکتا ہے...... یہ خون خوار کتے جو جسامت میں گینڈے نما ہیں تربیت یافتہ ہیں۔

اس حویلی میں ایک جدید ترین فلم اسٹوڈیو بنا ہوا ہے۔ ایک کمرے میں میں نے سو سے زائد طاقت ور اور جدید ترین قسم کے جنریٹر دیکھے...... وہاں کسی کو بھی سگریٹ پینے اور دیا سلائی اور لائٹر رکھنے کی اجازت نہیں...... اس کے آدمی جو تمباکو نوشی کے عادی ہیں وہ ایک مخصوص کمرے میں آ کر کر سکتے ہیں...... اس کے علاوہ نہ صرف خفیہ کیمرے بھی نصب ہیں اور ٹی وی سیٹ بھی آن ہیں۔ وہاں میری عمر کے دو آدمی تھے جنہیں رنگا پٹم سے اغوا کر کے لایا گیا تھا۔ ہم تینوں کا کام اسٹوڈیو میں صفائی اور لائٹنگ درست کرنا ہوتا تھا...... تقریباً روز ہی ممنوعہ فلم کی شوٹنگ ہوتی تھی...... تیرہ چودہ اور سولہ برس کی لڑکیاں اور جواں سال عورتیں بھی ان فلموں کا کردار بنتی تھیں...... کم سن اور نوخیز عمر کی معصوم لڑکیاں جب ہدایت کار کی بات نہیں مانتی تھیں جبر و زیادتی سے عکس بندی کی جاتی تھی...... وہ شیطان بھی شوٹنگ پر موجود ہوتا تھا...... ان فلموں کے مرد کردار حیوانوں کی طرح تھے جنہیں دیکھ کر لڑکیاں کانپ جاتی تھیں۔ ان کے لئے فرار کی راہ نہیں ہوتی تھی۔

ایک اور بات جو میرے علم میں آئی تھی وہ یہ کہ میسور کے جتنے بھی اسپتال تھے...... سرکاری بھی...... لاوارث مردوں کو مردہ خانوں سے لایا جاتا تھا...... جو سڑکوں پر حادثے کی نذر ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے تھے وہ پراسرار طور پر غائب ہو کر یہاں پہنچ جاتے تھے...... اس کے علاوہ جو بارش، طوفان اور سیلاب سے مرنے والوں کو بھی......

اس نے حویلی کے ایک سرے پر مردہ خانہ بنا رکھا ہے...... یہ مردہ خانہ ایئر کنڈیشن ہے۔ وہ ان مردوں کا کیا کرتا ہے علم نہ ہو سکا...... نہ میں نے اس بات کی کوشش کی...... نہ تو مجھے ممنوعہ فلموں کی عکس بندی سے کوئی دلچسپی تھی نہ لڑکیوں اور عورتوں سے...... میں تو وہاں فرار ہونے کے لئے منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس تاک میں تھا کہ وہ منقش چرمی بیج کسی طرح حاصل کروں۔ اس کا حصول آسان نہیں تھا۔

وہ بظاہر ایک مہذب انسان دکھائی دیتا تھا...... اسے کوئی شیطان کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

کیوں کہ اس کی باتوں سے اندازہ لگانا مشکل تھا۔ جب اس نے مہی پال کے سامنے میری رہائی کی شرط رکھی کہ میں اپنی لڑکیوں کو اس کے حوالے کر دوں ورنہ مہی پال اور اس کے آدمی انہیں اغوا کر کے لے آئیں گے تو میری نیند حرام ہو گئی۔

دوسرے دن اتفاق سے شوٹنگ سے واپس آتے سمے بھگوان نے میرے حال پر ترس کھایا۔ میرے پیر سے فرش پر گری کوئی چیز ٹکرائی۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ وہ منقش چرمی بیج تھا۔ جانے کس کا تھا...... کسی کا بھی تھا مجھے اس سے کوئی غرض نہ تھی۔ حیرت اور خوشی سے میرا برا حال تھا...... فرار ہونے کا سنہرا موقع تھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ یہ تو میں نے دیکھا تھا کہ ندی کنارے موٹر بوٹس وغیرہ ہوتی تھیں۔ پھر میں ندی کنارے جانے کے لئے راہ داری سے گزر رہا تھا کہ ایک نسوانی چیخ سنی راہ داری میں اندھیرا تھا...... کمرے میں اتنی روشنی ہو رہی تھی کہ اندر کا ذرہ ذرہ دکھائی دیتا تھا۔ بستر پر میں نے اس شیطان کو ایک چودہ برس کی لڑکی کے ساتھ دیکھا۔ آخر اس بھیڑیے نے درندگی سے اس پر فتح پالی۔ وہ بے ہوش ہو گئی۔ پھر اس نے خنجر اٹھا کر اس کو بے ہوشی میں دیکھ کر اس کے سینے پر اس کی نوک سے سینے سے لے کر ناف تک ایک لکیر ڈالی...... جب اس زخم سے خون رسنے لگا تو اسے پینے اور چاٹنے لگا۔ پھر اس نے یک لخت اس کی نبض دیکھی اور بڑبڑایا۔ "ارے...... یہ تو مر گئی...... بے ہوشی کی حالت ہی میں...... اس لئے اس کا گرم گرم خون سرد ہونے لگا...... اس کا گوشت کیسا نرم اور ملائم ہے۔"

پھر اس نے اس لڑکی کو بازوؤں میں اٹھایا...... پھر اسے لے کر کمرے سے باہر آیا۔ اور پھر ایک دوسرے کمرے میں گھس گیا، اس کمرے میں بھی روشنی ہو رہی تھی۔

میں ایک ستون کی آڑ میں چھپ گیا تھا اس لئے اس کی نگاہ مجھ پر نہیں پڑی تھی۔ جب میں آگے بڑھنے لگا تو معاً میری نگاہ میز پر پڑی جس میں ایک پھولا ہوا بٹوا اور دو جڑاؤ انگوٹھیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جانے مجھے کیا خیال آیا...... ہمت آئی کہ میں نے اسے اٹھالیا۔ مجھے اس کمرے کے سامنے سے گزرنا پڑا۔ جس میں وہ لڑکی کی لاش لے کر گھسا تھا۔ میں نے اس کمرے کے سامنے جو ستون تھا۔ اس کے عقب میں کھڑے ہو کر جھانکا۔ میری رگوں میں خون منجمد ہو گیا۔ وہ مذبح خانہ تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ لڑکی کا سر فرش پر گرا ہوا تھا۔ اس نے اس لڑکی کو ذبح کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

پھر اس نے فوراً ہی لپک کر کٹا ہوا سر اٹھا لیا۔ بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسا اور پھر استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''تم نے کتنے نخرے دکھائے..... میرے قابو میں آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں..... لیکن میں نے تمہیں کتنی آسانی سے بے بس کر دیا..... تم نے میرے چہرے پر تھوکا..... اپنے لمبے لمبے ناخنوں سے پہلے تو میری آنکھیں پھوڑنے کی کوشش کی..... جب آنکھیں نہ پھوڑ سکیں تو نہ صرف میرے چہرے بلکہ جسم پر بھی خراشیں ڈال دیں..... کیا فائدہ ہوا..... آخر میں نے تمہاری عزت پامال کر دی..... اپنی عزت جسے بچانے کے لئے تم نے نہ جانے..... کیا کیا جتن نہیں کئے..... لیکن ناکام رہیں..... آخر جیت میری ہوئی.....''

پھر وہ توقف کر کے اس کے نرخرے سے رستا ٹپکتا لہو پینے اور زبان سے چاٹنے لگا..... پھر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا.....

پھر اس نے دیوار میں نصب گھنٹی کا بٹن دبایا۔ چند لمحوں کے بعد میں نے آہٹیں سنیں..... دو آدمی آئے جو چہرے مہرے اور وضع قطع سے پیشہ ور قاتل لگ رہے تھے۔

جب وہ کمرے میں گئے تو اس نے کہا۔

''یہ لاش لے جاؤ..... اس کی کھال اتار کر لے آؤ..... اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دینا.....''

پھر وہ دونوں بدمعاش اس لڑکی کا سر اور لاش لے گئے۔ وہ لڑکی بمشکل سولہ برس کی ہوگی۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں بہت خوب صورت اور اس کا جسم بھی بہت دلکش تھا۔ میں اس جگہ سے نکل کر اس لئے جا نہیں سکتا تھا مجھے اس کمرے کے سامنے سے گزرنا تھا۔ دروازہ نہ صرف کھلا ہوا تھا بلکہ وہ بے چینی سے کسی وحشی بھوکے درندے کی طرح ٹہل رہا تھا۔ اس کے بشرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بھوک سے بے تاب ہو رہا ہو..... اس لڑکی کا خون پینے سے جیسے اس کی بھوک کھل اٹھی ہو۔ کئی وقتوں کا بھوکا ہو۔

''کیا یہ ڈریکولا ہے.....؟ میں نے دہشت زدہ ہو کر سوچا۔ میں نے اس کی فلم اور دو تین ناولیں پڑھی تھیں۔ جو انسانی خون پی جاتا تھا۔ وہ تو قصہ کہانی تھی..... شاید اس کا وجود بھی تھا یا ہوگا..... میں نے اس کی تمام کہانیوں کو فرضی کہا تھا۔ اس لئے کہ صرف چڑیلیں تھیں جو انسانی خون کی پیاسی ہوتی تھیں اور وہ خون پی جاتی تھیں۔

مجھے یہ یقین کرنا اور تسلیم کرنا پڑا کہ..... ڈریکولا کا وجود تھا..... وہ کوئی بدروح تھا۔

لیکن یہ کوئی بدروح نہ تھا..... بدروح ہوتا تو ظاہر ہو جاتا..... میں نے اس کا عکس آئینے میں دیکھا تھا..... وہ ایک مہذب انسان نظر آتا تھا..... نہ تو اس کے دانت نوکیلے اور خون خوار تھے..... عام آدمیوں کی طرح تھے.....

تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی کی لاش لائے اور اس کمرے میں ایک کھونٹی سے ٹکا دیا اور چلے گئے۔

مجھے وہ جانور یاد آ گئے جنہیں ذبح کرنے کے بعد لٹکا دیا جاتا تھا کہ کھال اتاری جائے..... اس وقت لڑکی کی لاش بغیر کھال کے تھی۔ اس کا گلابی گلابی چہرہ تر و تازہ تھا..... لاش کی کھال بڑی نفاست طریقے اور سلیقے سے اتاری ہوئی تھی۔

اس نے میز پر رکھا ہوا چھرا اٹھایا..... میرا خیال تھا کہ شاید وہ ڈریکولا کی طرح کسی خون آشام درندے کی مانند کچا کھانے لگے گا..... اس نے ایسا ہی کیا..... اس نے مختلف جگہ کے گوشت کاٹے اور ایک آدم خور کی طرح مزے لے لے کر حلق سے نیچے اتارنے لگا۔

میں اگر مضبوط اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو خوف و دہشت سے شاید بے ہوش ہو جاتا۔

میرے اعصاب مضبوط اور قوی اس لئے تھے کہ میں جنگل میں لرزہ خیز مناظر دیکھتا چلا آ رہا تھا۔ میں نے صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد مرتبہ جنگل میں درندوں کو نہ صرف ایسے جانوروں کو چیر پھاڑ کر کھاتے دیکھا تھا جو ان کے مقابلے میں کم زور اور بے ضرر سے تھے۔ وہ ان موذی درندوں کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے تھے..... عام جانوروں کو درندوں کا چیر پھاڑ کر کھانا ایسا خوف ناک لرزہ خیز نہیں جتنا ان کا انسانوں کو کھانا..... انسانوں کا شکار کر کے انہیں کھانا سب سے دل خراش منظر ہوتا تھا۔ جب وہ چیر پھاڑتے تو آتما لرز جاتی تھی۔ دو ایک مرتبہ تو میں بے ہوش بھی ہو گیا تھا..... ایسا بھیانک منظر ایک آدمی دیکھنے سے رہا۔

میرے لئے ایک ایک پل کسی صدی کی طرح بھاری اور اذیت ناک تھا..... جب میں نے قدم بڑھایا تو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ساری طاقت سلب ہو کر رہ گئی ہو..... نس نس میں خون خشک ہو گیا تھا..... ساری ہمت جواب دے چکی تھی۔ چوں کہ مجھے اپنی جان پیاری تھی۔ زندگی سے زیادہ کوئی شے عزیز نہیں ہوتی ہے۔

مجھے اپنی زندگی سے زیادہ فکر اپنی بیوی اور لڑکیوں کی عزت اور جان کی فکر تھی..... میں

جانتا تھا کہ وہ کیوں اور کس لئے میری بیوی اور لڑکیوں کے حصول کے لئے پاگل ہو رہا ہے...... اس لئے کہ ان کو ہوس کا نشانہ بنائے...... پھر ان کی قابل اعتراض قسم کی فلمیں بنائے...... پھر اپنے ساتھیوں اور آدمیوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے حوالے کر دے...... جب وہ جی بھرے کے ان سے کھیل لیں تو ایک ایک کر کے انہیں ذبح کر دے...... پھر ان کی کھال اتروا کر ان کا کچا گوشت کھا جائے...... خون پی جائے......

مجھے ہر قیمت پر ان کی عزت اور زندگی بچانا تھی۔ انہیں تحفظ دینا تھا۔ یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ کیوں کہ اس شیطان نے سب سے خطرناک بدمعاشوں کو میری بیوی اور لڑکیوں کے اغوا کے لئے پیچھے لگا دیا تھا۔ اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ میں اس کی شرط پوری کرنے سے قاصر ہوں...... اس کا اندازہ درست تھا...... اس شیطان نے یہ بھی کہا تھا کہ تمہاری بیوی اور لڑکیوں کی فلم سپرہٹ جائے گی۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اسے گلا گھونٹ کر ختم کر دیتا۔

میں نے اپنے جسم کی ساری طاقت جمع کی...... میرے پیر من من بھاری ہو رہے تھے...... میرے لئے ایک ایک قدم آگے کرنا ایسا ہی تھا جیسے صدی کی مسافت طے کر رہا ہوں چوں کہ جان پر بنی تھی۔ اس لئے اپنے آپ کو جبر سے گھسیٹتا ہوا ندی کی طرف بڑھا۔

میں نے بہ مشکل چند قدموں کی مسافت طے کی ہوگی۔ دونوں خون خوار شکاری کتے اچانک جانے کہاں سے نکل کر یا میری بو سونگھ کر میری راہ میں حائل ہو گئے...... میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ پھر مجھے اچانک اس منقش چرمی بیج کا خیال آیا تو میں نے اسے نکال کر ان کی نظروں کے سامنے لہرایا۔ اگر لحظہ بھر کی تاخیر بھی ہو جاتی تو وہ مجھ پر حملہ آور ہو چکے ہوتے اور میری تکا بوٹی کر دیتے۔

میں کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا ندی پر پہنچا...... دس بارہ جدید ترین چھوٹی بڑی کشتیاں کنارے کھڑی تھیں۔ میں ایک موٹر بوٹ پر سوار ہو گیا۔ میں نے اس کا انجن اس لئے اسٹارٹ نہیں کیا تھا کہ رات کی خاموشی میں اس کی آواز پہرے دار سن لیتے...... وہ اس وقت ممنوعہ فلم کی شوٹنگ دیکھ رہے تھے...... اور پھر شیطان شاید ہوش میں آ چکا ہو۔ وہ اس کی آواز سن کر چونک جاتا...... پھر میں کشتی کو دور تک لے آیا۔ پھر اس کا انجن اسٹارٹ کیا۔ پھر ایک سمت چل پڑا۔

مجھے نہیں معلوم تھا یہ راستہ کدھر جاتا ہے...... منزل کون سی ہے...... میں جدھر منہ اٹھا ادھر چلا جا رہا تھا۔ دل میں ایک خوف دامن گیر تھا کہ مجھے اچانک غائب پا کر میرے تعاقب میں کوئی بدمعاش نہ آ رہا ہو...... میں بار بار پلٹ کر دیکھتا جا رہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں بھٹکتا رہا۔ جب پو پھٹنے لگی تو مجھے دور سے ٹورسٹ گائیڈ کا دفتر نظر آیا۔ جب صبح کا اجالا پھیل چکا تو دفتر جانے سے پہلے میں نے کشتی روک دی۔ بٹوا دیکھا جو نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ امریکی ڈالروں اور ہندوستانی کرنسی سے بھرا ہوا تھا۔ سو سو ڈالر کے سو نوٹ تھے اور ہندوستانی کرنسی دس ہزار روپے تھی۔ میں ٹورسٹ گائیڈ کے دفتر جانے کے بجائے ایک ہوٹل میں آ گیا۔ ایک کمرا کرایہ پر لے کر سو گیا۔ دن کے اجالے میں گھر جانا میرے لئے خطرناک تھا۔ میں مغرب کے وقت بیدار ہوا۔ مجھے چائے کی طلب ہوئی تو میں نیچے آیا۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ ہوٹل کا ہال خالی تھا۔ میں کھانا کھا رہا تھا تو اس وقت دو بدمعاش کھانے کے ہال میں داخل ہوئے۔ انہوں نے مجھے نہیں پہچانا۔ لیکن میں نے انہیں پہچان لیا۔ یہ بنگلور شہر کے خطرناک غنڈے تھے۔ میں یہ سمجھا کہ وہ میری تلاش اور تعاقب میں آئے ہیں۔ یہ میری غلط فہمی تھی۔

ان دونوں نے کھانے کا آرڈر دیا۔ ویٹر جب آرڈر لے کر چلا گیا تو ایک بولا۔

”یار جتندر...... ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بلیک ٹائیگر کو کہاں تلاش کریں؟ حرام زادہ سر کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا ہے۔“

”نہیں...... رمیش...... ! وہ اپنی محبوبہ کو یتا سے ملنے اور اس کی مزاج پرسی کے لئے جاتا رہتا ہے۔“

”اب ہمیں بہت ہوشیاری سے ایسا منصوبہ بنانا ہے کہ وہ بچ نہ سکے۔“ رمیش نے کہا۔

”نہیں...... اب نہیں بچ سکے گا......“ جتندر بولا۔ ”ہم اس کی کار میں بم نصب کر دیں گے۔ جب وہ گاڑی اسٹارٹ کرے گا تو ریموٹ سے اڑا دیں گے۔“

”لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ راہ گیر، عورتیں اور بچے اس دھماکے سے متاثر ہوں۔“

”بلا سے...... وہ مرتے ہیں مرنے دو......“ جتندر نے سفاک لہجے میں کہا۔ ”باس نے کیا کہا...... ٹائیگر کو موت کے گھاٹ اتارتے وقت یہ مت دیکھو کہ...... ساتھ میں کون رو رہا ہے۔“

''وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ میری ساعت غیر معمولی طور پر تیز ہے۔ ان کا منصوبہ اور باتیں سن کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں ساکت و جامد ہو گیا۔ خون رگوں میں منجمد ہو گیا۔

میری نظروں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور ذہن ماؤف ہو گیا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ جب نظروں کے سامنے سے تاریکی چھٹی تو میرا معطل دماغ کسی قابل ہوا...... مجھے اچانک تمہارا خیال آیا۔ میں نے ان کی گفتگو میں تمہارا نام سنا۔ یہ جان کر کہ تم بنگلور میں ہو اور وہ شیطان تمہیں ختم کرنے کے لئے تمہارے تعاقب میں بدمعاشوں کو لگا رکھا ہے مجھے اس خیال سے ڈھارس بندھی۔ پھر میری جان میں جان آئی...... ہاں...... میں تمہیں شاید بتا چکا ہوں کہ میں اس شیطان کے ہاں سے فرار ہوتے وقت اس کا بٹوا اور ہیروں کی انگوٹھیاں لے آیا تھا۔ میرے پتا جی سنار تھے۔ میں نے تین برس اس دکان میں کام کیا تھا جس میں پتا جی سیلز مین تھے۔ مجھے ہیروں اور سونے کی پہچان ہے۔ میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ ایک انگوٹھی ڈیڑھ لاکھ کی مالیت سے کم کی نہیں ہے۔ میں نے گھر آ کر رقم کی گنتی کی۔ اس رقم میں ڈالر زیادہ اور ہندوستانی کرنسی کم تھی۔ میں سیدھا گھر پہنچا۔ مجھے دیکھ کر وہ کس قدر خوش ہوئیں بتا نہیں سکتا۔ وہ مجھ سے مل کر خوب روئیں...... پھر میں نے اپنی پتنی کو بتا دیا کہ بدمعاشوں نے کیا منصوبہ بنایا ہوا ہے۔ لڑکیوں نے بھی یہ سب سن لیا تھا۔ ان کی خوشی، فکر، پریشانی اور خوف و دہشت میں بدل گئی۔ میں نے ڈھارس دی کہ میں ٹائیگر کو تلاش کرتا ہوں۔ پتنی نے خیال ظاہر کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر سے مجھے اغوا کر لیا جائے۔ ہم نے منصوبہ بنایا کہ کسی نہ کسی طرح راتوں رات کسی بس، کوچ یا ریل گاڑی سے چنائے چلے جائیں۔ لیکن جا نہ سکے۔ کیوں کہ دیکھا کہ مشکوک قسم کے بدمعاش ہمارے گھر پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ہم گھر میں قید ہو کر رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آپ سے کیسے رابطہ کروں یا ہم فرار ہو جائیں۔ دیکھو بھگوان کا کرنا...... آپ اوتار بن کر آ گئے۔''

''میں بروقت پہنچ گیا ہوں۔'' ٹائیگر نے دلاسا دیا۔ ''اوپر والے نے چاہا تو کسی پر آنچ نہیں آئے گی۔ پریشان مت ہو۔ میں ان دونوں بدمعاشوں سے نمٹ لوں گا...... ان کے ارمان خاک میں مل جائیں گے۔''

''بھیا...... جتنا جلد ہو سکے ہمیں چنائے پہنچا دو......'' اروندا گڑگڑایا۔ ''ہم آپ کا

احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔''

''اطمینان رکھو اروندا......!'' ٹائیگر نے کہا۔ ''تم مجھے وہاں کا نقشہ بنا کر دے دو تا کہ میں اس کی مدد سے پہنچ سکوں۔''

''میں نقشہ بنائے دیتا ہوں...... لیکن بہت آسان ہے...... شاید اس کی ضرورت نہ پڑے۔ میں آپ کو اتا پتا بتائے دیتا ہوں۔ اس شیطان کی نگری شمال مغرب میں سو میل اندر ہے۔ دریا جو ہے وہ ایک انتہائی گنجان اور تاریک جنگل سے گزرتا ہے۔ جنگل کے درندوں کی دہاڑ سنائی دیتی ہے...... لیکن وہ کنارے نظر نہیں آتے ہیں۔ پچیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد جنگل ختم ہو جاتا ہے۔ پھر دور سے شیطان کی نگری نظر آتی ہے جو وہاں سے چھ سات میل دور واقع ہے۔ رات کے وقت اس میں جو دو تین عمارتیں ہیں ان کے کمروں میں روشنی دکھائی دے گی...... یہ شیطانی نگر ایک کلومیل کے جزیرے پر آباد ہے۔''

''وہ منقش چرمی بیج مجھے دے دو۔ کیوں کہ اب وہ تمہارے کسی کام کا نہیں ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''میں آپ کو پیش کرنے والا ہی تھا۔'' اروندا نے کہا۔ ''یہ بڑے کام کی چیز ہے...... مجھے ایک ملازم نے بتایا تھا کہ یہ ایک طرح سے طلسماتی بیج ہے...... صرف اس نگری کے کتے ہی جنگل کا ہر درندہ اسے دیکھتا ہے تو وہ جیسے غلام بن جاتا ہے۔ معلوم نہیں اس بات میں کتنی سچائی ہے۔ لیکن خون خوار شکاری کتوں کا حملہ آور ہونا یہ سچ ہے۔ کیوں کہ میں اسے خود آزما چکا ہوں...... شاید اس میں ایسا کوئی طلسم یقیناً ہو گا جو درندوں کو مطیع بنا دیتا ہے۔''

اروندا نے الماری میں سے بیج نکال کر ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔

ٹائیگر نے اس منقش بیج کو دیکھا۔ دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر اس نے منقش چرمی بیج کو جیب میں رکھنے کے بعد کہا۔

''اس میں یہ جو عجیب و غریب نقش و نگار ہیں اس میں کوئی ایسا اسرار اور طلسم ہے جو درندوں کو مسحور کر دیتا ہو گا۔ تاہم اس کی افادیت اور طلسم سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی سنیاسی کا سحر اس میں پوشیدہ ہے...... ایسے کتنے بیج وہاں ہیں......؟ کل کتنے لوگوں کے استعمال میں ہیں؟''

''کل سات عدد لوگ ہیں جن کے پاس ہیں۔'' اروندا نے بتایا۔ ''فلم اسٹوڈیو کے

منیجر نے مجھے بتایا تھا کہ اس چرمی بیج کے نقش ونگار میں سے ایسی شعاعیں خارج ہوتی ہیں جو درندوں کو مسحور کر دیتی ہیں......"

"ٹائیگر نے جیب سے بیج نکال کر اس کے نقش ونگار کو دیکھا۔ بڑی دیر تک دیکھنے کے بعد اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"اس نے ٹھیک ہی کہا تھا...... واقعی اس میں سے کچھ ایسی شعاعیں خارج ہوتی محسوس ہوتی ہیں جو درندوں کو مسحور کر دیتی ہیں...... میری بہت بڑی مشکل آسان ہو گئی۔ میں اس منقش بیج کی مدد سے اس شیطان اور اس کے درندوں پر......"

جب دوپہر کا کھانا کھا چکے تو ٹائیگر نے کہا۔

"صرف ضرورت کا سامان لے لیں...... چوں کہ خاصی رقم ڈالر اور ہندوستانی کرنسی کی صورت میں ہے۔ وہاں جا کر ہر قسم کے ڈر اور خوف سے بے نیاز ہو جائیں...... سکون اور اطمینان کی زندگی گزاریں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے بھیا......!" سادھنا نے کہا۔ "وہ شیطان نہ صرف خطرناک، شقی القلب اور بے رحم ہے...... میرے اور میری بچیوں کا دشمن...... اغوا کرنے کے لئے جال بچھا رکھا ہے...... دشمن گھات میں ہے...... اس کے دو بدمعاش گھر میں گھس کر عزت تباہ کرنا چاہتے ہیں...... کیا چنائے شہر جانے سے اس کی دست برد سے عزت اور زندگی محفوظ رہے گی۔"

"میں کل آپ لوگوں کو ہوائی جہاز سے لے جا کر چنا۔ ئے چھوڑ آؤں گا۔" ٹائیگر کہنے لگا۔ "آپ لوگ وہاں ہر طرح سے محفوظ رہیں گے۔ کیوں کہ مدراس شہر اس شیطان سے دور ہے اور اس کی رسائی ممکن نہ ہو گی۔ اس شہر کی پولیس کے علاوہ میرا ایک دوس ولے سوامی اس شہر کا سب سے خطرناک مافیا ہے۔ زیر زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ...... وہ میری بہت عزت کرتا ہے۔ کیوں کہ تین برس پیشتر میں نے اس کی زندگی بچانے کے لئے خون دیا تھا۔ اس کا گروپ کا خون نایاب تھا۔ میں نے اس لئے بھی اسے خون دیا تھا کہ اس نے ایک طالب علم لڑکی کی عزت جان پر کھیل کر بچائی تھی۔ وہاں کسی کی مجال نہیں کہ آپ لوگوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے......"

"سچ بھیا......!" اروندا کی بڑی بیٹی سشما جذباتی ہو کر رونے لگی۔

"ہاں سچ......" پھر ٹائیگر نے جیب سے مہی پال کا بٹوا نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو اروندا نے اسے حیرت سے دیکھا۔ "یہ کیا؟"

"یہ مہی پال کا بٹوا ہے جو میں نے اسے زخمی کرنے کے بعد اس کی جیب سے نکالا تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اس میں برٹش پونڈ، ڈالر اور ہندوستانی کرنسی آٹے میں نمک کے برابر ہے...... یہ لاکھوں کی رقم بنتی ہے۔ اسے رکھ لو......"

"نہیں...... نہیں......" اروندا بولا۔ "نہیں بھیا نہیں...... میں اس شیطان کا جو بٹوا اور انگوٹھیاں لایا ہوں وہ اتنی بڑی رقم ہے...... انگوٹھیوں کی مالیت لاکھوں کی ہے...... میں اس رقم سے اپنی بیٹیوں کی شادیاں دھوم دھام سے کر کے بھی جانے کتنے برس تک پر تعیش زندگی گزار سکوں گا...... اصل دولت تو سکون ہے۔ وہ مجھے مل گئی ہے۔ بلکہ ملنے والی ہے یہ آپ کی ملکیت ہے۔ اس پر آپ کا حق ہے۔ پلیز......! آپ رکھ لیں۔"

"میرے پاس اللہ کا دیا اتنا ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے......" ٹائیگر نے بٹوا اس کے بجائے بڑی بیٹی کو دیتے ہوئے کہا۔

"وہاں جا کر اس رقم سے ایک مکان خرید لینا...... پھر بچیوں کی شادی دھوم دھام سے کرنا...... یہ مکان تو سرکاری کوارٹر ہے۔ اب چوں کہ تم مکان کو خیر باد کہہ رہے ہو...... سر چھپانے کے لئے جگہ بھی تو چاہئے۔ اور......"

سادھنا نے آ کر کہا۔ "یہ دونوں بدمعاش کون ہیں جو گلی کے نکڑ پر کھڑے ہوئے ہمارے کوارٹر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔"

پھر ٹائیگر اور اروندا کھڑکی کے پاس گئے۔ پھر وہ سر کا کر دیکھا تو اروندا نے کہا۔

"یہ دونوں......؟" "ان میں سے ایک جتندر ہے اور دوسرا رمیش......"

کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ اروندا، اس کی بیوی اور لڑکیوں کے چہرے فق ہو گئے تھے۔

"رات ہمارے ہاں مہمان قدم رنجہ فرمانے لگے ہیں۔" ٹائیگر نے شوخی سے کہا۔ "ان کا سواگت نہ صرف بڑی گرم جوشی سے بلکہ والہانہ انداز سے ہونا چاہئے...... ایسا استقبال کہ گھر آیا ہوا مہمان جا نہ سکے......"

"لیکن بھیا......! سادھنا بولی۔ "ابھی رات کے آنے میں خاصی دیر ہے...... کیوں

نہ ہم عقبی راستے سے نکل جائیں؟''

''یہ مہمان نوازی کے اصولوں کے خلاف ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔'' آپ لوگ دیکھیں گے میں ان کی کیسی خاطر مدارت کرتا ہوں۔ وہ زندگی بھر کسی کو بھولیں گے نہیں کہ ان کا کیسا سواگت کیا گیا تھا...... آپ لوگوں کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں...... ہنسیں بولیں...... اور پھر جلدی کافی بنا کر لائیں......''

رات کے دس بجے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس وقت اروندا اور ٹائیگر کمرے میں اندھیرا کیئے کھڑکی کی اوٹ سے باہر جھانک رہے تھے۔ انہوں نے گلی کے نکڑ پر جو اسٹریٹ لیمپ تھا اس کی روشنی میں گھر کی سمت آتے دیکھ لیا تھا۔ ٹائیگر نے پہلے ہی اروندا کی بیوی سادھنا سے کہہ رکھا تھا کہ دستک ہونے پر وہ سوال و جواب کرتی رہے۔ وہ جب تک اسے اشارہ نہ ملے دروازہ نہ کھولے۔

''کون ہے......؟'' سادھنا نے تیز آواز میں پوچھا۔

''اروندا صاحب......! تشریف رکھتے ہیں۔'' باہر سے رمیش نے کہا۔

''جی نہیں......'' سادھنا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔'' وہ کسی کام سے تین ماہ سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ آپ کون ہیں؟''

''ہم ان کے دوست ہیں...... میرے ساتھ ان کے دوست بھی ہیں۔'' رمیش بولا۔

''میرا نام سچن ہے اور دوسرے کا نام راج کمار ہے......''

''تو میں کیا کروں......'' سادھنا نے سابقہ لہجے میں کہا۔'' میں نے کبھی آپ دونوں میں سے کسی کا نام نہیں سنا......''

''ہم ان کے آفس کے دوست ہیں...... منیجر ٹورسٹ گائیڈ نے ان کی دو ماہ کی تنخواہ بھیجی ہے...... وہ دینے آئے ہیں۔''

''آپ دروازے کے نیچے سے لفافہ اندر ڈال دیں۔'' سادھنا بولی۔

''شریمتی جی......! اس کی رسید بھی تو لینی ہے۔'' رمیش نے کہا۔

''میں رسید بھی نیچے سے ڈال دوں گی۔''

''ہمیں معلوم نہیں آپ کون ہیں......؟ کم از کم شکل دیکھ کر منیجر صاحب کو بتا سکیں۔''

ٹائیگر نے اشارہ کیا تو وہ بولی۔'' ٹھیک ہے...... میں دروازہ کھول کر آ رہی ہوں۔

ایک منٹ......''

ٹائیگر کمرے کے اندر چلا گیا۔ اس نے اروندا کی تینوں لڑکیوں کو اشارہ کیا کہ وہ بھی اس کمرے میں آ جائیں۔

''جب وہ لڑکیاں آ گئیں تو سادھنا نے دروازہ کھول دیا۔ رمیش دروازہ کو دھکا دیتا ہوا اندر گھس گیا۔ اس کے پیچھے جتندر تھا۔ اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ رمیش نے ان چاروں کو ریوالور کی زد میں لے لیا۔

''خبردار......'' وہ سفاک لہجے میں بولا۔'' اگر تم میں سے کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو میں اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔''

''یہ کھلونا آپ کس لئے لائے ہیں......؟ میرے پتی کی تنخواہ والا لفافہ کہاں ہے......؟''

''میرے پاس ہے......'' جتندر نے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔'' کھلونا تو میں بھی لایا ہوں۔''

''ہمیں کھلونے سے کیا لینا ہے...... تنخواہ سے مطلب ہے...... میرے پتی تین ماہ سے پراسرار طور پر لاپتا ہیں۔ تنخواہ گھر نہ آنے سے ایک ماہ تو پڑوس اور محلے والوں سے قرض لے کر گزارہ کیا...... لیکن اب کوئی بھی قرض دینے کو تیار نہیں...... ہم فاقوں سے زندگی گزار رہے ہیں...... پلیز...... تنخواہ لائے ہیں تو دے دیں۔ آپ کی بڑی کرپا ہوگی......''

''ہم کرپا ہی تو کرنے آئے ہیں......'' رمیش نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

پھر وہ اور جتندر نے اپنی اپنی جیب سے کلوروفارم میں بھیگے ہوئے رومال نکالے۔ وہ ماں اور بیٹیوں کی طرف بڑھے تو ٹائیگر نے کمرے سے باہر آ کر کہا۔

''دھیرج رکھیں...... میرے سرکار......! کیا آپ یہ معطر رومال سونگھا کر ان سے اظہار محبت کرنا چاہتے ہیں۔''

وہ دونوں ٹائیگر کو دیکھ کر اس کی آواز سن کر چونک پڑے۔'' کون ہو تم......؟'' رمیش دہاڑا۔

''نادر......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔'' یہ کھلونے کیوں لائے ہو...... کیا تمہاری عمر ہے کھلونوں سے کھیلنے کی...... کھلونا تو میرے پاس بھی ہے۔'' ٹائیگر نے جیب سے پستول

نکالا۔ وہ کھلونا پستول تھا جس میں بچے پانی بھر کر پچکاری مارتے ہیں۔''

''یہ کھلونا...... جیب میں رکھ لو...... جتندر نے خوشونت بھرے لہجے میں کہا۔ ''خاموشی سے کھڑے ہو جاؤ...... تم میں سے کسی نے شور مچایا تو اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا...... میری بات کو مذاق مت سمجھو......''

''لگتا ہے کہ تم دونوں بے وقوف نمبر ایک ہو...... گدھے ہو...... تمہاری عقل گدی میں ہے...... ذرا بھی عقل ہوتی تو اس میں سائی لینسر لگا کر لے آتے...... رات کا وقت ہے۔ کیسا سناٹا اور چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ فائر کی آواز کی گونج تو اڑوس پڑوس ہی میں نہیں محلے میں گونج جائے گی۔ لوگ گھروں سے نکل آئیں گے...... سوچ لو......''

''پہلے اس کا منہ بند کرو...... یہ مسخرہ جانے کون ہے اور نہ جانے کہاں سے ٹپک پڑا ہے......'' رمیش گرجا۔

''جتندر...... ٹائیگر کی طرف بڑھا تو ٹائیگر نے فوراً ہی جیب سے کھلونا پستول نکال لیا...... جتندر کے بائیں ہاتھ میں ریوالور تھا اور دائیں ہاتھ میں کلورو فارم میں بھیگا ہوا رومال...... اس وقت رمیش نے سادھنا اور لڑکیوں کو ریوالور کی زد میں لیا ہوا تھا۔

جیسے ہی جتندر اس کے قریب آیا تو اس نے چشم زدن میں نہ صرف جتندر کے ہاتھ پر بلکہ رمیش کے ہاتھ پر پچکاری ماری...... ان کے ہاتھوں سے ریوالور چھوٹ کر فرش پر گر پڑے...... ان دونوں نے ایک چیخ ماری۔ جتندر کے ہاتھ سے کلورو فارم والا رومال نیچے گر گیا...... وہ دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑ کر کراہنے اور تڑپنے لگے۔

ان کے ہاتھ جھلس گئے تھے۔ ٹائیگر کے کھلونا پستول میں تیزاب بھرا ہوا تھا...... ان دونوں نے تکلیف سہتے اور کراہتے...... غصے سے ریوالور اٹھانے بڑھے...... ٹائیگر نے پہلے تو ایک زوردار لات رمیش کے سینے پر رسید کی تو وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ دو تین قدم لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا اور ریوالور سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا...... جتندر کے ساتھ بھی ٹائیگر نے وہی سلوک کیا۔ اس کے سینے پر لات مارنے کے بجائے اس کے لمبے بالوں کو پکڑ کر اتنے زور سے دیوار کی چوکھٹ پر مارا کہ اس کی چوٹ برداشت نہ کر سکا۔

سادھنا نے اور اس کی بڑی بیٹی نے فرش پر ریوالوروں کے گرتے ہی انہیں اٹھا لیا تھا۔ دونوں فرش پر بے ہوش پڑے تھے۔ پھر اروندا ہاکی لئے کمرے میں آ گیا...... ٹائیگر

نے اس سے کہا تھا کہ وہ صورت حال ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر کمرے میں آ کر ان دونوں بدمعاشوں کے سر پھاڑ دے...... لیکن اس کی نوبت نہیں آئی تھی۔

ان دونوں نے مل کر جلدی جلدی ان کی مشکیں کرسی پر کس دیں اور ان کے منہ پر وہی ٹیپ چپکا دیئے جو وہ ساتھ لائے تھے کہ سادھنا اور اس کی جوان لڑکیوں کے منہ پر چپکا دیں گے۔

معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔ انہیں لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ ماں اور بیٹیاں خوش ہو گئی تھیں۔ اروندا بھی خوشی سے زیادہ تحیر زدہ تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ بازی الٹ بھی سکتی ہے۔ یہ خطرناک بدمعاش اس آسانی سے قابو میں آ سکتے ہیں۔ ٹائیگر بازار جا کر تیزاب اور کھلونا پستول لے آتا تھا تو اروندا اور ماں بیٹیوں کی بالکل بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ٹائیگر ان سے کیا کام لے گا۔ جب اس نے ٹائیگر سے کہا کہ ریوالوروں کے مقابلے میں یہ پستول کیا کام دے گا۔

ٹائیگر اس کی بات سن کر مسکرا دیا تھا اور کہا تھا۔

''بس...... تم خاموشی سے ایڈونچر فلم دیکھو...... آج کے اخباروں میں مہی پال کی خبر بھی چھپی ہے کہ اس کے کسی دشمن نے اس کے سر پر اتنے زور سے پتھر دے مارا کہ اس کا سر کھل گیا...... وہ بے ہوشی کی حالت میں ہے...... کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ وہ کتنا عرصہ بے ہوش رہے گا...... حکومت نے اس کے سر کی قیمت پانچ لاکھ روپے رکھی تھی...... وہ بڑا خطرناک مجرم تھا...... اس کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے...... وہ پولیس کو دس افراد کے قتل...... اور کم عمر لڑکیوں کی بے حرمتی کے علاوہ...... عورتوں کے اغوا کے جرم میں مطلوب تھا۔ حکومت اس شخص کو انعام دینا چاہتی ہے۔ جس نے مہی پال کو بے ہوشی کی نیند سلا دیا۔''

''تو آپ کیا پانچ لاکھ کی انعامی رقم حکومت سے لیں گے......؟'' سادھنا نے پوچھا۔

''نہیں......'' ٹائیگر نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو کیا اتنی بڑی رقم نہیں لو گے......! جب کہ یہ انعامی رقم ہے۔'' اروندا حیرت سے بولا۔

''اس لئے کہ یہ پولیس کی ایک چال ہے......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''وہ انعام کا جھانسہ دے کر گرفتار کرنا چاہتی ہے...... اس پر قاتلانہ حملے کا جھانسہ دے کر اندر کر دے......

میں حکومت اور پولیس کی شاطرانہ چالوں کو خوب سمجھتا ہوں۔''

''اب ان مہمانوں کی کیا خاطر مدارات کی جائے......؟'' اروندا کی بیٹی سشما نے ٹائیگر سے پوچھا۔

''پہلے تو انہیں ہوش میں لانا ہے...... پھر ان کی پرتکلف دعوت کرنی ہے......'' ٹائیگر بولا۔ ''کتنی خوشی کی بات ہے کہ یہ مہم آسانی سے سر ہوگئی۔ جس کی توقع نہ تھی...... جتندر بھی قاتل، ڈکیت، درندہ صفت اور وحشی ہے۔ اس کے جرائم ناقابل معافی ہیں۔ میں اس کے باس کو سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔''

پھر ان دونوں کو ہوش میں لانے کی تدبیر بھی ٹائیگر کرنے لگا۔ ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے گئے۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد یکے بعد دیگرے ہوش میں آتے گئے۔ ایک ہاتھ جھلس جانے کے باعث انہیں تکلیف اور درد ہونے لگا تو وہ کسمسانے اور تڑپنے لگے۔ چوں کہ ان کے منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا اس لئے منہ سے کراہنے کی آواز نکل نہیں پا رہی تھی۔

جب وہ پوری طرح ہوش میں آ گئے تو انہوں نے منظر دیکھا وہ یکسر بدلا ہوا تھا۔ انہیں جیسے یقین نہیں آیا۔ خوف و دہشت سے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگے...... ان کے ریوالور ایک عورت اور جوان لڑکی کے ہاتھ میں تھے ان کی نظروں کے سامنے اروندا تھا جس کا شیو کئی دنوں کا بڑھا ہوا تھا جسے وہ پہچان نہ سکے۔ ٹائیگر کو دیکھا تو بری طرح چونکے...... ایسا لگا جیسے کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھ رہے ہوں...... اس وقت انہوں نے ٹائیگر کو پہچانا نہیں تھا۔ اس لئے ان کا سارا دھیان عورت اور لڑکیوں کی سندرتا کی طرف تھا۔ اور پھر وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ٹائیگر یہاں ہوگا...... یوں بھی اس وقت ٹائیگر نے نقلی مونچھیں اور داڑھی لگائی ہوئی تھی۔ اب اس کی داڑھی اور مونچھیں سامنے والی میز پر رکھی ہوئی تھیں۔

اس وقت کمرے میں جو چھ افراد تھے انہیں موت کے فرشتے دکھائی دے رہے تھے...... دو عورتوں کے ہاتھ میں ریوالور اور اروندا کے ہاتھ میں اسٹک تھی۔ ٹائیگر کے ہاتھوں میں کھلونا پستول جو سب سے خطرناک ہتھیار تھا...... گولی سے کہیں خطرناک...... گولی سے تو آدمی فوراً مر جاتا ہے...... لیکن تیزاب جو جلن، تکلیف...... درد دیتا اور جھلسا دیتا ہے انہیں اب اس کا احساس ہو رہا تھا...... ان کا ہاتھ جو بندھا ہوا تھا...... جو جھلس گیا تھا...... اس کی تکلیف ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔

ان دونوں نے اپنا پورا زور صرف کر دیا تھا کہ اپنا متاثرہ ہاتھ چھڑا لیں...... رسیوں سے آزاد کر لیں۔ وہ جیسے ہی اسے آزاد کرنے کی کوشش کرتے جیسے ان کی جان نکل جاتی۔ ان کی کراہیں سینے میں گھٹ کر رہ جاتیں۔

وہ جو ڈیجیٹل کیمرے لائے تھے سامنے والی میز پر رکھے ہوئے۔ اس کے علاوہ ان کے بٹوے اور چاقو بھی......

''میں سب سے پہلے بن بلائے مہمانوں سے سب کا تعارف کرادوں......'' ٹائیگر کہنے لگا۔ ''یہ مسٹر اروندا ٹورسٹ گائیڈ...... جسے اس شیطان باس نے اسے ہراساں اور دہشت زدہ کر کے اس کی پتنی اور لڑکیوں کو بھی اغوا کر کے یرغمال بنا لے تا کہ ان کی عزت سے کھیلے اور ان کی ممنوعہ فلمیں بنائے۔ پھر قتل کر دے یعنی ذبح...... پھر خون پی کر اور ان کی کھال اتروا کر کچا گوشت اور بوٹیاں مزے لے لے کر درندے کی طرح کھا جائے...... ان کی ہڈیاں اپنے خون خوار شکاری کتوں کو کھلا دے...... تمہارا باس آدم خوروں سے بھی بڑھ کر ہے...... آدم خور بھنا ہوا انسانی گوشت کھاتے ہیں...... درندوں کا بھی......

قسمت نے ساتھ دیا، اروندا وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو کر دس دن پہلے گھر پہنچ گیا...... تم دونوں نے دس دن پہلے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر پروگرام بنایا اروندسا کے گھر میں گھس کر گن پوائنٹ پر اس کی بیوی اور لڑکیوں کو یرغمال بنایا جائے...... ان کے منہ پر ٹیپ چپکا کر نہ صرف دل کے ارمان نکالے جائیں اور بلیک میل کرنے کے لئے عریاں حالت کی تصویر اتار لی جائیں...... لیکن افسوس کہ بازی الٹ گئی...... یہ لڑکیاں تمہارے رحم و کرم پر ہونے کے بجائے اب تم ان کے رحم و کرم پر ہو......

مجھے بھی تم سے اپنا حساب کتاب کرنا ہے...... تم دونوں نے پریس کلب کے باہر حملہ کیا۔ اس غریب صحافی عورت نے میری زندگی بچانے کے لئے ایثار، ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ وہ زخمی ہوگئی۔ اس کی زندگی تھی جو بچ گئی۔ میں اس کا بدلہ اور انتقام نہ صرف تم دونوں بلکہ تمہارے شیطان باس سے بھی لوں گا...... میں اپنے دشمن کو معاف کرنا نہیں چاہتا ہوں۔

تم دونوں پیشہ ور اور سفاک ترین قاتلوں میں سے ہو...... اور ہاں تم دونوں نے اپنی مجرمانہ زندگی میں اجرت لے کر کچھ لڑکیوں اور عورتوں کے چہروں اور جسموں پر تیزاب

پھینکا..... تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ تیزاب سے کتنی تکلیف ہوتی ہے..... اب تمہارے ہاتھ کا کچھ حصہ جل گیا تو معلوم ہو رہا ہو گا کہ یہ تکلیف کیسی ہوتی ہے.....

تم قانون کے ہاتھوں سے اس لئے بچتے رہے ہو کہ تمہارے خلاف کوئی ثبوت اور عینی گواہ نہیں تھا..... تم دونوں نے عینی گواہوں کو بھی دنیا سے رخصت کر دیا..... تمہارے جرائم کی فہرست ایک اخبار کے کرائم رپورٹر نے دی تھی۔ تم دونوں نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا جو ناکام ہو گیا تھا..... اتفاق سے ایک کرائم رپورٹر نے تم دونوں کو دیکھ لیا تھا۔ میں تم دونوں کی تلاش میں تھا۔ حالات کے چکر نے تم سے ملا دیا۔''

ٹائیگر نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔

''تم دونوں کے جرائم ناقابل معافی ہیں..... عدالت تم دونوں کو جو سزا دے گی وہ ایسی نہ ہو گی جس کے تم دونوں مستحق ہو..... سزا تمہیں میں دوں گا..... فیصلہ میں سناؤں گا..... تم دونوں یہ بھول گئے کہ اوپر والے کے ہاں دیر ہے..... اندھیر نہیں..... میں تم دونوں کو گولی مار کر ہلاک نہیں کروں گا..... اس لئے کہ گولی سے فوراً مر جاؤ گے یا کچھ دیر تڑپ کر..... لیکن میں تو ایسی سزا دینا چاہتا ہوں کہ برسوں تک ایڑیاں رگڑتے رہو..... موت مانگو تو موت نہ ملے..... اس کے علاوہ کوئی سزا نہیں ہے۔

میرے خیال میں یہ کھلونا پستول تم دونوں کو سزا دینے کے لئے کافی ہے..... یہ چاروں باری باری تم دونوں پر پستول چلائیں گی..... شاید تم نے سنا ہو گا کہ سو دن چور کے ایک دن شاہ کا..... یا کوتوال کا.....

چاچی..... ! پہلے آپ آئیں..... سب سے پہلے آپ پچکاری ماریں..... سب ہی باری باری پچکاری ماریں گی..... اس بات کا خیال رکھیں ایک آنکھ ضائع ہو..... پورا چہرہ جھلس جائے..... ہاتھ پیر اور جسم جھلس جائے..... کوئی حرج نہیں..... ان سے ذرہ برابر رعایت نہ ہو.....''

جتندر اور رمیش یہ سن کر زخمی پرندوں کی طرح پھڑ پھڑانے اور تڑپنے لگے..... اول غول کرنے لگے..... آنکھوں سے التجائیں کرنے لگے۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتے ہوں۔

ٹائیگر نے کہا۔''موت دیکھ کر کیا بھگوان یاد آ رہا ہے؟..... سزا ملنی ہے مل کر رہے گی۔''

''کیا یہ بہت ہی بھیانک عبرتناک اور انتہائی تکلیف دہ سزا نہیں.....'' سادھنا بولی۔

''یہ کیا برداشت کر سکیں گے.....؟''

''نہیں..... بالکل نہیں.....'' ٹائیگر کہنے لگا۔''اگر ان کی جگہ کوئی درندہ ہوتا تو اسے اتنی بھیانک سزا نہیں دی جاتی..... یہ انسان ہیں..... درندہ صفت..... شقی القلب..... ان کی انسانوں پر جو بربریت کی گئی آپ اس کا تصور تو کیجئے..... انہوں نے سات دس برس کی معصوم بچیوں کی عزت لوٹی..... درندگی کی..... شادی شدہ عورتوں کو نہیں بخشا..... اور پھر ان دونوں حرام زادوں نے لڑکیوں عورتوں پر بھی محض چند روپوں کے عوض تیزاب پھینکا..... اور اس کے علاوہ قتل اور خون خرابا بھی کیا..... کیا یہ کسی رعایت اور معافی کے مستحق ہیں.....''

''نہیں..... نہیں..... ہرگز نہیں.....'' ماں اور بیٹیوں نے بیک وقت یک زبان ہو کر کہا۔

''آپ آج کے روز کا تصور کریں..... یہ آپ کی عزت سے کھیلنے اور تصویریں اتارنے آئے تھے..... اگر آپ چاروں پر قیامت گزر جاتی تو کیا محسوس کرتیں.....؟ کیا آپ انہیں معاف کر دیتیں.....؟''

''نہیں.....''

''تو پھر اس شبھ کام میں دیر کیوں.....؟ کس بات کا انتظار ہے.....''

''تو یہ رمیش تھا.....؟'' سادھنا کا چہرہ نفرت اور غصے سے تمتما گیا۔ اس کی آنکھیں شعلہ برسانے لگیں۔ وہ زہرناک لہجے میں بولی کیوں نہ میں رسوئی سے چھری لا کر اس کا سر تن سے جدا کر دوں..... پھر اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں اور چیلوں کو کھلا دوں.....؟''

''ہاں..... ہاں.....'' سشما بولی تو اس کی زبان کانپنے لگی تھی۔''ان درندوں کے ساتھ اس سے بھی کہیں بربریت کرنی چاہئے..... ماں جی..... رسوئی سے چھری لے کر آتی ہوں۔''

''جب وہ رسوئی کی طرف بڑھی تو ٹائیگر نے لپک کر اس کی بانہہ پکڑ لی تو وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''مجھے جانے دیں۔ میں اسے ذبح کر کے اس کا خون پی جاؤں گی.....''

"سشما......! جذباتی نہ بنو......اصل سزا یہ نہیں ہے......تھوڑی دیر کے مہمان رہیں گے......ان کا چہرہ اور جسم جھلسا دینے سے یہ مرمر کے جیتے رہیں......جلن اور تکلیف...... انہیں اذیت......تکلیف اور عذاب دیتی رہے گی......ایک گھڑی، ایک دن نہیں......ہفتوں اور مہینوں......اس وقت تک جب تک موت نہیں آ جاتی۔ ایک لمحہ صدی سے کم نہیں ہوگا۔

سب سے پہلے سادھنا کھلونا پستول لے کر رمیش کی طرف بڑھی......رمیش اچھلا...... سر ہلانے لگا......سادھنا نے سب سے پہلے اس کے چہرے پر پچکاری ماری......پھر اس کے جسم پر......پھر اس کے جسم کے سب سے نازک حصے پر......وہ بے آب ماہی کی طرح تڑپنے لگا......پھر جتندر کو اس نے اسی طرح نشانہ بنایا۔ پھر ان چاروں نے......وہ دونوں خوف ودہشت، درد اور تکلیف کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو چکے تھے۔

"کیا یہ دونوں مر گئے......؟" سشما نے انہیں بے حس وحرکت دیکھ کر پوچھا۔

"یہ بے غیرت......درندے......اتنی جلدی اور ایسے مرنے سے رہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "یہ جھلس جانے کے باعث بے ہوش ہو گئے ہیں۔ ہوش میں آنے کے بعد دیکھنا کیسے تڑپتے ہیں......انتقام اور کیفر کردار تک پہنچانے کی آشا پوری ہوگئی......میرا خیال ہے کہ ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہم یہاں سے چلنے کی تیاری کرتے ہیں......"

گھر میں فون تھا۔ ٹائیگر نے ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے کسی نے ہیلو کہا تو وہ بولا۔

"آئنگار جی......! دو پارسل ہیں۔ جلدی سے آ کر لے جاؤ۔ کسی ویرانے میں ٹھکانے لگانا ہے۔"

"دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔

دس منٹ میں آئنگار اپنے ایک ساتھی کے ساتھ پہنچ گیا۔ وہ ایک بڑی گاڑی لے کر آیا تھا۔ وہ طویل القامت خوش اخلاق تھا۔ اس نے اروندا، سادھنا، لڑکیوں اور ٹائیگر کو نمسکار کیا۔ پھر اروندا اور ٹائیگر سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

"مجھے خبر مل گئی تھی آپ آئے ہیں......سبرانیم نے بتایا تھا۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" آئنگار بولا۔

"اس کے ساتھی نے بھی پیروی کی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دو بڑے تھیلے تھے۔

"یہ دونوں کون ہیں......؟" آئنگار نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے مسخ ہو گئے تھے۔

"یہ رمیش اور جتندر ہیں۔" ٹائیگر نے بتایا۔ "یہ دونوں شب خون مار کر عزت سے کھیلنے آئے تھے۔"

"اچھا......یہ بہت اچھا کیا......یہ حرامی زندہ ہیں یا مر گئے؟"

"زندہ ہیں......بے ہوش ہیں......صرف جھلس گئے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ان کا زندہ رہنا ضروری ہے۔"

"ہاں آپ سچ کہتے ہیں......" وہ اور اس کا ساتھی دونوں کی مشکیں کھولنے لگے۔

آئنگار نے انہیں تھیلوں میں ڈال کر ان کے منہ تسلی سے باندھ دیئے۔ ٹائیگر نے تین ہزار روپے بڑھائے تو وہ پس وپیش کرنے لگے......ٹائیگر نے زبردستی دے دیئے۔

وہ گاڑی کی ڈگی میں ڈال کر اور ہاتھ ہلاتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

"اوہ بھگوان......!" سادھنا نے ایک لمبا سانس لیا۔ "میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ انہیں کہاں اور کیسے ٹھکانے لگایا جائے گا۔ بھیا نے یہ مشکل بھی حل کر دی۔"

☆......☆......☆

رات ایک بجے کی فلائٹ کی ٹکٹیں انہیں مل گئیں۔ ٹائیگر نے انہیں مدراس یعنی اب جو چنائے شہر تھا اس میں اروندا کا کزن تھا۔ وہاں اروندا کا سگا چھوٹا بھائی بھی تھا۔ وہاں پہنچا کر چائے پی کر پھر ہوائی جہاز سے بنگلور واپس آیا تو اس وقت صبح کے سات بج رہے تھے۔

وہ بہت خوش تھا کہ نہ صرف مہی پال کو ان دونوں غنڈوں کو کیفر کردار تک پہنچا آیا تھا۔

اب اسے اس شیطان درندے کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا۔ یہ مہم سر کرنا تھی۔

بنگلور میں کمرشل اسٹریٹ پر جوتوں کی ایک بہت بڑی دکان تھی۔ اس کے پاس جوتوں کی جتنی ورائٹی تھی ہندوستان کے کسی بھی شہر کی دکان پر نہ تھی۔ اس دکان کا نام نیو ماڈرن بوٹ ہاؤس تھا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کے جوتوں کے کارخانوں سے جدید ترین ڈیزائن کے نہایت عمدہ جوتے، سینڈلز اور چپلیں مردانہ اور زنانہ جو بڑے فینسی اور پائیدار بھی ہوتے تھے۔ اس کے امریکہ، یورپ، چین، ہانگ کانگ اور کئی بڑے ملکوں سے درآمد کرتا تھا۔ اس لئے ہر وقت گاہکوں کی بھیڑ ہوتی تھی۔ دکان کے اندر گاہکوں کا رش

دیکھ کر لگتا تھا مفت میں جوتے دیئے جا رہے ہیں۔

ٹائیگر جب کبھی بھی بنگلور آتا تھا اس دکان سے نہ صرف جوتے، مردانہ سینڈل بلکہ چپلیں بھی خرید کر لے جاتا تھا۔ اب چوں کہ مہم پر جانا تھا اس لئے اس نے سوچا کہ ایسے جوتے کی جوڑی خریدی جائے جو چرمی اور بے حد پائیدار ہو...... اس لئے وہ دکان پر آیا تھا...... دکان میں گاہکوں کا اس قدر رش تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ دکان میں سہاش دتہ ایک پرانا سیلز مین تھا۔ وہ ٹائیگر کی پسند اور مزاج کو خوب سمجھتا تھا۔ اس لئے ٹائیگر کا وقت ضائع نہ ہوتا تھا...... اور ٹائیگر اسے سو دو سو روپے اپنی خوشی سے ٹپ دے دیتا تھا...... ویسے ایسی دکانوں پر ٹپ کی کوئی روایت نہ تھی۔

وہ ٹائیگر کو دیکھتے ہی لپک کر آیا اور نمسکار کرنے کے بعد کہا۔

"سر! آپ بہت دنوں بلکہ ایک لمبے عرصے کے بعد آئے ہیں۔ شکار کا پروگرام بنا کر آئے ہوں گے؟"

"ہاں ٹھیک کہا تم نے......!" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تم جانتے ہو کہ میں شکار پر جاتے وقت یہاں سے جوتے خرید کر لے جاتا ہوں اور واپس جاتے ہوئے بھی...... کوئی ایسی ہی جوڑی دکھاؤ جو ہمیشہ دکھاتے ہو؟"

"کوئی ڈیڑھ برس سے ایسے جوتوں کی جوڑی نہ صرف بڑی زبردست، پائیدار اور بلکہ نایاب بھی ہے...... اور بے حد قیمتی بھی ہے...... بے حد آرام دہ...... کسی بھی موسم میں...... اس میں ایسی نرماہٹ اور گداز محسوس ہوتا ہے کہ اس کا لمس سارے بدن میں سرور و کیف اور فرحت سا پہنچا دیتا ہے۔"

"اچھا......" ٹائیگر مسکرا دیا۔ "میں نے آج تک ایسی کوئی بات کسی جوتے کی جوڑی میں نہیں پائی اور نہ ہی تم نے کبھی کسی جوتے کی جوڑی کی اس قدر تعریف کی......؟"

"دکان پر پہلی بار فروخت ہو رہی ہے اس لئے میں اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہوں۔" وہ بولا۔ "آپ بھی اسے پہن کر اس کی تعریف پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"اچھا......" ٹائیگر مسکرا دیا۔ اس کا تجسس اور اشتیاق بڑھ گیا۔ "یہ جوتے کیا امریکہ یا یورپ یا افریقی ممالک کے بنے ہوئے ہیں...... میں نے کبھی تمہاری زبان سے کسی جوتے کی ایسی تعریف نہیں سنی...... ہندوستان کے بنے ہوئے جوتوں میں کیا ایسی کوئی خوبی اور

خصوصیت ہوتی ہے۔"

"یہ کسی کو نہیں معلوم......" سہاش دتہ نے جواب دیا۔ "دو تین مہینے میں ایک شخص آتا ہے۔ وہ ہندوستانی ہے۔ صرف دس بارہ جوڑی لاتا ہے اور اس کی قیمت وصول کر کے چلا جاتا ہے...... مالک نے کئی مرتبہ اس سے پوچھا کہ یہ کس ملک کے بنے ہوئے ہیں...... وہ صرف یہ جواب دیتا ہے کہ...... آپ کو آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے...... یہ درآمد شدہ ہیں...... غیر قانونی...... یہ اسمگل ہو کر آتے ہیں۔ کس ملک کے ہیں۔ وہ بتانے سے قاصر ہے۔ اگر آپ کو نہ خریدنا ہوں تو میں کسی اور دکان پر چلا جاؤں گا...... یہ جوتے اس قدر پائیدار اور مضبوط ہیں کہ شکار کھیلنے اور جنگل میں بہت کام آئیں گے...... اس کی ایک اور خصوصیت ہے۔ اس پر پالش کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی بھی صابن سے دھو دیں۔ نہ صرف یہ چمک جاتے ہیں بلکہ اس میں ایک عجیب سا نکھار آ جاتا ہے۔"

سہاش دتہ نے اسے ایک کرسی پر بٹھایا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ناپ کی ایک جوڑی لے آیا۔

ٹائیگر جوتے کی جوڑی دیکھ کر دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے اپنی زندگی میں کہیں اور کبھی ایسے خوب صورت، دیدہ زیب اور نرم و گداز چرمی جوتے نہیں دیکھے تھے۔ ان کے لمس نے ان کی نس نس میں ایک عجیب کیف دوڑا دیا۔

اس نے جوتوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے سہاش دتہ کی طرف دیکھا۔ پھر وہ اس سے مخاطب ہوا۔

"یہ ریشم کی طرح نرم و ملائم ہیں...... پھول کی طرح ہلکے ہیں۔ لگتا ہی نہیں ہے کہ پیر میں جوتے ہیں بلکہ موزے لگ رہے ہیں۔"

"یہ اس کی خصوصیت ہے۔" سہاش دتہ کہنے لگا۔ "یہ جتنے نرم، ملائم اور گداز لگ رہے ہیں اتنے ہی سخت اور مضبوط ہیں۔ آپ اسے مہینے کے بعد کتنی ہی سخت چیز، ٹھوس شے اور چٹان یا پہاڑی یا دیوار کو پوری قوت سے لات ماریں...... جوتے اور آپ کے پیر پر کوئی اثر نہ ہوگا...... آپ کسی درندے یا آدمی کو لات رسید کریں وہ کئی فٹ دور جا گرے گا۔ اس میں آپ کی طاقت کے علاوہ جوتے کی پائیداری کا دخل ہے......"

"اس کی کیا قیمت ہے......؟" ٹائیگر نے پیر سے جوتے اتارتے ہوئے پوچھا۔

''صرف بیس ہزار روپے......'' سبھاش دتہ بولا۔ ''میں مالک سے بات کر کے آپ کو کچھ رعایت دلا دوں گا۔''

''رعایت کی ضرورت نہیں......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''آپ اسے پیک کر دیں۔''

☆......☆......☆

صبح ناشتے کی میز پر ٹائیگر نے اخبار دیکھا۔ اس میں کچھ اندوہناک خبریں تھیں۔ ایک خبر تو یہ تھی۔

گیارہ نوجوان اور حسین لڑکیاں جن کی عمر چودہ برس سے لے کر بیس برس کی عمر کے درمیان تھیں وہ ایک ورائٹی شو میں شرکت کر کے آڈیٹوریم سے نکلیں۔ ان کا تعلق اسکولوں اور مختلف کالجز سے تھا۔ ایک کوسٹر میں آئی تھیں۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ میوزیکل آرٹ سرکل کی وہ ممبرز تھیں۔ جہاں وہ روزانہ رقص، موسیقی اور گائیگی کی تربیت اور مشق کے لئے جاتی تھیں۔ اس ورائٹی شو کا اہتمام اسی ادارے نے کیا تھا۔ وہ کوسٹر میں سوار ہو گئیں اور ڈرائیور انہیں ان کے گھروں پر چھوڑنے کے لئے لے گیا۔ جب تین بجے گھروں کو نہ پہنچیں تو ان کے گھر والوں کو تشویش ہوئی۔ آڈیٹوریم کے دفتر رابطہ کیا۔ وہ بند ہو چکا تھا۔ چوکی دار نے بتایا کہ لڑکیاں کوسٹر میں رات سوا بارہ بجے چلی گئی تھیں۔ رات ایک بجے تک سارا آڈیٹوریم خالی ہو چکا تھا اور اس کا دفتر بھی بند ہو چکا تھا۔

کوسٹر کی پراسرار گمشدگی کی اطلاع پولیس کو دی گئی۔ شہر کے کئی تھانوں کی پولیس اور موبائل وین حرکت میں آ گئیں۔ پولیس کو کوسٹر کبن پارک کے پاس ملی جو خالی تھی۔ ڈرائیور اور لڑکیوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ لڑکیاں ڈرائیور سمیت غائب تھیں...... خیال کیا جاتا ہے اور پولیس کا کہنا بھی یہی ہے کہ انہیں شیطان مافیا نے اغوا کر لیا ہے...... میسور پولیس کو فوراً خبر کر دی گئی ہے۔ آخری کاپی پریس جانے تک کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔

دوسری خبر یہ تھی کہ تین ماہ سے اب تک سولہ برس کی عمر سے لے کر بائیس برس کی عمر کی لڑکیاں...... جو پراسرار طور پر لاپتا ہو چکی ہیں...... وہ اور سات نوجوان لڑکے اور جوں سال مرد بھی لاپتا ہیں...... پولیس انہیں سراغ لگانے میں ناکام رہی ہے...... ان کے بارے میں بھی یہ خیال ہے کہ اس شیطان مافیا نے اپنے ٹھکانے پر یرغمال بنا رکھا ہے......

چھ ماہ کے عرصے میں کل اب تک دوسو عورتیں لڑکیاں...... مرد اور لڑکے جو پراسرار طور

پر اغوا کر لی گئیں ان کا بھی کوئی نام ونشان نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ٹریفک کے حادثات میں جو زخمی ہو جاتے ہیں۔ انہیں اسپتالوں کے مردہ خانوں سے پراسرار طور پر غائب ہونے کا سلسلہ جاری ہے...... یہ سارا کام اس قدر منظم طریقے سے ہو رہا ہے کہ اب تک ایک ملزم بھی گرفتار نہ ہو سکا۔

حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس پراسرار اور شیطان درندہ صفت اور پراسرار مافیا کا حکومت کرناٹک پتا نہیں چلا سکی جس نے میسور کے جنگل میں اپنی حکومت بنا رکھی ہے...... اور یہ بھی معلوم نہیں کر سکی لڑکے لڑکیاں...... مرد اور عورتیں...... ٹریفک حادثے میں زخمی اور مردہ خانوں سے پراسرار طور پر کیوں منظم طریقے سے غائب کیا جا رہا ہے...... یہ حکومت کرناٹک کی بے حسی، غفلت اور نااہلی ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے......

☆......☆......☆

ٹائیگر نے دانستہ اروندا والا واقعہ نہیں بتایا۔

اس لئے کہ اسے اندیشہ تھا کہ یہ واقعہ اخبار میں شائع ہو جانے کے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شیطان اپنے بدمعاشوں کو ان کے تعاقب میں بھیج دے کہ ان کا خاتمہ کر دیں...... اس نے اروندا سے کہا تھا کہ وہ تین چار ماہ کسی پرفضا مقام پر رہ کر آئیں۔ اروندا کے پاس پچیس تیس لاکھ کی رقم تھی۔ پھر وہ واپس آ جائے...... مافیا کے بدمعاش اس شہر میں ڈھونڈ اور تلاش کر کے نامراد ہو کر چلے جائیں۔

ایک اور سنسنی خیز خبر بھی شائع ہوئی تھی کہ وہ دو تین ماڈل گرلز جو شہر سے پراسرار طور پر غائب ہو گئیں یا اغوا کر لی گئیں ان کی ممنوعہ فلموں کے سی ڈیز دستیاب ہیں...... کیا یہ فلمیں بھی اس شیطان مافیا کی کارستانی ہے......؟ لیکن جنگل میں ایسی فلموں کی عکس بندی ممکن ہے...... جب کہ وہاں بجلی کی سہولت نہیں ہے...... کیوں کہ فلمیں بہت ہی صاف اور تیز روشنیوں میں فلم بند کی گئی ہیں۔

بنگلور شہر میں حبس اور گرمی ہوتے ہی ہر سمت سے آسمان پر کالے کالے بادل آ کر برسنے لگتے ہیں۔ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ موسلا دھار بارش ہوتی ہے...... پھر موسم سرد اور خوشگوار ہو جاتا ہے...... جب تک بارش ہوتی رہتی ہے اندھیرا چھاتا رہتا ہے...... آج سہ پہر کے وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ آسمان گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آٹھ بجے

یا دس بجے......رات کا وقت ہوگا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔

جب بارش زور و شور سے ہو رہی تھی۔ کوئی نصف گھنٹے کے بعد باہر کے دروازے پر بڑے زور کی دستک ہوئی۔

ٹائیگر حیران ہوا کہ اس تیز بارش میں کون...... کیوں اور کس لئے اس وقت آیا ہے؟...... جب وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھا اس وقت کسی نے دروازے کو پیٹ ڈالا۔ جیسے اس سے موسلا دھار بارش میں بھیگنا ناقابل برداشت ثابت ہو رہا ہو۔

ٹائیگر نے دروازہ کھولا تو دیکھا دروازے پر ایک نوجوان سی عورت کھڑی ہوئی تھی۔ دروازے کے کھلتے ہی اس نے پہلے تو اس طرح پلٹ کر دیکھا جیسے کوئی اس کا تعاقب میں ہو۔ پھر اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کیا میں اندر آسکتی ہوں......؟"

اس سے پہلے کہ ٹائیگر اسے کوئی جواب دیتا لڑکی سرعت سے اندر گھس آئی اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔

ٹائیگر کے کمرے سے جو روشنی آرہی تھی وہ لڑکی پر پڑ رہی تھی۔ وہ نہایت حسین وجمیل تھی۔ بارش میں بری طرح بھیگی ہوئی تھی اور اس کا لباس بھیگ کر اس کے بدن سے چپک گیا تھا جس نے اسے بے لباس کر دیا تھا۔ وہ دوپٹے سے بے نیاز تھی۔ اس پر سراسیمگی سی طاری تھی اور آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"بدمعاش...... میرا تعاقب کر رہے ہیں......!" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"پھر وہ تیزی سے اس کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گئی۔ جب وہ کمرے میں آیا تو لڑکی نہ تھی۔ اس کے ملحق غسل خانے میں گھس گئی تھی...... تھوڑی دیر بعد وہ آئی اس کا لباس اس کے بائیں ہاتھ میں تھا جسے اس نے نچوڑ رکھا تھا۔

"معاف کیجئے گا...... میں نے لباس اس لئے اتار لیا کہ کہیں نمونیہ نہ ہو جائے...... غسل خانے میں تولیا نہ تھا جس سے میں بدن پونچھتی اور بال خشک کرتی...... اس وقت مجھے بڑی زور کی سردی بھی لگ رہی ہے...... اس لئے میں اس حالت میں غسل خانے سے نکل آئی ہوں...... آپ شما کر دیجئے...... میں بدمعاشوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی...... وہ کل تین عدد تھے اور میں......"

ڈر ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا سلسلہ وار ناول

جادوگر

ایم الیاس

یہ کہانی ایک ایسے نیک اور مخلص انسان کی ہے جسے شہرت و دولت جیسی کسی چیز سے غرض نہیں ہے۔ وہ صرف اور صرف انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اتنا طاقتور نہیں کہ ایسا کر سکے اس لیے وہ جادوگر بننے کی کوششوں میں مصروف رہا۔ جادوگر بننے کے لیے اس کو کیا کیا تکلیفیں سہنی پڑیں، کیسے کیسے عجیب و غریب، ناقابل فراموش، خون ریز، حیرت انگیز، خوفناک و دہشت ناک حالات و واقعات کا سامنا کرنا پڑا، بہت سے امتحانات سے گزرنا پڑا۔ یہ سب آپ کو اس کہانی میں پڑھ کر ہی پتہ چلے گا۔

مجلد، صفحات 912.....

ڈر پبلی کیشنز

کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی

Ph:27744391--2773302

"ایک منٹ......" ٹائیگر نے کہا۔ "میں تولیا اور کپڑے دے رہا ہوں...... تم اپنے بال اور بدن خشک کر کے...... کپڑے پہن کر کمرے میں آجانا...... پھر میں تمہاری کہانی سنوں گا......"

اس نے تولیا کمرے میں رکھی کرسی پر ڈالا ہوا تھا...... اس نے الماری میں سے اپنا ایک جوڑا نکال کر اسے دیا۔ وہ تولیا اور کپڑے لے کر غسل خانے میں گھس گئی...... جتنی دیر میں وہ بال اور بدن خشک کر کے کپڑے پہن کر آئی ٹائیگر نے چار انڈے ابال کر اور کافی بنا کر رکھ دی۔ نہانے اور یہاں پناہ ملنے سے لڑکی کے چہرے پر طمانیت سی آگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جو خوف اور دہشت تھی اس کا شائبہ تک نہ تھا۔

"پہلے تم یہ انڈے کھالو...... پھر کافی پی لینا......" ٹائیگر نے کہا۔ "تمہارے جسم میں نہ صرف توانائی آجائے گی بلکہ تمہارے دل میں جو خوف دہشت ہے وہ دور ہو جائے گی......"

"چار انڈے......" وہ مسکرائی۔ "دو انڈے ہی کھالوں بڑی بات ہے...... البتہ ایک اور کپ کافی پیوں گی...... دوسرے کپ کے لئے آپ کو زحمت نہیں دوں گی...... میں خود بنالوں گی...... مجھے چائے کافی کی بڑی طلب ہو رہی تھی...... ایشور کی بڑی کرپا ہے کہ آپ جیسا نیک انسان مل گیا...... دروازے پر دستک دیتے وقت میرا خیال تھا کہ اس میں شاید مرد اور عورتیں رہتی ہوں گی...... آپ کے دروازے کھولنے پر میں آپ کے کمرے میں آئی اور میرا ماتھا...... ٹھنکا...... جب میں بے لباس اندر آگئی تو میرا خیال تھا کہ اپ میری مجبوری سے فائدہ اٹھائیں گے...... لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا......"

"انڈے اور کافی ٹھنڈی ہو جائے گی......" ٹائیگر نے انڈوں کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

لڑکی نے انڈا اٹھا کر کھانا شروع کیا اور کافی کا گھونٹ بھی ساتھ لینے لگی۔ ٹائیگر نے اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ نہایت خوب صورت تھی...... ابھی وہ مسکرائی تھی تو اس کی مسکراہٹ بھی اسی کی طرح دل کش تھی...... اس کا سراپا بھی بہکا دینے والا تھا۔ اس کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی ہوگی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"وہ کل تین بدمعاش تھے جو مجھے اغوا کر کے ایک مکان میں لے گئے...... وہ مسلح تھے...... دو کے پاس چاقو اور ایک کے پاس پستول تھا...... پستول والے نے پستول کی نال

میری کنپٹی پر رکھ کر کہا "باس کا حکم ہے کہ تمہیں ہر قیمت پر جزیرے پر لایا جائے...... وہ بڑا غضبناک ہو رہا تھا۔ غصے میں بھی تھا کہ تم فرار ہونے میں کامیاب کیسے ہو گئیں...... تمہیں وہاں چل کر فلم میں اپنا کام مکمل کرنا ہے...... اس کی ریہرسل کرنا ہے...... ذرا ہم یہ جام پی لیں...... ویسے جان من...... اس فلم میں حقیقت کا رنگ بھرنا اور جان ڈالنا ہے...... ویسے تمہیں دیکھ کر نشہ طاری ہو رہا ہے......" وہ نہ جانے کیا کیا بکواس کرنے لگا تھا...... فحش لغو...... اور بے ہودہ قسم کے اشارے...... میں نفرت اور غصے سے اندر ہی اندر کھولتی رہی

پھر وہ تینوں شراب پینے لگے...... ان دونوں نے دو دو جام پیے۔ ان پر نشہ طاری ہونے لگا...... سرغنہ اٹھا تا کہ مجھے دبوچ کر ریہرسل شروع کر دے...... دو قدم بھی نہیں چلا تھا کہ لڑکھڑا کر فرش پر گرا۔ وہ دونوں بھی نشے میں تھے اور ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے۔ میں نے شراب کی بوتل اٹھائی۔ وہ بڑی مضبوط تھی۔ پہلے تو میں نے پوری طاقت سے اس کی کھوپڑی بجادی...... اس کا سر کھل گیا اور خون بہنے لگا...... وہ بے ہوش ہو گیا...... پھر میں نے دوسرے اور تیسرے کا بھی باجا بجادیا...... وہ دونوں بھی زخمی ہو گئے...... اور پھر مجھے اپنا ہوش نہیں رہا۔ مجھے دوپٹا لینا یاد نہیں رہا۔ باہر آئی تو دیکھا کہ زبردست موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ میں جدھر منہ اٹھا ادھر بھاگی...... بارش میں بھیگتی گئی۔ جب میں مین روڈ پر آئی تو ایک موٹر سائیکل آ کر رکی۔ اسے ایک تیس برس کا مرد چلا رہا تھا...... اس نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور بولا کہ...... شریمتی کہاں جا رہی ہیں...... اس تیز بارش میں...... کیا سواری کی تلاش میں......؟ آپ تو پوری طرح بھیگ چکی ہیں...... پہلے...... میں آپ کو آپ کے گھر پہنچا دوں...... جب میں بیٹھ گئی تو اس نے کہا کہ میری کمر میں ہاتھ ڈال کر مجھے مضبوطی سے پکڑ کر بیٹھ جائیں...... کیوں کہ اس تیز بارش میں امکان ہے کہیں آپ پھسل نہ جائیں...... پھر وہ قہقہہ مار کر ہنسا...... کیوں نہ آپ میرے غریب خانے چلیں...... میری بیوی اپنے میکے گئی ہوئی ہے...... آپ میرے گھر چل کر یہ کپڑے اتار دیں۔ میں آپ کو اپنی پتنی کا اچھا لباس پہننے کے لئے دیدوں گا...... میں کافی بھی پلاؤں گا...... بارش میں مرد اور عورت کا مزا اور کیف اور ہی ہوتا ہے...... اس وقت میں نے ایک گاڑی کو تیزی سے گزرتے دیکھا۔ اس میں اندر روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے تینوں کو گاڑی میں دیکھا تو میرا خون منجمد ہو گیا۔

جب وہ گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے اسکوٹر والے کو رکنے کے لئے

کہا......اس نے گاڑی روک کر پوچھا کہ کیا بات ہے جان! کیا گھر چل کر دل خوش نہیں کرو گی......؟ میں نے اس سے جھوٹ موٹ کہا کہ میرا گھر اس گلی میں ہے......اس نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر فاصلہ کم کر کے کہا کہ تم جھوٹ بول رہی ہو......تمہارے کپڑے بھیگ تو گئے......لیکن اس نے تمہیں شعلہ مجسم بنا دیا ہے...... بے لباس لگ رہی ہو......اس نے میرے چہرے پر جھک کر مجھے چومنا چاہا تو میں نے دونوں ہاتھ سے اس کو اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ اپنا توازن قائم نہ کر سکا۔ وہ سڑک کے کنارے گر گیا......اس کے سر پر شاید بڑے زور کی چوٹ لگی تھی۔ وہ جلد اٹھ نہ سکا۔ میں مخالف سمت دوڑی...... چند قدم طے کئے ہوں گے کہ بدمعاشوں کی گاڑی جو مخالف سمت سے آ رہی تھی اس کی ہیڈ لائٹس میں نہا گئی...... وہ چیخے کہ رک جاؤ......گاڑی کو انہوں نے بریک لگا کر روکنے کی کوشش کی تو الٹ گئی۔ پھر میں سامنے والی گلی میں گھس کر دوڑنے لگی۔ پھر میں نے کچھ دیر بعد ان کی آوازیں سنیں......اس گلی میں گئی ہے۔ پھر میں نے آپ کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔“

”تم بڑی بہادر لڑکی ہو......“ ٹائیگر نے کہا۔ ”میں اور کافی بنا لاتا ہوں...... ویسے تم بڑے اچھے موقع پر ملیں......“

”کیا آپ مجھ سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں......؟ اگر ایسا ہے تو میں تیار ہوں۔“

”لیکن میں سننا چاہوں گا کہ اس شیطان صفت درندہ کے جال میں کیسے پھنسیں......؟ اور کیسے فرار ہوئیں......؟“

”وہ کس لئے......؟“

”اس لئے کہ میں اسے صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتا ہوں۔“ ٹائیگر نے کہا۔ ”میں تم سے اس کے ٹھکانے کے بارے میں سننا چاہوں گا......اس لئے کہ تم وہاں سے فرار ہو کر آئی ہو۔ مجھے تم سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔“

”مجھ سے جو بھی مدد، تعاون اور رہنمائی ہو سکتی ہے وہ میں ضرور کروں گی......“ اس نے جواب دیا۔ ”اگر اس شیطان درندہ صفت کو موت کی نیند سلانا ہو تو میں ساتھ چلنے کو بھی تیار ہوں۔“

”میں تنہا یہ کام انجام دوں گا......“ ٹائیگر بولا۔ ”ویسے تمہاری پیش کش کا بہت بہت

شکریہ......میں کافی بنا لاؤں۔ پھر میں تمہاری کہانی تمہاری زبانی سنوں گا کہ تم اس جزیرے پر کیسے پہنچیں؟“

نہیں......نہیں...... میں کافی بناؤں گی۔ میں بہت اچھی کافی بناتی ہوں۔ دودھ تو ہوگا؟“

ٹائیگر اسے باورچی خانے میں لے گیا۔ فریج میں سے اس نے کافی کے لئے جو دودھ نکال کر گرم کیا تھا ابھی وہ باہر ہی تھا۔ پھر اس لڑکی نے کافی بنائی۔ کافی بہت اچھی اور ذائقہ دار بنائی تھی۔ ٹائیگر سے اچھی...... جو کہ مزا دینے لگی۔ لڑکی نے کافی پیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”میرا نام بملا کماری ہے۔ میں میسور یونیورسٹی میں انگلش لٹریچر میں ایم اے کر رہی ہوں۔ سال دوم میں ہوں۔ میرے پتا جی ایک نجی فرم میں سپروائزر ہیں۔ ماتا جی ایک انگلش میڈیم اسکول میں ہیڈ مسٹریس ہیں۔ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔ میں اس شیطان درندہ صفت کے جال میں جو پھنسی اس میں میرا اپنا دوش ہے۔

چوں کہ میں آپ کو اپنا مہربان، دوست اور محسن اور پرخلوص ساتھی سمجھ رہی ہوں اس لئے آپ کو جو کچھ بھی بتاؤں گی وہ بالکل سچ سچ ہوگا۔ آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ یونیورسٹی میں میرا شمار دو ایک حسین لڑکیوں میں ہوتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں اور ہم جماعت میرے حسن کے شیدائی ہیں۔ حقیقت میں میرا جیسا حسن کسی بھی لڑکی کا نہیں ہے۔ میں دو برس سے بیوٹی کوئین کا خطاب پا رہی ہوں۔ میں شو بزنس کی دنیا میں جانے کے لئے رقص و موسیقی کی تربیت بھی حاصل کی ہوئی ہوں۔ ماتا پتا جی کی ایک ہی شرط ہے کہ میں گریجویشن کرنے کے بعد شو بزنس میں جاؤں یا شادی کر کے گھر بسا لوں۔

میں اپنے حسن و جمال کی تعریفیں......لڑکوں کے عشقیہ خطوط......فون......ایس ایم ایس نے میرے اندر پندار حسن میں اضافہ کر دیا تھا...... میں نے یونیورسٹی کے سالانہ اور درمیان میں جو ورائٹی شو ہوتے تھے ان میں اور شہر میں ہونے والے ورائٹی شو میں مجھے مدعو کیا جاتا تھا......میں ایک فلمی اداکارہ کی طرح اس میں بولڈ سانگ آئٹم کرتی تھی...... فلمی رسائل وجرائد میری رنگین تصویر چھاپتے تھے جن میں عریانیت ہوتی تھی۔ جس نے مجھے بڑی شہرت بخشی......ٹی وی اور کرناٹک فلم انڈسٹری کے ممبئی فلم انڈسٹری سے بھی مجھے فلموں میں کام

کرنے کی پیشکش کی گئی۔ میں نے اپنے والدین کی شرط کی وجہ سے ان کی آفر ٹھکرا دینے پر مجبور تھی۔ دل کرتا تھا کہ تعلیم کو خیر باد کہہ دوں۔

میں جو لباس پہنتی تھی وہ بے حجاب ہوتا تھا۔ اس میں میرا نہیں بلکہ ماحول کا اثر تھا جو بڑی تیزی سے بدلتا جا رہا تھا...... میری ماں مجھے ٹوکتی تھی کہ تم حد سے زیادہ فیشن پرست ہوتی جا رہی ہو...... وہ ایک پرانے دقیانوسی خیالات کی اور پرانی ڈگر پر چلنے والی عورت ہیں۔ حالاں کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور شہر کے سب سے بڑے انگلش میڈیم اسکول کی ہیڈ مسٹریس ہیں۔ میں ان کی باتیں سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا کرتی تھی۔

ایک روز ایسا ہوا کہ میں ایک سہیلی کی سالگرہ کی تقریب میں گئی۔ اتفاق سے میری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ مجھے ایک خالی ٹیکسی کھڑی نظر آئی۔ میں اس میں سوار ہو گئی۔ ٹیکسی کچھ دور ہی گئی تھی کہ کسی خرابی کے سبب بند ہو کر رک گئی۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور اس کا بونٹ اٹھا کر انجن دیکھ رہا تھا کہ ایک گاڑی آ کر رکی...... اس میں چار بدمعاش تھے۔ ایک اسٹیئرنگ پر بیٹھا تھا۔ اس میں سے تین بدمعاش اترے چشم زدن میں دونوں طرف کے دروازے کھول کر ٹیکسی میں گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے میرے منہ پر کلورو فارم میں بھیگا رومال رکھ دیا۔ پھر مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ میں بے ہوش ہو گئی۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک موٹر بوٹ کے کیبن میں پایا...... موٹر بوٹ ایک نہر کی سی دریا سے اور گھنے تاریک جنگل سے گزر رہی تھی۔ میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اس موٹر بوٹ میں ایک چھوٹا سا کیبن تھا۔ اس میں جو بستر تھا وہ صرف دو آدمیوں کے لئے تھا...... اس موٹر بوٹ پر وہی تین بدمعاش سوار تھے جنھوں نے مجھے اغوا کیا تھا۔ ان میں سے ایک موٹر بوٹ چلا رہا تھا۔ دو کیبن میں موجود تھے۔ جب موٹر بوٹ تاریک جنگل سے نکلی تو دن کی روشنی میں آ گئی۔ ان کے چہرے مہرے اور وضع قطع ظاہر ہو گئے تھے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ ”تم لوگ کون ہو اور مجھے اغوا کر کے کہاں لے جا رہے ہو......؟“

ان میں سے ایک نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

”اپنے باس پروڈیوسر کے پاس...... وہ تمہیں اپنی فلم میں ہیروئن لیں گے...... وہ خود

ہیرو ہوں گے...... اس کے بعد ہم اور وہاں جو دو ایک اداکار ہوں گے وہ بھی اس فلم میں پارٹ کریں گے۔“

”کیا فلم اسٹوڈیو جنگل میں واقع ہے......؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں......“ وہی بدمعاش بولا۔ ”اسٹوڈیو جدید ترین ساز و سامان سے آراستہ ہے...... ایسا اسٹوڈیو اور کیمرے تم نے دیکھے نہیں ہوں گے۔ تم دیکھو گی تو حیران اور خوش بھی ہو جاؤ گی۔“

”یہ میرے ہاتھ پیر کیوں باندھے گئے ہیں؟“

”اس لئے کہ تم چڑیا کی مانند اڑ نہ جاؤ......“ اس نے جواب دیا۔ ”ہم باس کے حکم سے تمہیں لے جا رہے ہیں...... باس کا حکم تھا کہ اسے ایک قیدی کی طرح لے آنا......“

”جہاں تم مجھے لے جا رہے ہو...... وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے؟“

”دو گھنٹے کی مسافت پر...... وہ ایک چھوٹا سا مگر سرسبز و شاداب جزیرہ ہے...... نہایت خوب صورت ہے اور کچھ چھوٹی بڑی جدید طرز کی عمارتیں بھی بنی ہوئی ہیں۔ جن کے بارے میں یہاں سے باہر والوں کو کوئی خبر نہیں ہے۔“

”تمہارا باس کیسی فلمیں پروڈیوس کرتا ہے......“ رومانی، جاسوسی یا ایڈونچر قسم کی......؟“

”رومانی اور نہایت جذباتی......“ دوسرے بدمعاش نے ہنس کر کہا۔ ”اس فلم کی خوبی اور انفرادیت یہ ہے کہ اس میں کاسٹیوم بالکل بھی نہیں ہوتا ہے۔ لباس کی ضرورت اور تکلف نہیں کیا جاتا ہے...... یہ فلمیں مخصوص اور ممنوعہ ہوتی ہیں...... گو کسی سینما ہاؤس میں چلائی نہیں جاتی ہیں۔ لیکن وہ ٹی وی پر دیکھی جاتی ہیں...... ان کی نہ صرف ہندوستان میں بلکہ امریکہ، یورپ اور خلیج میں بھی بڑی مانگ ہے...... ایسی فلم کی عکس بندی کے لئے آپ جیسی ہیروئن...... آپ جیسے چہرے اور بدن کی ہیروئن کی ضرورت ہوتی ہے......“

”کیا......؟“ میں بھونچکی سی ہو گئی۔ میری رگوں میں لہو منجمد ہو گیا۔ ”بلیو فلم......؟“

”آپ خوب سمجھیں...... بڑی سمجھ دار بھی ہیں......“ وہ دونوں ہنس پڑے۔ ”ہم تینوں کئی فلموں میں اپنا اپنا کردار خوب نبھا چکے ہیں...... کوئی فلم ایسی نہیں جس میں ہم نے کام نہ کیا ہو......؟“

یہ تینوں بدمعاش وہ نہیں تھے جن کے چنگل سے نکل کر آئی ہوں۔ میں اپنے بے ترتیب لباس اور بکھرے بالوں سے محسوس کیا کہ ان تینوں حرام زادوں نے میری بے ہوشی سے فائدہ اٹھا کر خوب من مانیاں کی ہیں...... تاہم میں نے خوف زدہ ہونے کے بجائے سوچا کہ میں فرار کا منصوبہ بناؤں...... کیبن میں جو کھڑکیاں ہیں ان سے گردوپیش کا جائزہ نہیں لے سکتی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ کیبن میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مجھے عرشہ پر لے چلو۔ ان میں سے ایک نے مجھے اپنی گود میں اٹھالیا۔ پھر عرشہ پر لے آئے۔

میں نے کچھ نشانیاں ذہن میں نقش کرلیں۔ پھر میں نے وہ جزیرہ دیکھ لیا جو گھنے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس جزیرے پر جو عمارتیں ان درختوں کے عقب میں تھیں اس لئے دکھائی نہیں دیں...... البتہ کنارے میں نے کچھ کشتیاں دیکھیں۔ دل خوش ہوگیا کہ میں ان کی مدد سے فرار ہوسکتی ہوں۔ جب میں نے جزیرے پر قدم رکھا اور ایک عمارت کی طرف قدم بڑھایا تو مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اس جزیرے پر خون خوار شکاری کتے ہیں جن کی جسامت شیر سے بھی زیادہ ہے...... ان کتوں کو دیکھ کر نہ صرف میرا خون خشک ہوگیا بلکہ جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ پھر میں ہمت ہارنے لگی۔ پھر ایک خیال آیا کہ ان سے نجات پانے کی کوئی تدبیر سوچی جاسکتی ہے...... صرف کشتیوں تک پہنچنے کی بات ہے۔

پھر مجھے اس شیطان درندہ صفت کے سامنے پیش کیا گیا...... وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا......

"میری جتنی بھی فلمیں بن کر ریلیز ہوئی ہیں...... سی ڈیز بنی ہیں...... ان میں ایک بھی ہیروئن کا ایسا چہرہ اور جسم نہیں ہے......

پھر مجھے آرام کرنے اور نہا کر تیار ہونے کے لئے ایک کمرے میں بھیج دیا گیا۔ اس کمرے میں چار لڑکیاں موجود تھیں۔ نوجوان اور نہایت حسین اور پرکشش بھی...... ایک چھتیس برس کی عمر کی عورت بھی تھی۔

اس عورت نے مجھ سے کہا اور بتایا کہ اس شیطان کی ہر بات ماننا ہوگی۔ انکار اور ضد نہیں چلے گی۔ وہ کمینہ اپنی ہر بات منوا کر رہتا ہے۔ درندہ صفت ہے۔ راتیں اس کی نذر کرنا پڑتی ہیں...... تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا...... سوچ لو...... عزت یا موت......"

رات کو مجھے اس کی خواب گاہ میں اس کے بستر کی زینت بنا پڑا۔ اس نے صاف

صاف کہہ دیا تھا کہ تم نے میری کوئی بات نہیں مانی تو میں تم پر بھی کتوں کو چھوڑ دوں گا...... پھر میں نے تین دن تک اس کی بات مانی...... چوتھے دن ایک فلم میں تین مردوں کے ساتھ کام کرنا پڑا...... میں اور سہیلوں اور ہم جماعت لڑکیوں نے ممنوعہ فلمیں دیکھی ہوئی تھیں...... سچی بات تو یہ ہے کہ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں اور کسی کے ہاں دیکھتی رہتی ہیں۔ کبھی خواب و خیال میں سوچا بھی نہیں کہ کبھی خود ایسی فلموں میں کردار بن جائیں گی۔

چوتھے دن رات بارہ بجے وہ کسی نئی لڑکی کے ساتھ خواب گاہ میں تھا۔ اس وقت موسلا دھار بارش ہورہی تھی۔ میں نے ساتھی لڑکیوں سے فرار ہونے کے لئے کہا...... لیکن کتوں کے خوف سے کوئی بھی تیار نہ ہوئی...... لیکن میرے ذہن میں آئی کہ اس تیز بارش میں کتے ایک کمرے میں بند ہوں گے...... صرف بارش سے ڈرتے ہیں...... میں نے کچن سے کھانا...... بسکٹ اور ایک چھری لی۔ فلاسک میں چائے بھری اور پانی کی بوتل فریج سے نکالی...... یہ سارا سامان گلاس ایک تھیلے میں رکھ لیا۔ جیسے پکنک پر جارہی ہوں۔ پھر ایشور کا نام لے کر میں ساتھیوں سے رخصت ہوکر ڈاک کی طرف اندازے سے بڑھی جہاں کشتیاں خشکی پر کھڑی تھیں۔

پھر میں دھڑکتے دل اور کانپتے قدموں سے ڈاک کی طرف اندازے سے بڑھی۔ اندھیرا ایسا گھپ تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ کچھ ڈاک کا اندازہ نہیں ہورہا تھا...... دوسری طرف شکاری کتوں کا خوف و دہشت طاری تھی۔ لیکن میں نے حوصلہ نہیں ہارا۔ بھگوان کا کرنا ایسا ہوا کہ آسمان پر پل بھر کے لئے بجلی چمکی۔ اس کی روشنی نے میری رہنمائی کی۔ میں ڈاک پر پہنچی۔ اس وقت ٹارچ کی کمی محسوس ہوئی۔ پھر دوبارہ بجلی چمکی تو میں نے اپنے سامنے ایک کشتی دیکھی۔ وہ کشتی بالکل اس کشتی کی مانند تھی جس میں مجھے اغوا کر کے لایا گیا ہوا تھا۔

کشتیوں کے بارے میں میری معلومات وسیع تھیں اور میں کشتی چلانے کا تجربہ بھی رکھتی تھی...... میں کشتی پر سوار ہوگئی۔ پھر بجلی چمکی...... جب میں نے زنجیر ہٹائی تو چوں کہ دریا میں طغیانی تھی کشتی چل پڑی...... چنائے شہر میں میرے چچا کی لانچیں، کشتیاں اور کارگو جہاز بھی ہیں...... ہم برس میں دو ایک مرتبہ جاتے تو کشتی رانی جی بھر کے کرتے تھے۔ میری کزن آشا نے مجھے کشتی چلانے کی تربیت دی ہوئی تھی۔ اس لئے میری معلومات وسیع تھیں۔

میرے ایک ہاتھ میں تھیلا اور دوسرے ہاتھ میں چھری ابھی بھی تھی کہ کسی چوکی دار یا کتے نے حملہ کیا تو اسے بھونک دوں۔ میں کیبن کی طرف بڑھی۔ اندر داخل ہوتے ہی کسی نے مجھے دبوچ لیا۔ میرا سینہ دھک سے ہوکر رہ گیا...... اچھا تو فرار ہوکر جارہی ہو...... مجھے خوش کئے بغیر...... یہ مردانہ کرخت آواز تھی...... شیطان درندہ صفت نے اپنے جزیرے پر قاتلوں، مجرموں اور شقی القلب اور درندہ صفت آدمیوں کو رکھا ہوا تھا۔ میں نے خود پر قابو پاکر اس سے میٹھے لہجے میں کہا کہ میرے کپڑے بھیگ چکے ہیں...... انہیں اتارنے دو...... اس نے کہا کہ میں اتار دیتا ہوں...... یہ کہہ کر مجھے اپنی گرفت سے آزاد کردیا...... پھر اس نے کیبن میں روشنی کردی...... میں نے فوراً ہی چھری اس کے سینے میں گھونپ دی...... وہ ایک چیخ مار کر دہرا ہوا۔ کیبن سے باہر آ گیا...... پھر میں نے دوسرا وار اس کی پشت پر کردیا۔ اس نے اپنا سینہ پکڑ لیا تھا۔ پھر وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ میں نے پھر فوراً ہی کشتی کو اس کے بوجھ سے آزاد کردیا۔ اس کی لاش کسی نہ کسی طرح گھسیٹ کر پانی میں گرادی۔

پھر میں نے کپڑے اتار کر نچوڑ کر ایک طرف سوکھنے کے لئے رکھ دیئے...... تھوڑی دیر بعد بارش تھمنے لگی۔ میں نے کشتی کا انجن اسٹارٹ نہیں کیا...... اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس نہیں ہوئی تھی کہ وہ بہاؤ پر چلی جارہی تھی...... میرے ذہن میں اس شیطان کی باتیں تازہ ہورہی تھیں...... اس نے مجھ سے کہا کہ اس کے آدمی اس کے لئے حسین لڑکیوں کی تلاش میں رہتے ہیں...... تمہارے حسن کا بڑا چرچا سنا اور تصویریں بھی اس کے آدمی نے بھیجی تھیں۔ میں نے انہیں حکم دیا کہ جتنا جلد ہوسکے مجھے اغوا کرکے پہنچادیا جائے۔

بارش رات دو تین بجے کے لگ بھگ رک گئی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ بادل چھٹنے لگے۔ کوئی ایک گھنٹہ بعد مطلع بالکل صاف ہوچکا تھا۔ لیکن میرے کپڑے ابھی سوکھے نہیں تھے۔ اس لئے مجھے بے لباسی کی حالت میں کپڑے سوکھنے تک رہنا تھا۔ چوں کہ کوئی مجھے اس حالت میں دیکھنے والا نہیں تھا۔ اس لئے میں بے نیازی سے کھڑی تھی...... پانی کے بہاؤ اور طغیانی میں کمی آتی گئی تو کشتی کی رفتار میں بھی فرق آنے لگا۔ وہ رک رک کر چل رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کہاں جارہی ہوں...... کیا اپنی منزل کی طرف...... دن کی روشنی میں اپنی منزل کا تعین کرلیتی...... گھپ اندھیرا تھا، میں نے جب تاریک جنگل دیکھا اور اب اس بات کا کوئی ڈر خوف نہیں رہا کہ شیطان کا کوئی بدمعاش میرے تعاقب میں آرہا ہے۔ کشتی

کے انجن کی آواز سے پتا چل جاتا کہ میرا تعاقب کیا جارہا ہے۔ میں نے نہ صرف اس کی ہیڈ لائٹ روشن کردی بلکہ اس کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

اس کشتی کے کیبن میں ایک ایئر گن بھی تھی جو بھری ہوئی تھی۔ ایک طاقت ور ٹارچ بھی تھی۔ میرے دل کو تقویت سی ہوئی کہ کسی نے میرا تعاقب کیا تو میں اس ایئر گن سے اس کے پرخچے اڑادوں گی۔ میرے لئے یہ ایک سہارا اور ساتھی بن گئی تھی۔

کشتی کی روشنی اندھیرے کو چیرتی ہوئی جارہی تھی...... میں بالکل بھی پریشان اور خوف زدہ نہیں تھی...... لیکن میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات کی یلغار تھی...... ایک خلش میرے سینے میں کسی خنجر کی طرح پیوست ہوگئی تھی کہ میرے ہاتھوں سے ایک خون ہوگیا...... اس شخص کا جس نے مجھے کشتی میں دبوچ لیا تھا...... میں نے اپنی عزت بچانے کے لئے اسے قتل کیا تھا یا اپنی جان بچانے کے لئے...... لیکن میرے پاس اب عزت رہی تھی کہاں......؟ وہ شیطان صفت درندہ پورے تین دن اور تین راتیں مجھے کھلونا بنائے رہا تھا...... اس لمحے میں بڑے دکھ سے اور جذباتی ہوکر سوچ رہی تھی کہ...... کاش...... میں نہایت حسین نہ ہوتی...... اب احساس ہورہا تھا کہ وہ لڑکیاں واقعی بڑی خوش نصیب واقع ہوئی ہیں جو عام قسم کی اور بے کشش ہوتی ہیں...... کوئی ان کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا ہے...... مجھے اغوا میرے حسن اور پرکشش ہونے کی وجہ سے کیا گیا......

میں اب اپنی نظروں میں ہی رسوا ہوگئی تھی...... ذلیل اور حقیر ہوگئی تھی...... گرگئی تھی...... میرے گھر والے میری پراسرار گمشدگی سے کس قدر پریشان اور فکر مند ہوگئے ہوں گے...... میری ماتا جی سچ کہتی تھیں کہ میری بے حیائی...... بے شرمی اور بے حجابی ایک دن مجھے کسی قابل نہ رکھے گی...... میں کیا منہ لے کر جارہی ہوں......؟ کیا دنیا والوں کو منہ دکھا سکوں گی......؟ کیا مجھ پر انگلیاں نہیں اٹھیں گی......؟ کیا میرے لئے یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں پانی میں چھلانگ لگادوں...... خودکشی کرلوں...... لیکن میں ابھی مرنا نہیں چاہتی تھی......

جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کپڑے ابھی نم آلود ہیں۔ انہیں دھوپ کی ضرورت ہے۔ میں نے عرشہ پر کپڑے پھیلا دیئے...... اس وقت سورج چمک رہا تھا...... ہر طرف اجالا تھا۔ میں تاریک اور گھنے جنگل سے نکل کر کھلی جگہ پر تھی...... تاحد نگاہ تک کسی کا نام و

نشان نہیں تھا۔ میں چاہ رہی تھی کہ جلدی سے کپڑے سوکھ جائیں...... کہیں سے کوئی کشتی نہ نکل آئے اور مجھے اس حالت میں دیکھ لیا جائے...... میں نم آلود کپڑے اور اس لئے پہننا نہیں چاہتی تھی کہ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ نمونیہ ہونے کا خطرہ تھا۔

میں کشتی میں جا رہی تھی۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ کنارے کی جھاڑیوں کے عقب سے دور بین سے مجھے کوئی واچ کر رہا ہے۔ میں عرشہ پر اسٹیئرنگ تھامے کھڑی کشتی کی رفتار کو قابو میں کئے ہوئے تھی...... جن جھاڑیوں کے پیچھے سے مجھے دیکھا جا رہا تھا وہ مخالف سمت تھیں، اور کشتی اور جھاڑیوں کا درمیانی فاصلہ نصف فرلانگ تھا۔ جب فاصلہ کم ہو گیا تب اس کی اوٹ سے ایک شخص نکلا اور نہایت تیزی سے کشتی کی طرف بڑھا...... اس سے پہلے کہ میں کشتی کی رفتار بڑھاتی وہ اسی کی سیڑھی سے اوپر آ گیا۔

میں کپڑے اٹھا کر کیبن کی طرف لپکی۔ لیکن اس نے کیبن میں مجھے آ لیا...... وہ دراز قد...... مضبوط کسرتی بدن کا تھا...... اس نے صرف نیکر پہنی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے دبوچ لیا۔

''کہیں میں سپنا تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔ ''میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ بن مانگے خزانہ مل گیا۔''

''مجھے چھوڑ دو......'' میں اس کے بازوؤں میں کسمساتی ہوئی ہذیانی لہجے میں چیخی۔

''یقین نہیں آ رہا ہے کہ حقیقت بھی سپنے سے کہیں حسین اور رنگین ہو سکتی ہے۔'' اس نے اپنی کرخت اور بھونڈی آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں شیطنیت ناچ رہی تھی۔

میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی غرض پوری کرنے اور دل کے ارمان نکالنے سے باز نہیں آئے گا۔

چھری کیبن میں پڑی تھی...... اس تک رسائی آسان نہ تھی...... وہ ایک ایسا ہتھیار تھا کہ جس سے میں نے ایک قتل کیا تھا...... اب دوسرا قتل ہونے والا تھا...... مجھے اس کی گرفت اور من مانی سے نکلنے اور کیبن کے اندر لے جانے کے لئے عشوہ اور خود سپردگی اور من مانیوں سے کام لینا تھا۔ یہ عورت کے ہتھیار ہوتے ہیں...... وہ نہتہ تھا...... مسلح نہ تھا۔ میں با آسانی اس پر قابو پا سکتی تھی...... زیر کر سکتی تھی اور موت کی نیند سلا سکتی تھی۔

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اور اسے مستی بھری نظروں اور خود سپردگی سے پیش

آتی ہوئی بولی۔

''تم کتنے خوب صورت...... وجیہہ اور جوان ہو...... کیبن کے اندر چلو...... کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی کشتی آ نکلے اور ہمیں پیار و محبت کی حالت میں دیکھ لے...... میں عورت ہوں...... مجھے یہاں بڑی شرم آ رہی ہے......''

وہ مجھے گود میں اٹھا کر لے گیا۔ بستر پر لٹا دیا۔ چھری میز پر رکھی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''دروازہ تو بند کر دو......''

وہ دروازہ بند کرنے بڑھا تو میں نے فوراً ہی اٹھ کر چھری اٹھا لی...... یہ چھری عام چھریوں کے مقابلے میں بڑی لمبی تھی...... اس کی تیز دھار بڑی خوف ناک تھی...... یہ کسی بھی درندے کی گردن گاجر مولی کی طرح کاٹ سکتی تھی۔

''دروازہ بند کرنے کی ضرورت نہیں......'' میں نے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

میرا لہجہ اور تیز آواز سن کر وہ تیزی سے گھوما...... میرے ہاتھ میں چھری دیکھ کر ایک دم سے اچھل پڑا...... اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

میں نے اس کے تیور سے اندازہ کر لیا کہ وہ مجھ پر جھپٹے اور دبوچ کر قابو میں کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے دھمکی دی۔

''تم کوئی حماقت نہ کرنا...... زندگی چاہتے ہو تو پانی میں چھلانگ لگا دو...... ورنہ تمہارا پیٹ پھاڑ دوں گی۔''

وہ ایک لمحے تک میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھورتا رہا...... اس کے چہرے پر نفرت اور غصے کے تاثرات ابھر آئے...... اس نے اچانک مجھ پر جست لگائی۔ چوں کہ میں چوکنا اور مستعد تھی۔ چھری کی لمبائی ٹھیک ٹھاک تھی۔ میں پھرتی سے ایک قدم پیچھے ہٹی...... اس کا ہاتھ چھری کی دھار پر پڑا۔ اس کے ہاتھ کی انگلیاں اور انگوٹھا دھار کی زد میں آ کر کٹ گیا...... انگوٹھا اور انگلیاں کٹ کر لٹک گئیں۔ ان میں سے خون بہنے اور ٹپکنے لگا۔

اس نے ایک دل خراش چیخ ماری...... اس پر دہشت طاری ہو گئی۔ جب میں نے

چھری لہراتی اس کی طرف بڑھی تو وہ کیبن سے نکل کر دوڑا اور اس نے پانی میں چھلانگ لگادی۔ چھپاک کی آواز سناٹے میں گونجی۔

میں نے فوراً ہی اسٹیئرنگ سنبھال کر کشتی کی رفتار بڑھادی۔ دوسرے لمحے میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ تیزی سے تیرتا ہوا کنارے کی طرف جارہا تھا۔ کشتی کی تیز رفتاری کے باعث اس کے اور میرے درمیان فاصلہ بڑھتا جارہا تھا۔ پھر وہ ایک دھبا سا بن کر غائب ہوگیا۔

میں نے کشتی کی رفتار بہت ہی کم کردی۔ جلد ہی کیبن میں جاکر کپڑے پہنے جو سوکھ چکے تھے...... میں پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کہ میری بے حیائی، بے شرمی اور بے حجابی نے مجھے یہ دن دکھایا۔

پھر میں جب کیبن سے نکل رہی تھی میری نگاہ خون کے دھبوں پر پڑی...... جو اس مردود کی زخمی انگلیوں اور انگوٹھے کے خون تھے...... میں نے صافی ڈنڈا اٹھایا۔ اسے پانی میں بھگوکر خون کے دھبے صاف کردیئے۔

ابھی مجھے دو ایک گھنٹے کی مسافت طے کرنی تھی۔ یہ کشتی نہایت جدید اور تیز ترین رفتار کی تھی۔ بڑی قیمتی تھی۔ امریکی ساخت کی تھی...... ٹورسٹ گائیڈ کے دفتر پر اترنا نہیں چاہتی تھی۔ کیوں کہ مجھ سے وہاں کا عملہ اس کشتی کے متعلق سوالات کرتا...... میں بتانا نہیں چاہتی یہ کشتی کس کی ہے اور میں کہاں سے فرار ہوکر آئی ہوں۔ میں کون ہوں اور کس کی بیٹی ہوں۔

پھر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ٹورسٹ گائیڈ آفس سے ایک میل قبل اتر جاؤں گی۔ پھر وہاں سے کسی سڑک پر آجاؤں گی۔ یہ سوچ کر میں نے کشتی کو ٹورسٹ گائیڈ آفس سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر روک لیا۔

میں نے احتیاطاً بیگ اٹھالیا اور اس میں چھری اس خیال سے رکھ لی کہ آگے جانے کس قسم کے حالات سے واسطہ پڑے...... یہ چھری میری محافظ اور نگہبان ہوگی۔

میں کھیتوں، درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی آگے ہی بڑھتی رہی۔

ایک جھونپڑی کے عقب میں پہنچی تو میں نے ایک مردانہ آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''صبح چھ بجے باس آیا تھا......'' وہ کہہ رہا تھا کہ ''باس کا فون جزیرے سے آیا ہے...... جزیرے سے ایک لڑکی فرار ہوگئی ہے۔ اس کا نام سریتا ہے...... اس کے گھر جاکر دیکھو...... اگر وہ پہنچ گئی ہے تو اسے پھر اغوا کرلو...... اگر نہیں پہنچی ہے تو اس کے ماں باپ کو ختم

کردو...... اس کے پہنچنے کا انتظار کرو۔ وہ جیسے ہی پہنچے...... اسے اغوا کرکے جزیرے پر پہنچادو...... ہاں وہ ایک کشتی بھی لے کر فرار ہوئی ہے...... اس کشتی کو بھی تلاش کرو......''

یہ سن کر میرا بدن خوف ودہشت سے لرزنے لگا۔

☆......☆......☆

لیکن میں نے خود کو فوراً سنبھال لیا۔

میں نے جھونپڑی کی دیوار کی جھری سے جھانکا۔ اس کی دیوار چٹائیوں کی تھی۔ ان میں ان گنت جھریاں تھیں۔ ایک جھری قدرے بڑی تھی۔ میں نے اس میں آنکھ چپکایا...... یہ تینوں وہی بدمعاش تھے جنہوں نے مجھے اغوا کیا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہ نہ صرف میری تلاش میں تھے بلکہ میرے پتاجی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

وہ شراب نوشی کررہے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں ان سے کیسے بدلہ لوں...... انہیں کیفر کردار تک پہنچادوں...... میرے پاس ہتھیار تک نہ تھا...... میں نہتی تھی...... ماچس تک نہ تھی کہ اس جھونپڑی کو آگ لگادوں۔ اس کا حصول بھی ممکن نہ تھا...... ایک تو یہ جھونپڑی ویرانے میں تھی...... اور اس علاقے میں شاید کہیں کوئی دکان خاصی دور تھی میرے پاس پیسے نہ تھے جو میں خرید کرلاتی...... اور آگ لگادیتی مجھے بعد میں شناخت کرلیا جاتا......

پھر مجھے اچانک خیال آیا کہ کشتی کے کیبن میں چائے بنانے کا سامان موجود ہے۔ ایک اسٹو...... ایک کین جو کیروسین کا تھا اور ماچس بھی تھی...... چائے پتی...... خشک دودھ اور چینی...... اس خیال کے آتے ہی میں لپکی...... مجھے کشتی تک جانے اور واپس آنے میں نصف گھنٹہ لگ گیا۔ میں نے سوچا...... کہیں وہ چلے تو نہیں گئے...... لیکن میں نے جھری سے جھانکا۔ وہ ناشتہ کررہے تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

''ہمیں جلد سے جلد نہ صرف لڑکی کو تلاش کرنا ہے بلکہ اس کے باپ کو قتل کرنا ہے...... ورنہ مصیبت آجائے گی۔''

''لڑکی مل جائے تو موج بھی اڑانا ہے......'' دوسرے نے کہا۔ ''سنا ہے کہ باس نے تین دن خوب عیش کیے...... اب ہم بھی کریں گے تو باس کو اعتراض نہ ہوگا......''

''بھئی......! کیا غضب کی لڑکی ہے......؟ باس کا خوف نہ ہوتا تو میں اس پر ہاتھ صاف کر چکا ہوتا......'' تیسرا بولا۔ ''اس کا چہرہ، جسم اور...... سراپا نظروں میں گھوم رہا ہے......''

ان کی باتوں نے میری نس نس میں خون کھولا دیا...... پھر میں نے لمحے بھر کی تاخیر بھی نہیں کی...... کیروسین میں نے تینوں اطراف چھڑک دیا۔ پھر میں نے ایک سوکھی ٹہنی کو سلگایا...... پھر جہاں جہاں میں نے کیروسین چھڑکا تھا اسے آگ دکھادی...... پھر ٹہنی پھینک کر میں نے مین روڈ کی طرف دوڑ لگادی...... میں اندھادھند بھاگی۔

پھر میں نے سڑک کے قریب گھنے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر تنے سے پشت لگادی۔ میں نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ میری سانس سینے میں بری طرح پھولنے لگی تھی۔ میرا سینہ دھڑک رہا تھا۔ میرا بدن پسینے میں شرابور ہوگیا اور کپڑے بدن سے چپکنے لگے...... ایک دم سے شور اٹھا......

آگ...... آگ......

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ جھونپڑی شعلوں کی لپیٹ میں جل رہی تھی۔ اس وقت بارش کے آثار تھے۔ افق تا گھرے بادل چاروں سمتوں سے امڈ امڈ کر آرہے تھے۔ اس جھونپڑی کے باہر لوگ جمع ہو رہے تھے۔ مجھے کچھ اندازہ نہ تھا کہ ان بدمعاشوں کا کیا حشر نشر ہوا...... لوگ آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ویسے میرے خیال میں تھا کہ ان میں سے کوئی بدمعاش جل کر نہیں مرا تھا۔ جھلس ضرور گیا تھا۔

سڑک ویران اور سنسان پڑی تھی۔ دور دور تک کسی سواری کا نام ونشان نہ تھا۔ یہاں سے میرا گھر کافی دور تھا۔ میں نے بارش ہونے کے ڈر سے تیز تیز چلنا شروع کیا۔ اتفاق سے میں نے دو عورتوں کو دیکھا جو جلتے ہوئے مکان کو دیکھنے والوں کی بھیڑ سے نکل کر آرہی تھیں۔ ان میں ایک جواں سال اور دوسری بوڑھی تھی۔

جب میرے قریب سے گزرنے لگیں تو میں نے ان کا راستہ روک کر پوچھا۔

''کیا ہوا......؟ اس گھر کو آگ کیسے لگی......؟''

''کچھ معلوم نہ ہوسکا...... کوئی کہہ رہا تھا کہ اسٹو پھٹنے کی وجہ...... شاید کسی لڑکی نے آگ لگادی......'' بوڑھی عورت نے جواب دیا۔

''لیکن کوئی لڑکی کیوں آگ لگانے لگی......؟'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''شاید کوئی دشمنی ہوگی......'' جواں سال عورت نے درمیان میں کہا۔ ''ایک بوڑھے شخص نے ایک عورت کو اس مکان کے عقبی حصے میں دور سے دیکھا کہ تیل چھڑک رہی ہے...... تھوڑی دیر بعد اس نے ٹہنی جلا کر پھر مکان کو نذر آتش کر دیا...... بوڑھے نے بتایا کہ چوں کہ اس کی بینائی کمزور ہے اس وجہ سے وہ یہ دیکھ نہ سکا کہ وہ عورت کون ہے ویسے مشتبہ لڑکی کو تلاش کیا جارہا ہے...... لوگوں کے خیال میں وہ اسی محلے کی ہے۔''

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ''اس جھونپڑی میں کون رہتا ہے......؟ کیا وہ جل گئے۔''

''نہیں......'' بوڑھی عورت نے جواب دیا۔ ''چار دوست اس میں رہتے تھے...... وہ بری طرح جھلس گئے۔ ان کے بچنے کا امکان کم ہے...... وہ خطرے سے باہر نہیں ہیں...... ان کے دو تین دوست آگئے جو اپنے دوستوں کو اسپتال لے جارہے ہیں۔ انہوں نے اسپتال فون کر دیا ہے...... ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ جانتا ہے کہ یہ کس لڑکی کی حرکت ہے...... وہ اسے ایسا سبق دے گا کہ ساری زندگی یاد کرے گی۔ یہ پرانی دشمنی ہے جو اس لڑکی نے یہ حرکت کی......''

پھر وہ دونوں مخالف سمت آبادی کی طرف بڑھ گئیں...... ایک طرف یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ چاروں بدمعاشوں کو سزا مل گئی۔ میں نے ان سے بدلہ لے لیا۔ کیفر کردار کو پہنچادیا...... اب وہ بچنے سے رہے...... میرے سینے میں انتقام کی جو آگ تھی وہ ٹھنڈی ہوگئی...... یہ کمینے...... حرام زادے...... میرے باپ کو قتل کرنے اور مجھے تلاش کرنے والے تھے۔

دوسری طرف مجھے یہ دھڑکا لگ گیا کہ ان کا ساتھی مجھے تلاش کرنے کے لئے نکلنے والا ہے...... کیا اس نے مجھے دیکھ رکھا ہے......؟ وہ میری صورت سے آشنا ہے......؟ یہ چاروں بدمعاش جھلس گئے تھے وہ صرف مجھے جانتے تھے...... یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا...... میں تیز تیز چلنے لگی۔ میں نے بار بار پلٹ کر دیکھنا شروع کیا۔

میں نے اپنے عقب میں لپک کر ایک اسکوٹر کو تیزی سے آتے دیکھا۔ چوں کہ سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اس لئے اس نے بتی جلا رکھی تھی۔ اس لئے میں اس روشنی کی زد میں

آئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے اسکوٹر میرے پاس لا کر روک دی۔

''مس......! کیا آپ اس سنسان سڑک پر سواری تلاش کر رہی ہیں؟''

میں نے اسے دیکھا۔ وہ تیس برس کی عمر کا تھا......وضع قطع اور چہرے مہرے سے تعلیم یافتہ اور مہذب دکھائی دیا......اس کا لہجہ بھی شائستہ تھا۔

''جی ہاں......'' میں نے سر ہلایا۔ ''میں راستہ بھول گئی ہوں......''

''آیئے......میں آپ کو آپ کے گھر پہنچا دوں......میں شہر کی طرف جا رہا ہوں۔''

اس کی لفٹ لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا......اس لئے کہ وہ بدمعاش میری تلاش میں آ سکتا تھا۔ اس نے اسکوٹر کی رفتار تیز کر دی......آسمان پر کالے کالے گھرے بادل تیر رہے تھے۔ کسی بھی لمحے برس سکتے تھے۔ ابھی تھوڑی دور گئے ہوں گے۔ موٹی موٹی بوندیں پڑنے لگیں۔ اس نے موٹر سائیکل......مہاراجہ کالونی کے ایک مکان کے سامنے روک دی جو آبادی سے قدرے ہٹ کر تھا۔

''یہ میرا مکان ہے۔'' اس نے کہا۔ ''بارش شروع ہو چکی ہے۔ آپ میرے ہاں آ جائیں۔ جب بارش تھم جائے گی تب میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دوں گا......''

میں نے مکان پر تالا دیکھا تو ہچکچائی۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔

''کیا آپ مکان میں اکیلے رہتے ہیں......؟ بیوی بچے نہیں ہیں؟''

''جی نہیں......'' اس نے سر ہلایا۔ ''معلوم نہیں وہ بچوں کو لے کر کہاں چلی گئی......؟ شاید پڑوس میں یا پھر اپنی بیمار ماں کو دیکھنے گئی ہو گی......وہ آتی ہی ہو گی۔ کیوں کہ یہ میرے دفتر سے آنے کا وقت ہوتا ہے۔''

اس نے جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا......اس وقت آسمان برس پڑا۔ میں جلدی میں بلکہ سراسیمگی میں اپنا بیگ بھول آئی۔ اس میں چھری بھی تھی۔ وہ اپنا اسکوٹر اندر لے گیا۔ یہ ایک بڑا سا کمرا تھا۔ مجھے اندر کا اشارہ کیا۔ اس نے روشنی کر دی۔ میں بھی اندر داخل ہو گئی۔ اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگانے کے بجائے دروازہ بھیڑ دیا۔ پھر اندر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے روشنی کی تو میں بھی اندر داخل ہو گئی۔ یہ ڈائننگ روم تھا۔ وسط میں ایک کھانے کی میز تھی جس کے گرد چار کرسیاں تھیں۔ ایک شوکیس دیوار سے لگا تھا جس میں کانچ کی کراکری تھی۔ سامنے ایک ماسٹر بیڈ روم تھا۔ ڈائننگ روم کی روشنی اندر

جا رہی تھی۔ بیڈ کے سامنے ایک بہت بڑی سنگار میز تھی جس کے بڑے آئینے میں بیڈ نظر آتا تھا۔

اس نے جیب سے موبائل فون نکالا۔ نمبر ملا کر رابطہ ہونے پر بات کرنے لگا۔

''ڈارلنگ!......کہاں ہو تم......؟ میں گھر آ گیا ہوں......ایک شریمتی جی بارش سے پناہ لینے آئی ہوئی ہیں......جلدی سے آ جاؤ......پڑوس میں ہو تو بھیگنے کا کیا ڈر......اچھا......اچھا......دس پندرہ منٹ میں آ رہی ہو......میں اتنی دیر میں کافی بنا لیتا ہوں۔ دودھ کیا فریج میں ہے......؟''

وہ موبائل آف کر کے اپنے بیڈ روم میں رکھ کر آیا اور بولا۔

''میری بیوی پچھلی گلی کے مکان میں ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ پندرہ بیس منٹ میں بارش تھمنے لگے گی......میں اتنی دیر میں کافی بنا لوں......موسم بھی بارش بھی کافی پینے کا ہے......''

وہ اتنا کہہ کر باہر کے کمرے میں گیا۔ جہاں اسکوٹر کھڑی تھی۔ اس میں سے ایک بڑا سا چرمی بیگ نکال کر لایا۔ اسے میز پر رکھ کر اس کی زپ کھولی۔ اس میں سے ایک ویڈیو کیمرا......ڈیجیٹل کیمرا......اور ایک بڑا سا کیمرا نکالا......ایک بھورے رنگ کا لفافہ جو پھولا ہوا تھا۔ اس نے یہ سامان رکھنے کے بعد بیگ کی زپ لگا کر اسے شوکیس کے سائیڈ بورڈ کی دراز میں رکھ دیا۔

''کیا آپ کیمرا مین ہیں......؟'' میں نے نہ چاہتے ہوئے پوچھا۔

''میں ایک کمرشل فوٹو گرافر ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں شادی بیاہ اور ہر قسم کی تقریبات میں تصویر بناتا ہوں......میری ایک دکان کرشن نگر میں بھی ہے......دن میں جو گاہک آ کر تصویریں کھنچواتے ہیں گھر لے آتا ہوں۔ یہاں ان کے پرنٹ بناتا ہوں......تقریبات میں ڈیجیٹل کیمرے سے جو تصویریں کھینچتا ہوں ان کے بھی کئی پرنٹ بناتا ہوں۔ میں نے گھر میں ایک کمرے میں ڈاک روم بھی بنا رکھا ہے......رات ایک بجے تک کام کرتا ہوں۔ یہ میرا ذریعہ معاش ہے۔''

پھر وہ سامان سمیٹ کر بیڈ روم میں گیا۔ اس میں شاید کونے میں میز ہو گی جو مجھے یہاں سے نظر نہیں آئی اس پر رکھ کر باہر آیا۔

''میں چوں کہ ایک کمرشل فوٹو گرافر بھی ہوں مجھے ایک نظر میں اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون سا چہرہ فوٹو جینک ہے۔'' اس نے کہا۔

آپ کا چہرہ بھی ایسا ہی ہے...... بڑے تیکھے نقش و نگار ہیں...... آپ جو اپنی تصویریں کھنچواتی ہیں وہ بہت شان دار آتی ہوں گی...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں......!''

''جی ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے واقعی صحیح اندازہ لگایا تھا۔

''اچھا...... میں کافی بنا لوں......'' اس نے کہا۔'' کافی کے ساتھ...... کچھ اور چلے گا۔ چٹنی ہوتی تو وہ پکوڑے یا اپماؤ (جنوبی ہند کی سوجی کی نمکین ڈش...... جو میٹھی سوجی کے حلوے کی طرح بنتی ہے۔ ان میں لہسن، سرخ ثابت گول مرچوں اور پیاز، کری پتا کا بگھار دیا جاتا ہے) بنا لیتی...... ویسے میں بسکٹ اور نمکو حاضر کر دوں گا۔''

''اس تکلف کی ضرورت نہیں......'' میں بولی۔'' صرف کافی...... کافی ہے......''

پھر اس نے تپائی میں سے اخبارات اور مختلف رسائل رکھے ہوئے تھے ان میں سے ایک رسالہ اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔

''میں جب تک کافی بنا لوں آپ انہیں دیکھیے...... اس میں شاہکار تصویریں چھپی ہیں۔''

پھر وہ کچن میں گھس گیا جو سامنے ہی تھا لیکن وہ اندر سے دکھائی نہ دیتا تھا...... اس رسالے کا نام فوٹو گرافی تھا۔ یہ انگریزی کا رسالہ تھا۔ امریکہ کا تھا۔ میں اس کی ورق گردانی کرنے لگی...... اس میں لڑکیوں عورتوں کی عریاں تصاویر کے علاوہ مرد اور لڑکیوں کی نامناسب تصویروں کی بھر مار تھی۔ میں نے اس رسالے کو رکھ دیا۔

پھر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں کافی بنانے میں اس کی مدد کروں۔ میں کچن کی طرف بڑھی اور ایک دم سے ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ اس کی حرکت مجھے بڑی عجیب اور پراسرار سی لگی۔ وہ ایک لال رنگ کے پلاسٹک مگ میں ایک پڑیا سے سفوف ڈال رہا تھا...... باقی تین مگ اور بھی تھے...... وہ سفید رنگ کے تھے...... میرے دماغ میں ایک چھناکا سا ہوا۔ وہ چار کپ کافی کیوں بنا رہا ہے......؟ اس نے یہ سفوف لال رنگ کے مگ میں کیوں ڈالا......

میں اس کی حرکت کی تہہ میں پہنچ گئی...... یہ بے ہوشی کا سفوف ہے...... وہ فوٹو گرافر

ہے...... وہ بے ہوشی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف میری عزت سے کھیلنا چاہتا ہے...... بلکہ میری تصویریں بھی بناتا......

میں اپنی جگہ واپس آ کر بیٹھ گئی...... سوچا کہ میں ایک خطرناک بدمعاش کے جال میں پھنس گئی ہوں...... اب مجھے یہاں سے بھاگ جانا چاہئے...... لیکن اس موسلا دھار بارش میں کہاں جاؤں......؟ میں سوچ رہی تھی کہ ایک آہٹ سی ہوئی۔ جیسے باہر کا دروازہ کھلا ہو...... دوسرے لمحے دو آدمی اندر آئے۔ وہ دونوں ہی بدمعاش قسم کے تھے۔ مجھے دیکھ کر چونکے اور ان کے چہرے دمک گئے۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا۔

''کشن لال کہاں ہے......؟ کیا وہ کسی کام سے گیا ہوا ہے......؟''

''میں کچن میں ہوں...... میں کافی لا رہا ہوں۔ ایک منٹ......''

وہ دوسرے لمحے ایک ٹرے میں چار مگ رکھ کر لے آیا...... بھاپ اڑاتی ہوئی کافی...... پھر اس نے میز پہ مگ رکھ کر مجھ سے کہا۔

''میز پر آ جائیں...... کافی پی لیں......''

ایک لمحے میں میں نے بہت کچھ سوچ لیا...... اس نے اپنے دوستوں کو فون پر کوڈ میں یہ اطلاع دی تھی کہ اس نے ایک شکار پھانسا ہے۔ میرے ذہن میں فرار کی ایک ترکیب آئی تھی۔ گو کہ اس میں کامیابی اور ناکامی کے امکانات ففٹی ففٹی تھے...... کوشش کرنے میں حرج نہیں تھا۔ ناکامی کی صورت میں مجھے نہ صرف اجتماعی زیادتی کا نشانہ بننا پڑتا بلکہ میری ویسی فلم بنتی جو اس شیطان کے ہاں بنی تھی۔

جب میں میز پر آ گئی تھی وہ تینوں میرے سامنے بیٹھے ہوئے مجھے للچائی نظروں سے گھور رہے تھے۔ کشن لال نے میرے سامنے لال مگ رکھ دیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش نے کشن لال سے پوچھا۔

''یار...... شانتی بھابھی کہاں......! نرملا بھابھی...... بھی نہیں نظر آ رہی ہیں...... ہم سمجھے وہ دونوں ہوں گی۔''

''وہ دونوں اولڈ ہو چکی ہیں...... لیکن یہ نئی بھابھی ہیں...... سچ سچ بتاؤ...... یہ بھابھی کیسی ہیں......؟''

''ونڈر فلم......'' ایک نے تعریفی لہجے میں کہا۔'' یار......! اب تک ایسی بھابھی نہیں

آئی......یہ کہاں سے دریافت ہوئی ہیں۔"

"یہ سیکسی بم ہے......" دوسرا بھونڈے پن سے بولا۔ "تم کہاں سے ڈھونڈ کر لائے...... برسات کی شے ہے۔"

"کشن لال میرے بائیں ہاتھ پر بیٹھا ہوا تھا...... پہلا بدمعاش میرے دائیں ہاتھ پر......دوسرا بدمعاش روبرو......

میں نے کشن لال سے پوچھا۔ "سچ سچ بتائیں...... آپ لوگوں کے ارادے کیا ہیں......؟"

"ارادے صاف ظاہر ہیں......" وہ استہزائی انداز سے بولا...... "ہم تینوں باری باری تم سے فائدہ اٹھانا، فلم اور تصویریں بنانا چاہتے ہیں......تم تعاون کروگی تو تم پر تشدد نہیں کیا جائے گا۔"

"میں ایک شرط پر آمادہ ہوسکتی ہوں......تعاون بھی کروں گی۔" میں نے مفاہمانہ انداز میں کہا۔

"کیا شرط ہے تمہاری میری جان......!"

"مجھے ایک ہزار روپے چاہئیں......تاکہ میں اپنی بیمار ماں کا علاج کراسکوں......" میں نے کہا۔ "اس لئے میں اپنی عزت بھینٹ چڑھانے کو تیار ہوں...... مجھے اپنی عزت سے زیادہ ماں کی زندگی عزیز ہے......ایک ہزار روپے نہ ملے تو اس کے لئے خون اور دوسری ادویات خرید نہ سکوں گی...... ماں کی خاطر جسم کا سودا بہت سستا کرنے پر مجبور ہوں۔ میں ایک اداکارہ تھی......اسکول اور کالج کے ڈراموں میں حصہ لیتی رہی تھی۔" میں نے دل گرفتہ لہجے میں کہا اور جھوٹ موٹ جذباتی ہوکر آنکھوں میں آنسو لے آئی اور سسک پڑی۔

کشن لال نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر مجھے قریب کرکے میرا گال چوم لیا...... وہ مجھے بازوؤں کی گرفت میں لینا چاہتا تھا...... میں کسمسا کر غیر محسوس انداز سے الگ ہوکر دوپٹے میں آنسو جذب کرنے لگی۔

پھر میں نے کافی کا مگ اٹھا کر جھوٹ موٹ اسے سپ کیا اور بولی۔

"میں زیادہ چینی لیتی ہوں......اس میں کم ہے......تلخ ہوگئی ہے کافی......"

پھر میں ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی اور مگ اٹھانے لگی تو وہ بولا۔ "کہاں جارہی ہو؟"

"کچن میں جاکر چینی ملاکر لارہی ہوں......" میں جواب دے کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

میرا خیال تھا کہ کشن لال مجھے روکے گا بلکہ خود چینی ملاکر لانے کو کہے گا......لیکن اس نے کچھ نہیں کہا......کچن میں پلاسٹک کا وہ ڈبا نظر آگیا جس میں پسی سرخ مرچ بھری ہوئی تھی۔ مجھے اسی کی تلاش تھی۔ میں نے پہلے تو کافی میں تین چمچے سرخ مرچ ملائی۔ پھر دائیں ہاتھ کی مٹھی میں بھری۔ پھر میں واپس کمرے میں آئی۔

وہ تینوں سر جوڑے آپس میں کسر پھسر کر رہے تھے...... مجھے دیکھتے ہی سیدھے ہوگئے۔

جب میں میز پر بیٹھی تو وہ کافی پینے لگے۔ میں نے پھر چشم زدن میں کافی سب سے پہلے کشن لال کی آنکھوں پر......پھر دوسرے اور پہلے بدمعاش کی آنکھوں پر ڈال دی......

پھر سرخ پسی مرچ ان تینوں کی آنکھوں میں ڈال دی......وہ تینوں چیخنے اور چلانے لگے......

پھر میں نے باری باری ان تینوں کی کرسیاں الٹ دیں...... فرش پر قالین نہیں تھا۔ موزائیک کا فرش تھا......ان کی کھوپڑیاں بج اٹھی تھیں...... پھر میں فوراً ہی باہر آئی......اس کمرے کے باہر بھی کنڈی لگی ہوئی تھی...... باہر کے دروازے پر بھی...... بارش بہت تیز ہورہی تھی...... مجھے اپنا ہوش نہیں رہا تھا...... میں حواس باختہ سی تھی۔

پھر میرا منہ جدھر اٹھا ادھر میں دوڑنے لگی۔ گلی سنسان، تاریک اور ویران پڑی تھی......میں نے کافی اور مرچیں ان کی آنکھوں میں ڈال دی تھیں وہ اس قابل نہیں تھے کہ میرا تعاقب کرسکیں...... ایک تو ان کی آنکھیں جل رہی تھیں اور وہ فرش پر تڑپ رہے تھے...... فرش پر گرنے سے ان کی کھوپڑیاں بج اٹھی تھیں...... پھر بھی جانے کیوں ایک خوف سا دامن گیر تھا کہ وہ میرا تعاقب کررہے ہیں...... حالاں کہ میں کمروں کی کنڈیاں لگا کر نکلی......میں ہر طرح محفوظ تھی۔ پھر بھی عدم تحفظ کا سایہ تعاقب میں محسوس ہورہا تھا۔ میں آپ کے مکان کی گلی میں آگئی...... میں نے ایشور کا نام لے کر آپ کے گھر کا دروازہ پیٹ ڈالا......اس خیال سے کہ دنیا جو بدکاروں سے بھری ہوئی ہے وہاں نیک انسانوں سے بھی بھری ہوئی ہے۔ ان کے دم سے دنیا قائم ہے......اور پھر آپ نیک آدمی نکلے...... مجھے یہ سب کچھ سپنا معلوم دیتا ہے......آپ میرے لئے کسی اوتار سے کم نہیں ہیں۔"

"میں انسان ہوں انسان ہی رہنے دو......" میں نے کہا۔ "تمہاری کہانی بڑی دردناک ہے کہ اس شیطان کے ہاتھوں چڑھ گئی...... وہ انسان کے روپ میں آدم خور ہے...... عورتوں لڑکیوں کو اغوا کر کے ان کے ساتھ شب بسری کرتا ہے...... ان لمحات میں ان کا خون بھی پیتا ہے...... پھر ان کی فلمیں بناتا ہے تاکہ انہیں فروخت کر کے دولت کماتا ہے...... پھر انہیں قتل کر کے ان کا کچا گوشت مزے لے کر کھا جاتا ہے...... ایسی بربریت، سفاکی اور درندگی کے بارے میں، میں نے نہیں سنا...... اس کا وجود پاک کر دینا، انسانیت کی بڑی خدمت ہوگی...... اور ہاں...... تم نہ صرف بڑی ذہین بلکہ بہادر بھی ہو...... تم نے اپنی عزت بچانے لئے جو مقابلہ کیا میں عش عش کر بیٹھا ہوں۔ تمہاری دیدہ دلیری اور حوصلے اور ذہانت کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔"

"اب آپ کیا قدم اٹھائیں گے......؟" بملا کماری نے پوچھا۔

"میں اکیلا اس شیطان سے مقابلہ کرنے جاؤں گا......" میں نے جواب دیا۔

"آپ تنہا جائیں گے......؟" بملا کماری کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ "نہیں...... نہیں...... آپ نہیں جانتے ہیں کہ وہ کتنا خطرناک شخص ہے۔"

"تو کیا اس آدم خور شیطان کو کھلا چھوڑ دیا جائے......؟" ٹائیگر کہنے لگا۔ "وہ لڑکیوں عورتوں کو اغوا کر کے ان کی عزت پامال کرتا رہے...... ان کا خون پیتا رہے...... ان کی گھناؤنی فلمیں بنا کر...... انہیں قتل کر دیتا ہے...... ان کا کچا گوشت کھا جاتا ہے...... اس آدم خور شیطان کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے...... کیا تم چاہو گی یہ سلسلہ جاری رہے......؟"

"نہیں...... میں کیا کوئی بھی نہیں چاہے گا......" وہ بولی۔ "لیکن آپ کیسے اسے اس دنیا سے پاک کر دیں گے......" اس کے لئے نہ صرف طاقت ور آدمی بلکہ کئی لوگ ساتھ چاہئیں۔"

"یوں تو میں ایک شوقیہ شکاری ہوں...... میں ممبئی شہر میں رہتا ہوں...... سال دو سال میں بنگلور آتا ہوں...... یہاں میرے شکاری دوست ہیں۔ میں ان کے ساتھ شکار کھیلنے جاتا ہوں...... اس مرتبہ دو برس کے بعد آیا تو اس آدم خور شیطان کے بارے میں پتا چلا...... وہاں سے فرار ہونے میں تم اور میرا دوست کامیاب ہوا ہے...... وہ یہاں آیا تو اس شیطان

کے آدمی اس کے قتل کے درپے ہوگئے۔" پھر ٹائیگر نے اسے اروندا کے بارے میں قدرے تفصیل سے بتایا۔

"کیا امید ہے کہ آپ اس آدم خور شیطان پر قابو پالیں گے......؟" بملا کماری نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"امید پر دنیا قائم ہے......" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "مجھے کامیابی کی اس لئے سو فیصد امید ہے کہ میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں...... میری زندگی خطرناک مجرموں، قاتلوں اور مافیاؤں سے مقابلہ کرتے...... انہیں خس کم جہاں پاک کرتے گزر رہی ہے۔ لہٰذا میں اس پر قابو پا کر کیفر کردار تک پہنچا کر دم لوں گا۔"

"آپ پرائیویٹ سراغ رساں ہیں......!" وہ متعجب لہجے میں بولی۔ "آپ کا نام کیا ہے......؟"

"مجھے میرے دوست اور ملنے والے ٹائیگر کے نام سے جانتے ہیں اور میں بلیک ٹائیگر کے نام سے مشہور ہوں...... میں نے بڑے خطرناک اور خوفناک مجرموں کو قانون کے حوالے کیا ہے...... مافیا تنظیموں کا صفایا کیا ہے۔"

"آپ ٹائیگر ہیں......؟" وہ حیرت اور مسرت آمیز لہجے میں بولی۔ "کہیں میں سپنا تو نہیں دیکھ رہی ہوں...... آپ واقعی ٹائیگر ہیں...... اوہ بھگوان...... میں کتنی خوش نصیب ہوں۔"

"تم مجھے کیسے جانتی ہو......؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میں اخبارات میں آپ کے کارناموں کے بارے میں پڑھتی رہی ہوں......" اس نے جواب دیا۔ "میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ آپ سے مل کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے...... آپ نہ صرف بڑے بہادر آدمی ہیں بلکہ شریف بھی......"

"شریف کیسے......؟" ٹائیگر مسکرایا۔

"وہ ایسے کہ آپ نے میری مجبوری اور مصیبت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا...... آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بھیڑیا بن جاتا۔" اس نے پرستائش نظروں سے دیکھا۔

"دراصل تمہاری جوانی...... اور تمہارا حسن آدمی کو بہکا دیتا ہے...... اس لئے کسی آدمی کا خود پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔"

''میں بھی آپ کے ساتھ اس شیطان کے جزیرے پر چلوں گی......؟''

''وہ کس لئے......؟'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں جانوروں کے شکار پر تھوڑی جاؤں گا...... میں اس آدم خور شیطان شکاری کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے جا رہا ہوں۔''

''اس لئے کہ اس آدم خور شیطان کا گوشت میں بھی اس طرح کھا جاؤں جس طرح وہ لڑکیوں عورتوں کا کھا جاتا ہے۔'' اس نے نفرت، غصے اور حقارت بھری تو اس کا سینہ سانسوں کے زیر و بم سے دھڑ کنے لگا۔

''تو گویا تم بھی آدم خورنی بننا چاہتی ہو......؟'' ٹائیگر ہنس پڑا۔

''میں اسے کسی ستون سے باندھ کر ایک چھرے سے اس کے جسم کا گوشت کھاتی جاؤں گی اور اس سے پوچھوں گی اب کیسا مزا آ رہا ہے...... بملا کماری ہیجانی لہجے میں بولی۔

''اس کا گوشت کتوں کو تو کھلایا جا سکتا ہے لیکن کھایا نہیں۔ سکتا......؟''

''کتے......!'' وہ ایک دم سے چونکی۔ ''آپ اس کے جزیرے پر کیسے قدم رکھیں گے......؟ جزیرے پر بڑے خطرناک اور خون خوار کتے موجود ہیں...... وہ آپ کی بو سونگھتے ہی آپ پر حملہ آور ہو کر چیر پھاڑ کر آپ کی بوٹی بوٹی کھا جائیں گے...... ہڈی بھی چبا جائیں گے...... اس لئے جزیرے پر قدم رکھنا اور گھسنا ناممکن سا ہے۔''

''لیکن میرے لئے کچھ مشکل نہ ہوگا...... وہ میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتے......؟''

''وہ کیسے......؟'' بملا کماری کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا، وہ معصومیت سے بولی۔ ''کیا آپ جادو جانتے ہیں؟''

''ایسے کہ میرے پاس ایک طلسماتی چیز ہے...... کتے تو کیا شیر، گیدڑ، چیتا، گینڈا اور کوئی بھی موذی جانور...... سانپ اور اژدھا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے......''

''ایسی کون سی طلسماتی چیز ہے......؟'' بملا کماری نے تجسس آمیز اشتیاق سے پوچھا۔

''ایک منٹ ٹھہرو......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''تمہیں دکھاتا ہوں۔''

ٹائیگر نے الماری سے وہ چرمی منقش بیج نکال کر اسے دکھایا جو اروندا نے اسے دیا تھا جس کی مدد سے وہ جزیرے سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا تھا...... کتوں نے اس کا بال تک بیکا نہیں کیا تھا...... اس بیج کے کھانے سے کتے مسحور ہو جاتے ہیں...... اس میں سے جو

شعاعیں خارج ہوتی تھیں وہ درندوں کو مسحور کر دیتی تھیں۔ بملا کماری نے اس بیج کو لے کر الٹ پلٹ کر حیرت سے دیکھا اور بولی۔

''میں نے وہاں اس شیطان کے کمرے میں دیکھا تھا۔ مجھے اس کی خصوصیت کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ اس نے اپنے ایک آدمی کو دیا تھا اس سے کہا تھا کہ اسے سنبھال کر رکھنا...... تمہارا جو بیج کھو گیا ہے اسے تلاش کرو...... اس لئے کہ یہ کل سات عدد تھے۔ اب چھ عدد رہ گئے ہیں...... ایسے بیج کا بننا اور حصول ناممکن ہے...... اگر تم نے یا کسی اور نے بیج کھو دیا تو پھر میں اس پر کتے چھوڑ دوں گا...... کیا تم لوگ ایک بیج کی حفاظت نہیں کر سکتے اسے سنبھال نہیں سکتے...... اس وقت میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ بیج کیا بلا ہے...... میں نے وہاں قید لڑکیوں عورتوں سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا...... اب میری سمجھ میں آیا کہ یہ کیا چیز ہے...... بارش نے مدد کی تو میں وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی...... میں نے وہاں ایک محافظ سے سنا تھا کہ یہ کتے جتنے خون خوار ہیں اتنے ڈرپوک...... پانی اور بارش سے ڈرتے ہیں...... اس کی اس بات پر میں موسلا دھار بارش کے موقع سے فائدہ اٹھایا...... یہ بات اس محافظ نے اس شرط پر بتائی تھی کہ میں اسے من مانیاں کرنے دوں...... لیکن وہ ذلیل حد سے تجاوز کر گیا۔''

''یہ تمہاری ہی ہمت تھی جو تم نے فرار ہونے کا عزم کیا......'' ٹائیگر بولا۔

''لیکن یہ بیج آپ کو کیسے اور کس سے ملا......؟'' اس نے پوچھا۔ ''اس کی خصوصیات کے بارے میں کیسے پتا چلا......''

''اروندا سے......'' ٹائیگر نے اسے بتایا۔ ''وہ وہاں ایک مہینے قید رکھا ہے...... میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ یہ وہی بیج ہے جو اروندا کو ملا...... وہ یہاں دو دن پہلے تو پہنچا۔''

''اب جب کہ ایک بیج ہے تو میں بھی ساتھ چلتی ہوں تا کہ اس بھیڑیا سے بدلہ لوں۔'' وہ بولی۔

''میں نے کہا نا کہ میں اکیلا ہی اس مشن پر جاؤں گا۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''تم واقعی ایک بہادر لڑکی ہو...... میں تمہارے جذبے اور بہادری کی قدر کرتا ہوں......''

لیکن آپ کیسے اس آدم خور شیطان سے مقابلہ کریں گے......؟ اس لئے کہ اس جزیرے پر اس کے بہت سارے بدمعاش ہیں...... وہ قاتل اور ایک نمبر بدمعاش ہیں......

جیل سے مفرور مجرم بھی ہیں...... کیا آپ ان سے اکیلے کیسے مقابلہ کریں گے...... آپ تو تنہا ہوں گے...... وہ بڑے خطرناک ہیں۔"

"میں ٹائیگر ہوں اور میں بدمعاشوں کے لئے بے حد خطرناک ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں چھ سات برس سے زیرزمین کے خطرناک بدمعاشوں اور قاتلوں اور مافیا سے لڑتا رہا ہوں...... دراصل میرے پاس ذہانت کا ہتھیار ہے...... وہ تمہارے پاس بھی ہے...... تمہارے پاس بھی ذہانت تھی جس نے تمہیں اور بار بار لٹنے سے بچایا......"

"میں آپ کی کامیابی کے لئے بھگوان سے پرارتھنا کروں گی۔" وہ بولی۔

"تم کسی کو نہیں بتانا کہ میں اس مشن پر اکیلا جا رہا ہوں......" ٹائیگر نے کہا۔

"اس میں حرج کیا ہے......" بملا کماری بولی۔ "وہ شیطان آپ کے نام اور کارناموں سے یقیناً واقف ہوگا...... آپ کا نام سنتے ہی خوف زدہ ہو جائے گا......"

"میں دشمن کو کمزور سمجھنے کا قائل نہیں ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اسے جیسے ہی میری آمد کی خبر پہنچے گی وہ چوکنا اور ہوشیار ہو جائے گا۔ اور میرے لئے مشکلات کھڑی کرنے کی کوشش کرے گا...... بارش رک گئی ہے...... چلو...... میں تمہارے گھر چھوڑ آؤں...... لیکن جانے سے پہلے آبی راستے اور جزیرے کے محل وقوع کا نقشہ بنا دینا۔"

☆......☆......☆

جب ٹائیگر بملا کماری کو لے کر اس کے گھر پہنچا تو اس کے گھر والے بیٹی کو صحیح سلامت پا کر بے انتہا خوش ہو گئے...... وہ تو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جس طرح اور لڑکیاں عورتیں پراسرار طور پر گمشدہ ہونے کے بعد ان کا جس طرح نام ونشان اور سراغ نہیں ملا اس طرح بیٹی کا بھی نہیں ملے گا۔ وہاں ایک جذباتی رقت آمیز منظر تھا۔ گھر والے بیٹی کو گلے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ بملا کماری بھی ایک بچی کی طرح رو رہی تھی...... اس پر کیا قیامت بیتی وہی جانتی اور اس کا دل اور اس کے بنانے والے۔

ٹائیگر نے ان لوگوں سے کہا کہ وہ اور بملا کماری ایک ہفتہ تک کہیں روپوش رہیں اور اس کی واپسی کی خبر کسی کو معلوم نہ ہو...... حتیٰ کہ پولیس اور رشتہ داروں تک کو نہ دی جائے...... چوں کہ وہ فرار ہو کر آئی ہے۔ اس لئے وہ آدم خور شیطان بہت غصے اور خار اور طیش میں ہے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو سخت احکام جاری کئے ہوئے ہیں کہ کسی بھی قیمت پر بملا

کماری اور اروندا کو اغوا کر کے دوبارہ جزیرے پر پہنچا دیا جائے...... آج تک ان دو میں سے کوئی بھی فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکا...... اروندا نے زبردست چوٹ دی ہے...... نہ صرف اس کا پرس جس میں لاکھوں مالیت کے ڈالر اور اتنی ہی مالیت کی ہیروں کی انگوٹھی کے علاوہ ایک کشتی بھی لے کر فرار ہوا ہے...... بملا کماری بھی نہ صرف اس کی لانچ بلکہ اس جزیرے کے راز بھی لے گئی ہے...... اس شیطان کے کارندے پورے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پولیس میں جو کالی بھیڑیں ہیں وہ اس کے پالتو کتوں کی طرح ہیں۔

اسے رخصت کرنے بملا کماری دروازے تک آئی تھی۔ وہاں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں رہا۔ بملا کماری نے پرنم آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے ہونٹوں کا بوسہ لیا اور پھر گالوں پر بوسے ثبت کئے۔

"یہ کیا......؟" ٹائیگر نے کہا۔

"یہ بوسے غلیظ نہیں ہیں...... ان میں کوئی میل نہیں ہے...... دودھ کی طرح صاف و شفاف ہیں...... ان میں پاکیزگی ہے...... خلوص اور جذبے کا اظہار ہے...... آپ کی عظمت کا اظہار ہے...... آپ دیوتا ہیں...... کس قدر عظیم ہیں...... آپ نے مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا...... میں آپ کو زندگی کی آخری سانس تک فراموش نہیں کروں گی...... ایک انسان وہ ہے...... اور ایک انسان آپ ہیں۔" پھر وہ ٹائیگر کے ہاتھوں کو تھام کر آنکھوں کا عنوان بنانے لگی۔

اسی اثنا میں اس کے گھر والے بھی آ گئے۔ انہوں نے ٹائیگر کو بڑی محبت اور گرم جوشی اور اشکبار آنکھوں سے رخصت کیا...... اس سے وعدہ لیا کہ وہ ان سے ملنے آئے گا...... ہماری پرارتھنا ہے کہ وہ آپ کے ہاتھوں کیفر کردار تک پہنچے۔ ہمارے پاس آپ کو دینے کے لئے دعاؤں کے سوا کچھ نہیں......

ٹائیگر ان کی محبت، گرم جوشی اور خلوص بھرے جذبات سے متاثر ہو کر باہر آیا اور پھر پیدل ہی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر زیادہ دور نہیں آیا تھا...... وہ بملا کماری کو بھی پیدل ہی لے کر آیا تھا۔ کیوں کہ موسلا دھار بارش کی وجہ سے ٹیکسیاں اور آٹو رکشا غائب تھے...... اور پھر رات بھی خاصی ہو رہی تھی۔

وہ ایک ایسی کالونی سے گزر رہا تھا جس میں متوسط طبقے کی آبادی تھی۔ اس نے ایک

نسوانی آواز سنی وہ ہذیانی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ماں...... یہ وہی ذلیل اور کمینہ جو مجھے ایک ہفتہ قبل اپنے ساتھیوں کی مدد سے اغوا کر کے لے گیا تھا جب میں رات کے وقت ڈائننگ کلب سے آ رہی تھی اور پھر انہوں نے مجھے دو گھنٹے تک حبس بے جا میں رکھا اور میری تصویریں بے لباسی کی بنائیں...... میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا۔ رات ایک بجے گھر لوٹی تھی۔''

''تم لوگوں نے اس کی تصویریں بے لباسی کی حالت میں کیوں اتاریں......'' یہ لڑکی کی ماں کی کرخت آواز تھی۔

''صرف تصویریں مختلف زاویوں سے اتاری تھیں۔'' مرد نے جواب دیا۔ ''اس کی عزت برباد نہیں کی...... اپنی بیٹی سے پوچھ لیں۔ ہم چاہتے تو اسے قابو میں کر کے بے بس کر سکتے تھے...... ہم کل تین تھے...... ایک سترہ برس کی لڑکی بے نیام تلوار کی طرح دیکھ کر ہمارے جذبات کیسے تند ہو گئے ہوں گے شریمتی جی......! آپ اندازہ کر سکتی ہیں۔''

لیکن یہ تصویریں کیوں اور کس لئے......؟'' لڑکی کی ماں بولی۔ ''کیا یہ بری اور قابل اعتراض بات نہیں ہے کہ اسے اغوا کیا جائے اور اسے دہشت زدہ کیا جائے؟''

''اس لئے کہ ہمارا باس ایک فلم ساز اور ہدایت کار ہے جو ممبئی میں فلمیں بناتا ہے۔ وہ آج کل نئے چہروں کی تلاش میں میسور آیا ہوا ہے۔'' وہ شخص بتانے لگا۔ ''دراصل اسے اپنی فلم کے لئے ایسی ہیروئن کی ضرورت ہے جو بولڈ سین کر سکے...... جیسے سین ہندوستانی فلموں میں ہیروئن کر رہی ہیں...... لاکھوں نہیں کروڑوں کما رہی ہیں...... آپ کی بیٹی بھی بولڈ نکلتی ہے...... یہ کیا آج کل ستر فیصد لڑکیاں بولڈ نکلتی ہیں...... ڈانسنگ کلب میں آپ کی بیٹی کو دیکھا۔ وہاں دس بارہ نہایت حسین اور پرکشش بھی تھیں۔ ہم نے ان سب کی تصویریں ڈیجیٹل کیمرے سے اتار کر باس کو بھیجیں۔ اس نے آپ کی بیٹی کو فلم کی ہیروئن کے لئے منتخب کر لیا...... پھر ہم سے کہا گیا کہ صحیح اندازہ کرنے کے لئے اس کی بے لباسی کی تصویریں مختلف زاویوں سے چاہئیں...... ہم نے اسے اٹھا کر لے جانے سے پہلے آپ کی بیٹی سے درخواست کی اور بتایا کہ ہمارے فلم ساز باس کو کس قسم کی تصویروں کی ضرورت ہے۔ لیکن آپ کی بیٹی نے صاف انکار کر دیا...... ہم نے باس کو آپ کی بیٹی کے فیصلے سے آگاہ کیا تو اس نے کہا کہ اسے سمجھاؤ...... نہ مانے تو جبر و زیادتی سے تصویریں اتار کر بھیجو...... اس لئے

ہم نے اغوا کر کے اس کی تصویریں بنائیں...... ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔''

''اچھا تمہارا باس میری بیٹی کو فلم میں کام کرنے کا کیا معاوضہ دے گا......!'' ماں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''پہلی فلم، میں کام کرنے کا معاوضہ پچاس لاکھ روپے......'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''ہم کنٹریکٹ سائن کرنے لائے ہیں اور پچیس لاکھ پیشگی رقم...... بڑے نوٹوں میں یہ رقم اس لفافے میں ہے...... کنٹریکٹ سائن کر کے رقم لے لیں...... ہم کل سہ پہر کے وقت آ کر ہم شانتی کو لے جائیں گے۔''

''کہاں لے جائیں گے......؟'' ماں نے دریافت کیا۔

''میسور......'' اس نے جواب دیا۔ ''وہاں کے جنگل میں آؤٹ ڈور شوٹنگ ہو گی...... ان کے تین رقص فلمائے جائیں گے...... پھر انہیں ممبئی شہر لے جایا جائے گا...... جہاں ہیرو شاہ رخ کے ساتھ کام کرنا ہو گا......''

''سچ......!'' لڑکی مسرت آمیز لہجے میں بولی۔ ''پچاس لاکھ روپے......؟ پچیس لاکھ روپے پیشگی...... کہیں میں سپنا تو نہیں دیکھ رہی ہوں...... لائیے کنٹریکٹ...... اس پر دستخط کر دوں......''

''پہلے آپ رقم گن لیں......'' اس نے کہا۔ ''پھر دستخط کر دیں......''

''میں رقم گنتی ہوں اتنے میں تم کنٹریکٹ پر دستخط کر دو......'' ماں نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ چند لمحوں کے بعد مرد نے کہا۔ ''مس شانتی......! آپ کے دن پھر گئے...... آپ راتوں رات ہندوستان کی چوٹی کی ہیروئن میں شمار ہوں گی...... بلکہ انہیں پیچھے چھوڑ دیں گی...... میں یہ بات اس لئے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کا جیسا بدن کسی بھی ہیروئن کا نہیں ہے...... بس...... آپ کو بولڈ رقص اور بولڈ محبت بھرے سین کرنا ہوں گے...... جو فلم میں ہر ہیروئن کرتی ہے...... اس کے لئے آپ تیار ہیں نا......؟''

''کیوں نہیں...... کیوں نہیں......'' لڑکی کا لہجہ خوشی سے سرشار ہو رہا تھا۔ ''اگر باس کہے گا تو میں لباس اتار کر پھینکنے کو بھی تیار ہوں...... بس مجھے دولت، شہرت اور عزت اور مقبولیت چاہیے...... جیسے کترینہ کیف...... کرینہ کپور...... ایشوریہ رائے اور دیپکا وغیرہ ہیں...... کل میں آپ کا انتظار کروں گی۔''

"کیا میں بیٹی کے ساتھ چل سکتی ہوں......؟" ماں نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں......" اس شخص نے جواب دیا۔ "آپ بھی اپنی بیٹی کی بڑی بہن لگ رہی ہیں...... آپ کا بدن اور سراپا اور حسن قیامت خیز ہے...... اچھا اب میں چلتا ہوں...... کل سہ پہر چار بجے میں کار لے کر پہنچ رہا ہوں...... آپ دونوں تیار رہیں...... دیر نہ کریں۔"

ٹائیگر ایک طرف ہٹ گیا۔ کیوں کہ وہ شخص باہر آ رہا تھا...... اب ٹائیگر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ شخص انہیں چارہ ڈال کر جا رہا ہے۔ وہ بدمعاش باہر آیا۔ پھر چند قدم چلا تھا کہ بغلی گلی سے ایک شخص آیا۔

"کیا یار رام چندر......!" بغلی گلی سے آنے والے نے پوچھا۔ "وہ تیار ہو گئی......؟"

"کیسے نہ تیار ہوتی......" وہ ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "پچاس لاکھ کی آفر...... اس کی ماں بھی تیار ہو گئی...... وہ ساتھ چلنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ باس خوش ہو جائے گا...... کہ میں نے ایک تیر سے دو شکار کئے......"

"اس کی ماں کیسی ہے......؟" اس نے سوال کیا۔ "زیادہ عمر کی تو نہیں ہے......؟"

"وہ بھی لاکھوں میں ایک ہے...... چھتیس برس کی ہوگی...... اس میں بڑی جاذبیت اور دلکشی ہے...... باس بہت خوش ہو جائے گا...... کل دونوں سہ پہر چار بجے تیار ہو کر انتظار کریں...... اجیت! تم کار کا بندوبست کر لینا......"

"اب کیا پروگرام ہے......؟ ہم ہوٹل چلیں......؟" اجیت نے پوچھا۔

"میں سونا کشی کے ہاں جا رہا ہوں...... باس نے اسے بھی ساتھ لانے کے لئے کہا ہے...... میں نے پرساد کو کل دو لاکھ کی رقم دی تھی...... وہ بتا رہا تھا کہ سونا کشی قابو میں نہیں آ رہی ہے...... میں اسے قابو میں کرنے جا رہا ہوں...... پرساد نے اسے اغوا کر کے رکھا ہوا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کار میں جاتے ہوئے وہ ہنگامہ کرے...... اس کے تناسب بہت اچھے ہیں۔"

"اگر وہ کسی وجہ سے تیار نہیں ہوتی ہے تو تم کیا کرو گے......؟" اجیت نے پوچھا۔

میں نے پرساد سے لفافہ لے لیا تھا...... میری ایک جیب میں رقم کا لفافہ ہے اور دوسری جیب میں تیزاب سے بھری شیشی ہے...... پہلے تو سمجھاؤں گا...... نہ مانی تو اس کے

چہرے پر اور جسم پر تیزاب پھینک دوں گا۔"

"رام چندر......! میری ضرورت نہیں...... تم جاؤ......" وہ بولا۔ "میں اکیلا نمٹ لوں گا۔"

"میں نے اشوکا سٹی ہوٹل میں کمرا نمبر تین سو بیس لیا ہوا ہے۔" اس نے کہا۔ "اپنا کام ختم کر کے آ جانا......"

پھر دونوں نے اپنی اپنی راہ لی...... ٹائیگر...... رام چندر کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

ٹائیگر غیر محسوس انداز سے اس کا تعاقب کر رہا تھا...... اتفاق سے وہ مکان بھی اس کالونی میں تھا...... ٹائیگر پہنچا۔ یہ مکان ایک ویرانے میں پارک کے عقب میں تھا۔

اس گھر کے ایک کمرے کے روشن دان سے روشنی جھانک رہی تھی۔ رام چندر نے جیب سے چابی نکال کر اس کا قفل کھولا اور اندر گھس گیا...... اس نے اندر سے جو دروازے کی چٹخنی لگائی وہ صاف سنائی دی تھی۔

ٹائیگر مکان کی منڈیر پر چڑھ کر چھت پر پہنچ گیا۔ اس نے روشن دان سے اندر جھانکا...... ایک نوجوان اور بے حد حسین لڑکی جس کی عمر سولہ برس کی ہوگی...... واقعی اس کے تناسب لاکھوں میں ایک ہوں گے۔ اسے چارپائی سے باندھا ہوا تھا اور اس کے منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ رام چندر نے اس کے منہ سے ٹیپ نکال کر کہا۔

"تیری ماں کہاں ہے......! تیرا باپ کہاں ہے......"

"وہ میری سگی نہیں سوتیلی ماں ہے...... بدچلن ہے...... اس نے میرے مریض باپ کو زہر دے کر جان سے مار ڈالا...... پھر اس چناں نے ایک حرامی شخص سے شادی کر لی...... اور وہ مجھے تیرے ہاتھ بیچ کر اس حرام زادے کے ساتھ چلی گئی ہے...... مجھے باندھ کر چلے گئے...... معلوم نہیں کہاں گئے......"

نرک میں گئے یا ڈوب کر مر گئے...... مجھے اس سے کوئی غرض نہیں...... تو میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہے نا......؟"

"نہیں...... ہرگز نہیں جاؤں گی۔ تو کون ہوتا ہے مجھے لے جانے والا......" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"تو کیسے نہیں جائے گی...... میں نے تیری ماں کو پچیس ہزار روپے دیئے ہیں......

میں مزید دو لاکھ کی رقم لایا ہوں تحفے میں دینے کے لئے......اب تو میری ملکیت ہے......''
رام چندر نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں تھوکتی ہوں تجھ پر......تیری رقم پر اور اپنی ماں اور باپ پر......'' وہ بھڑک اٹھی۔

رام چندر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر اس سے میٹھے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

''دیکھ سونا کشی......! تو غصے میں نہ آ...... نہ جذباتی ہو......تو نہایت حسین ہے......
اصل میں تو نہایت حسین نہ ہوتی تو اتنی قیمت نہ ملتی...... تجھے فلم میں ہیروئن کا چانس مل رہا ہے......میں یہ مشورہ دے رہا ہوں......تو وقت اور اپنی جوانی سے فائدہ اٹھا......کیا لاکھوں کی رقم کم ہوتی ہے......؟ اگر تو نے میری بات نہیں مانی تو پچھتائے گی......وہ تیری شادی کسی دولت مند بوڑھے سے کردے گی جو عمر میں نانا دادا کی عمر کا ہوگا......یا پھر بازار حسن میں لے جاکر بٹھا دے گا...... یہ اچھا ہے کہ فلم کی ہیروئن بن کر دولت، عزت اور شہرت کمائے......؟

''مجھے فلم میں کام نہیں کرنا ہے کیوں کہ شوبزنس کی ہر اداکارہ فاحشہ، طوائف، اور بازاری ہوتی ہے...... مجھے دولت، شہرت اور اس جھوٹی عزت کی کوئی ضرورت نہیں ہے......
اس سے بہتر ہے کہ خودکشی کرلوں......مرجاؤں، اس شہر میں ایک سے ایک جوان لڑکی موجود ہے......حسین بھی ہے......ان سے معاملہ طے کرلو۔''

''لیکن میں کیا کروں میری جان سونا کشی...... یہ میرے باس کا حکم ہے کہ میں تمہیں ہر قیمت پر لاکر اس کے سامنے پیش کردوں......'' وہ بولا۔ ''اس لئے میں تجھے لے جانے پر مجبور ہوں......''

''اسے میرے بارے میں کس نے بتایا......؟ وہ میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟''
سونا کشی نے تنک کر پوچھا۔

''تم نے اپنے کالج میں ہونے والے سوئمنگ کے مقابلے میں حصہ لیا تھا اور اول آئی تھیں......تمہاری رنگین تصویریں نہ صرف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئی تھیں......ٹی وی نے بھی کوریج دی تھی......وہ تمہارے بدن اور تناسب سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی فلم میں ہیروئن لینے کا فیصلہ کرلیا......اس کا خیال ہے کہ تم اس کی فلم میں ہیروئن بن کر ہندوستان کی سب سے بڑی اداکارہ بن جاؤ گی اور دولت اور شہرت تمہارے گھر کی لونڈی بن کر......''

''میری مرضی میں فلم میں کام کروں یا نہ نہیں......'' سونا کشی نے تکرار کی۔ ''مجھے یہ پیش کش منظور نہیں......''

''حیرت کی بات ہے......'' وہ بولا۔ ''اس ملک کی ہر لڑکی عورت کی خواہش ہے کہ وہ فلم میں کام کرے......فلم میں کام کرنے کے لئے ہر چیز کی قربانی دینے اور آگے جانے کو تیار ہے......اس لئے کہ فلم کروڑ، ارب پتی بنا دیتی ہے......اس وقت ہندوستان کی کتنی ہیروئنوں کے پاس کیا کچھ نہیں ہے......کروڑوں کی دولت ہے......کسی چیز کی کمی نہیں ہے......ان کے شوہر بھی مال دار ہیں......تم گھر آئی ہوئی مایا کو ٹھکرا نہیں رہی ہو......لات مار رہی ہو......تم پہلی لڑکی ہو جو انکار کر رہی ہو......؟''

میں کہتی ہوں کہ مجھے تمہاری کوئی بات منظور نہیں...... میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ...... مجھے یہ ذلالت کی زندگی پسند نہیں، میں ایک شریفانہ زندگی بسر کروں گی...... روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرلوں گی......کسی دفتر میں یا دکان میں سیلز گرل بن کر زندگی کے دن کاٹ لوں گی...... جاکر اپنے باس سے کہو کہ مجھے اس کی پیشکش بالکل پسند نہیں......منظور نہیں......''

''تمہارا انکار اسے سناؤں گا تو تم جانتی ہو میرا کیا ہوگا......؟'' اس کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔

''کیا ہوگا......؟'' وہ تپ کر بولی۔ ''کیا تمہیں جان سے مار دے گا......؟''

''میری شامت آجائے گی......وہ مجھے نوکری سے نکال دے گا......تم جانتی ہو کہ آج کل کتنی بے روزگاری ہے۔ پھر مجھے تنگ دستی اور بے کاری کی زندگی گزارنی ہوگی......'' وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

''یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے میرا نہیں...... میں کسی کی باندی یا نوکرانی نہیں ہوں...... میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔'' وہ زہرخند بولی۔ ''تم نے اور تمہارے باس نے ایک غلط لڑکی کا انتخاب کیا ہے......اس معاشرے میں ایسی بھی لڑکیاں ہیں جو ہیروئن اور طوائف نہیں بننا چاہتی ہیں......اس لئے کہ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی ہے۔''

وہ جذباتی ہوگئی تھی۔ اس کی سانس سینے میں پھولنے لگی تو اس کا زیروبم ہیجان خیز بن گیا۔

''تو اتنی پارسا نہ بن ستی ساوتری......! ویسے تم غصے میں کتنی پیاری لگ رہی ہو......''

اس نے سوناکشی کے چہرے پر جھک کر اس کا گال چوم لیا اور ہونٹ کا بوسہ لینا چاہا تو سوناکشی نے اس کے چہرے پر تھوک دیا۔

''میں تجھے کتنی دیر سے سمجھا رہا ہوں لیکن تیری سمجھ میں خاک نہیں آ رہا ہے......'' اس نے جیب سے رومال نکال کر چہرے سے تھوک صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''جب سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتا تو پھر ٹیڑھی انگلی سے نکالنا پڑتا ہے...... اب بھی وقت ہے۔ راہ راست پر آ جا...... تو نے میرے منہ پر تھوکا...... میں تجھے پھر بھی معاف کر رہا ہوں......''

''میں نے بات نہیں مانی تو...... تم کیا بگاڑ لو گے......؟ کیا مجھے قتل کر دو گے......؟'' وہ بے خوفی سے بولی۔

''قتل تو ابھی نہیں کروں گا البتہ ایسا حشر نشر کروں گا کہ تجھے اپنا جنم دن یاد آ جائے گا۔''

''تو میری مشکیں کھول دے پھر میں تجھے بتاتی ہوں کہ تیرا حشر نشر کیا ہوتا ہے۔'' وہ پھنکاری۔

''ابھی نہیں......'' وہ ہنس کر بولا۔ ''پہلے میں تجھ سے فائدہ اٹھالوں...... پھر تیری درخواست منظور کروں گا۔''

''اگر تو نے مجھے ہاتھ لگایا اور مجھ پر آنچ آئی تو میں تیرا سر پھاڑ دوں گی......'' اس کے لہجے میں نفرت اور غصہ بھر گیا۔

''میں موم کی بنی ہوئی نہیں ہوں...... بے غیرت...... تو ایک لڑکی کو بے بس دیکھ کر مردانگی دکھا رہا ہے...... ڈوب مر چلو بھر پانی...... حرام کی اولاد......''

پھر اس نے جیب سے تیزاب سے بھری بوتل نکالی۔ سوناکشی کی نظروں کے سامنے لہرائی۔

''جانتی ہے اس میں کیا ہے......؟ اس میں تیزاب ہے جو تیرے چہرے اور جسم پر پھینک دوں گا۔''

''تو مجھے موت سے ڈرا رہا ہے...... مجھے تیزاب سے نہلا بھی دے...... میں ڈروں گی نہیں......''

اصل میں کیا بات تھی ٹائیگر کے علم میں تھی...... وہ اپنے آدمیوں سے حسین اور نوجوان لڑکیاں اغوا کرواتا تھا...... ان لڑکیوں کے ساتھ جی بھرنے تک کھلونے کی طرح کھیلتا اور ہم

آغوشی میں ان کا خون پیتا...... پھر ان کی دو تین فلموں کی عکس بندی کرتا...... پھر انہیں ذبح کرتا...... ان کی کھال اتروا کر ان کا کچا گوشت کھا جاتا...... اپنے آدمیوں کو اس کے عوض بھاری معاوضہ ادا کرتا......

صورت حال ایسی تھی کہ یہ بہادر لڑکی نہ صرف اس کی زیادتی کا نشانہ بننے والی تھی...... اس کے بعد وہ اس معصوم اور جوان لڑکی کے چہرے پر تیزاب پھینکنے والا تھا...... پھر اسے یک لخت شانتی موہنی اور اس کی ماں کا خیال آیا...... شانتی اور سوناکشی میں کتنا تضاد تھا۔ فرق تھا...... شانتی اور اس کی ماں کو دولت کے لالچ نے اندھا کر دیا تھا...... سوناکشی مجبور اور بے بس ہونے کے باوجود موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے عزم و حوصلے سے مقابلہ کر رہی تھی۔

ٹائیگر نے نیچے آ کر دروازے پر دستک دی تو اندر لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔

''کون ہے......؟'' چند لمحوں کے بعد اندر رام چندر کی کرخت آواز سنائی دی۔

''میں انسپکٹر ہوں......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

''کس لئے آئے ہو......؟'' رام چندر نے تیز لہجے میں پوچھا۔

دروازے پر سریش کمار کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے جواب دیا۔

''میں سریش کمار کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔ میرے پاس سرچ وارنٹ ہے اور اس کی گرفتاری کا بھی......''

''اسے کس جرم میں گرفتار کرنا چاہتے ہو......؟''

''وہ تمہاری بہن کی عزت لوٹ کر اور اسے اغوا کر کے مفرور ہو گیا ہے......''

''میری بہن میسور میں ہے اور اس کی شادی ہو چکی ہے......'' رام چندر غضب ناک ہو کر بولا۔

''میں میسور سے ہی آیا ہوا ہوں...... تو بکواس کئے جا رہا ہے...... دروازہ کھولتا ہے کہ نہیں......؟'' ٹائیگر بولا۔

''میں کسی انسپکٹر کے باپ کو بھی نہیں جانتا۔'' ر چندر ڈھٹائی سے بولا۔ اور رات کے وقت اپنے پتا جی سے بھی نہیں ملتا ہوں...... کیا تم میرے نام سے واقف نہیں ہو...... میں سریش کمار ہوں۔ یہاں کا کمشنر بھی میرا نوکر ہے......''

ٹائیگر اس کی ڈھٹائی پر حیران رہ گیا...... اسے اندازہ ہوگیا کہ رام چندر ایک نمبر کا حرامی ہے...... وہ اس لئے دروازہ نہیں کھول رہا ہے کہ سوناکشی کی چارپائی سے مشکیں کسی ہوئی ہیں...... وہ اس سے زیادتی کرکے اور اس کے چہرے اور جسم پر تیزاب پھینک کر فرار ہونا چاہتا ہے۔

ٹائیگر نے دروازے کے قریب ہوکر دروازے کو دیکھا۔ دروازہ کم زور سا لگا۔ ٹائیگر نے زور سے ایک کندھا رسید کیا...... دروازہ کھلا نہیں صرف ہل کر رہ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ دروازے کو ایک دھکے کی ضرورت ہے...... وہ دو تین قدم پیچھے ہٹا...... پھر رفتاری سے دوڑتا ہوا آیا۔ کندھے سے پوری طاقت سے دروازے کو دھکا دیا...... دروازہ اپنے قبضوں سمیت فرش پر آرہا...... ٹائیگر نے اپنا توازن برقرار رکھا...... اگر وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتا تو دروازے سمیت فرش پر آرہتا۔

رام چندر نے اس کے منہ پر ٹیپ چپکادی تھی۔ روشن دان سے دیکھنے اور قریب سے دیکھنے میں بڑا فرق تھا...... وہ ایک نگینہ تھی...... وہ پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہی تھی...... لیکن ٹائیگر کو دیکھتے ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور آنکھوں میں جو وحشت تھی اس کی جگہ چمک نے لے لی اور چہرہ دمکنے لگا۔

وہ اوں اوں کرنے لگی...... ٹائیگر نے فوراً آگے بڑھ کر اس کے منہ سے ٹیپ نکال دیا تو وہ بولی۔

''انسپکٹر صاحب......! مجھے اس درندے سے بچالیجئے...... یہ ذلیل...... کمینہ......''

ٹائیگر اس کی مشکیں کھولنے لگا تو وہ لپک کر اس کے پاس آیا۔

''نہیں...... نہیں...... اس کی مشکیں مت کھولو...... یہ بہت خطرناک لڑکی ہے......''

وہ ٹائیگر کا ہاتھ پکڑنے لگا تو اس نے ایک زوردار مکا اس کے رسید کیا۔ وہ لڑکھڑایا اور فرش پر جاگرا۔

سوناکشی فوراً ہی بستر سے نکل کر ٹائیگر کی طرف لپکی۔ اس نے ٹائیگر کو سادے لباس میں پولیس انسپکٹر سمجھ لیا تھا۔ وہ اس کا بازو پکڑ کر بولی تو اس کی آواز میں نفرت اور غصہ بھر گیا۔

''انسپکٹر صاحب......! یہ کمینہ گھر میں گھس آیا...... میری مشکیں کس دیں اور منہ سے ٹیپ چپکادیا تاکہ میری عزت برباد کرسکے...... اور میرے چہرے اور جسم پر تیزاب پھینکنے والا

تھا...... اس نے ابھی ابھی میرے ساتھ من مانیاں کیں...... اگر آپ نہ آتے تو یہ کمینہ مجھے عریاں کرنے والا تھا......''

''تم گھبراؤ نہیں......'' ٹائیگر نے اسے دلاسا دیا۔ ''تم جلدی سے اپنا لباس، بال اور حلیہ درست کرلو۔''

''انسپکٹر......'' رام چندر نے کہا۔ ''آپ میری بات سنیں...... اس کی ماں نے اسے میرے ہاتھ پچیس ہزار میں بیچا ہے...... تاکہ میں شادی کرلوں...... اس کی ماں اور اس کا باپ اس لئے چھوڑ گئے میں اس کے ساتھ جو چاہے کروں...... تو تم نے اس کی مشکیں کس دیں اور اس کے منہ پر ٹیپ چپکادیا۔'' ٹائیگر نے درمیان مین سخت لہجے میں بات کاٹی......

''یہ تم نے غیر قانونی حرکت کی ہے۔ جو حبس بیجا کے جرم میں آتی ہے۔''

''سر! بات یہ ہے کہ اس کے ماں باپ تو یہاں اسے چھوڑ گئے...... یہ اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کررہی تھی...... اس لئے مجھے اس کی مشکیں کسنا پڑیں......''

''یہ حرام زادہ جھوٹ بول رہا ہے......'' سوناکشی درمیان میں پھٹ پڑی۔ ''اصل بات یہ ہے کہ اس نے مجھے میری سوتیلی ماں اور سوتیلے باپ سے اس لئے خریدا کہ کسی فلم ساز کے ہاتھ بیچ دے...... وہ فلم ساز اس کا باس ہے...... میسور میں ہے اور وہ مجھے اپنی فلم میں ہیروئن لینا چاہتا ہے۔ میں نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کیا تو وہ میری عزت کا دشمن ہوگیا۔ آپ نہیں آتے تو اب تک میری عزت نہ صرف تباہ ہوچکی ہوتی اور میرا چہرہ تیزاب سے جھلس چکا ہوتا......''

''اچھا آپ اپنی شناخت کرائیں......؟'' رام چندر بولا۔ ''آپ مجھے بوگس انسپکٹر معلوم ہوتے ہیں۔''

''تم کون ہوتے ہو جو مجھے شناخت کرنے کا حکم دینے والے......'' ٹائیگر نے کہا۔

''میں اس لڑکی کو وہاں لے جاؤں گا جہاں یہ جانا چاہے گی...... تم نے وہ رقم جو اس کے ماں باپ کو دی ہے اس کے عوض اس سے حاصل کرو...... تمہیں ایک کوڑی بھی نہیں دوں گا...... بہتر ہے تم یہاں سے دفع ہوجاؤ۔''

''گویا تم اس لڑکی کے آشنا ہو اور اسے لینے انسپکٹر کا بہروپ بھر کر آئے ہو......'' رام چندر نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''تم اسے لے جانہیں سکتے...... تم مجھے نہیں جانتے ہو...... میں

کون ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "تمہارا نام رام چندر ہے..... تم جزیرے کے آدم خور شیطان کے چیلے ہو..... اسے فلم کا جھانسہ دے کر جزیرے پر لے جانا چاہتے ہو.....؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں.....؟ تم ایک پیشہ ور قاتل ہو..... تمہارے جرائم کی فہرست بڑی لمبی ہے....."

رام چندر بھونچکا سا ہو گیا اور اس کی آنکھیں پھیل گئیں پھر اس نے جیب سے چاقو نکال کر کھول لیا۔

"یہ کھلونا اپنی جیب میں رکھ لو..... بچوں کے ہاتھ میں اچھا نہیں لگتا....." ٹائیگر نے کہا۔

"بہر حال وہ ایک ظالم اور سفاک شخص تھا۔ ٹائیگر کی بات جلتی پر تیل کی دھار بن کر گری۔ رام چندر کو نہیں معلوم تھا کہ اس کا حریف کون ہے..... ورنہ وہ چاقو نہیں نکالتا..... یا چوکنا اور محتاط ہو کر اس پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھتا..... اس کے علم میں یہ بات بھی نہیں تھی کہ اس کا دشمن جوڈو کراٹے میں ماہر ہے..... بلیک بیلٹ ہے۔

وہ چاقو لہراتا ہوا ٹائیگر کے سامنے آ کھڑا ہوا..... وہ غضبناک نظروں سے ٹائیگر کو گھورنے لگا۔

"کیا تم نے مجھے بچہ سمجھ رکھا ہے.....؟"

ٹائیگر نے کبھی دشمن کو کمزور نہیں سمجھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رام چندر اس شہر کا چھٹا ہوا بدمعاش ہے..... اس نے جس انداز میں چاقو پکڑ رکھا تھا اس سے ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ وہ چاقو زنی میں ماہر معلوم ہوتا تھا..... اس کی مشاقی کا پتا چلتا تھا..... اس خبیث سے شکست کھانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔

رام چندر فضا میں چاقو لہراتا اس پر بجلی کی سرعت سے جھپٹا تھا..... ٹائیگر اس سے کہیں تیزی سے ایک طرف ہو گیا..... اس سے پہلے کہ رام چندر سنبھلتا اور پلٹتا..... ٹائیگر نے اس کی پسلی میں گھونسا مارا..... تو دوسرے لمحے وہ فرش پر گھونسا دے مارا تو وہ فرش پر خاک چاٹ رہا تھا..... پھر ٹائیگر نے آگے بڑھ کر اس کی پسلی میں جوتے کی ٹو سے ٹھوکر لگائی..... وہ درد سے بلبلا کر دہرا ہو گیا..... وہ چوں کہ مضبوط جسم کا تھا سرعت سے کھڑا ہو گیا۔ غصے اور درد کی

شدت سے اس کا چہرہ مدن سیسو کا ہو رہا تھا..... اس نے چاقو ٹائیگر کا نشانہ لے کر اس کی طرف پھینکا..... اگر وہ تیزی سے جھکائی نہ دیتا تو چاقو اس کے سینے میں اتر جاتا..... دل کی جگہ کڑی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی مانند پیوست ہو جاتا..... رام چندر کا وار خالی گیا تو اسے طیش آ گیا۔

دوسرے لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل دو پہلوانوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ اور نہتے بھی تھے۔

اب ٹائیگر کی باری تھی..... جیب سے ریوالور نکالنے کی..... وہ یوں تو جیب سے ریوالور نکال کر اپنے دشمن کو باآسانی قابو میں کر سکتا تھا..... لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوتا..... کیوں کہ ایک گولی ہی اس کے لئے فرشتہ اجل ثابت ہوتی..... وہ اس کی ایسی خاطر مدارت کرنا چاہتا تھا کہ ہفتوں تک بستر سے اٹھنے کے قابل نہ رہ سکے..... اور پھر کسی لڑکی کو پھانس اور اغوا کر کے جزیرے پر پہنچا دے..... وہ اس کا دماغ ناکارہ اور اسے ہر قسم کی یادداشت سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ وہ ٹائیگر کو اپنی سور آنکھوں سے گھور رہا تھا..... وہ آدمی نہیں ناگ کی طرح لگ رہا تھا۔ اس کے تیور بڑے خطرناک تھے۔

وہ غراتا ہوا ٹائیگر پر حملہ آور ہوا۔ اس کی حالت چوٹ کھائے ہوئے ناگ کی سی تھی..... اس پر جیسے اندھا جنون سوار تھا۔ اس لئے وہ قابو اور اپنے اوسان میں نہیں رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ ٹائیگر کے منہ پر پڑتا اس کی ناک پر ٹائیگر نے گھونسا جڑ دیا..... پھر وہ ایک دم سے ٹائیگر سے جونک کی طرح چمٹ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبانے لگا..... ٹائیگر نے اس کے ہاتھوں سے گردن چھڑانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا..... اس کے ہاتھوں میں بڑی طاقت تھی اور وہ اپنی پوری قوت سے اس کا گلا گھونٹ دینا چاہتا تھا..... اس کا دم تھا کہ گھٹتا جا رہا تھا..... اس کے ہاتھوں میں جیسے کسی درندے کی سی طاقت تھی..... ٹائیگر کا دم گھٹتا جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا..... ٹائیگر کو اپنے سامنے موت کھڑی ہنستی لگ رہی تھی..... پھر اس نے اچانک ٹائیگر کا گلا چھوڑ دیا..... ایک دل دوز چیخ مار کر وہ لڑکی کی طرف پلٹا..... اس لڑکی نے ٹائیگر کی جان بچائی تھی..... سوناکشی نے کمرے میں رکھے ایک ڈنڈے کو اٹھا کر اس بدمعاش کے کندھے پر دے مارا تھا..... وہ درد کی تاب نہ لا سکا اور ٹائیگر کی گردن چھوڑ دی تھی۔

وہ لڑکی کے پاس جا کر ڈنڈا چھیننے کی کوشش کرنے لگا تو ٹائیگر نے لپک کر اس بدمعاش کو اپنے بازوؤں کے شکنجے میں کس لیا اب ان دونوں کے درمیان ایسی کشمکش شروع ہوگئی تھی جو کسی ایک کی موت پر ہی ختم ہو سکتی تھی...... سوناکشی نے وہ ڈنڈا اٹھا لیا جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا تھا...... اس نے ڈنڈا اٹھا کر پوری قوت سے رام چندر کی ٹانگ پر دے مارا کہ درد واذیت سے اس کی چیخ نکل گئی۔

ٹائیگر نے لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''سوناکشی......! تم ایک طرف ہو جاؤ...... اس کتے کے بچے سے میں خود ہی نمٹ لوں گا...... اسے ایسے سابق دوں گا کہ یہ اپنی آخری سانس تک بھول نہیں سکے گا......''

''سوناکشی تیزی سے دو م قدم پیچھے ہٹ کر ڈنڈا تھامے ایک طرف کھڑی ہوگئی۔

ٹائیگر نے اسے اپنے بازوؤں کے شکنجے سے آزاد کیا...... اور پھر بغیر کسی تاخیر کے اس کے بالوں کو پکڑ کر اسے اتنے زور سے دیوار سے ٹکرایا کہ وہ کسی سنسناتی گولی کی طرح دیوار سے ٹکرایا...... اس کا صرف سر ہی نہیں بلکہ بھیجا بھی ہل کر رہ گیا ہوگا...... وہ ایک گینڈے کی طرح تھا جو اتنی بڑی چوٹ سہہ گیا تھا اور اس پر جیسے کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ سنبھل کر سرعت سے ٹائیگر کی طرف پلٹا۔ اس کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ پوری طرح سنبھل کر ٹائیگر پر حملہ آور ہوتا...... ٹائیگر نے اس کی کنپٹی پر جوڈو کے دو تین ہاتھ مارے تو وہ فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا......

سوناکشی نے فوراً ہی قریب آ کر دریافت کیا۔

''کیا یہ حرام زادہ مر گیا...... اچھا کیا آپ نے اسے جان سے مار دیا......؟''

''مرا نہیں...... زندہ ہے......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''یہ انسانی درندے اتنی آسانی سے نہیں مرتے ہیں۔''

''اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا......؟'' سوناکشی نے پوچھا۔

''تم اسے کیا سزا دینا چاہتی ہو......؟'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''یہ تمہارا مجرم ہے۔''

''میں چاہتی ہوں کہ اسے چارپائی پر ڈال کر اس کی مشکیں کس دی جائیں...... اور اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دیا جائے......'' وہ بولی۔ ''اس لئے کہ ایک تو مجھے ورغلا کر میسور لے جا کر جزیرے کے آدم خور شیطان کے حوالے کرنا چاہتا تھا...... وہاں میری عزت خاک میں

ملا کر...... میری قبیح فلم بنائی جاتی...... پھر مجھے وہ آدم خور شیطان ذبح کر کے میرا گوشت کھا جاتا...... وہ جانے اب تک کتنی معصوم لڑکیوں کو سبز باغ دکھا کر لے جا چکا ہے...... لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ اس کے چہرے پر تیزاب ڈالا جائے۔ تیزاب کی شیشی اس کی جیب میں ہے...... دو لاکھ کی رقم بھی ہے...... مجھے رقم کی ضرورت نہیں...... مجھے اس سے انتقام لینا ہے۔ کیا میں اپنے ہاتھوں سے اس کے چہرے اور جسم پر تیزاب ڈال کر ان معصوم لڑکیوں کا انتقام لوں جنہیں وہ اغوا کر کے وہاں پہنچا چکا ہے...... ان میں اب تک کوئی واپس نہیں آئی......؟''

''اس سے بہتر سزا کوئی اور نہیں ہو سکتی۔'' ٹائیگر بولا۔ ''یہ اس سزا کے مستحق ہیں...... قابل معافی نہیں ہیں...... اسے دردناک سزا ملے گی تو دوسرے بدمعاشوں کے لئے سبق آموز ہوگی......''

''کہیں یہ سزا پا کر مر تو نہیں جائے گا......؟'' سوناکشی بولی۔

''نہیں...... یہ حرام زادے...... شقی القلب اور وحشی قاتل اتنی آسانی سے نہیں مرتے ہیں۔''

پھر ٹائیگر نے اسے فرش سے اٹھا کر چارپائی پر ڈال کر اس کی مشکیں کس دیں...... منہ پر ٹیپ چپکا دیا...... پھر اس کی جیب سے رقم والا لفافہ اور تیزاب کی بوتل نکالی۔

''کاش......! میری سوتیلی ماں اور سوتیلا باپ اس وقت آ جاتے تو میں انہیں بھی یہی سزا دیتی......''

''تم فکر نہ کرو...... انہیں اپنے کئے کی سزا مل جائے گی......''

پھر سوساکشی نے تیزاب کی بوتل کا کارک ہٹا کر تیزاب رام چندر کے چہرے اور جسم پر دو ایک جگہ چھڑک دیا...... پھر اسے ہوش آ گیا۔ وہ تڑپنے اور دہشت زدہ نظروں سے اسے دیکھنے اور ماہی آب کی طرح تڑپنے لگا۔

''کمینے...... ذلیل......'' وہ پھنکاری۔ ''یہ وہی تیزاب ہے جو مجھ پر ڈالنا چاہتا تھا...... اب دیکھ...... کیسا لگ رہا ہے......؟ اس محسن کی وجہ سے میں تیرے ہاتھوں سے بچ گئی میری آرزو ہے کہ تو مرے نا بلکہ ساری زندگی سسک سسک کر گزارے...... تو موت مانگے تو تجھے موت بھی نصیب نہ ہو......''

''اب تم کہاں جانا چاہتی ہو......؟'' ٹائیگر نے پوچھا۔ ''تمہیں کہاں چھوڑ دوں......؟''

''اس کالونی میں میری سگی پھوپی رہتی ہے......آپ وہاں چھوڑ دیں۔ وہاں مجھے ہر طرح کا تحفظ رہے گا......''

باہر نکلتے وقت سوناکشی بولی۔ ''آپ یہ لفافہ ساتھ نہیں لے جا رہے ہیں......؟ اس میں دو لاکھ کی رقم ہے......''

''کیا تم اس لفافے کو لے جانا چاہتی ہو......تو لے جاؤ...... مجھے اس کی ضرورت نہیں......کیوں کہ اس لفافے میں رقم نہیں سانپ ہیں......''

''مجھے بھی یہ حرام کی دولت نہیں چاہئے......'' سوناکشی بولی۔

''جب وہ سوناکشی کو اس کی پھوپھی کے ہاں پہنچا کر چائے پی کر اس دکان کے سامنے سے گزرا تو اس نے وہاں بھیڑ دیکھی......ٹائیگر نے پولیس کو فون کر دیا تھا...... جب سوناکشی کی سوتیلی ماں اور باپ یہ دیکھنے آئے تھے کہ......کیا سوناکشی......رام چندر کے ساتھ چلی گئی یا نہیں......انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سوناکشی کی جگہ......رام چندر چارپائی سے بندھا ہوا ہے......اس کے منہ پر ٹیپ چپکا ہوا ہے......ایک لفافہ رکھا ہوا ہے میز پر جو نوٹوں سے بھرا ہوا ہے......وہ ششدر تھے......ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا......اس وقت پولیس پہنچی......انہوں نے پہلے تو ایمبولینس منگوائی دو لاکھ کی رقم تحویل میں اور میاں بیوی کو حراست میں لے کر گاڑی میں ڈال کر تھانے لے گئے۔

تھوڑی دیر بعد ٹائیگر موہن داس کے گھر پر دستک دے رہا تھا۔ دروازہ شانتی نے کھولا اور اسے حیرت سے دیکھا۔

''کون ہیں آپ......!'' وہ چونک کر بولی۔ ''آپ کس سے ملنے آئے ہیں؟''

''آپ سے اور آپ کی ماں سے......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

''وہ کس لئے......؟'' شانتی چونک کر بولی۔

''اس لئے کہ آپ کی اخلاقی مدد کروں......اس لئے کہ آپ ماں بیٹی گڑھے میں گرنے جا رہی ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں......صاف صاف بتائیں۔'' شانتی نے مشکوک ہو کر کہا۔

''کیا تمام باتیں باہر کھڑے ہو کر کروں......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''اندر آنے کے لئے نہیں کہیں گی؟''

شانتی کی ماں بھی اس وقت ان کی باتیں سن کر آ گئی۔ وہ تیز لہجے میں بولی۔

''ہم نہیں جانتے ہیں آپ کون ہیں......؟ اتنی رات آنے کا مطلب کیا ہے؟......کل سہ پہر آئیں۔''

''اس وقت تو آپ میسور روانہ ہو چکی ہوں گی......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''مجھ بے وقوف مت بنائیں۔''

ماں بیٹی نے چونک کر ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔ شانتی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

''یہ کس نے آپ کو بتایا ہے......ہمیں آپ سے خوف آ رہا ہے۔''

''گھبرایئے نہیں...... میں تو آپ کی مدد کرنے اور پچیس لاکھ کی رقم کے بارے میں بتانے آیا ہوں......آپ دونوں کو ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات دلانے آیا ہوں......کل آپ کو لینے رام چندر نہیں اجیت آئے گا......''

''کیا آپ ان کے آدمی ہیں......؟ پچیس لاکھ کی رقم کے بارے میں کس نے بتایا......؟''

''جب تک میں اندر نہ آؤں اس وقت تک کچھ بتانے سے رہا......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

ماں بیٹی نے بادل نخواستہ اسے اندر بلا کر بٹھایا۔ ماں بیٹی سخت پریشان اور خوف زدہ تھیں۔ ٹائیگر انہیں پراسرار سا لگ رہا تھا۔

''دیکھئے شریمتی جی......!'' ٹائیگر بولا۔ ''پچیس لاکھ کے نوٹ سب جعلی ہیں......؟''

''کیا......؟'' ماں بیٹی ایک دم سے اچھل پڑیں۔ ''چین نہیں آیا ہے تو اس میں اور اسی وقت چیک کر کے دیکھ لیں......جعلی نوٹ رکھنا اور اسے چلانا بڑا جرم ہے......''

''میں ابھی چیک کئے لیتی ہوں۔'' شانتی کی ماں بولی۔ ''میں بینک میں کیشیئر ہوں۔''

پھر وہ اندر کے کمرے میں گئی۔ اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگالی۔ دس

منٹ کے بعد واپس آئی اس کے ہاتھ میں رقم کا بھورے کاغذ کا لفافہ تھا...... اور چہرہ فق تھا۔

''یہ صاحب سچ کہہ رہے ہیں...... تمام نوٹ جعلی ہیں......'' وہ مردہ لہجے میں بولی۔

''رام چندر جو آیا تھا انتہائی خطرناک اور پیشہ ور قاتل ہے...... وہ نجانے کتنی لڑکیوں اور عورتوں کی عزت لوٹ چکا ہے...... نہ جانے کتنے قتل کئے...... اس وقت وہ اسپتال میں زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہے...... اس لئے کہ ایک لڑکی نے اس پر تیزاب پھینک دیا...... اس لئے اس کا دوست آپ دونوں کو میسور لے جانے آئے گا...... بہتر ہے آپ دونوں گھر کو مقفل کچھ دنوں تک کہیں روپوش رہیں...... یا شہر سے مضافات یا پھر مدراس چلی جائیں...... کیوں کہ شانتی کی تصویریں دیکھنے کے بعد اس کے حصول کے لئے دیوانہ ہوگا...... اس کی کوشش ہوگی کہ ہر قیمت پر شانتی کو حاصل کرے۔ وہ اس ارادے سے باز نہیں آئے گا۔''

پھر ٹائیگر نے انہیں اس پراسرار اور خوفناک جزیرے اور آدم خور شیطان کے بارے میں بتایا تو ماں بیٹی کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ٹائیگر کے دلاسا دینے پر ان کے اعصاب قدرے پرسکون ہوگئے۔

پھر شانتی کی ماں نے پوچھا۔ ''اس پچیس لاکھ جعلی کرنسی کا کیا کریں......؟ کہاں ٹھکانے لگائیں؟''

''اسے نذر آتش کردیں...... اس کے سوا کوئی چارہ نہیں......''

نوٹوں کی گڈیوں کو نذر آتش کرنے میں ان کی مدد کی پھر وہاں سے نکل کر گھر آ گیا۔

☆......☆......☆

وہ سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو وہ اس آدم خور شیطان کے بارے میں سوچنے لگا کہ کس طرح اس جزیرے پر پہنچے...... وہاں پہنچنے کے لئے اسے کون سا راستہ اختیار کرنا ہوگا......؟ رات ہی وہ سفر کرکے اس جزیرے کی سرزمین پر قدم رکھ سکتا ہے...... دن کی روشنی میں ناممکن سا ہے...... اسے یہ بتایا گیا تھا کہ اس جزیرے کے عقب میں ایک بہت ہی چھوٹا سا جزیرہ تین میل کے فاصلے پر ہے...... وہاں سے بھی رات کے وقت آیا جاسکتا ہے...... اس جزیرے پر جو خطرناک اور خوں خوار شکاری کتے ہیں اسے ان کا ڈر اور خوف نہیں تھا...... کیوں کہ اس کے پاس جو جڑی منقش طلسماتی بیج نما کتے ہی نہیں بلکہ درندے اور موذی جانور

سانپ اور اژدھے بھی اس کا بال بیکا نہیں کرسکتے تھے...... اروندا نے اسے یہ بھی بتایا کہ اس پراسرار اور خوفناک جزیرے کے عقب میں جو چھوٹا سا جزیرہ ہے وہ دو فرلانگ کے رقبے کا ہے...... وہاں آبادی ہے۔ دس بارہ گھر ہوں گے...... وہاں بوڑھے درخت اور گھنی جھاڑیاں اور کھیت ہیں...... پھل دار پیڑ بھی ہیں...... اس کے علاوہ وہاں گائے کے باڑے ہیں...... مویشی بھی ہیں...... مرغ بانی کے فارمز ہیں...... اس جزیرے کو رام گاؤں کہا جاتا ہے...... رام گاؤں سے دودھ، گوشت اور مرغیاں بھی اس پراسرار اور خوفناک جزیرے کو سپلائی کیا جاتا ہے...... اس پراسرار اور خوف ناک جزیرے کو چھوٹے جزیرے کے لوگ راون کہتے ہیں...... اس لئے وہاں راون کی حکومت ہے...... راون جزیرے کے عقب میں جو ندی ہے وہاں پہاڑیاں بھی ہیں......

راون جزیرے کی ایک عمارت میں فلم اسٹوڈیو ہے...... ممنوعہ قسم کی فلموں کی شوٹنگ اس میں ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات آؤٹ ڈور بھی ہوتی ہے...... تاکہ اس کے ملازمین اور ساتھی بھی دیکھ سکیں...... کسی کسی دن قرعہ اندازی کرکے دس لڑکیوں اور عورتوں کو اس کے ان آدمیوں کے حوالے کردیا جاتا ہے کہ وہ جشن منائیں۔ انہیں شراب کی ایک بوتل بھی دی جاتی ہے۔ چوں کہ یہ سارے مفرور خطرناک اور قاتل ہوتے ہیں جو جیل میں سزا بھگت رہے تھے اور کسی نہ کسی طرح اور محافظوں کو رشوت دے کر یا قتل کرکے فرار ہوگئے تھے......

وہ شیطان انہیں ہر وقت خوش رکھنے اور ان کی دل بستگی کا سامان فراہم کرتا تھا۔ اس طرح وہ نہ صرف اس کی مٹھی میں تھے اور تابع بھی ہوجاتے تھے...... مرد کی سب سے بڑی کمزوری عورت ہوتی ہے۔ اور پھر یہ جرم پیشہ اور سفاک قاتلوں کو شراب اور شباب کی طلب رہتی تھی...... اس کے جزیرے پر جیسی نوجوان اور حسین لڑکیاں عورتیں جوگنیوں کی طرح ہوتی تھیں وہ ان کے خواب میں بھی نہیں آتی تھیں۔

رام گاؤں میں عمر رسیدہ اور بے کشش عورتیں رہ گئی تھیں...... یا پھر وہ لڑکیاں اور جواں سال عورتیں جن میں کوئی کشش اور حسن نہ تھا۔ وہاں جتنی حسین اور جواں عورتیں تھیں اس نے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا تھا۔ پڑوسی کا خیال کرکے صرف دل بہلایا لیکن انہیں قتل نہیں کیا تھا۔

ٹائیگر نے اب تک اس آدم خور شیطان کے کئی آدمیوں کو ٹھکانے لگا چکا تھا...... اسے

اندازہ تھا کہ وہ خبیث اس بات پر یقیناً چراغ پا ہوگا کہ ایک مرد اور ایک لڑکی جو اس کے جزیرے سے فرار ہوئے اب تک ان کا پتا نہیں چلا تھا اور نام ونشان نہ تھا۔ اور پھر اس کے نہایت قابل اعتماد اور بازو ناکارہ کردیئے گئے تھے۔ اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ کسی کام آسکیں۔ معذور اور اپاہج ہوگئے تھے۔ اس بری طرح جھلس گئے تھے...... اسے جو نقصان پہنچایا گیا تھا وہ ناقابل تلافی تھا۔ وہ اروندا اور بملا کماری کی تلاش میں اس لئے بھی تھا کہ وہ اس کے کئی راز لے گئے تھے...... اب اس کے اور جزیرے کے بارے میں...... اس کی سرگرمیوں کے بارے میں بھی دنیا کو معلوم ہوگیا تھا...... وہ اس جزیرے کے اسرار کو راز رکھنا چاہتا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں حکومت اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے......

وہ انسانوں کا شکاری تھا...... حسین اور بے حد پرکشش نوجوان اور نازک اندام دوشیزاؤں کا......

اس شیطان نے یقیناً اندازہ کرلیا ہوگا کہ اس کے منصوبے کو ناکام بنانے میں ٹائیگر کا ہاتھ ہے...... جب سے ٹائیگر شکار کھیلنے آیا ہے تب سے اسے پے در پے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔

ٹائیگر سوچتے سوچتے سوگیا۔ صبح بیدار ہوکر وہ کویتا کو دیکھنے چلا گیا۔ کویتا جلدی سے صحت یاب ہو چکی تھی۔ کویتا تیزی سے روبہ صحت ہوگئی تھی۔ اس وعدے پر پیش آنے والے تمام واقعات سنائے اور اروندا اور بملا کماری کے بارے میں بتایا تھا کہ انہیں شائع نہیں کیا جائے۔ البتہ اس کے بارے میں ایک خبر شائع کی جائے کہ انسانوں کے شکاری اس کی تلاش میں آجائے...... وہ اس کی تلاش میں اور سرکوبی کے لئے کل میسور جا رہا ہے تاکہ دشمن کھل کر مقابلے پر آجائے۔

''سنو ٹائیگر......!'' کویتا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنائیت کے لہجے میں کہا۔ ''تم اپنا خیال رکھنا...... وہ شکاری نہ صرف بے حد خطرناک پراسرار اور درندہ صفت بھی ہے...... بہت سارے ایسے واقعات پیش آچکے ہیں کہ میں تفصیل کیا بتاؤں...... سات ماہ پہلے ایک کوسٹر جس میں چار نرسیں اور چار بڑے بڑے سرجن ڈاکٹر تھے بنگلور سے میسور گئے تھے تاکہ مضافات میں کیمپ لگا کر مریضوں کا علاج اور آپریشن کریں...... ان میں آنکھوں اور دماغ کے سرجن بھی تھے...... وہ سارے پراسرار طور پر غائب ہوگئے لیکن کوسٹر

مل گئی تھی...... آج تک ان کا پتا نہیں چل سکا...... ایسے ہی جانے کتنے واقعات...... کس کس کی تفصیل سناؤں...... اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔''

دوسرے دن بنگلور...... میسور اور مدراس کے تمام اخبارات میں ٹائیگر کے اس مشن پر جانے کی خبریں شائع ہوگئی تھیں۔ کویتا نے اسے اپنی ایک ممانی دوست سرلا کا پتا دیا جس کا شوہر ایک بزنس مین تھا۔ اس کے پاس ایک بڑی ٹورسٹ کشتی تھی جس میں دو کیبن تھے۔ وہ اس کشتی میں سیر و تفریح کے لئے نکلتی تھی۔ ساتھ میں اس کا شوہر یا اس کی سہیلیاں بھی ہوتی تھیں۔

اس خبر کا شائع ہونا دشمن کو نہ صرف اطلاع تھی بلکہ ایک طرح سے ٹائیگر نے اسے کھلا چیلنج دیا تھا...... ٹائیگر کو اس بات کا اندازہ تھا کہ یہ مشن انتہائی خطرناک اور خوفناک مشن ہے زندگی اور جان و مال کی کوئی ضمانت نہیں...... کیوں کہ اس نے دشمن کو جو نقصان پہنچایا اور پہنچا رہا۔ ہے اسے خوف اور تشویش میں مبتلا کردیا ہے۔ وہ اس کے لئے فرشتہ اجل بن گیا ہے۔

ٹائیگر موت سے نہیں ڈرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ موت کا ایک دن معین ہے۔ اگر موت آنی ہے تو نہ ایک منٹ پہلے آسکتی ہے اور نہ ایک منٹ کے بعد......

ٹائیگر میسور پہنچا تو وہ پرعزم تھا۔

جب سرلا دیوی کے ہاں پہنچا تو وہ اتفاق سے اس روز اپنے شوہر کے ساتھ سنگا پور جا رہی تھی۔ پھر اس نے اپنی ایک سہیلی شکنتلا کو بلا کر تعارف کرایا...... شکنتلا حیرت اور خوشی سے اچھل پڑی ٹائیگر سے مل کر...... وہ ٹائیگر کی بڑی مداح تھی...... پرستار تھی......

سرلا دیوی نے اسے اپنی کشتی کی چابی دیتے ہوئے کہا۔

''مسٹر ٹائیگر......! تمہیں اس پراسرار اور خوفناک جزیرے تک نہیں لے جائیں گے...... بلکہ وہ ندی اور اس کے قرب و جوار کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو اس پراسرار جزیرے کی طرف جاتا ہے...... تمہیں خوف زدہ اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... اگر تمہیں ڈر محسوس ہو تو تم کسی بھی سیکورٹی کمپنی کے دو ایک مسلح گارڈز کی خدمات حاصل کرلینا اور اس کا بل میں واپس آکر ادا کردوں گی۔''

''کیا تم مجھے اتنا بزدل اور ڈرپوک سمجھتی ہو......؟'' شکنتلا ہنس کر بولی۔ ''تم اور میں

تین چار سہیلیاں کشتی میں سارا دن سیر و تفریح کرتی اور پکنک مناتی رہی ہیں...... صبح شام تک...... لیکن کبھی ہمارے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جو پریشان کن ہو...... مسٹر ٹائیگر......! میں توہم پرست نہیں ہوں۔"

"دراصل مجھے آپ جیسی ہی نڈر اور بہادر اور وسیع القلب ساتھی کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر نے خوش مزاجی سے کہا۔ "آپ کے ساتھ کشتی کی سیر میں اچھا وقت گزرے گا۔"

"شکنتلا......!" سرلا دیوی نے کہا۔ "تم ایسا کرنا کہ پدما...... رنجنا اور نرنجن کو بھی ساتھ لے لینا...... تاکہ پکنک کا مزا آئے۔ صبح سے شام تک کا وقت ایسا گزرے گا پتا بھی نہیں چلے گا۔"

"میں ان سے کہہ دوں گی اور کھانا بھی بنوا کر لیتی آؤں گی......" وہ بولی۔ "کچن میں چینی، چائے، پتی اور شربت وغیرہ ہے نا...... فریج بھی آن ہے......؟"

"ہاں......" سرلا دیوی نے سر ہلا دیا۔

سرلا دیوی نے شکنتلا کے متعلق بتایا تھا کہ وہ ایک ماڈل گرل ہے...... اس کے کمرشل ٹی وی پر آتے رہتے ہیں...... اس نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے...... اس لئے کہ اسے ابھی تک ایسا شخص نہیں ملا جو وہ جیون ساتھی بن سکے۔

وہ ٹھیک دن کے دس بجے طے شدہ جگہ پہنچ گیا۔ سرلا دیوی کی کشتی جس پر انگریزی حرفوں میں ڈائمنڈ لکھا ہوا تھا وہ ٹورسٹ گائیڈ آفس کے ڈاک نمبر تین پر کھڑی تھی...... شکنتلا اس کے عرشہ پر ریلنگ پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اپنا خوب صورت اور مرمریں ہاتھ فضا میں لہرایا۔

وہ عرشہ پر پہنچا تو شکنتلا کو دیکھ کر چونک پڑا۔ کل تو وہ بڑی سادگی سے آئی تھی۔ لیکن آج وہ قیامت بن کر کھڑی تھی۔ وہ کالی ساڑھی اور بغیر آستینوں اور نیچی تراش کے بے حد مختصر بلاؤز میں ملبوس تھی...... ساڑی اس نے ناف سے نیچے باندھی ہوئی تھی...... اس کے شباب کی پھبت بڑی قیامت خیز تھی۔ اس کا حسن بے حد خطرناک ہو گیا تھا...... اس کے حسن کی کرشمہ سازیاں اس قدر واضح تھیں کہ ٹائیگر کی نگاہ اس کے چہرے اور سراپا پر ٹھہر نہیں پا رہی تھیں...... آخر کو وہ ایک ماڈل گرل تھی۔ اس نے اپنی جسمانی نمائش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

جب اس نے شکنتلا کو کشتی میں اکیلا دیکھا تو پوچھا۔

"کیا آپ کا دوست اور سہیلیاں ابھی تک نہیں پہنچیں......؟"

"اتفاق سے وہ چاروں آج اس قدر مصروف ہیں کہ وقت ہی نہ نکال سکے......" اس نے جواب دیا۔ "ان کے آنے یا نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ پڑے گا...... سرلا نے مجھے کشتی چلانے میں ایسا ماہر کر دیا ہے کہ میں خطرناک حد تک تیز بھی چلا سکتی ہوں...... آپ جہاں تک کہیں گے میں لے جاؤں گی...... مجھے اس پراسرار اور خوفناک جزیرے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے...... ورنہ میں آپ کو وہاں بھی لے جا سکتی ہوں۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں......" ٹائیگر نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد شکنتلا نے کاک پٹ میں جا کر اس کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ پھر اس کی رفتار دھیمی کر کے آئی۔ عرشہ پر کیبن کے باہر ایک میز اور تین کرسیاں رکھی تھیں...... اس کے قرب نے سف دوبالا کر دیا تھا۔ وہ مہک رہی تھی اور آتش فشاں کی طرح تپش دینے لگی۔ ٹائیگر کی جگہ کوئی اور ہوتا...... وہ نہ صرف پیش قدمی کرتا بلکہ بہک جاتا اور اس تنہائی سے فائدہ اٹھاتا...... کیوں کہ شکنتلا کی خوب صورت آنکھوں میں انجانی دعوت تھی...... اور پھر وہ ایک ماڈل گرل تھی...... ایسے نامناسب سے لباس میں آنے کا مطلب کیا تھا......

لیکن وہ اس کا چہرہ اور سراپا نظروں میں جذب کرنے کے بجائے اس نے ماحول پر نگاہ رکھے ہوئی تھی...... کیوں کہ اس کے علم میں یہ بات تھی کہ سیاح اور شکاری سفر کے دوران پراسرار طور پر غائب ہو جاتے ہیں۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ وہ اس لئے حد سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہے...... اس نے شکنتلا کی خود سپردگی کی نگاہوں میں ایسا محسوس کیا کہ وہ اس پر مرمٹی ہے...... اس کے کارناموں کی تعریف پر تعریف کئے جا رہی تھی...... اور پھر وہ کسی حیلے بہانے سے ساڑی کا پلو گود میں گرا دیتی تو اسے اٹھانے کا خیال ہی نہیں آتا...... پھر احساس کر کے سینے اور شانے پر اسے ڈال لیتی تھی۔

ٹائیگر کو یوں بھی اس کے خطرناک حسن سے اتنا خوف آیا کہ اس آدم خور شیطان سے نہیں...... وہ لڑکیوں عورتوں کے بارے میں کبھی سنجیدہ نہیں ہوا تھا...... اس نے ہمیشہ اپنے مشن سے دلچسپی لی تھی...... شکنتلا سے وہ نجات پانے کا سوچنے لگا...... شکنتلا کے لئے لڑکوں مردوں کی کیا کمی ہو سکتی تھی...... وہ ایک ماڈل گرل تھی۔ اس کی زندگی میں جانے کیسے کیسے

مرد اور کالی راتیں آئی ہوں گی......اس نے ان سے اپنی مہربانی اور فیاضی کی قیمت بھی وصول کی ہوگی......اس پر مہربان ہونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا......وہ اسے ایک دمڑی دینے سے رہا......

''یہاں کے لوگ کس قدر توہم پرست عجیب عجیب سے مزاج اور سوچ کے مالک ہیں......'' وہ کہنے لگی۔ ''یہ ندی جو آگے جا کر دریا سی بن جاتی ہے۔لوگوں نے سنسنی خیز اور من گھڑت کہانیاں گھڑ رکھی ہیں......جن کا کوئی سر پیر نہیں ہے......یہ کہانیاں سن کر ہنسی آتی ہے......ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں......''

''لوگوں نے کیا کہانیاں مشہور کر رکھی ہیں......؟'' ٹائیگر نے انجان بن کر پوچھا۔

''جو کشتی میں لڑکیاں عورتیں سفر کرتی ہیں اس دریا میں اغوا کر لی جاتی ہیں......'' شکنتلا نے جواب دیا۔ ''میں سرلا اور تین چار سہیلیاں اس کشتی میں دن رات سفر کرتی رہتی ہیں......کشتی روک کر پانی میں کودتی، نہاتی اور تیرتی رہتی آئی ہیں......پھر ہم عرشے پر دراز ہو کر سن باتھ لیتی بھی رہی ہیں......آج تک کوئی پراسرار آدمی یا بدمعاش اغوا کر کے نہیں لیا گیا......اس جدید سائنسی دور میں یہ مضحکہ باتیں لگتی ہیں......لوگ کہتے ہیں کہ کوئی بدروح ہوتی ہے جو صرف حسین اور نوجوان لڑکیوں عورتوں کو لے جاتی ہے اور ان کا خون پی کر ان کا گوشت کھا جاتی ہے......کیا آپ کو ان باتوں پر اور کہانیوں پر بسواس ہے؟''

''ان باتوں میں اتنی صداقت ضرور ہے کہ کوئی ایک ڈیڑھ برس میں کتنی حسین اور نوجوان لڑکیاں عورتیں اور ماڈل گرلز بھی پراسرار طور پر غائب، لاپتہ اور گم ہوتی رہی ہیں......'' ٹائیگر کہنے لگا۔ ''ان کا نام ونشان اور سراغ نہیں ملا......صرف یہ بات علم میں آئی کہ کوئی ایسا جزیرہ جنگل میں ایسی جگہ ہے کہ جس کا علم ابھی تک نہیں ہوسکا......اس کے متعلق طرح طرح کے قصے اور کہانیاں مشہور ہیں......کسی بدروح کا قصہ بکواس اور من گھڑت ہے......ایک شیطان صفت شخص پس پردہ موجود ہے۔''

''وہ صرف نہایت حسین، پرکشش دوشیزاؤں کو ہی اغوا کیوں اور کس لئے کرتا ہے......؟ کیا کوئی خاص بات ہے۔''

''ٹائیگر اسے کسی وجہ سے زیادہ تفصیل بتانا نہیں چاہتا تھا۔صرف اس نے یہ کہنے پر اکتفا کیا۔

''وہ غیر معمولی حسین لڑکیوں کو اغوا کر کے نہ صرف ان کی عزت سے کھیلتا ہے اور ان کی غیر ممنوعہ فلمیں بنا کر بازار اور غیر ممالک میں فروخت کرتا ہے......ان میں سے بہت ساری لڑکیوں اور ماڈل گرلز کی سی ڈیز بازار میں دستیاب ہیں......''

''جی ہاں......'' اس نے اعتراف کیا۔ ''میں نے اور سہیلیوں نے دیکھی ہیں......اس ماہرانہ انداز سے عکس بندی کی ہوئی ہے کہ جیسے انہیں یورپ اور امریکہ میں فلمایا گیا ہو......''

''اچھا......ایک بات بتائیں اور میرے سوال کا جواب صاف صاف دیں......مبالغہ سے کام نہ لیں......میں ایک حقیقت پسند لڑکی ہوں۔تنقید کا برا نہیں مناتی ہوں......بلکہ خوش ہوتی ہوں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''آپ کیا معلوم کرنا چاہتی ہیں۔''

''مجھے ماڈلنگ کا کام اس لئے ملتا اور کمرشل بنائی جاتی ہیں کہ میں غیر معمولی طور پر حسین ہوں......نہایت پرکشش بھی......شوبزنس کی دنیا میں مجھے سیکسی گرل کا خطاب ملا ہوا ہے......کیا میں نہایت حسین اور سیکسی ہوں۔''

''لوگ غلط نہیں کہتے......اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔'' ٹائیگر مسکرایا۔

''اس اعتراف کے باوجود آپ میری طرف متوجہ نہیں ہو رہے ہیں......'' وہ بولی۔

''میں نے دانستہ اپنی سہیلیوں اور بوائے فرینڈ کو مدعو نہیں کیا......میں ایک آزاد خیال لڑکی ہوں......میں لندن میں پیدا ہوئی اور چودہ برس تک وہاں رہی......آپ کو علم ہے کہ وہ لڑکی ان کے معاشرے میں نہایت حسین اور خوش قسمت سمجھی جاتی ہے......جس کے بوائے فرینڈ زیادہ ہوں......جس کی زندگی میں لڑکے اور مرد زیادہ سے زیادہ آئے ہوں......تیرہ برس کی عمر سے ہی میں نے ایک پرتعیش زندگی گزاری......میری ماں کو میرے باپ نے اس لئے طلاق دے دی کہ ان کے دو تین دوست شوہر کی طرح بنے ہوئے تھے......پھر ممی مجھے لے کر یہاں آ گئیں......میری ممی ایک نائٹ کلب میں کیبرے کرتی ہیں جو بنگلور میں ہے......میں یہاں اکیلی رہتی ہوں۔''

''محترمہ میں ایک سراغ رساں ہوں۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''جیمز بانڈ نہیں ہوں۔جو لڑکیوں کے جلوؤں میں رہتا ہوں......آپ نے مجھے غلط سمجھا......میں اس وقت شکار پر آیا ہوا ہوں......ایک تو جنگل میں کالے ہرن کے شکار کے لئے جس کا اجازت نامہ میرے

پاس ہے...... دوسرا اس شخص کا شکار کرنے...... اسے گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے جو ایک انتہائی خطرناک اور پراسرار شکاری اور درندہ صفت اور شقی القلبی ہے۔''

''کیا میں شکار نہیں ہوں......؟'' شکنتلا نے شوخی سے کہا۔ ''آپ میرا شکار نہیں کریں گے...... کیا میرا شکار بھی سنسنی خیز اور دلچسپ اور لطف انگیز نہیں ہے؟''

''آپ شکار نہیں بلکہ شکاری ہیں......'' ٹائیگر ہنس پڑا۔ ''بہر حال آپ میرا شکار نہ کریں۔ میں پہلے ہی آپ کی نظروں کا شکار ہو چکا ہوں...... میں ایک بات کی وضاحت کروں کہ...... جنگل میں جو جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے...... وہ دنیا میں سب سے زیادہ خطرناک...... سنسنی خیز اور دلچسپ سمجھا جاتا ہے...... گو اس میں جان سے ہاتھ دھونے کا خطرہ ساٹھ فیصد ہوتا ہے۔ لیکن اس میں جو لطف اور کیف ہے وہ کسی اور شکار میں نہیں......''

''آپ جتنے ہینڈسم ہیں اتنے ہی عجیب آدمی ہیں...... ایک شکار خود شکار ہونا چاہتا ہے لیکن آپ ہیں کہ......''

''آپ مجھے عجیب آدمی ہی رہنے دیں۔'' ٹائیگر نے درمیان میں ہنس کر کہا۔

وہ یک لخت کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنی گود میں گرا ہوا ساڑی کا پلو اٹھایا جو اس نے بڑی دیر تک گرا رکھا تھا...... اس نے پلو اٹھا کر سینے اور شانے پر ڈالا۔ ٹائیگر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولا۔

''سخت پیاس لگ رہی ہے...... سوچ رہی ہوں کہ اسکوائش بنا کر لے آؤں...... آپ کون سا اسکوائش پینا پسند کریں گے......'' لیکن فریش جوس...... میں لیموں بھی لائی ہوں...... یا اورنج یا مینگو؟''

''لیمن فریش جوس......''

جب وہ کچن کی طرف بڑھی تو وہ اس کی سبک خرامی دیکھنے لگا...... اس نے سوچا...... کتنی بدکار، بدچلن...... اور بے غیرت قسم کی ہے...... پھر اس نے سوچا۔ شو بزنس کی دنیا میں ایسی ہی لڑکیاں عورتیں آتی ہیں جو آبرو باختہ ہوتی ہیں۔

پھر وہ ایک ٹرے میں دو گلاس فریش لیمن جوس لے آئی...... ایک گلاس اس کے سامنے رکھا اور دوسرا خود لے کر بیٹھ گئی...... پھر اس نے غیر محسوس انداز سے ساڑی کا پلو گود میں گرا لیا۔ وہ ٹائیگر کو ورغلانے اور پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فریش لیمن جوس مزے دار تھا۔ وہ ایک سانس میں پی گیا...... چند لمحوں کے بعد اس کا سر چکرانے لگا تو اسے شکنتلا...... کشتی اور آسمان گھومتا نظر آیا...... وہ اسے کسی چڑیل کی مانند دکھائی دے رہی تھی...... وہ ہنس کر بولی۔

''ٹائیگر......! میں تمہیں جزیرے پر لے جا رہی ہوں...... باس تمہارا وہاں...... منتظر......''

وہ اس سے زیادہ سن نہ سکا...... تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

جب ٹائیگر کو ہوش آیا تو اس کا سر بھاری تھا اس کا ذہن خالی تھا۔

اس نے اپنے آپ کو نرم و گداز بستر پر پایا۔ اس کی یادداشت رفتہ رفتہ بحال ہونے لگی۔ اسے یاد آیا کہ وہ کشتی پر شکنتلا کے ساتھ تھا۔ جزیرے کی تلاش اور ان کا محل وقوع دیکھنے نکلا تھا۔ شکنتلا نے اسے فریش لیمن جوس پینے کے لئے دیا۔ جسے پیتے ہی وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اب اسے ہوش آیا تھا۔ وہ کتنی دیر تک بے ہوش رہا۔ اسے اندازہ نہ ہو سکا تھا۔ لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ساری رات سوتا رہا ہے۔

اس نے تکیے پر گردن گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ ایک نہایت آراستہ پیراستہ کمرا تھا۔ پھر اسے ایک دم سے خیال آیا تو اس نے اپنی جیبوں کی تلاشی لی۔ اس کا ریوالور موجود نہیں تھا۔ لیکن اس کا بٹوا تھا۔ اس میں چرمی منقش بیج تھا۔ جس میں سے ایسی شعاعیں اسے دبانے سے خارج ہوتی تھیں کہ درندے اور خون خوار شکاری کتے جو جزیرے پر موجود تھے۔ وہ مطیع ہو جاتے تھے۔ بال تک بیکا نہیں کر سکتے تھے۔ اسے حیرت ہوئی کہ یہ بیج اس کے بٹوے سے کیوں نہیں نکال لیا گیا۔ شاید نظر نہیں پڑی ہو گی۔ انہیں صرف ریوالور سے خوف تھا اس لئے اسے نکال لیا گیا۔

اس کی جیب میں بظاہر ایک عام قسم کا بال پین تھا لیکن وہ ایک نہایت خطرناک قسم کا آتشیں اسلحہ تھا۔ جب وہ کسی بھی خطرناک مہم سر کرنے جاتا تھا تو اسے ضرور ساتھ لے جاتا تھا۔ اس کا استعمال اس وقت کرتا تھا جب اس کے سوا چارہ نہ ہوتا تھا...... اس میں سے بھی برقی شعاعیں جو خارج ہوتی تھیں وہ آن کی آن میں انسان کے علاوہ درندہ ہی کیوں نہ ہو خاکستر کر دیتی تھیں...... لوہا، پیتل، سونا، چاندی اور ہر قسم کی جست اور دھات کو بھی کوئلہ

بنا دیتیں...... ٹائیگر نے صرف ایک مرتبہ اسے سندر بن کے جنگل میں استعمال کیا تھا۔ ابھی تک اس کی نوبت نہیں آئی تھی...... اس آتشیں اسلحہ کو بنگلہ دیش کے ایک سائنس دان ہمایوں کبیر نے ایجاد کیا تھا...... ایسا ننھا منا سا خطرناک آتشیں اسلحہ دنیا میں ابھی تک کسی بھی سائنس دان نے ایجاد نہیں کیا۔ اس قدر مہلک تھا کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ سائنس دان بنگلہ دیش بننے سے پہلے کراچی میں تھا۔ کیمپ میں انجینئر تھا۔

ہمایوں کبیر نے ایٹمی بال پین ٹائیگر کو تحفے میں اس لئے دیا ہوا تھا کہ وہ انسانیت کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا۔ اس پر جو لاگت آئی تھی وہ نہیں لی تھی۔ جب کہ وہ اس کی لاگت دینے کو تیار تھا۔ اس نے آج تک کسی کو بھی اس بال پین کے بارے میں اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ کیوں کہ اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔

جس وقت وہ بے ہوشی کے نرغے میں جا رہا تھا شکنتلا نے استہزائیہ انداز سے جو جملے کہے تھے وہ یاد آنے لگے تھے۔ وہ اس شیطان کے جال میں پھنس چکا تھا۔ ''اب دیکھنا وہ آدم خور درندہ اس کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے......'' وہ ٹائیگر کو راستے سے ہٹانے اور جال میں پھانسنے کے لئے اپنے آدمیوں کو لگا رکھا تھا۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ کمرے میں ایک شخص داخل ہوا جس کے چہرے پر خباثت تھی۔ ہونٹوں پر تمسخر تھا۔ اس نے ٹائیگر کو مخاطب کر کے کہا۔

''آخر آپ ہمارے باس کے جال میں پھنس گئے...... آپ تین دن تک اس جزیرے پر مہمان کی حیثیت سے رہیں گے۔ چوتھے دن باس فیصلہ کریں گے کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے...... آپ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کریں۔ کیوں کہ اس جزیرے پر کئی خون خوار شکاری کتے موجود ہیں جو مہمانوں کو، اجنبیوں کو چٹ کر جاتے ہیں...... تھوڑی دیر میں آپ کے لئے ناشتا آنے والا ہے...... آپ شیو کر کے نہا کر تیار ہو جائیں۔'' اس نے ملحق غسل خانے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس میں آپ کے ناپ کا ایک نیا جوڑا بھی موجود ہے۔''

جب وہ کمرے سے نکل کر دروازہ بند کر کے نکل گیا تو ٹائیگر نے چند لمحوں تک انتظار کیا۔ پھر اس نے ایک غراہٹ سی سنی جیسے دروازے پر کوئی کتا پہرے پر ہو۔ اس نے کچھ سوچ کر جیب سے منقش چرمی بیج نکالا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے جیسے دروازہ

کھولا ایک خوفناک خون خوار کتا فرش پر بیٹھا نظر آیا جو قامت میں کسی خچر سے کم نہیں تھا اور اس کی جسامت بھی شیر سے زیادہ ہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا اور غراتے ہوئے پر تولنے لگا۔ ٹائیگر نے جیسے ہی اسے منقش چرمی بیج کو دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دبایا۔ دوسرے لمحے کتا بھیگی بلی بن کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

ٹائیگر نے اپنا اطمینان کر لیا کہ اس مقناطیسی منقش چرمی بیج میں کیا طلسم پوشیدہ ہے...... اس طرح وہ جزیرے کے کتوں کو قابو میں کر سکتا تھا۔ وہ اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے تھے۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد غسل خانے میں گھس کر اس نے کپڑے اتارے اور بڑے سکون واطمینان سے غسل کیا۔ ابھی اس نے شیو کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیوں کہ اس نے کل ہی شیو کیا تھا۔ وہ روزانہ شیو نہیں کرتا تھا۔

اس کا جو لباس ہینگر میں لگا ہوا تھا وہ نہایت نفیس اور عمدہ کپڑے کا تھا۔ اس نے لباس پہن کر ایک عجیب سی فرحت محسوس کی۔ اپنے لباس کی ایک ایک چیز اس میں منتقل کی۔ لباس ہر لحاظ سے اس کے ناپ ہی کا تھا۔

یہ شیطان اس کا جانی دشمن تھا۔ کیوں کہ اس نے شیطان کے چیلوں کو سخت نقصان پہنچایا تھا اس لئے وہ انتقام لئے بغیر خاموش رہنے والوں میں نہیں تھا۔ ٹائیگر اپنے اس آدم خور شیطان سے اپنے دل میں کوئی خوف محسوس نہیں کیا بلکہ وہ سوچ رہا تھا کہ اپنے دشمن کو کس طرح کیفر کردار تک پہنچائے۔

راہ داری میں چاپیں سنائی دیں۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا۔ ایک نہایت حسین اور نوجوان لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے ٹائیگر کو نمسکار کیا۔ پھر رسیلی آواز میں دریافت کیا۔

''آپ ناشتے میں کیا لیں گے......؟''

''ٹوسٹ...... مکھن اور فرائی انڈے...... کافی......''

''پانچ منٹ میں ناشتا حاضر ہو جائے گا......''

وہ اتنا کہہ کر گھومی اور کمرے سے نکل گئی۔

ٹائیگر اس سے بہت کچھ پوچھنا اور معلوم کرنا چاہتا تھا...... اور پھر اسے ایسی لڑکی کو نوکرانی دیکھ کر حیرت ہوئی۔ وہ کوئی ایک عام قسم کی لڑکی نہیں تھی۔ کسی اچھے خاندان کی دکھائی

دیتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ آیا قسم کی لڑکیوں اور عورتوں کو کچن میں مامور کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی بدنصیب لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اس جزیرے پر جتنی لڑکیاں اور عورتیں ہیں وہ سب کی سب بدنصیب ہیں۔

تھوڑی دیر میں وہ ایک ٹرالی دھکیلتی ہوئی آئی۔

ایک کیتلی میں گرم پانی تھا۔ کیتلی کو ٹی کوزی سے ڈھکا ہوا تھا...... مگ، دودھ، چینی، کافی تھی۔ اس کے علاوہ ہاف فرائی انڈے...... چار ٹوسٹ، مکھن اور جام جیلی بھی تھی۔

''کیا میں اپنی میزبان کا نام پوچھ سکتا ہوں؟''

اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ دھیرے سے بولی۔

میں یہاں ایک آیا ہوں...... جس کا کام مہمان اور یہاں کے لوگوں کے کھانے پینے کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔''

''یہاں کتنے مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

''یہاں صرف آپ ایک مہمان ہیں؟''

''کیوں کیا...... اور مہمان نہیں ہیں......؟''

''یہاں جو مہمان آتا ہے وہ صرف تین دن کے لئے...... چوتھے دن اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا ہے...... ہاں لڑکیاں اور عورتیں جو ہوتی ہیں...... ان کا وجود کچھ دنوں کے لئے ہوتا ہے...... انہیں اتنی جلدی سدھار دیا نہیں جاتا ہے۔''

''تم یہاں کتنے دنوں سے ہو......؟'' ٹائیگر نے اس کی اداس آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''ایک ہفتہ ہوا ہے......'' اس نے افسردگی سے جواب دیا۔

''اس ایک ہفتے میں تم پر کیا بیتی...... ؟ کیا مجھے بتانا پسند کرو گی......؟'' ٹائیگر نے سوال کیا۔ ''جزیرے پر تمہیں کیسے لایا گیا......؟ اغوا کر کے...... یا گن پوائنٹ پر...... یا فریب دے کر......؟''

''سبز باغ دکھلا کر...... اس شیطان کے آدمیوں نے مجھے ایک ٹی وی ڈرامے میں ہیروئن کا کردار پیش کرنے کی پیش کش کی...... میری بڑی خواہش تھی کہ اسکرین پر آؤں...... انہوں نے مجھے انٹرویو کے لئے بلایا۔ میں میسور میں رہتی ہوں۔ میسور یونیورسٹی کے فائنل

ایئر میں ہوں...... میرا سبجیکٹ آرٹس تھا...... میں انٹرویو دینے کے لئے پہنچی تو میرے منہ پر کلوروفارم کا رومال رکھ دیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں جزیرے پر تھی۔ میرے کمرے میں دو لڑکیاں اور تھیں۔ ان میں ایک سولہ برس کی...... دوسری چودہ برس کی...... اس شیطان نے باری باری ہم تینوں کو بستر کی زینت بنایا۔ پھر ہماری ایک فلم بنائی گئی...... جن مردوں کے ساتھ کام کرنا پڑا وہ جرائم پیشہ تھے...... اب مجھے کچن میں...... آیا کا کام سونپ دیا گیا ہے...... ان لڑکیوں میں سے ایک کو شیطان کی کوٹھی میں صفائی اور دوسری کو کپڑے دھونے پر لگا دیا گیا۔''

''اچھا...... تمہیں اس بات کا علم ہے کہ اس جزیرے پر کیا کیا کام ہوتا ہے......؟''

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہمیں محدود کیا ہوا ہے...... فلم اسٹوڈیو اور کچن تک...... ہم اس عمارت سے نکل کر دوسری کسی عمارت میں آ جا نہیں سکتیں...... اس لئے کہ خون خوار کتے جانے نہیں دیتے ہیں۔''

''خیر...... کوئی بات نہیں......'' میں نے اسے دلاسا دیا۔ ''تم اب خوف زدہ اور پریشان نہ ہو...... میں اس جزیرے اور اس کے مالک شیطان کو موت کی نیند سلا کر رہوں گا۔ میرے ہاتھوں اس کا عبرتناک انجام اور موت لکھی ہوئی ہے......''

''سچ......!'' اس کا چہرہ بلب کی طرح روشن ہوا۔ پھر ایک دم سے بجھ گیا۔ ''یہ ناممکن ہے۔''

''ناممکن کیوں ہے......؟'' ٹائیگر نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔''

''سب سے پہلی بات جو ہے وہ کتوں کی......'' وہ بولی۔ ''تھوڑی دیر پہلے کتا راہ داری میں اس کمرے کے سامنے موجود تھا...... ایک پہرہ دار آ کر اسے لے گیا تھا تاکہ میں آپ کی آؤ بھگت کروں۔ ناشتہ وغیرہ پہنچا سکوں...... لیکن آپ کتوں سے کیسے نمٹیں گے......؟ کیا آپ نے سوچا ہے......؟''

''تم فکر نہ کرو...... یہ میرا مسئلہ ہے...... تم لوگوں کی آزادی بھی میرا معاملہ ہے...... میں اسے حل کر لوں گا......'' ٹائیگر نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔

لیکن ایک بات میری سمجھ سے بالا ہے کہ آپ نہتے ہیں...... ایک خطرناک دشمن کے

قیدی ہیں......کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آرہا......اور......"

"میرے پاس ذہانت کا ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے میں اسے شکست دے دوں گا۔" ٹائیگر نے درمیان میں کہا۔ "اس شیطان کا نام کیا ہے......؟"

"اگر ایسی بات ہے تو میں آپ پر اور ایشور کی ذات پر بسواس کیئے لیتی ہوں۔" اس نے افسردگی سے کہا۔ "اس شیطان کا نام پروفیسر راجہ ہے...... وہ کہتا ہے کہ میں راجہ ہوں...... مگر ہم سب قیدی اسے شیطان...... درندہ...... بھیڑیا اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں......؟ آپ جلدی سے ناشتا کرلیں۔ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

جب وہ جانے لگی تو ٹائیگر نے پوچھا۔ "تم نے اپنا نام بتایا نہیں......؟"

"میرا نام نوکرانی...... خادمہ...... داشتہ...... اداکارہ اور بدنصیب ہے۔" وہ دکھ سے بولی۔ "ویسے میرا نام بملا کماری ہے...... نام میں کیا رکھا ہے۔"

"سنو بملا کماری......!" ٹائیگر نے کہا۔ "میرا نام ٹائیگر ہے...... میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔ میں اس کی موت بن کر اسے لوگوں کو ظلم وستم سے نجات دلانے کی مہم پر نکلا ہوا ہوں۔"

"آپ...... ٹائیگر ہیں......!" وہ فرط مسرت سے بولی۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کیا تم میری ذات سے واقف ہو......!" ٹائیگر نے متعجب لہجے میں پوچھا۔

"میں کیا......؟ یہاں جو بھی لڑکیاں عورتیں اور مرد ہیں وہ سب آپ کے نام سے واقف ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "کہیں میں سپنا تو نہیں دیکھ رہی ہوں۔"

"وہ کیسے......؟"

"کچھ دنوں سے وہ شیطان اپنے آدمیوں پر برابر چیخ رہا ہے...... غصہ ہو رہا ہے...... تم لوگ ایک ٹائیگر کو پکڑ کر نہیں لاسکے...... وہ میرا بدترین دشمن ہے...... میری جان کے درپے ہے...... اسے مردہ یا زندہ لاؤ...... جو بھی اسے پکڑ کر لائے گا میں اسے دس لاکھ ڈالر دوں گا...... آپ کی شخصیت سے بہت زیادہ خوف زدہ اور ہراساں ہے۔" بملا کماری بولی۔ "میں سب قیدیوں کو بتاؤں گی کہ آپ نجات دہندہ بن کر آئے ہوئے ہیں۔ سبھی خوش ہوں گے۔ انہیں گھپ اندھیرے میں امید کی ایک کرن نظر آئے گی...... ہم سب آپ کی

کامیابی کے لئے دعا کریں گے۔"

"لیکن تم ان سب کو اطلاع کیسے دے سکو گی......؟" ٹائیگر نے کہا۔

میں ان تمام کو تینوں وقت چائے اور کھانا فراہم کرتی ہوں...... وہ سب ایک بڑے ڈائننگ ہال میں مقررہ وقتوں پر قید خانہ سے نکل کر آتے ہیں...... اچھا اب مجھے اجازت دیں۔ میرے ساتھ کام کرنے والی لڑکیاں عورتیں پریشان ہوں گی کہ میں کہاں چلی گئی......؟ کہیں کسی کتے نے مجھے اپنا نوالہ تو نہیں بنالیا۔"

بملا کماری کے جانے کے بعد ٹائیگر نے ناشتا کیا۔ وہ اس خبیث سے جلد سے جلد ملنا اور سامنا کرنا چاہتا تھا تاکہ اپنا منصوبہ بروئے کار لائے......

وہ اس شیطان کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا۔ کمرے میں ایک شخص داخل ہوا۔ جس نے نفیس ترین عمدہ تراش کا سرمئی رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ سفید قمیص...... سرمئی رنگ کی ٹائی تھی۔ اس کے پیر میں بڑے خوب صورت چرمی جوتے تھے۔ وضع قطع اور چہرے مہرے سے وہ مہذب، تعلیم یافتہ اور باوقار شخصیت دکھائی دیتا تھا۔

"میرا نام پروفیسر راجہ ہے۔" اس نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے ٹائیگر سے مصافحہ کیا۔ "میں آپ کو اپنے جزیرے پر خوش آمدید کہتا ہوں...... آپ میرے معزز بلکہ وی آئی پی مہمان ہیں۔"

ٹائیگر کو لمحے کے لئے یقین نہیں آیا کہ یہ آدم خور شیطان ہے۔ درندہ صفت ہے۔ انسانیت کے نام پر ایک بدنما دھبا...... اس کے معصوم اور انسانیت نما اور مہذب چہرے کے پیچھے اس کا اصل چہرہ کس قدر مکروہ، گھناؤنا اور قبیح چہرہ ہے۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ایک انسان ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

ٹائیگر نے اس سے بڑے رسمی انداز سے ہاتھ ملایا اور سنجیدہ ہو کر بولا۔

"آخر آپ نے مجھے اپنے پھیلائے ہوئے جال میں پھانس ہی لیا......"

"جی ہاں...... مجھے اس کی امید نہیں تھی...... ہر مرتبہ آپ بچتے رہے...... میرے جال کو کاٹتے رہے...... میں ناامید نہیں ہوا۔ اپنی کوشش اور جدوجہد جاری رکھی...... میں یہ سوچتا کہ میرا شکار آخر کب تک مجھ سے نکل کر، بچ کر بھاگتا رہے گا......" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

''تو آپ مجھے اپنا قیدی بنا کر بہت خوش ہوں گے؟'' ٹائیگر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جی ہاں...... یقیناً بہت خوش ہوں۔ میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا خوش نہیں ہوا؟''

''اس میں اس قدر خوشی کیا کیا بات ہے......؟ آپ تو انسانوں کا شکار کر کے خوش ہوتے رہے ہیں...... مجھے شکار کر کے اس قدر خوش ہونے کی کیا بات ہے......؟''

''اس لئے کہ آپ جیسا شکار...... خطرناک دشمن...... جس نے میرا چین وسکون غارت کر دیا۔ کبھی میری زندگی میں نہیں آیا...... میں کسی سے ڈرا اور خوف زدہ اتنا نہیں ہوا جتنا آپ سے......''

''وہ کس لئے......؟''

''اس لئے کہ آپ کے کارنامے میں پڑھ چکا ہوں...... پڑھتا رہا ہوں...... میرے پاس ایک فائل ہے جس میں اخبارات کے وہ تراشے جس میں آپ کے عظیم کارنامے شائع ہوئے وہ میں نے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔'' وہ کہنے لگا۔ ''جب میں نے اخبارات میں پڑھا کہ پراسرار جزیرے اور پراسرار شکاری کی تلاش میں اور مجھے قانون کے حوالے کرنے کی مہم میں آپ نکل رہے ہیں۔ میں خوف زدہ ہو گیا...... اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ آپ میرے لئے فرشتہ اجل ثابت ہوں گے...... پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میں آپ سے مقابلہ کروں گا...... ایک بہادر کی طرح...... اس لئے بھی کہ آپ بڑے بہادر اور نڈر ہیں...... میں ایک بہادر ہونے کے ناتے...... میں نے سوچا کہ یہاں کی یا میری روایت کے مطابق آپ کو تین دن ایک معزز مہمان کی طرح رکھوں گا جس طرح اب تک ملکی شکاریوں اور دو ایک دشمنوں کو تین دن مہمان رکھا...... پھر چوتھے دن ان سے ایک کھیل کھیلا...... وہ میرے شکار تھے اور میں ان کا شکاری...... چوتھے دن کیا کروں گا آپ کے ساتھ...... کچھ کہہ نہیں سکتا...... کیوں کہ آپ بھی ایک ماہر شکاری ہیں۔''

''میں صرف درندوں کا شکاری ہوں قاتلوں، جرائم پیشہ اور خون آشام بھیڑیوں کا...... میں نے کبھی ایسے انسانوں کو شکار نہیں کیا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''بات ایک ہی ہے۔'' پروفیسر راجہ بولا۔ ''ہم دونوں جانوروں اور انسانوں کا بھی شکار کرتے ہیں...... جرائم پیشہ بھی تو آخر انسان ہوتے ہیں۔''

''لیکن ان جرائم پیشہ کے خون سے میں ہاتھ نہیں رنگتا ہوں۔'' ٹائیگر نے تکرار کی۔

''میں انہیں گرفتار کر کے...... ان کے جرائم کی روک تھام کر کے قانون کے حوالے کر دیتا ہوں۔ قانون جانے...... عدالت جانے...... میرے ذمے جو فرض سونپا جاتا ہے...... میں اسے ادا کر دیتا ہوں۔''

''آپ مجھے گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دیں گے یا موت کی نیند سلا دیں گے؟'' پروفیسر راجہ نے سوال کیا۔

''میری کوشش ہو گی کہ آپ کو زندہ گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دوں......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''یہ حالات پر منحصر ہے...... میری کوشش ہو گی کہ آپ میرے ہاتھوں نہیں بلکہ عدالت کے فیصلے سے کیفر کردار تک پہنچیں۔ اس لئے کہ آپ کے گھناؤنے جرائم کی فہرست خون آشام بھیڑیوں کو بھی شرما دینے والی ہے۔''

''اگر آپ میرے مہمان نہ ہوتے تو میں آپ کی زبان کھینچ لیتا......'' وہ بولا۔ ''یہ تو وقت بتائے گا کہ کون کس کی موت کا فرشتہ ہو گا...... ویسے میں اپنے دشمن سے رعایت، نرمی اور رحم کرنے کا قائل نہیں ہوں...... ویسے آپ بڑے بہادر ہیں میرے سامنے اس قدر بے خوفی اور جرائم سے...... یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں بدترین دشمن ہوں...... میری قید اور رحم و کرم پر ہیں......''

''میں موت سے اس لئے نہیں ڈرتا کہ اس کا ایک دن معین ہے...... نہ تو وہ ایک منٹ پہلے آتی ہے اور نہ ہی ایک منٹ بعد...... بڑے خطرناک...... سفاک...... وحشی اور درندہ صفت قاتلوں نے مجھے کئی بار دھمکیاں دیں...... ان کے ہاتھوں میں خوفناک اور مہلک اسلحہ بھی تھا...... وہ مجھ پر خوب ہنسے کہ میں ان کے رحم و کرم پر تھا...... انہوں نے مجھ سے کہا کہ اب ہم دیکھتے ہیں کہ تمہیں کون بچاتا ہے...... لیکن وہ یہ بھول گئے کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے...... آخر ایسا ہی ہوا...... بچانے والے نے مجھے بچا لیا...... میرا بچانے والے پر بڑا ایمان اور بھروسا ہے...... آپ جیسے دس میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتے......''

''ٹھیک ہے......'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''جب وقت آئے گا تب میں دیکھتا ہوں کہ آپ میرے ہاتھوں سے موت سے ہمکنار ہونے سے کیسے بچتے ہو...... آج تک کوئی نہیں بچا...... جانے میں کتنوں کو موت کی نیند سلا چکا ہوں...... بچانے والا جانے کہاں تھا۔ تم خود

فریبی میں مبتلا ہو......"

ٹائیگر کچھ کہنے والا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا...... ایک عورت داخل ہوئی۔ وہ مہک رہی تھی۔ خوشبو تھی...... جس نے سارا کمرا مہکا دیا تھا...... جتنی حسین اتنی ہی پرکشش بھی تھی......

ٹائیگر نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ شکنتلا تھی جس نے اسے کشتی میں فریش لیمن جوس پلایا۔ جس میں بے ہوشی کی دوا تھی۔ وہ اس وقت کالی ساڑھی اور کالے بلاؤز میں ملبوس قیامت ڈھا رہی تھی۔

"آپ نے اس قیامت کو پہچان لیا ہوگا......؟ یہ شکنتلا ہے...... میری دوست...... میری دست راز جس کی بدولت اور جس کے جمال میں آپ پھنس گئے......" پروفیسر راجہ نے کہا۔ "یہ مردوں کو شکار کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتی ہے...... کوئی بھی اس کی حشر سامانیوں...... مہربانی اور فیاضی سے نہیں بچا......"

"یہ واحد شخص تھے جن پر میرے حسن و شباب کا جادو نہ چلا......" شکنتلا تبسم ہو کر بولی۔ "یہ میری زندگی میں پہلا مرد تھا جو مجھ سے بے نیاز رہا...... میرے ہر حربے کو ناکارہ کرتا گیا...... آخر کار مجھے آخری ٹرمپ کارڈ استعمال کرنا...... ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ فوراً ہی پھسل جاتا۔"

"جب تم نے بتایا تو مجھے یقین بھی نہیں آیا۔" پروفیسر راجہ نے کہا۔

وہ ایک ٹرے میں چائے اور سینڈوچز لے کر آئی تھی۔ اس نے ٹرے تپائی پر رکھ کر کہا۔

"میں کچن میں جا رہی ہوں لنچ تیار کرنے...... آپ چائے پئیں......" وہ بولی۔

"کیا چائے میں بھی بے ہوشی کی دوا ہے......؟" ٹائیگر نے چوٹ کی۔

وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے موتی جیسے دانت چمکنے لگے۔ وہ رسیلی آواز میں بولی۔

"اب آپ کو بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں رہی...... اس لئے کہ شکار جال میں پھنس چکا ہے۔" وہ مسکرادی۔ "آپ لنچ میں کیا کھانا پسند کریں گے......؟ میں ہر قسم کے کھانے بہت شان دار پکاتی ہوں...... دال، چاول، پاپڑ اور بکرے کے گوشت کی چانپیں اور اچار......"

"جو بھی کھلا دیں کھالوں گا......" ٹائیگر بولا۔ "پیٹ کا ایندھن جو بھرنا ہے۔ وہ کسی بھی ایندھن سے بھر جائے گا۔"

شکنتلا جب چلی گئی تو ٹائیگر نے پوچھا۔

"آپ کے جزیرے پر میں نے چھوٹی بڑی متعدد عمارتیں دیکھی ہیں...... میں نے کشتی میں سفر کرتے وقت دوربین کی مدد سے دیکھا تھا...... ان کی تعمیر پر کتنا خرچ آیا......"

"ایک ارب......" اس نے جواب دیا۔

"ایک ارب......؟" ٹائیگر بھونچکا سا ہو گیا۔ "اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی......؟"

"دبئی میں ایک لانچ میں افغانستان سے ہیروئن خرید کر لے گیا...... دبئی میں اسے فروخت کیا جو ڈھائی ارب ملے...... میرے ذہن میں ایک منصوبہ پرورش پا رہا تھا...... پھر میں نے یہاں آ کر اپنا خواب پورا کیا۔ اور ایک تنظیم بنائی۔"

"ان عمارتوں میں کیا کیا ہے......؟"

"ایک عمارت میں اسپتال...... آپریشن تھیٹر...... لیبارٹری...... اور ایکس رے...... دوسری عمارت میں مذبح خانہ اور کھالیں اتارنے کا جدید ترین پلانٹ ہے...... ایک مہمان خانہ ہے...... بہت بڑا کچن بھی ہے...... اس کے علاوہ جوتے بنانے کا کارخانہ بھی...... اس میں بھی ایک پلانٹ ہے...... اس کے علاوہ ایک عقوبت خانہ بھی ہے...... جس میں دشمن پر تشدد کیا جاتا ہے...... اسے ایذائیں دی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی میں نے بلی سے بھی بڑے جسامت کے بڑے بڑے چوہے پال رکھے ہیں...... بڑے خون خوار ہیں...... اس میں کوئی سو چوہے ہیں...... انسان کو تو چند سیکنڈ میں...... جب کہ شیر، چیتے، گینڈے کو صرف دس منٹ میں...... میں انہیں ایک ایک ہفتہ بھوکا رکھتا ہوں...... کوئی بھیڑیا...... شیر...... اور چیتا اس گڑھے میں ڈالا جاتا ہے جو کنواں جیسا ہے...... وہ دس فٹ گہرا ہے...... چوہے اس پر اوپر نہیں آ سکتے...... چوہے ٹوٹ پڑتے ہیں...... یوں بھی ان کی غذا...... سانپ اور اژدہے ہی ہوتے ہیں...... چوں کہ بھوکے ہوتے ہیں جو ہر قسم کے موذی جانور کھا جاتے ہیں...... جب وہ کسی بھی جانور کو خوراک بناتے ہیں مجھے اس جانور کو تڑپتے دیکھ کر بڑا لطف آتا ہے...... میں خوب ہنستا اور لطف اٹھاتا ہوں...... ایک عجیب سی سرشاری محسوس ہوتی ہے......

اور پھر میں نے ایک فلم اسٹوڈیو بنایا ہوا ہے...... جدید ترین کیمرے ہیں...... اس میں ایک لیبارٹری بھی ہے...... اس میں فلم ڈیولپ ہوتی ہے...... ایڈیٹنگ...... سی ڈیز بھی...... مقصد یہ کہ کسی بھی ٹیکنیکل کام کے لئے باہر جانا نہیں پڑتا ہے۔ میں فلم ڈائریکٹر ہوں اور کہانی نویس بھی...... ایک اسسٹنٹ ڈائریکٹر بھی...... کیمرہ مین بھی ممبئی کے فلمستان اسٹوڈیو کا ہے...... یہ ممنوعہ قسم کی فلمیں مڈل ایسٹ میں بہت پسند کی جاتی ہیں...... ہیروئنوں کی کوئی کمی نہیں ہے...... تیرہ برس کی عمر سے لے کر اٹھارہ بیس برس کی لڑکیاں اداکاری کرتی ہیں...... بعض شادی شدہ اور بچوں کی مائیں بھی جو بڑی سیکسی ہوتی ہیں۔''

''لڑکیاں عورتیں یہ کون ہوتی ہیں......؟'' ٹائیگر نے انجان بن کر سوال کیا۔ ''کیا یہ شوقیہ کام کرنے والی ہیں......! کیا آپ انہیں اس کا معاوضہ بھی دیتے ہیں......؟''

''نہیں...... یہ وہ لڑکیاں اور عورتیں ہوتی ہیں جنہیں میرے آدمی اغوا کر کے لاتے ہیں...... معاوضہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے...... بلکہ میں اپنے ان آدمیوں کو جو لڑکیاں عورتیں اغوا کر کے لاتے ہیں انہیں غیر معمولی معاوضہ دیتا ہوں۔ میری صرف ایک شرط ہوتی ہے۔ وہ جو بھی لڑکی عورت اغوا کر کے لائیں وہ نہایت حسین اور پرکشش ہو...... بے مثال ہو۔ میں آپ کو ان سے ملواؤں گا۔ آپ انہیں دیکھ کر خوش ہوں گے...... آپ ان کے ساتھ جشن منانا چاہیں تو بخوشی...... ان میں سے جو نگینہ اور ہیرا پسند آئے اس سے دل بہلا سکتے ہیں۔''

''اگر میں شکنتلا کا انتخاب کروں تو...... آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟''

''نہیں......'' اس شیطان نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ جب جس وقت چاہیں وہ آپ کی سیوا کرے گی۔''

''آپ جو پروفیسر ہیں کیا چیز کے ہیں......؟ کیا سائنس دان ہیں...... کیا کسی یونیورسٹی اور کالج میں پڑھاتے رہے ہیں......!'' ٹائیگر نے کافی پینے کے دوران دریافت کیا۔ ''آپ نے کیا کسی موضوع میں پی ایچ ڈی کیا ہے۔''

''میں پروفیسر سرجن ڈاکٹر ہوں۔'' وہ بتانے لگا۔ ''میں نے امریکہ اور یورپ کے اسپتالوں میں ملازمت کی...... وہاں بڑے پیچیدہ اور ہر قسم کے آپریشن کئے...... اعضا کی پیوند کاری بھی کی...... وہاں ایک سے ایک ماہر سرجن سے واسطہ پڑا...... میں نے ان سے

بہت کچھ سیکھا...... پھر میں اپنے وطن آیا...... میں نے ممبئی...... کولکتہ...... الہ آباد بنگلور اور میسور کے اسپتالوں میں اور میڈیکل کالجوں میں اور نجی طور پر لیکچر دیتا رہا...... اس وقت میں پروفیسر نارنگ کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ میں نے بڑی مقبولیت حاصل کی...... میری جیسی شہرت کسی بھی پروفیسر کو نہیں ملی۔ آج بھی ڈاکٹر نارنگ کے لیکچرز اور اس کی شخصیت کو یاد کیا جاتا ہے۔

''ایک بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''کیا آپ اس کی وضاحت کرنا پسند فرمائیں گے؟''

''وہ کیا......؟''

''اس مقدس پیشے سے وابستہ رہنے کے باوجود کیا آپ قصائی نہیں بن گئے......!'' ٹائیگر نے کہا۔ ''پلیز......! آپ میرے اس ریمارکس کا کچھ خیال نہ کریں......''

''میں آپ کی کسی بھی بات کا برا نہیں مانوں گا۔'' وہ بولا۔ ''اس لئے کہ آپ میرے مہمان ہیں...... تین دنوں کے لئے...... میں مہمانوں کی بڑی عزت کرتا ہوں...... چوں کہ آپ میرے خطرناک ترین دشمن ہیں اس لئے بھی کہ ہر بات کی اجازت ہے کہ جو چاہیں کہیں...... میں کسی بات کا کوئی خیال نہیں کروں گا...... آج کل کون سا ایسا ڈاکٹر اور سرجن نہیں ہے جس میں اور ایک قصاب میں کوئی فرق نہیں ہے...... قصاب تو پھر بھی جانور پر رحم کھاتا ہے...... وہ تیز چھری سے اسے ذبح کر دیتا ہے...... لیکن یہ ڈاکٹر صاحبان ان میں عورتیں ڈاکٹرز بھی ہیں...... وہ کند چھری لئے بیٹھے رہتے ہیں...... مریض کو آہستہ آہستہ ذبح کرتے ہیں...... جب وہ کسی زخمی پرندے کی طرح تڑپتا ہے تو وہ اس کے تڑپنے کا مزا لیتے ہیں...... پھر اس کی کھال مختلف حیلے بہانے سے ٹیسٹ کرواتے ہیں...... ان کی کمائی ٹیسٹوں سے زیادہ ہوتی ہے...... لیڈی ڈاکٹر حاملہ لڑکیوں، عورتوں کو میجر آپریشن کے بہانے رقم بٹورنے کے لئے چیر پھاڑ کرتی ہیں...... اس کے علاوہ کوئی ایمرجنسی کیس آتا ہے مریض زندگی اور موت کی کش مکش میں ہوتا ہے...... جب ڈاکٹر سے کہا جاتا ہے کہ یہ بہت سیریس کیس ہے آپ دیکھیں تو ڈاکٹر کہتا ہے کہ اتنے پیسے ڈپازٹ جمع کرا دیں...... جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اتنی رقم نہیں ہے...... بعد میں جمع کرا دی جائے گی...... لیکن وہ اس بات کو نہیں

مانتا...... وہ مریض فوری طبی امداد نہ ملنے کے باعث موت کی نیند سو جاتا ہے...... جب کوئی راہ گیر حادثے کا شکار لایا جاتا ہے تو وہ اسے اس لئے نہیں دیکھتا ہے کہ مطلوبہ رقم اس کے نام جمع کرانے والا ہوتا نہیں ہے...... انسانیت...... ان ڈاکٹروں کے نزدیک کس چڑیا کا نام ہے......"

اس نے توقف کر کے اپنی کافی ختم کی اور پھر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"کبھی ان ڈاکٹروں کی زندگی میں جھانک کر بھی دیکھا ہے......؟ ان کی آمدنی کیا ہے......؟ وہ اس کے مقابلے میں ٹیکس کتنا دیتے ہیں......؟ ہر سال وہ اپنی گاڑیاں بدل لیتے ہیں...... نئی کوٹھیاں اور بنگلے بناتے ہیں...... بیویاں بھی بدل لیتے ہیں...... ایک شاہانہ اور خواب ناک زندگی بسر کرتے ہیں۔

ان پرائیویٹ اسپتالوں...... میٹرنٹی ہومز اور کلینکس کے ملازمین کو کیا سہولتیں اور مراعات اور ترقی دی جاتی ہے......؟ قطعی نہیں...... کوئی سہولت نہیں ہوتی ہے...... اور تو اور...... انہیں دس روپے کی دوا یا مکسچر تک مفت میں نہیں ملتا ہے...... اس کے پیسے تنخواہ میں کاٹ لئے جاتے ہیں۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں......" ٹائیگر نے اعتراف کیا۔ "اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا...... ایشیا کے ممالک میں عموماً ایسا ہی ہوتا ہے...... واقعی ہندوستان ہو یا پاکستان...... بنگلہ دیش...... مریضوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے...... جیسے وہ انسان نہیں جانور ہوں...... یہ ڈاکٹر ہمارے ہاں انسانیت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہیں...... ڈاکو ہیں...... لٹیرے ہیں...... قصائی ہیں...... شاید یہ ناجائز اولاد ہیں...... اس لئے مریضوں کے ساتھ پیش آتے ہیں...... انہیں اپنے مقدس پیشے سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں ہوتی ہے...... صرف دولت کی ہوتی ہے...... بے ضمیر اور بے حس...... یہ دولت کے حصول کے لئے اپنے قلبی رشتوں کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں......"

وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ ٹائیگر نے موضوع بدلا۔

"آپ نے جنگل میں جو شکار کھیلے ہیں کس درندے کے شکار میں لطف آیا...... شیر، ہاتھی، تیندوے...... چیتا یا ہرن......"

"نہیں......" اس نے سر ہلایا۔ "اس لئے کہ یہ شکار، بے کیف اور غیر دلچسپ ہوتے

ہیں۔ اور پھر اس میں کوئی سنسنی خیزی بالکل نہیں ہوتی ہے۔"

"تو پھر آپ نے کبھی اپنی زندگی میں کوئی شکار نہیں کھیلا......؟ کیا آپ کو شکار کھیلنے اور جنگل میں جانے سے ڈر لگتا ہے؟"

وہ قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔

"میں انسانوں کا شکار کر کے بڑی سنسنی خیزی اور سرشاری محسوس کرتا ہوں۔"

"وہ کس لئے......؟ جانوروں اور درندوں کا شکار کیا جاتا ہے...... انسانوں کا نہیں......" ٹائیگر نے کہا۔

"اس لئے کہ یہ درندے اور جانور گو کہ خطرناک ہوتے ہیں...... لیکن بے زبان نہیں...... بے زبانوں سے لڑنا کیا...... چوں کہ انسان کی زبان بہت خراب ہوتی ہے...... اس میں زہر ہوتا ہے اور تلوار کی کاٹ ہوتی ہے...... جو بہت خطرناک...... دل میں گھاؤ پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے خطرناک درندہ اور شقی القلب اس دھرتی پر نہیں ملے گا۔"

"لیکن انسان ایسا اور اتنا خطرناک نہیں جو آپ انسانوں کا شکار پسند کرتے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "انسان آخر انسان ہے...... اس میں اور درندے میں بڑا فرق موجود ہے۔"

"چوں کہ آپ انسان ہیں اس لئے انسان کی حمایت میں کمر بستہ ہیں۔" وہ ایک دم سنجیدہ سا ہو گیا۔ "اس سے زیادہ بے رحم اور سفاک اور خون آشام بھیڑیا آپ کو جنگل میں بھی نہیں ملے گا......"

"میں انسانوں کا شکاری ہوں...... میں ایک آدمی کو شکار بنا کر اسے مہلت دیتا ہوں کہ وہ کہیں چھپ جائے...... فرار ہو جائے اس لئے کہ میں اسے شکار کروں گا...... میں اسے نہتہ نہیں رکھتا ہوں...... اسے بھی یہ حق دیتا ہوں کہ وہ جو چاہے ہتھیار کا انتخاب کرے تا کہ مقابلہ برابر کا ہو۔"

"یہ شکار نہیں...... صریحاً قتل ہے......" ٹائیگر نے کہا۔

"بڑی مچھلیاں جو چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کر لیتی ہیں اور انہیں تباہ کر دیتی ہیں......" وہ ہنس کر بولا۔ "یہ سلسلہ ازل سے چلا آ رہا ہے۔"

"شکنتلا پھر ان کے لئے کافی لے آئی۔ اس نے پہلے جو کافی بنائی تھی وہ بڑی شان دار تھی۔ اس کی طلب سی ہونے لگی تھی۔ تین کپ کافی تھی۔ اس نے ٹائیگر اور پروفیسر کی

طرف کافی کے مگ بڑھائے۔ پھر تیسرا کپ خود لے کر بیٹھ گئی۔ وہ ٹائیگر کو مستی بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

''شکنتلا جی......'' ٹائیگر نے اسے شوخی سے مخاطب کیا۔ ''تم مجھے شکار کرنے کے لئے ایسی خود سپردگی نظروں سے مت دیکھو...... جب میں کشتی میں سفر کے دوران تمہارا شکار نہیں بنا تو یہاں کیا بنوں گا......؟ یہاں بھی ہر کوشش رائیگاں جائے گی...... میں نہیں چاہتا کہ میرے شکار نہ ہونے پر تم اپنی توہین محسوس کرو۔''

''میں کیوں اپنی توہین اور سبکی محسوس کروں گی؟'' اس نے پلکیں جھپکائیں۔

''اس لئے کہ جب ایک عورت کے جذبات مجروح کر دیئے جاتے ہیں تو وہ اسے اپنی اہانت سمجھتی ہے۔''

''میں نہ تو مایوس ہوں اور نہ نامراد ہوں گی...... ابھی تو آپ کو یہاں تین راتیں گزارنی ہیں...... میں یہ جانتی ہوں کہ آج تک میرا کوئی بھی شکار بچ کر نہیں گیا...... آپ کیسے جا سکیں گے۔'' وہ دل کش انداز سے مسکرادی۔

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا......'' ٹائیگر ہنس پڑا۔ ''رات آئے گی۔ تب دیکھا جائے گا۔''

''پروفیسر......!'' شکنتلا نے کافی سپ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے اس مرتبہ جس شکار کا انتخاب کیا ہے کیا کبھی آپ کو بھی ایسے خطرناک...... ہوشیار اور عیار شکار سے واسطہ پڑا ہے؟''

''نہیں......'' پروفیسر نے کافی کا گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد کہا۔

''کیا آپ نے اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں ماری؟'' وہ بولی۔ ''یہ آپ نے حماقت نہیں کی؟''

''میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی موت کو دعوت دی ہے۔'' پروفیسر بولا۔ ''اس لئے کہ موت کے اس کھیل میں ایک ایسا عجیب سا لطف آئے گا...... ایسا لطف جو کبھی کسی انسان کا شکار کرتے ہوئے نہیں آیا...... یہ شکار بہت ہی خطرناک ہے...... ہار جیت کس کی ہوگی...... جس کی بھی ہوگی وہ بہترین شکاری ثابت ہوگا۔''

''اچھا وہ شکار کون ہے؟'' ٹائیگر نے پوچھا۔ ''کیا اسے جزیرے پر قید کیا ہوا ہے؟''

''وہ آپ ہیں......'' سکنتلا بولی۔

''کون......؟'' ٹائیگر بولا۔

''صرف...... آپ......'' شکنتلا نے جواب دیا۔

''ہم دونوں کا یہ آخری شکار ہوگا؟'' پروفیسر نے کہا۔ ''میری بڑی خواہش ہے کہ میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دوں...... کیوں کہ آپ نے میری تنظیم کو جو شدید نقصان پہنچایا ہے اگر میں زندہ رہا تو اسے کبھی بھول نہ سکوں گا۔ بنگلور میں آپ کی جان لینے کی کوشش کی گئی...... پریس کلب کے باہر...... لیکن آپ بچ گئے...... وہ عورت ڈھال نہ بنتی تو آپ موت کی آغوش میں ہوتے...... آپ نے میرے کئی آدمیوں کو عبرتناک سبق دیا...... نقصان پہنچایا...... آپ کا ایک دوست اروندا جو جزیرے سے فرار ہوگیا اسے کہیں روپوش کرادیا...... ایک اور لڑکی کو بھی...... جزیرے سے یہ دونوں ہی فرار ہوئے...... میری بڑی تمنا ہے کہ تمہیں سسکا سسکا کا ماروں......''

''جس کی موت قدرے جہاں اور جس کے ہاتھوں لکھی ہے یہ کوئی نہیں جانتا...... اس وقت ہم دونوں ہی موت کی مہم پر ہیں......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں چوں کہ قیدی ہوں...... اس جزیرے پر تین راتوں کا مہمان ہوں...... میں یہ چاہتا ہوں کہ تین دن تک ہنس کھیل کر گزار دوں...... ماحول خوش گوار رہے...... بدمزگی اور تلخی پیدا نہ ہو۔

''بہت خوب......'' پروفیسر بولا۔ ''میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ اب ہمیں اپنا موڈ بدل لینا چاہیے۔''

''اس کی ایک ہی صورت ہے کہ انہیں فلم کی شوٹنگ دکھائی جائے......'' شکنتلا بولی۔

''انہیں فلم اسٹوڈیو لے جایا جائے...... آپ کی فنی کہانی کو فلمایا جائے گا۔''

پروفیسر دیوار میں نصب انٹر کام کے پاس گیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ایک بٹن دبایا۔ رابطہ ہونے پر وہ بات کرنے لگا۔

ٹائیگر نے پوچھا۔ ''کیا تم بھی شوٹنگ دیکھنے چل رہی ہو......؟''

''نہیں...... اس نے سرخ ہو کر جواب دیا۔ ''میں کیا کروں گی؟''

''کیا تم نے اب تک کسی بھی فلم کی شوٹنگ نہیں دیکھی جو شرما رہی ہو......!'' ٹائیگر نے چوٹ کی۔

''میری اب تک تین فلمیں بن کر بازار میں آچکی ہیں۔'' اس نے سرگوشی کے انداز

میں کہا۔ پروفیسر کی پشت ان کی طرف تھی۔ وہ جانے کس سے بات کر رہا تھا ادھر سے بے خبر تھا۔ ”میں نے پروفیسر سے دوستی اور حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے...... میں کئی لڑکیوں کو لا چکی ہوں...... اس لئے پروفیسر مجھ پر مہربان ہے...... میں چوں کہ غیر معمولی طور پر حسین ہوں اس لئے پروفیسر کی نوازشات کی برسات ہوتی رہتی ہے۔“

شکنتلا نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پروفیسر اپنی گفتگو ختم کر کے ریسیور رکھ کر آیا اور بولا۔

”چلئے مسٹر ٹائیگر......! آپ نے اپنی زندگی میں بہت ساری فلمیں دیکھی ہوں گی...... شوٹنگ دیکھی ہو گی...... لیکن ایسی فلم اور شوٹنگ نہیں دیکھی ہو گی۔“

پھر وہ دونوں اس عمارت سے باہر آئے۔ ٹائیگر کسی بھی بہانے باہر آ کر جزیرے کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اسے اس شرمناک فلم اور شوٹنگ سے کوئی دلچسپی نہ تھی...... اس نے شکنتلا سے بات کرتے ہوئے اندازہ لگایا تھا کہ...... شکنتلا کے دل میں پروفیسر کے خلاف نفرت اور حقارت بھری ہوئی ہے...... وہ بظاہر پروفیسر سے ہنس کر اور بے تکلف ہو کر باتیں کرتی ہے...... مہربان بھی ہوتی رہتی ہے......

ٹائیگر اس کی آدم خوری کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ صرف شکنتلا ایک ایسی ہستی تھی جس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا...... اس نے سوچا کہ رات شکنتلا آئے گی تو اس سے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا......

ٹائیگر نے اس پراسرار جزیرے کا جائزہ لیا جو نہایت خوب صورت اور سرسبز و شاداب جزیرہ تھا...... کئی خوب صورت عمارتیں اس جزیرے کے حسن میں اضافہ کر رہی تھیں۔

ٹائیگر نے چھ سات کتوں کو دیکھا جو ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے...... انتہائی خوف ناک اور خطرناک جنہیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ایک کتے سے صبح اس کا سابقہ پڑ چکا تھا۔

جس عمارت میں فلم اسٹوڈیو تھا وہ چار کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک بہت بڑا کمرہ جسے خواب گاہ بنایا ہوا تھا۔ اس میں خواب گاہ کا بہت ہی خوب صورت اور شاندار سیٹ تھا۔ چھت اور دیواروں پر آئینے بھی تھے۔ بیڈ کے چاروں طرف کیمرے تھے...... روشنی کا اعلیٰ انتظام تھا۔

اس کمرے میں تین نہایت حسین لڑکیاں ایک طرف سہمی ہوئی کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے فق تھے اور ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ان کی خوب صورت اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے خوف و دہشت جھانک رہی تھی۔ تنگ و چست لباس پہن رکھا تھا جو جدید فیشن کا تھا جس نے انہیں نہ صرف نمایاں کر دیا بلکہ بولڈ بنا دیا تھا...... شاید یہ لباس ہی تھا کہ بدمعاشوں نے انہیں اغوا کیا اور یہاں پہنچا دیا۔

ان لڑکیوں کے مقابل تین مرد کھڑے ہوئے تھے۔ وہ وضع قطع اور چہرے مہرے سے پیشہ ور مجرم لگ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر سفاکی تھی اور آنکھوں سے درندگی جھانک رہی تھی۔ وہ ان لڑکیوں کو بھوکے بھیڑیوں کی طرح گھور رہے تھے۔

سامنے والی دیوار پر ایک سو بیس انچ کا سینما ہال کے اسکرین اتنا بڑا فلیٹ ٹی وی نصب تھا۔ اس پر ایک شرمناک فلم دکھائی جا رہی تھی...... لڑکیوں اور مردوں کے درمیان ایک دیو قامت شخص جس کا قد چھ فٹ سے زیادہ ہو گا وہ ایک ہنٹر لئے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک درندے کی سی درندگی تھی۔

پروفیسر اور ٹائیگر کو دیکھ کر فلم بند کر دی گئی تھی۔ پروفیسر نے بھی اشارہ کیا تھا کہ کچھ دیر کے لئے فلم بند کر دی جائے۔ پھر پروفیسر نے ہنٹر بردار شخص کا تعارف کرایا۔

”یہ رابندر داس ہے...... میرا وفادار ساتھی ہے...... یہ اسسٹنٹ فلم ڈائریکٹر ہے۔ یوں تو میں بھی ہر فلم ڈائریکٹ کرتا ہوں...... لیکن کبھی کبھی اسے یہ ذمے داری سونپ دیتا ہوں...... یہ تینوں لڑکیاں چار دن قبل یہاں لائی گئی ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کیسے گوہر نایاب ہیں...... آج میری ایک نئی کہانی ان پر فلمائی جا رہی ہے...... جس کی ڈائریکشن رابندر داس دے گا۔“

”یہ فلم ان لڑکیوں کو کس لئے دکھائی جا رہی تھی؟“ ٹائیگر نے سوال کیا۔

”اس لئے کہ انہیں اس قسم کے کردار ادا کرنے ہیں۔“ پروفیسر نے جواب دیا۔ ”میں آپ کو ایک دلچسپ بات بتاؤں ان تینوں نے مجھے بتایا وہ ایسی فلمیں دیکھتی رہی ہیں...... یہ جو تین ہیرو نما میرے ساتھی کھڑے ہیں ان فلموں میں ان کے ساتھ ہیرو کا کردار ادا کریں گے...... یہ تینوں ہی ان تین لڑکیوں کو بنگلور اور میسور شہر سے لائے ہیں۔ ان کے لئے میری طرف سے ان لڑکیوں کے ساتھ فلم میں کام کرنے کا انعام ہے۔“

"لیکن یہ ہنٹر لئے کیوں کھڑا ہوا ہے؟" ٹائیگر نے نفرت بھری نظروں سے رابندر داس کو دیکھا۔

اس لئے کہ ان لڑکیوں نے فلم میں کام کرنے میں پس و پیش کیا..... نخرے دکھائے..... ہدایت کاری اور کہانی کے مطابق کام نہیں کیا تو اس ہنٹر سے انہیں سدھایا جائے۔" وہ بولا۔ "یہ بھی فلم میں بہترین پرفارمنس دیتا ہے۔" "یہ پھول اور کلیاں ہیں....."

پروفیسر بولا۔ "میں رابندر داس سے کہتا ہوں کہ شوٹنگ شروع کی جائے۔ میرے ساتھی کیساز بردست پرفارمنس دیتے ہیں۔ آپ ملاحظہ کریں۔"

"مجھے اس فلم کی شوٹنگ سے کوئی دلچسپی نہیں....." ٹائیگر نے کہا۔ "آپ اس کمرے سے باہر چلیں..... یہ ظلم وستم ہے جو میں دیکھ نہیں سکتا....."

اس اثنا میں رابندر داس تیزی سے لڑکیوں کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"اپنے کپڑے اتار کر بستر کی طرف چلو....."

اس لڑکی نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

"نہیں..... میں اس فلم میں کام نہیں کروں گی..... میرا ہاتھ چھوڑ دو..... میری کلائی درد کر رہی ہے۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں تمہیں وہی کرنا ہے....." اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں فلم میں کام کرنے کے لئے لایا گیا ہے..... تم نے تھیٹر کے اسٹیج پر جس ڈرامے میں کام....."

"اس ڈرامے اور اس فلم میں بڑا فرق ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گی..... میں ایسی غلیظ فلم میں کام کروں گی..... تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے.....؟"

"میں دیکھتا ہوں تم فلم میں کام کیسے نہیں کرو گی.....؟" وہ دہاڑا..... اس کا چہرہ لال ہو گیا۔

پھر رابندر داس نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا تاکہ اسے بے لباس کرنے کے لئے کپڑے پھاڑ دے۔

پھر اس لڑکی نے اس کے ہاتھ میں دانت گاڑ دیئے..... بری طرح کاٹ لیا.....

رابندر داس نے فوراً ہی گریبان چھوڑ دیا۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ رابندر داس طیش میں آ جائے گا..... اب اس لڑکی کی خیر نہیں ہوگی۔ لیکن اس نے لڑکی کی اس حرکت کے خلاف کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا..... بلکہ قہقہہ مار کر ہنسا اور بولا۔

"تم ایسے ایکشن بستر میں دینا..... فلم ایک نمبر بن جائے گی..... میں ہیرو ہوں گا۔"

"میں نے کہہ دیا نا کہ میں کسی قیمت پر فلم میں کوئی کام نہیں کروں گی....." وہ تنک کر بولی۔

"ٹائیگر اس کی بے خوفی اور جرات پر دل میں عش عش کر رہا تھا..... اس لئے کہ ایک تو وہ جزیرے پر تھی۔ دشمن کی قید میں تھی..... وہ زیادتی کا نشانہ نہ بنی تھی..... اس دشمن کے رحم و کرم پر تھی..... یہاں ایک سے ایک خطرناک بدمعاش تھا..... قاتل..... وحشی، درندہ اور سفاک.....

اور پھر یہ دیو قامت ڈائریکٹر جو ساڑھے چھ فٹ سے زیادہ ہی تھا۔ وہ اس کے سامنے ننھی سی لڑکی کی طرح تھی..... اور وہ ایک چڑیا کی مانند..... اسے اندازہ تھا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا..... اس کا انکار..... دفاع اور مزاحمت..... بے سود تھی..... وہ یہاں سے فرار نہیں ہو سکتی تھی..... یہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ لیکن وہ ڈٹ سی گئی۔

"شرافت سے بستر پر چلو۔"

رابندر داس کا چہرہ مکروہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہوسناکی جھانک رہی تھی۔ اس نے لڑکی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو لڑکی ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"تم نے میری بات سنی نہیں.....؟ یہ فلم سپر ہٹ ہوگی۔" وہ ہنس کر بولا۔

"ایسا کرو..... اپنی بہن یا ماں کو لا کر ہیروئن بنا لو..... ایسی سپر ہٹ فلم ہوگی دنیا میں نہیں بنی ہوگی۔" وہ برجستہ بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس فلم کو میسور آرٹ یا فلم فیئر ایوارڈ مل جائے۔"

یہ سنتے ہی نریندرا داس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ غرا کر بولا۔

"دیکھ میں تیرے ساتھ کیسی ایکشن فلم بناتا ہوں..... تیری ماں یہ فلم دیکھے گی تو خوش ہو جائے گی....."

نریندرا داس نے اسے گود میں اٹھانے کے بعد ہاتھ بڑھایا تو لڑکی نے اس کے منہ پر تھوک دیا...... نریندرا داس غصے سے پاگل ہونے لگا۔اور پھر نریندرا داس اور غضب ناک ہو گیا۔

اس نے لڑکی کو بستر پر بری طرح پٹخا اور ہنٹر اٹھا لیا۔ غصے اور نفرت سے وہ پاگل ہو گیا تھا۔وہ ہنٹر سے لڑکی کو دھنک کر رکھ دینا چاہتا تھا...... اس کے سینے میں سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

ٹائیگر نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''نہیں...... نہیں...... اسے نہ مارو...... یہ بچی ہے......''

نریندرا داس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ ''تم دیکھ نہیں رہے ہو اس نے میری کیا حالت کر دی...... تم اسے بچی کہہ رہے ہو......''

''تو اسے کیا ہنٹر سے مارو گے......! انہیں وہ ایسی سزا کے قابل نہیں ہے۔''

''ہاں...... میں اس کی کھال ادھیڑ کر رہوں گا...... تم ہٹ جاؤ۔'' وہ غرایا۔ ''مجھے اسے سزا دینے سے کوئی روک نہیں سکتا۔''

''نہیں......'' ٹائیگر بھی اڑ گیا۔ ''تم اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔''

''میں نے ہاتھ لگایا تو تم کیا کرو گے......؟'' نریندرا داس اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''میں تمہاری کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔'' ٹائیگر نے کرخت لہجے میں جواب دیا۔

''باس......!'' نریندرا داس نے پروفیسر کی طرف دیکھا۔ ''اسے سمجھا لو...... یہ درمیان میں نہ آئے...... یہ آپ کا مہمان ہے...... پہلا دن ہے...... اس کا چوتھا دن ہوتا تو میں اس کی ہڈی پسلی کر دیتا...... اگر آپ کا مہمان نہ ہوتا تو، آپ اس سے کہیں کہ میرے معاملات میں دخل نہ دے......''

''مسٹر ٹائیگر......!'' پروفیسر نے کہا۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے...... آپ اس کے معاملے میں دخل مت دیں...... یہ جو سزا دینا چاہتا ہے اسے دینے دیں......''

''ایک پھول سی بچی پر ہنٹر برسا کر اسے مارنا چاہتا ہے...... میں ہرگز اس ظلم اور شقاوت کی اجازت نہیں دے سکتا یوں بھی یہ نامردی ہے...... ایک کمزور اور نہتی بچی پر ستم

ڈھائے...... یہ مرد ہے تو مجھ سے مقابلہ کرے۔اس کی سزا مجھے دے......''

آپ اس سے مقابلہ کر کے موت کی دعوت دے رہے ہیں۔'' پروفیسر بولا۔ ''چوں کہ آپ نہ صرف میرے مہمان اور شکار بھی ہیں۔میں نہیں چاہتا کہ آپ موت کا مزا چکھ لیں۔''

کون موت کا مزا چکھتا ہے یہ تو مقابلہ بتائے گا......'' ٹائیگر نے کہا۔ ''میں اس شیطان کو موت کا مزا نہیں چکھاؤں گا بلکہ میں صرف اس کی کھال ادھیڑنا چاہتا ہوں...... میں یہ مقابلہ آپ کے مہمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس بچی کی طرف سے مقابلہ کروں گا...... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں آپ کا مہمان اور شکار سلامت رہے گا......''

آپ کو نریندرا داس کی قوت کا اندازہ نہیں......'' پروفیسر نے استہزائیہ انداز سے کہا۔ 'یہ اب تک چالیس کو موت کی نیند سلا چکا ہے...... دشمن کا خون پانی کی طرح بہا چکا ہے...... اس قدر خطرناک آدمی کرہ ارض پر نہیں ہوگا...... اس سے مقابلہ کرنے سے پہلے ایک بار اچھی طرح سوچ لیں...... غور کر لیں...... اس لئے کہ آپ اس کے ہاتھوں بڑی بے رحمی اور سفاکی سے موت کا نشانہ بن جائیں گے...... آپ کی موت کا مجھے افسوس ہوگا...... میں آپ کا شکار نہ کھیل سکا۔''

''باس......!'' نریندرا داس نے کہا۔'آپ نے کبھی میرے کسی بھی معاملات میں دخل نہیں دیا...... آج بھی نہ دیں...... میں اپنی حسرت پوری کر لوں...... یہ مر جائے گا تو اس کا گوشت کتوں کو کھلا دیں...... ساتھ میں اس لڑکی کا گوشت فریز کر لیں...... اس لڑکی کا گوشت بڑا لذیذ اور ذائقہ دار ہوگا......اور......''

پھر وہ ہنٹر لہراتا ہوا ٹائیگر پر حملہ آور ہوا...... ٹائیگر نے سرعت سے جھکائی دے کر اس کی کلائی پکڑ لی اور پھر کلائی کو اس کی پشت پر لے جا کر مروڑ دی تو وہ درد کی شدت برداشت نہ کر سکا۔ہنٹر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا...... نریندرا داس لمحے کے لئے بھونچکا سا ہو گیا...... اسے اندازہ نہ تھا کہ ٹائیگر اس قدر طاقت ور ہے...... اس کی کلائی بہت چوڑی چکلی اور آہنی تھی...... ایک کیا تین آدمی مل کر بھی اس کی کلائی مروڑ نہیں سکتے تھے۔

ٹائیگر نے اس کی کلائی مروڑنے کے بعد گھٹنا اس کی کمر پر پوری قوت سے دو تین مرتبہ مارا تو اس کی کلائی چیخ گئی۔ پھر اتنے زور سے دے مارا کہ وہ درد کی شدت برداشت نہ

کرسکا۔اس کی کراہیں فضا میں گونجنے لگیں۔ پھر ٹائیگر نے اسے فرش پر گرا کر ہنٹر اٹھالیا۔ پھراس کے جسم پر برسانے لگا۔ وہ فرش پر خاک چاٹنے لگا...... منتیں سماجتیں کرنے لگا...... اس کے کپڑے جسم کے زخموں سے بہنے والے خون سے آلودہ ہوگئے۔

ٹائیگر نے اس لڑکی کے ہاتھ میں ہنٹر تھمادیا۔

''یہ ابھی مرا نہیں ہے...... صرف بے ہوش ہوا ہے...... اس میں سانس باقی ہے۔ ٹائیگر بولا۔

''اس کی اصل سزا موت نہیں بلکہ زندگی ہے......'' ٹائیگر نے کہا۔

''پرفیسر اپنی جگہ ساکت و جامد اور بے حس سا کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا...... اس نے جو کچھ دیکھا اسے یقین نہیں آیا تھا۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ ٹائیگر اس قدر طاقت ور ہے...... ایک ناقابل تسخیر انسان کی طرح...... وہ اسے صرف ایک ذہین اور ہوشیار سراغ رساں سمجھتا تھا...... لیکن اس میں جو بلا کی جسمانی طاقت ہے وہ کسی مہلک ہتھیار سے کم نہ تھی۔ اس کے خیال میں ذہانت سب سے خطرناک ہتھیار تھا...... ٹائیگر ہر لحاظ سے طاقت ور تھا۔

رابندر داس کا جو حشر نشر ٹائیگر نے کیا اس نے پروفیسر کی جیسے سٹی گم کردی تھی۔ اسے اپنی موت صاف نظر آنے لگی تھی...... رابندر داس اس کا دایاں بازو تھا...... ٹائیگر نے اسے دائیں بازو سے محروم کردیا تھا۔ ایک طرح سے وہ اپنے آپ کو معذور محسوس کررہا تھا۔

اس وقت انٹرکوم کی گھنٹی بجی۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر ریسیو کیا۔ پھر بات کرنے کے بعد پروفیسر سے بولا۔

''باس...... ! مس شکنتلا دیوی کا فون ہے...... لنچ تیار ہے...... آپ کا انتظار کیا جارہا ہے؟

پروفیسر نے اس آدمی سے کہا۔ ''تم ان تینوں لڑکیوں کو ان کے گھر میں پہنچادوں...... جگن ناتھ سے کہو کہ اسٹریچر لا کر رابندر داس کو فوراً طبی امداد دی جائے...... پھر اسے لانچ میں میسور لے جا کر کسی اسپتال میں داخل کردیا جائے...... شوٹنگ غیر معینہ مدت تک ملتوی...... پھر میں بتاؤں گا......''

''پروفیسر......!'' ٹائیگر نے کہا۔ ''ان تینوں لڑکوں کے ساتھ...... تین دن تک ان کے ساتھ کوئی انسانیت سوز سلوک نہ کیا جائے...... اگر ان لڑکیوں کے ساتھ کوئی نازیبا

حرکت ہوئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''رتنا......!'' پروفیسر نے کہا۔ ''ان تینوں لڑکیوں کو بملا کماری کے پاس لے جاؤ...... اس سے کہو وہ ان سے کچن میں تین دن تک کام لیتی رہے...... کوئی ان تینوں کو لے جانے آئے تو ان سے کہو کہ باس یا شکنتلا دیوی سے اجازت لے کر آئے۔''

پروفیسر لنچ کے لئے پہنچا تو شکنتلا نے پروفیسر سے پوچھا۔

''لڑکیاں تو کم سن تھیں...... فلم کی شوٹنگ میں کیا ان لڑکیوں نے ہر بات مانی یا ان پر جبر کرنا پڑا؟''

جواب میں پروفیسر نے مختصر طور پر احوال سنایا۔

''نہیں......'' شکنتلا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''کیا واقعی ٹائیگر نے وہاں اور ہی فلم کی شوٹنگ کرادی؟''

کھانے کے دوران ان کے درمیان رسمی سی باتیں ہوتی رہیں۔ پروفیسر رابندر داس کی مٹی پلید ہونے سے بہت افسردہ تھا۔ پھر اس نے معاً پوچھا۔

''مسٹر ٹائیگر......! یہ جوتے آپ نے کہاں سے خریدے......؟ اسے پہن کر کیا محسوس کررہے ہیں؟''

''بنگلور میں کمرشل اسٹریٹ بازار میں جوتوں کی ایک بہت ہی بڑی دکان ہے۔'' ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''اس کی دکان پر امریکہ، یورپ کے علاوہ غیر ممالک کے جوتوں کی بڑی زبردست ورائٹی موجود ہے...... سیلز مین نے ان جوتوں کی بڑی تعریف کی...... یہ سیلز مین میرا پرانا واقف کار ہے...... اس نے کہا کہ گو کہ یہ جوتے بہت مہنگے ہیں لیکن اس کے جیسے جوتے کہیں دستیاب نہیں ہوں گے...... اس کا چمڑا نہایت نرم و نازک ہے۔ ریشم اور عورت کے پرشباب بدن کا سا گداز لیا ہوا...... جب میں نے اس کو دیکھا تو اس کی بات سو فیصد درست نکلی۔ آج تک مجھے ایسا آرام دہ اور مضبوط جوتا پہننے کو نہیں ملا......''

''اچھا......! وہ ایک دم سے مسکرادیا۔ ''کیا آپ کو علم ہے کہ یہ جوتے کہاں بنائے جاتے ہیں...... اس کی فیکٹری کہاں واقع ہے......''

''جی نہیں......'' ٹائیگر نے سر ہلایا۔ ''یہ جوتے امپورٹڈ ہیں۔''

''اس جزیرے پر واقع ہے......'' وہ کہنے لگا۔ ''میں نے ان جوتوں کی فیکٹری لگا رکھی

ہے۔ یہاں جوتے، چپلیں اور مردانہ سینڈلیں بھی تیار ہوتی ہیں...... دنیا کے ہر بڑے ملک سے اتنی مانگ ہے کہ ہم پوری نہیں کر پاتے ہیں۔ جب کہ میں نے جدید ترین پلانٹ لگا رکھا ہے...... ان کی ڈائیاں بھی جو ہیں وہ بھی مخصوص قسم کی ہیں۔"

"جب آپ نے پلانٹ لگا رکھا ہے تو پروڈکشن کیا مسئلہ ہے......؟"

"اصل میں یہ مخصوص کھال کو پروسیس کر کے لیدر بناتے ہیں...... مخصوص کھال کی اس قدر فراوانی نہیں ہے......" وہ بولا۔ "سہ پہر چار بجے میں آپ کو ساتھ لے جا کر جوتوں کی فیکٹری دکھاتا ہوں۔"

وہ سہ پہر چار بجے ٹائیگر کو لے کر فیکٹری پہنچا۔ یہ دو منزلہ مکان تھا۔ نیچے حصے میں جوتوں کا پلانٹ تھا۔ مشینیں چل رہی تھیں...... اس میں تین چار ملازم تھے۔ ایک مشین جوتوں کے لئے...... دوسری چپلیں اور تیسری مردانہ سینڈلیں کھٹا کھٹ بنا رہی تھیں۔ پروفیسر نے بتایا کہ روزانہ تین سو جوڑیوں کی پروڈکشن ہے۔

ٹائیگر نے ایک جوڑی جوتے اور سینڈل اور چپل کی دیکھی۔ پھر کہا۔

"مویشیوں کی کھال بھی اتنی نفیس، عمدہ اور شان دار ہوتی ہے...... یقین نہیں آتا ہے؟" ٹائیگر نے حیرت کا اظہار کیا۔

"یہ مویشیوں کی نہیں بلکہ انسانوں کی کھالیں ہیں......" پروفیسر معنی خیز انداز سے مسکرا دیا۔

"انسانوں کی......؟" ٹائیگر بھونچکا سا ہو گیا۔ "آپ کی بات کا یقین نہیں آ رہا ہے؟"

"وہ کس لئے......؟"

"اس لئے کہ اتنی انسانوں کی کھالیں......؟ مویشیوں کا اس لئے یقین کیا جا سکتا ہے روزانہ ہزاروں لاکھوں مویشیوں کو ذبح کیا جاتا ہے...... لیکن انسانوں کی کھالیں...... زندہ انسانوں کی بڑی تعداد کو پکڑ کر انہیں ذبح بھی کیا جائے تو سو جوڑی کی جوڑیاں منا مشکل ہے۔ انسانوں کو ذبح کرنے سے رہے۔ کیوں کہ کتنے انسان مل سکتے ہیں۔

لیکن میں نے ایسا بندوبست اور انتظام کیا ہوا ہے کہ یومیہ پچاس اور سوا سو کھالیں دستیاب ہوتی رہتی ہیں......" پروفیسر بتانے لگا۔ "یہ میری ضرورت ہے تاکہ فیکٹری کی پروڈکشن ہوتی رہے...... اس سے کم گرانٹ ہونے سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ میں اس بات

کی کوشش کرتا ہوں کہ پروڈکشن متاثر نہ ہو......

ان کھالوں کا بندوبست کس طرح اور کیسے اور کہاں سے کرتا ہوں بتاتا ہوں۔ صوبہ کرناٹک جس میں بنگلور اور میسور اور حیدر آباد دکن بھی شامل ہے...... اس صوبے کی آبادی چالیس لاکھ نفوس سے زیادہ ہے...... اس طرح ساتھی صوبہ مدراس جسے چنائے کہا جاتا ہے اس کی آبادی کروڑ سے زیادہ ہے...... ان دونوں صوبوں میں غربت و افلاس...... بیماریاں ہیں...... ان دونوں کا ساتھ چولی دامن کا ہے۔ ان دونوں صوبوں میں جہاں یومیہ سینکڑوں پیدا ہوتے ہیں اور اس سے زیادہ مرتے بھی ہیں...... اگر لوگ مرنے نہ لگیں تو پھر آبادی اتنی بڑھ جائے گی کہ تل دھرنے کی جگہ نہ ہو...... بھگوان نے اس لئے موت کے کھیل کو جاری رکھا ہوا ہے......

لاوارث لاشیں...... حادثاتی موت...... مردہ خانوں میں لاوارث لاشوں کو کوئی لینے نہیں آتا ہے...... انہیں کچھ دنوں کے بعد جونیئر میڈیکل اسٹوڈنٹ اور ہاؤس جاب ڈاکٹر کے سامنے پوسٹ مارٹم کر کے انہیں تعلیم دی جاتی ہے...... لیکن اس سے پہلے ان لاوارث مردوں کو میرے آدمی لے آتے ہیں...... نہ صرف مردہ خانوں اور سڑکوں سے بھی...... انہیں نہ صرف اٹھا کر لے آتے ہیں...... بلکہ مردہ خانوں سے ان لاوارث لاشوں کو خرید لیا جاتا ہے...... سڑکوں پر جو مرتے ہیں انہیں اغوا کر لیا جاتا ہے...... ان میں ہر عمر کی لڑکیاں عورتیں...... ان کی عمریں دیکھی نہیں جاتی ہیں...... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے...... اس کے علاوہ سیلاب کی تباہ کاریوں، ریل گاڑیوں کے حادثات...... طوفانوں...... اور کسی وبائی امراض سے مرنے والے...... نوزائیدہ بچے اور کسی بھی عمر کے بچے...... آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ ایک مافیا نہایت سرگرم عمل ہے جو اسپتالوں کے مردہ خانوں سے مردوں کو اغوا کر کے لے جاتی ہے...... پراسرار انداز سے...... جہاں کہیں کوئی ریل گاڑی یا بس کا سنگین حادثہ پیش آیا میرے آدمی وہاں پہنچ جاتے ہیں...... ان مردوں کو کیمیائی محلول سے محفوظ کر دیا جاتا ہے...... یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔

میرے دو ایک آدمی ہیں جو انسانی کھال اتارنے کے ماہر ہیں۔ پھر ان کھالوں کو پروسیس کر کے سینڈل اور جوتے بنائے جاتے ہیں۔

ٹائیگر بھونچکا سا ہو کر سنتا رہا۔ اس شیطان کو حیرت سے دیکھتا رہا جو بلاشبہ بہت سفاک اور ظالم تھا۔

آپ چل کر دیکھیں کہ میرے آدمی کتنی مہارت، باریکی اور چابک دستی سے مردوں کی کھالیں اتارتے ہیں، آپ عش عش کر اٹھیں گے۔ ان کی کھالیں جوتوں کے لئے اتنی نفیس، عمدہ اور ملائم ہیں کہ ایک نمبر کے جوتے بنیں گے...... مردہ خانے میں ابھی بھی تیس لاشیں ہیں...... ان میں مردہ بچے، لڑکوں، لڑکیوں، عورتوں کی رکھی ہیں۔ یومیہ پانچ سے دس لاشوں کی کھالیں اتاری جاتی ہیں۔ کھالیں اتارنا بھی فن کاری ہے...... ڈاکٹر اور سرمایہ دار غریبوں کی...... کسی فن کاری سے کھالیں اتارتے ہیں۔''

''مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''اس لئے کہ مجھے آپ کے ایک ایک لفظ کا یقین آ گیا ہے۔''

''شام ڈوبنے کے بعد اس نے شکنتلا اور پروفیسر کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے کی میز پر جوتے موضوع گفتگو رہے...... ٹائیگر نے کبھی سنا اور پڑھا نہیں تھا کہ انسان کی کھالوں کے جوتے بنتے ہیں یا بنائے بھی جا سکتے ہیں...... لیکن اس شیطان نے یہ کارنامہ کر دکھایا تھا......

پروفیسر کھانے کے بعد اپنے مکان میں چلا گیا تھا...... جس لڑکی کے کارن رابندر داس شدید زخمی حالت میں پہنچا تھا اس لڑکی کا نام شانتا تھا۔ وہ رات اس کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ اس لڑکی کو کس قدر اذیت دے گا...... اس پر تشدد کرے گا تاکہ بدلہ لے سکے...... حالاں کہ ٹائیگر نے اسے پابند کیا تھا کہ وہ اس لڑکی کو تین دن کچھ نہیں کہے گا اور نہ اس کے ساتھ وقت گزاری کرے گا۔

رات دس بج چکے تھے۔ وہ بستر پر دراز اس پراسرار جزیرے اور اس شیطان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس پروفیسر شیطان نے اسے کل لائبریری اور وہ عقوبت خانہ جس میں ایک کنواں تھا اور اس کنویں میں بلی سے بڑی جسامت کے خوں خوار گوشت خور چوہے تھے...... اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس پروفیسر کو ہر قیمت پر کیفر کردار تک پہنچا کر رہے گا۔

یہ شیطان ہے...... آدمی نہیں...... ننگ انسانیت ہے...... خون آشام بھیڑیا ہے...... اس کا زندہ رہنا انسانیت کے لئے بڑا داغ ہوگا۔

ٹائیگر کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا کہ پروفیسر کو ہلاک کر دے...... ان خون خوار کتوں کو بھی

موت کی نیند سلا دے۔ ان کی خوراک میں زہر دے کر...... اسے یہ دیکھنا تھا کہ اس جزیرے پر اس کے کتنے بدمعاش ساتھی موجود ہیں...... کتنی لڑکیاں عورتیں قید میں ہیں...... اسلحہ کہاں رکھا ہوا ہے......؟''

اسے یہ ساری معلومات شکنتلا کو اعتماد میں لے کر ہی حاصل کی جا سکتی تھیں...... اس کا اندازہ یہ تھا کہ شکنتلا پروفیسر سے نفرت کرتی ہے...... یہ غلط بھی ثابت ہو سکتا تھا...... اس لئے کہ وہ پروفیسر کی صرف محبوبہ ہی نہیں بلکہ داشتہ بھی تھی۔ اس لئے اس کی ذات پر اس وقت تک اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا اسے آزمانہ لیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد شکنتلا حسن کی کرشمہ سازیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ ایسی حالت میں تھی کہ زاہد بھی بہک جائے۔ وہ اسے لے کر ایک بڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''سنو شکنتلا......!'' ٹائیگر نے کہا۔ ''کیا پروفیسر نے تم سے کہا ہے کہ تم مجھے شکار کرو؟''

''ہاں......'' شکنتلا نے سر ہلا کر اعتراف کیا۔

''وہ کس لئے......؟''

''اس لئے کہ میں تمہیں خوش کر کے...... فیاضی سے مہربان ہو کر تمہیں اعتماد میں لوں...... اس لئے کہ اروندا تمہارا دوست اور لڑکی فرار ہو کر اس جزیرے سے تمہاری پناہ میں پہنچی تھی...... انہیں ہر قیمت پر حاصل کر کے اپنا خواب پورا کرنا چاہتا ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ وہ جزیرے کے بارے میں بہت ساری معلومات حاصل کر گئے ہیں۔ وہ اروندا کو موت کی نیند سلانا چاہتا ہے...... اسے چوہوں کا نوالہ بنانا چاہتا ہے۔''

''کیا تم نے چوہوں کا کنواں دیکھا ہے......؟''

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے اس کے متعلق پروفیسر اور اس کے دو ایک ساتھیوں سے سنا ہے۔''

''سچ سچ بتانا شکنتلا......! کیا تم اس سے محبت کرتی ہو؟''

''نہیں...... نفرت کرتی ہوں......؟'' وہ غصے اور نفرت سے بولی۔

''وہ کس لئے......؟''

''اس لئے کہ وہ میری چھوٹی بہنوں کو داغ دار کر دینا چاہتا ہے...... میں نے اسے یہ

چکمہ دیا ہوا ہے کہ وہ الہ آباد میں میری خالہ کے ہاں زیر تعلیم ہیں۔ آئندہ برس ایک ماہ کی چھٹی پر آنے والی ہیں...... وہ فلم میں نریندر اداس کے مقابل ہیروئن کا کردار دینا چاہتا تھا۔"

"لیکن تم اس کی آلہ کار کیسے بنیں......؟"

"اس نے مجھے ایک بڑی رقم اور فلموں کے باعث اپنی باندی بنا رکھا ہے...... میرے ذمے یہ کام سونپا ہوا ہے کہ میں حسین اور کم عمر لڑکیوں کو ورغلا کر لایا کروں...... ورنہ میری ماں اور باپ کی بھی خیر نہ ہوگی......"

"کیا تم چاہوگی...... پسند کروگی کہ پروفیسر کو موت کی نیند سلا دیا جائے؟"

"ہاں...... کیوں نہیں......" وہ خوش ہو کر بولی۔ چہرہ جو دمک اٹھا تھا وہ دوسرے لمحے بجھ سا گیا۔ "لیکن یہ ناممکن ہے...... وہ خبیث مرنے والوں میں سے نہیں......"

"یہ ناممکن کیوں ہے......؟" ٹائیگر نے متعجب ہو کر سوال کیا۔

"اس لئے کہ جزیرے پر اس وقت چالیس بدمعاش موجود ہیں...... یہ سارے کے سارے مفرور قاتل اور جرائم پیشہ ہیں...... اس کے علاوہ اکیس لڑکیاں اور عورتیں جن کی فلمیں بنائی گئیں اور آئندہ بھی فلمیں بنائی جانے والی ہیں...... ان کے علاوہ تیس مرد بھی قیدی ہیں۔ وہ ان سے مختلف نوعیت کا کام لیتا ہے...... لیکن یہ سب پروفیسر کے سخت ترین دشمن ہیں......"

"کیا یہ سچ ہے کہ پروفیسر آدم خور ہے......؟ کچا گوشت کھاتا ہے......؟"

"میں یہاں چھ ماہ سے ہوں...... یہاں سے جو لڑکی فرار ہوئی اس نے بتایا تھا مجھے...... کہ وہ لڑکیوں کا گوشت کھاتا ہے جس کی عمر بارہ تیرہ برس کی ہوتی ہے...... اب تک جانے کتنی لڑکیوں کو یہ ہضم کر چکا ہے...... پھر ان کی کھال اتروا کر پورا کچا گوشت کھا جاتا...... خون بھی پی جاتا تھا۔"

"پروفیسر کی موت سے کیا ہوگا......؟ کیا اس کے بدمعاش ہمیں ہلاک کر دیں گے......؟"

"یقیناً......" شکنتلا بولی۔

اسلحہ خانہ میں...... کس قسم کے ہتھیار موجود ہیں......؟"

"اسٹین گن...... دستی بم...... ریوالور اور پستول...... ڈائنامیٹ وغیرہ......"

"وہ کس عمارت میں ہے......!"

"نیلے رنگ کی عمارت میں......"

"میرے ساتھ اس وقت چل سکتی ہو......؟"

"یہ شکاری کتے جو ہیں......"

"تم ان کی پرواہ مت کرو۔" ٹائیگر نے جیب سے اسے منقش چرمی بیج نکال کر دکھایا۔

"یہ آپ کے پاس کہاں سے آیا؟"

یہ ایک لمبی کہانی ہے...... صرف اتنا بتا دوں کہ اروندا کو یہ فرش پر پڑا ملا تھا...... جس کی مدد سے وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوا تھا...... یہ بتاؤ کہ کل کتنی چھوٹی بڑی کشتیاں ہیں۔"

"سولہ عدد......" شکنتلا نے بتایا۔

"کل رات ہم یہاں سے فرار ہوں گے......" ٹائیگر بولا۔ "کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں...... یہاں جتنے قیدی مرد لڑکیاں اور عورتیں ہیں ان سب کو لے جائیں گے۔ پروفیسر کو قیدی بنا کر...... تم مجھے اسلحہ خانہ لے چلو...... اور ہاں بملا کماری اور رانی کو بھی لے لو جو کچن میں بملا کماری کے ساتھ کام کرتی ہے۔"

شکنتلا انہیں بلا کر لے آئی...... ٹائیگر نے انہیں سارا منصوبہ بتایا جسے سن کر وہ خوش ہو گئیں۔

وہ چاروں عمارت سے نکلے...... ہلکا سا اندھیرا تھا۔ آسمان پر ڈھلتے دنوں کا چاند تھا۔ جو خون خوار کتا ان کے راستے میں آتا گیا ٹائیگر منقش چرمی بیج دکھاتا گیا۔ وہ کتے بھیگی بلی بنتے گئے۔

تہہ خانے میں پہنچ کر بملا کماری، رانی اور شکنتلا نے ایک ایک ریوالور لے لیا۔ وہ سب لوڈ تھے۔ ٹائیگر نے تین دیسی ڈائنامائیٹ اور ایک اسٹین گن اٹھا لیا۔ اس میں میگزین لگا ہوا تھا۔ پھر وہ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد واپس آئے۔

دوسرے دن سہ پہر کے وقت پروفیسر اسے عقوبت خانہ میں لے گیا۔

ایک کوارٹر نما کمرے میں ایک کنواں تھا۔ چار دیواری کا احاطہ تھا اور لوہے کا جنگلہ بنا ہوا تھا۔ اس کی گولائی بیس فٹ تھی۔ کنواں دس بارہ فٹ تک کھلا ہوا تھا۔ اس میں خون خوار

چوہے غرارہے تھے۔ان دونوں کو دیکھ کران کی غراہٹ اور بڑھ گئی۔

پروفیسر نے وہ شیر منگوایا جسے دو تین دن پہلے پکڑ کر ایک پنجرے میں قید کیا ہوا تھا...... اسے اس کنویں میں گرادیا گیا......بھوکا شیر بھی تھا اور چوہے بھی......ان کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ ٹائیگر دستی گھڑی دیکھنے لگا۔صرف سات منٹ میں شیر کی ہڈیاں بچی ہوئی تھیں جسے چوہے کھا رہے تھے اور وہ چھ سات چوہے بھی ان کی خوراک بن رہے تھے۔ جنہیں شیر نے جنگ کے درمیان ہلاک کر دیا تھا۔

''یہ جنگل کا ٹائیگر تھا......میسور ٹائیگر......'' پروفیسر بولا۔''کل ہم دونوں کے درمیان مقابلہ ہوگا......میں شکاری اور انسانوں کے شکار کو شکار کروں گا۔''

''مگر مقابلہ تو چوتھے دن ہوگا......؟'' ٹائیگر نے کہا۔

''ہاں......لیکن میں ایک دن قبل اپنے شکار کو موقع دیتا ہوں کہ وہ جہاں چھپ سکتا ہے چھپ جائے......گھات بنا کر بیٹھ جائے...... چوتھے دن سورج طلوع ہوتے ہی میں شکار کی تلاش میں نکل آتا ہوں۔''

ٹائیگر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔وہ باہر آکر دوسری عمارت کی طرف بڑھا جو بڑی خوب صورت تھی۔

''میں آپ کو لائبریری دکھانے لے جارہا ہوں۔'' پروفیسر بولا۔''آپ نے اپنی زندگی میں کسی کی اتنی بڑی ذاتی لائبریری نہیں دیکھی ہوگی...... میرے پاس زبردست انتخاب ہے......ہر موضوع پر...... بیشتر کتابیں ہیں انگریزی زبان میں ہے...... ہندوستانی زبان میں صرف ،دو فیصد......''

ٹائیگر جب اندر داخل ہوا تو یہ ایک بہت بڑا تھا......اس کی چار دیواری میں الماریاں قطاریں تھیں۔کتابیں الماریوں سے قیدیوں کی طرح جھانک رہی تھیں۔ٹائیگر کے انداز کے مطابق کتابیں تین لاکھ سے زیادہ تھیں۔

پھر اچانک پروفیسر افسردہ لہجے میں بولا۔''میرے لئے ایک بہت بری خبر آئی ہے......رابندر داس مرگیا۔''

''اسے مرنا ہی تھا مرگیا......'' ٹائیگر نے جواب دیا۔

''اچھا آپ نے کبھی کسی انسان کا گوشت کھایا ہے؟''

''جی نہیں......'' ٹائیگر نے کہا۔

''دنیا میں اس سے زیادہ لذیذ اور ذائقہ دار گوشت کوئی نہیں ہوتا ہے......کچا گوشت مجھے بہت پسند ہے......آپ کو کل میں اس لڑکی کا گوشت پکا کر کھلاؤں گا۔جس کی وجہ سے رابندر داس ہلاک ہوا......''

''معاف کیجئے پروفیسر!'' وہ بولا۔''وہ آپ کو ہی مبارک ہو۔''

''آپ کی مرضی......'' پروفیسر نے کہا۔''اوپر والے کمرے میں بھی لائبریری ہے۔''

وہ ٹائیگر کو اوپر لے آیا۔ٹائیگر ٹھٹک کے رک گیا۔

اس نے دیکھا۔کمرے میں دیواروں پر کوئی تیس سے زیادہ انسانی سر سجے ہوئے رکھے تھے۔

''یہ کس کے سر ہیں......؟''

''یہ میرے شکار کے سر ہیں......'' وہ کہنے لگا۔''پرسوں دن ان سروں میں آپ کے سر کا بھی اضافہ ہوجائے گا۔شکار کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد......اس کا سرتن سے جدا کر کے سجا دیتا ہوں...... شکاری کی کھال اتارنے کے بعد گوشت چوہوں کو کھلا دیتا ہوں۔''

دوسرے دن صبح کے وقت جب پو پھٹ رہی تھی پروفیسر گہری نیند سو رہا تھا۔وہ لڑکی جس کی وجہ سے رابندر داس مرا تھا اس کی مشکیں کرسی سے کسی ہوئی تھیں......شکنتلا نے کتوں کی خوراک میں زہر ملا دیا تھا۔وہ سب مر چکے تھے۔بملا کماری نے پروفیسر کو کلوروفارم سونگھا دیا۔بملا کماری نے اس لڑکی کو آزاد کیا۔

ٹائیگر نے پروفیسر کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔نہ تو وہاں پروفیسر تھا اور نہ ہی شکنتلا، بملا کماری، رانی اور وہ لڑکی، ایک دم سے اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا......پھر وہ عقوبت خانے کی طرف دوڑا......اسے صرف ایک لمحے کی دیر ہوچکی تھی...... پروفسر کی مشکیں کسی ہوئی تھیں......وہ چیخ رہا تھا، منتیں کر رہا تھا......ان چاروں نے مل کر اسے اٹھا کر کنویں میں پھینک دیا......

ٹائیگر نے سر پکڑ لیا۔وہ اسے قانون کے حوالے کرنا چاہتا تھا......اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ دل خراش منظر دیکھ سکے۔چوہے اس پر ٹوٹ پڑے تھے......وہ بری طرح چیخ رہا

تھا۔ جزیرے کی فضا اس کی چیخوں سے گونج رہی تھی...... پھر اس کی چیخیں معدوم ہوتی چلی گئیں۔

جب تمام قیدی مرد لڑکیاں اور عورتیں کشتیوں پر سوار ہو گئے تب وہ سارے بدمعاش جو نشے میں دھت نکل کر آئے...... حیرت سے دیکھنے لگے...... جب کچھ بدمعاش کشتیوں کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سب اسلحے کی زد پر ہیں ان کے پاس ڈائنا میٹ...... دستی بم اور اسٹین گنیں اور ریوالور ہیں۔

"سنو......" ٹائیگر نے چیخ کر کہا...... "ہم کرنسی اور زیورات چھوڑ کر جا رہے ہیں...... پروفیسر چوہوں کی خوراک بن گیا ہے...... اب تم جزیرے اور پروفیسر کی ساری دولت کے مالک ہو۔"

وہ سب اس عمارت کی طرف دوڑے جس میں پروفیسر کی دولت تھی...... کشتیاں چل پڑیں...... تھوڑی دیر بعد ان سب نے سنا...... جزیرے پر فائرنگ ہو رہی ہے...... اس کی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج رہی تھی۔

☆......☆......☆

آخر کار ٹائیگر کی بدولت ایک شیطان جینیس کا خاتمہ ہو گیا تھا...... ٹائیگر سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ انسانیت کے لئے جینیس بن جاتا کتنا فائدہ ہوتا...... اسے اس بات کی خوشی کی تھی کہ اس نے ایک موذی کا سر کچل دیا۔ کرناٹک حکومت نے اسے دس لاکھ کا انعام دیا۔ لیکن اس کے لئے بڑا انعام یہ تھا کہ انسانیت کو ایک شیطان سے نجات دلا دی۔

☆☆☆